تاریخ اسلام

شاہ معین الدین احمد ندوی

مکتبہ رحمانیہ ○ اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

تاریخِ اسلام

مکمل

از

شاہ معین الدین ندوی

جلد اوّل - دوم

آغازِ اسلام سے لے کر خلافتِ راشدہ کے اختتام تک
اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ

مکتبہ رحمانیہ اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور

نام کتاب ———— تاریخ اسلام
مصنف ———— شاہ معین الدین احمد ندوی
ناشر ———— مکتبہ رحمانیہ
اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور
مطبع ———— لنل اسٹار پرنٹرز
تعداد ————
قیمت ————

مکتبہ رحمانیہ
MAKTABA-E-REHMANIA

فہرست

(حصہ اول و دوم)

ابتدائیہ
دیباچہ طبع اول
دیباچہ طبع دوم

عرب قبل از اسلام

وجہ تسمیہ ۲۲
جغرافیہ ۲۲
قدیم تاریخ ۲۳
بعثت ابراہیمی ۲۳
تعمیر کعبہ ۲۴
آل اسماعیل ۲۴
خاندان قریش کی بنیاد اور ان کا نظام
ظہور اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کی مذہبی اخلاقی اور سیاسی حالت ۲۷
دعوت توحید کے لیے عرب کا انتخاب ۳۱
ہاشم کی خدمات اور کارنامے ۳۲
عبدالمطلب، عبداللہ ۳۳

ولادت باسعادت

ولادت نبوی ﷺ ۳۳
حضرت حلیمہؓ کی پرورش اور حضرت آمنہؓ کا انتقال ۳۳
ابو طالب کی پرورش اور شام کا سفر ۳۴
ایک جنگ میں شرکت ۳۵
تجارت کا شغل ۳۵
حضرت خدیجہ سے شادی ۳۵
حلف الفضول میں شرکت ۳۶
تعمیر کعبہ — نبوت کی تمہید ۳۷

بعثت (ظہور اسلام)

دعوت اسلام کا مخفی آغاز ۳۸
اعلانیہ تبلیغ ۳۹
مشرکین مکہ کی جانب سے مخالفت کا آغاز ۳۹
ابو طالب سے شکایت، ان کا جواب اور رسول اللہ ﷺ کا استقلال ۴۰
قریش کی ایذا رسانیاں ۴۰
دنیاوی ترغیبات اور آنحضرتؐ کا جواب ۴۱
حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام ۴۱
مسلمانوں پر مشرکین کا جور و ستم ۴۲
حبشہ کی ہجرت ۴۲
مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش اور اس میں ناکامی ۴۲
حبشہ کی دوسری ہجرت ۴۴
بنی ہاشم کا مقاطعہ، شعب ابی

مضمون صفحہ
طالب میں نظربندی اور رہائی ۴۴
معراج اور فریضہ نماز ۴۵
ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ۴۵
آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی ۴۵
تبلیغ کے لیے طائف کا سفر' اور واپسی مطعم بن عدی کی زیر حمایت ۴۵
فریضہ تبلیغ میں وسعت ۴۶
انصار کی بیعت اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت ۴۶

ہجرت

ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد و پیمان ۴۷
صحابہ کی ہجرت مدینہ ۴۸
آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش ۴۸
ہجرت نبوی (ﷺ) ۴۹
تعاقب اور مشرکین کی ناکامی ۴۹
اہل مدینہ کا انتظار ۵۰
قبا میں ورود اور مسجد قبا کی تاسیس ۵۰
مدینہ میں داخلہ' انصار کا جوش اور ابو ایوب انصاریؓ کے یہاں قیام ۵۰
تعمیر مسجد اور نماز با جماعت کا اہتمام ۵۱
مہاجرین اور انصار میں رشتہ اخوت اور انصار کا بے نظیر ایثار' یہود مدینہ سے معاہدہ ۵۱
کعبہ کا قبلہ قرار پانا ۵۱
یہودیوں کی مخالفت کا آغاز ۵۳
مضمون صفحہ
مسلمانوں کی عام مخالفت اور مدینہ پر حملہ کا خطرہ ۵۳

غزوات

حفاظت اور مدافعت کی تدبیریں ۵۳
مدینہ کی چراگاہ پر حملہ ۵۳
سریہ عبداللہ بن جحش ۵۵
غزوہ بدر ۵۵
اسیران جنگ سے حسن سلوک ۵۷
قریش کا جوش انتقام اور غزوہ سویق ۵۷
متفرق واقعات' غزوہ احد ۵۸
متفرق واقعات' مختلف سرایا' ۳ھ ۶۳
متفرق واقعات ۶۳
یہودیوں کی مخالفت اور اس کے اسباب ۶۳
غزوہ بنی قینقاع ۶۳
کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیاں اور اس کا قتل ۶۵
آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش ۶۵
غزوہ بنی نضیر ۶۶
غزوہ بنی المصطلق ـــــ واقعہ افک ۶۶، ۶۷
غزوہ احزاب ۶۸
بنی قریظہ کا خاتمہ ۶۸
حضرت زینب سے نکاح ۶۹
پردہ کا حکم ۶۹
عمرہ ۷۰
صلح حدیبیہ ۷۰

مضمون — صفحہ

بیعت رضوان ۷۱
سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط اور ان کے جوابات اور اس کے نتائج ۷۳
غزوہ خیبر ۷۴
وادی القریٰ ۷۷
ادائے عمرہ ۷۷
غزوہ موتہ ۸ھ ۷۷
فتح مکہ ۸ھ ۷۸
غزوہ حنین ۸۱
اوطاس ـــ طائف کا محاصرہ ۸۲، ۸۳
تقسیم غنائم ۸۳
غزوہ تبوک ۸۴
حج اور اعلان برات ۸۵
چھوٹے چھوٹے سریے ۸۶
جنگ میں اسلام کی اصلاحات ۹۰

مذہبی انتظامات

تبلیغ و دعوت اسلام ۹۳
وفود ۹۸
دعاۃ اور معلمین کی تعلیم ۹۸
تعمیر مساجد ۱۰۱
ائمہ نماز ۱۰۱
موذنین ۱۰۳

تاسیس حکومت

فوج اور امیر العسکری ۱۰۴

مضمون — صفحہ

افتاء ۱۰۵
مقدمات کا فیصلہ ۱۰۵
کاتب ۱۰۵
احتساب ۱۰۵
عمال کا جائزہ ۱۰۶
حکام اور ولاۃ ۱۰۶
محصلین صدقات ۱۰۷
محاصل کے اقسام اور اس کے مصارف ۱۰۸
شریعت کی تاسیس و تکمیل ۱۰۹

حجۃ الوداع

خطبۃ الوداع ۱۱۱

وفات

واقعہ قرطاس ۱۱۹
حضرت عمرؓ کی وارفتگی اور حضرت ابوبکرؓ کا استقلال ۱۲۳
تجہیز و تکفین ۱۲۴
متروکات ۱۲۴

ازواج مطہرات و اولاد امجاد

ازواج مطہرات ۱۲۶
حضرت خدیجہؓ ۱۲۶
حضرت سودہ بنت زمعہؓ ۱۲۶
حضرت عائشہؓ ۱۲۶
حضرت حفصہؓ ۱۲۷

صفحہ	مضمون
۱۲۷	ام المساکین حضرت زینبؓ
۱۲۷	حضرت ام سلمہؓ
۱۲۸	حضرت زینبؓ
۱۲۸	حضرت جویریہؓ
۱۲۸	حضرت ام حبیبہؓ
۱۲۹	حضرت میمونہؓ
۱۲۹	حضرت صفیہ
۱۲۹	اولاد امجاد' قاسمؓ' ابراہیمؓ
۱۳۰	حضرت زینبؓ
۱۳۰	حضرت رقیہؓ
۱۳۰	حضرت ام کلثومؓ
۱۳۰	حضرت فاطمۃ الزہراؓ
۱۳۱	اخلاق نبوی (ﷺ)
۱۳۱	اسلام کی تعلیمات کا اثر

خلافت راشدہ

صفحہ	مضمون
۱۳۳	حضرت ابوبکر صدیقؓ ۱۱ھ تا ۱۳ھ
۱۳۳	مختصر حالات
۱۳۵	سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت
۱۳۷	حضرت علی کی بیعت میں تاخیر کا سبب
۱۳۷	قبائل میں شورش و انقلاب کا آغاز
۱۳۸	اسامہ بن زیدؓ کی مہم
۱۳۹	مدعیان نبوت کا استیصال
۱۴۰	منکرین زکوٰۃ کی تادیب

فتوحات

صفحہ	مضمون
	ایران و روم کی حکومتیں'
۱۴۲	ایران کی سیاسی حالت
۱۴۳	عراق پر حملہ
۱۴۸	شام پر فوج کشی
۱۵۰	وفات
[illegible]	عہد صدیقی پر تبصرہ

حضرت عمر بن خطابؓ ۱۳ھ تا ۲۴ھ

صفحہ	مضمون
۱۵۹	تذکرہ عمرؓ

خلافت و فتوحات

صفحہ	مضمون
۱۶۱	عراق کی مہم اور فتوحات
۱۶۲	واقعہ بویب ۱۴ھ اور ایرانیوں کی شکست
۱۶۳	ایرانیوں کا جوش
۱۶۳	حضرت عمرؓ کی تیاریاں
۱۶۴	اسلامی سفارت
۱۶۵	قادسیہ کی جنگ
۱۶۷	ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ
۱۶۸	جلولاء کا معرکہ
۱۶۸	حلوان پر قبضہ
۱۶۸	جزیرہ
۱۶۹	تکریت پر قبضہ
۱۶۹	خوزستان
۱۷۰	عراق عجم پر فوج کشی اور نہاوند کا معرکہ
۱۷۲	ایران پر عام لشکر کشی

مضمون صفحہ

اصفہان ۱۷۳
ہمدان کی بغاوت ۱۷۳
رے وغیرہ کی فتح ۱۷۳
طبرستان ۱۷۴
آذربائیجان ۱۷۴
آرمینیہ ۱۷۴
فارس ۱۷۵
کرمان ـــــ سیستان ۱۷۶
خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ ۱۷۷

شام کی فتوحات

اردن کی فتح ۱۷۹
حمص وغیرہ کی فتح ۱۸۰
ہرقل کے دربار میں رومیوں کی فریاد اور ان کا جوش و خروش ۱۸۰
مسلمانوں کی تیاریاں ۱۸۱
یرموک کا فیصلہ کا معرکہ ۱۸۱
بیت المقدس کی فتح ۱۸۳
حمص کی بغاوت ۱۸۵
خالد بن ولیدؓ کی معزولی ۱۸۵
طاعون عمواس ۱۸۷
قیساریہ کی فتح ۱۸۸

مصر کی فتوحات

فسطاط کا محاصرہ اور فتح ۱۸۸
اسکندریہ کی تسخیر ۱۸۹

متفرق فتوحات

طرابلس الغرب کی تسخیر ۱۹۰
حضرت عمرؓ پر حملہ اور شہادت ۱۹۰
جانشین ۱۹۱
آخری وصیتیں ۱۹۲
وفات ۱۹۳
اولاد ۱۹۳

فاروقی کارنامے

فتوحات پر تبصرہ ۱۹۳
حضرت عمرؓ کے حقیقی کارنامے ۱۹۴
شوریٰ ۱۹۴
عہدہ داروں کا انتخاب ۱۹۵
عمال کے اختیارات، فرائض اور ان کا محاسبہ ۱۹۶
صیغہ عدالت ۱۹۷
پولیس ۱۹۹
جیل خانے ۱۹۹
صیغہ محاصل ۱۹۹
محکمہ آبپاشی اور مختلف قسم کی آمدنیاں ۲۰۱
بیت المال ۲۰۲
صیغہ فوج ۲۰۳
شعبہ تعلیم اور اشاعت اسلام ۲۰۵
حدیث کی خدمت ۲۰۵

مضمون صفحہ
فقہ کی خدمت ۲۰۷
تعمیر مساجد ۲۰۷
تبلیغ اسلام ۲۰۷
حرم کی توسیع ۲۰۹
مسجد نبوی کی توسیع ۲۰۹
رفاہ عام کے کام ۲۰۹
عدل و مساوات ۲۱۰
غیر قوموں کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل ۲۱۰
جزیہ کی بحث ۲۱۲
رعایا کی خبر گیری ۲۱۳
مساوات ۲۱۶
بیت المال کی حفاظت ۲۱۷
فضل و کمال ۲۱۹
سیرۃ الفاروقؓ ۲۲۱
خشیت الٰہی ۲۲۱
آیات قرآنی سے تاثر ۲۲۲
حب رسولؐ ۲۲۲
متعلقین رسالت کا لحاظ ۲۲۳
پابندی سنت ۲۲۳
زہد و قناعت ۲۲۴
سادگی ۲۲۴
احتساب نفس ۲۲۴
مزاج ۲۲۵
ذریعہ معاش ۲۲۵
مضمون صفحہ
غذا و لباس ۲۲۵
اولیات ۲۲۶

حضرت عثمان بن عفان
۲۴ھ تا ۳۵ھ

ترجمہ عثمانؓ ۲۲۸
بیر رومہ کی خریداری ۲۲۹

خلافت اور فتوحات

پہلا مقدمہ ۲۳۱
اسکندریہ کی بغاوت ۲۳۱
آرمینیہ اور آذربائیجان کی بغاوت اور بعض فتوحات ۲۳۱
عمرو بن العاصؓ کی معزولی ۲۳۲
طرابلس کی فتح ۲۳۲
اسپین پر حملہ ۲۳۳
قبرص کی فتح ۲۳۳
حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی ۲۳۴
ایران کی بغاوت اور فارس پر قبضہ ۲۳۴
ولید بن عقبہ کی معزولی ۲۳۵
طبرستان کی فتح ۲۳۵
خراسان ۲۳۵
طخارستان کی فتح ۲۳۶
کرمان اور سجستان پر قبضہ ۲۳۶
کش اور دوار کی فتوحات ۲۳۶
غزنہ کی فتح ۲۳۷

مضمون صفحہ
سواحل شام پر رومیوں کا حملہ ۲۳۷
متفرق فتوحات ۲۳۷

انقلاب اور شہادت

عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی ۲۳۹
ابن سبا کی کامیابی کے اسباب ۲۴۰
کوفہ میں مخالفت ۲۴۱
حضرت عثمانؓ کے خلاف پہلا عملی اقدام ۲۴۲
عمال سے حضرت عثمانؓ کا مشورہ ۲۴۲
حضرت علیؓ کا مشورہ ۲۴۳
تحقیقاتی کمیشن ۲۴۴
اعلان عام ۲۴۴
عمال کی طلبی ۲۴۵
مخالفین کے اعتراضات اور اس کی حقیقت ۲۴۶
اکابر صحابہؓ سے مشورہ اور جوار رسولؐ کو چھوڑنے سے انکار ۲۵۳
مدینہ پر باغیوں کی یورش اور حضرت عثمانؓ پر حملہ ۲۵۳
دوسری یورش اور خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ ۲۵۴
محاصرہ ۲۵۴
اتمام حجت کے لیے تقریریں ۲۵۵
جانثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لیے اجازت طلبی ۲۵۷
شہادت کی تیاری ۲۵۸

مضمون صفحہ
شہادت ۲۵۸
تجہیز و تکفین ۲۵۸
صحابہؓ پر اثر ۲۵۹
شہادت کے نتائج ۲۵۹
ازواج و اولاد ۲۶۰

عہد عثمانی پر تبصرہ

بغاوتوں کا استیصال ۲۶۱
فتوحات ۲۶۱
نظام خلافت ۲۶۱
مجلس شوریٰ ۲۶۱
بعض تبدیلیاں ۲۶۱
عمال کا احتساب اور ان کی نگرانی ۲۶۲
بیت المال کے محاصل و مصارف ۲۶۳
صیغہ فوج ۲۶۳
بحری فوج اور اسلامی بیڑہ ۲۶۳
رفاہ عام کے کام ۲۶۴
بند مہزور ۲۶۴
مسجد نبوی کی تعمیر ۲۶۴
مصحف صدیقی کی اشاعت ۲۶۵
موذنوں کی تنخواہ ۲۶۵
متفرق واقعات ۲۶۵
فضل و کمال ۲۶۶
اخلاق و سیرۃ ۲۶۷
خشیت الٰہی اور رقت قلب ۲۶۷
مواخذہ قیامت کا خوف ۲۶۷

مضمون — صفحہ
حضرت عثمانؓ کے ساتھ محبت نبویؐ ۲۶۷
محبت رسول ـــ احترام رسولؐ ۲۶۸
اتباع سنت و پاس فرمان رسولؐ ۲۶۸
انفاق فی سبیل اللہ ۲۶۸
فیاضی ۲۶۸
حیا ۲۶۹
صبر و تحمل ۲۶۹
تواضع ۲۶۹
ذریعہ معاش ۲۶۹
غذا و لباس ۲۷۰

حضرت علیؓ بن ابی طالب
۳۵ھ تا ۴۰ھ

ترجمہ علیؓ بن ابی طالب ۲۷۱

خلافت

بیعت خلافت ۲۷۲
قاتلین عثمان کی تلاش میں ناکامی اور اس کے نتائج ۲۷۳
امیر معاویہؓ کی معزولی اور ان کی بغاوت ۲۷۴
امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں ۲۷۵
اصلاح و قصاص کے لیے حضرت عائشہؓ کی آمادگی ۲۷۶
بصرہ کی روانگی ۲۷۷
حضرت علیؓ کی تیاریاں ۲۸۰
محتاط صحابہؓ کی روش ۲۸۰

مضمون — صفحہ
مدینہ سے روانگی ۲۸۰
کوفہ اور بصرہ کی مدد ۲۸۱
حضرت عائشہؓ سے مصالحت کی کوشش ۲۸۱
سبائیوں کی فتنہ انگیزیاں ۲۸۳
مخالفین صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علیؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کی مصالحانہ کوشش ۲۸۳
صلح کا انعقاد ۲۸۵
سبائیوں کی فتنہ انگیزی ۲۸۵
حضرت زبیرؓ کی علیحدگی اور شہادت ۲۸۵
حضرت طلحہؓ کی شہادت ۲۸۶
ام المومنین کے اونٹ کے گرد جانثاروں کی جانبازی ۲۸۶
جنگ کا خاتمہ ۲۸۷
حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حضرت علیؓ کی حاضری ۲۸۹
کوفہ کا دار الخلافہ قرار پانا ۲۸۹
عمال کا تقرر ۲۸۹
امیر معاویہؓ کی بیعت کی دعوت ۲۸۹
شام میں حضرت علیؓ کے خلاف پروپیگنڈہ ۲۹۱
حضرت علیؓ کی تیاریاں اور مصالحت کی کوشش ۲۹۲
حضرت علی کی روانگی ۲۹۳
عراقی اور شامی مقدمۃ الجیش کا سامنا ۲۹۳
صفین میں شامیوں کی مورچہ بندی ۲۹۳

صفحہ	مضمون
۲۹۴	حضرت علی کا ورود اور پانی کے لیے کش مکش
۲۹۵	میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش
۲۹۵	جنگ کا آغاز
۲۹۵	مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی
۲۹۶	خونریز لڑائیوں کا سلسلہ
۲۹۶	لیلۃ الحریر کی فیصلہ کن جنگ
۲۹۷	علوی فوج میں اختلاف
۲۹۸	تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب
۲۹۹	تحکیم کا عہد نامہ
۳۰۰	حکمین کی گفتگو
۳۰۱	فیصلہ کا اعلان
۳۰۳	خوارج کی سرکشی
۳۰۴	نہروان میں اجتماع
۳۰۴	خوارج کی دعوت اتحاد
۳۰۵	اتمام حجت
۳۰۷	خوارج کی شکست
۳۰۷	علوی فوج کی کمزوری
۳۰۷	مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ
۳۱۰	امیر معاویہؓ کی پیش قدمی اور اس کے نتائج
۳۱۳	مصالحت
۳۱۴	فتوحات
۳۱۴	بغاوتوں کا استیصال
۳۱۴	حضرت علی پر قاتلانہ حملہ
۳۱۵	ازواج' اولاد

عہد مرتضوی پر ایک نظر

صفحہ	مضمون
۳۱۹	نظام خلافت کی اصلاح
۳۲۰	فوج
۳۲۰	مال فی
۳۲۰	عمال کی اخلاقی نگرانی
۳۲۱	خراج کی آمدنی کا احتساب
۳۲۲	بیت المال کی حفاظت
۳۲۳	ذمیوں کے ساتھ نرمی
۳۲۳	عدل و مساوات
۳۲۴	بازار کی نگرانی
۳۲۴	فضل و کمال
۳۲۷	سیرۃ المرتضیٰ —— زہد
۳۲۸	عبادت و ریاضت
۳۲۸	انفاق فی سبیل اللہ
۳۲۹	امانت و دیانت
۳۳۰	شجاعت —— لباس و غذا
۳۳۰	سیرت مرتضوی پر ایک جامع تبصرہ

حضرت حسن بن علیؓ
۴۰ھ تا ۴۱ھ

صفحہ	مضمون
.۳۳۲	ترجمہ حسنؓ
۳۳۲	خلافت
۳۳۳	پہلی تقریر
۳۳۳	امیر معاویہؓ کا جارحانہ اقدام

مضمون صفحہ
مقابلہ کے لیے حسنؓ کی روانگی اور عراقی فوج کی غداری ۳۳۳
مصالحت اور دستبرداری ۳۳۵
شرائط صلح ۳۳۷
شرائط کی زبانی تصدیق ۳۳۷
دستبرداری کا اعلان ۳۳۸
مدینہ کا قیام ۳۳۸
قیس بن سعد اور امیر معاویہؓ کی مصالحت ۳۳۸
مصالحت کے اثرات و نتائج ۳۳۹
وفات ۳۳۹
جنازہ پر جھگڑا ـــ ماتم ۳۴۰
حلیہ ۳۴۱
ازواج و اولاد ۳۴۱
حضرت حسنؓ کا عظیم الشان کارنامہ ۳۴۱
سیرۃ الحسنؓ ۳۴۱
فضل و کمال ۳۴۲
فضائل و اخلاق ۳۴۲
استغناء و بے نیازی ۳۴۲
حلم ۳۴۴
عبادت ۳۴۴
اصلاح عقائد ۳۴۴
فیاضی و سیرچشمی ۳۴۵
اہل حاجت کی حاجت برآری ۳۴۵

بنی امیہ

مضمون صفحہ

خاندان بنی امیہ

معاویہ بن ابی سفیان
۶۶۱ھ تا ۶۷۹ھ

ترجمہ معاویہؓ ۳۵۱
خلافت ۳۵۳
تین سیاسی پارٹیاں ۳۵۳
شیعان علی ـــ شیعان بنی امیہ ۳۵۳
خارجی ـــ خارجیوں کی شورش ۳۵۳
زیاد بن ابی سفیان ۳۵۵
بصرہ کی ولایت ۳۵۵
کوفہ کی ولایت ۳۵۶
حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کا قتل ۳۵۶
بغاوتوں کا استیصال ۳۵۸
فتوحات ۳۵۹
سندھ کی فتوحات ۳۵۹
ترکستان کی فتوحات ۳۶۰
شمالی افریقہ کی فتوحات ۳۶۱
رومیوں سے معرکے ۳۶۱
قسطنطنیہ پر حملہ ۳۶۲
روڈس کی فتح ۳۶۳
ارواڈ کی فتح ۳۶۳
یزید کی ولی عہدی ۳۶۳
علالت ۳۶۷
وصیتیں اور وفات ۳۶۸

مضمون صفحہ

ازواج و اولاد ۳۶۸

نظام خلافت اور امیر کے کارنامے

امیر کے مشیر کار ۳۶۹
صوبے اور ان کا نظام ۳۶۹
بری فوج ـــــ بحری فوج ۳۶۹
امیر البحر ۳۷۰
جہاز سازی کے کارنامے ۳۷۰
سرمائی اور گرمائی فوجیں ۳۷۰
قلعوں کی تعمیر ۳۷۰
منجنیق کا استعمال ۳۷۰
پولیس کا محکمہ ۳۷۰
ڈاک ۳۷۱
دیوان خاتم ۳۷۱
رفاہ عام کے کام ـــــ نہریں ۳۷۱
شہروں کی آبادی ۳۷۲
اسلامی نو آبادیاں ۳۷۲
مجاہدین کے بچوں کے وظائف ۳۷۳
ذمیوں کے مال و جائیداد کی حفاظت ۳۷۳
ذمہ دار عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر ۳۷۳
مذہبی خدمات ۳۷۳
اشاعت اسلام ۳۷۴
حرم کی خدمت ۳۷۴
مسجدوں کی تعمیر ۳۷۴

امیر کے طرز حکومت اور بعض غلط روایات پر تبصرہ

مضمون صفحہ

اصول حکمرانی ۳۷۶
قیام عدل اور رعایا کی داد رسی ۳۷۷
بیت المال ۳۷۷
امیر معاویہؓ کی مخالفت اور غلط واقعات کی شہرت کے اسباب ۳۷۷
فضل و کمال ۳۷۹
تاریخ کی پہلی کتاب ۳۸۰
سیرت معاویہؓ ۳۸۰
خوف و خشیت الٰہی ۳۸۰
دنیاوی ابتلا پر تاسف و پشیمانی ۳۸۰
امہات المومنین کی خدمت ۳۸۱
عام فیاضی ۳۸۱
حلم ۳۸۱

یزید (اول) بن معاویہ

۶۰ھ تا ۶۴ھ

خلافت ۳۸۲
حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ سے بیعت کا مطالبہ ۳۸۲
حضرت امام حسینؓ کا سفر مکہ ۳۸۳
اہل کوفہ کے دعوتی خطوط اور مسلم بن عقیل کا سفر کوفہ ۳۸۳
عبید اللہ بن زیاد کی آمد ۳۸۴
مسلم بن عقیل کی خفیہ کوششیں

مضمون	صفحہ
ان کی گرفتاری اور قتل	۳۸۵
حضرت امام حسین کی مکہ سے روانگی	۳۸۶
ابن زیاد کے انتظامات	۳۸۸
حربن یزید تمیمی کی آمد ـــــ خطبہ	۳۸۹
کربلا میں ورود	۳۹۰
پانی کے لیے کش مکش	۳۹۰
شمر ذی الجوشن کی آمد	۳۹۰
جنگ و شہادت	۳۹۱
اہل بیت کا سفر شام اور یزید کا تاثر	۳۹۳
یزید کے گھر میں ماتم	۳۹۳
نقصان کی تلافی	۳۹۳
اہل بیت کی واپسی اور یزید کا برتاؤ	۳۹۳
حجاز میں مخالفت کا آغاز	۳۹۴
عبداللہ بن زبیرؓ کا دعویٰ خلافت اور حجاز میں انقلاب	۳۹۵
واقعہ حرہ	۳۹۵
ابن زبیر کا محاصرہ	۳۹۶
ان کی ایک سیاسی غلطی	۳۹۷
فتوحات	۳۹۷
ترکستان کی فتوحات	۳۹۸
افریقہ کی فتوحات	۳۹۸
کسیلہ بن کرم کی بغاوت اور افریقہ میں انقلاب	۳۹۹
وفات ـــــ اولاد	۴۰۰

معاویہ ثانی بن یزید

۶۴ھ بمطابق ۶۸۵ء

مضمون	صفحہ
تخت نشینی اور دست برداری	۴۰۱

عبداللہ بن زبیرؓ اور مروان بن حکم

مضمون	صفحہ
ترجمہ عبداللہ بن زبیرؓ	۴۰۲
ترجمہ مروان بن حکم	۴۰۲
ابن زبیرؓ کی خلافت	۴۰۲
ابن زبیرؓ کی ایک سیاسی غلطی اور اس کا نتیجہ	۴۰۳
شام میں مروان کی بیعت	۴۰۵
مرج راہط کا فیصلہ کن معرکہ اور شام پر مروان کا قبضہ	۴۰۶
ولی عہدی میں تغیر ـــــ وفات	۴۰۷
مصر کا قبضہ	۴۰۷

عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن زبیر ۶۵ تا ۸۶ھ

مضمون	صفحہ
ترجمہ عبدالملک بن مروان	۴۰۹
تخت نشینی	۴۰۹
توابین کا خروج	۴۰۹
مختار بن ابی عبید ثقفی کا خروج اور عراق پر قبضہ	۴۱۰
محمد بن حنفیہ کی قید اور رہائی	۴۱۳
قاتلین حسینؓ سے انتقام	۴۱۳

مضمون صفحہ

عربوں کی تحقیر اور ان سے جنگ ۴۱۳
مصعب بن زبیرؓ اور مختار کا مقابلہ ۴۱۴
مختار کا خاتمہ ۴۱۴
خارجیوں کا ہنگامہ ۴۱۵
عبید اللہ بن الحر جعفی کی مخالفت ۴۱۷
عمرو بن سعید اموی کا قتل ۴۱۷
شام پر رومیوں کا حملہ اور ان سے صلح ۴۱۸
بصرہ پر عبدالملک کی فوج کشی اور مصعب بن زبیر کا خاتمہ ۴۱۸
نظام حکومت ــــ تعمیر کعبہ ۴۲۱
فضل و کمال ۴۲۲
فضائل اخلاق اور مذہبی زندگی ۴۲۳
پابندی سنت ۴۲۴
امہات المومنینؓ کی خدمت ۴۲۴
شجاعت و بہادری ۴۲۴
جرات و حق گوئی ۴۲۴
ملی حالات ۴۲۵

عبدالملک بن مروان کا خالص دور ۷۳ھ تا ۸۶ھ

خوارج کی انقلاب انگیز یورش ۴۳۶
افریقی مقبوضات پر دوبارہ قبضہ ۴۳۶
زہیر کی شہادت اور افریقہ میں دوبارہ انقلاب ۴۳۶
افریقہ پر دوبارہ فوج کشی اور قبضہ ۴۳۶
حسان کی شکست اور ملکہ واہیہ کا قبضہ ۴۳۷

مضمون صفحہ

آخری فوج کشی اور افریقہ پر قبضہ ۴۳۸
زنتبیل کی بغاوت اور پہلی فوج کشی ۴۳۹
دوسری فوج کشی اور شکست ۴۳۹
تیسری فوج کشی اور کامیابی ۴۴۰
ابن اشعث کی بغاوت اور عراق میں انقلاب ۴۴۱
بصرہ پر ابن اشعث کا قبضہ ۴۴۱
ابن اشعث کی پہلی شکست ۴۴۲
کوفہ پر قبضہ ۴۴۲
ابن اشعث کی شکست اور عراق پر حجاج کا قبضہ ۴۴۳
ابن اشعث کی گرفتاری اور قتل ۴۴۴
ولی عہدی ۴۴۴
علالت و وفات ۴۴۵
اولاد ۴۴۵

کارنامے

تعمیری کارنامے

اسلامی سکہ ۴۴۵
عربی زبان کا دفتری زبان بنانا ۴۵۱
خانہ کعبہ کی تعمیر ۴۵۱
مذہبی خدمات ــــ رفاہ عام کے کام ۴۵۱
شہروں کی آبادی ۴۵۲
ذاتی حالات ۴۵۲

ولید اول بن عبدالملک

مضمون صفحہ

۸۶ھ تا ۹۷ھ

قتیبہ بن مسلم کی فتوحات

ترکستان و چین سمرقند کی فتح ۴۵۴
چین پر فوج کشی اور خاقان کی اطاعت ۴۵۸
محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ ۴۶۳
طارق بن زیاد کی فتوحات اندلس ۴۷۱
قرطبہ پر قبضہ ۴۷۶
تدمیر کی صلح ۴۷۷
پایہ تخت طلیطلہ پر قبضہ ۴۷۸
مدینۃ المائدہ ۴۷۸
موسیٰ بن نصیر کا ورود اندلس ۴۷۹
قرمونہ پر قبضہ ۴۸۰
اشبیلیہ کی فتح ۴۸۰
ماردہ کا معرکہ اور اس کی تسخیر ۴۸۰
اشبیلیہ کی بغاوت ۴۸۱
طارق اور موسیٰ کی ملاقات اور شکلی ۴۸۱
اندلس کی فتح ۴۸۱
شمال مشرقی اندلس کی فتوحات ۴۸۲
اہل فرانس سے مقابلہ ۴۸۲
مغربی صوبوں کی فتوحات ۴۸۳
موسیٰ کی واپسی ۴۸۳
مال غنیمت کی فراوانی ۴۸۳
خاندان شاہی کے ساتھ حسن سلوک ۴۸۴
مسلمہ بن عبدالملک اور عباس بن ولید کی فتوحات شام ۴۸۵

مضمون صفحہ
بحر روم کے جزائر پر حملہ اور فتوحات ۴۸۵
متفرق فتوحات ۴۸۶
ملک کی اندرونی حالت ۴۸۶
حجاج کی وفات ۴۸۶
ولید کی وفات ـــــ اولاد ۴۸۷

ولیدی عہد پر تبصرہ

فتوحات پر تبصرہ ۴۸۸
اسپین کی عام حالت ۴۸۸
مسلمانوں سے پہلے حکومت کی حالت ۴۸۸
دربار شاہی میں تعیش ۴۸۹
مذہبی پیشواؤں کی حالت ۴۸۹
کسان، مزدوروں، غلاموں اور رعایا کے دوسرے طبقوں کی حالت اور اسلامی دور سے اس کا موازنہ ۴۸۹
یہودیوں کی حالت ۴۹۰
فوجی نظام میں وسعت و ترقی ۴۹۲
جہاز سازی کے کارخانے ۴۹۳
رفاہ عام کے کام ۲۹۳
سڑکوں کی تعمیر ۴۹۳
نہر اور کنوؤں کی تعمیر ۴۹۳
مہمان خانے ۴۹۳
شفاخانے ۴۹۳
معذوروں کی کفالت کا انتظام ۴۹۳
یتیموں کی پرورش و پرداخت ۴۹۳
بازار کے نرخ کی نگرانی ۴۹۳

مضمون صفحہ
روزہ داروں کے لیے کھانا ۴۹۳
علمی و تعلیمی خدمات ـــ تعمیرات ۴۹۳
مسجد نبوی کی تعمیر ۴۹۴
جامع دمشق کی تعمیر ۴۹۵
دوسری مسجدیں ۴۹۶
روضہ نبویؐ کی مرمت ۴۹۷
ایک ناگوار واقعہ ۴۹۷
ذاتی حالات ۴۹۷
مذہبی زندگی ۴۹۸
بھائیوں کے ساتھ سلوک ۴۹۸
سخت گیری ۴۹۸

سلیمان بن عبدالملک ۹۶ھ تا ۹۹ھ

قتیبہ بن مسلم کی بغاوت اور اس کا قتل ۵۰۰
محمد بن قاسم کی گرفتاری اور قتل ۵۰۱
موسیٰ بن نصیر پر عتاب ۵۰۲
عبدالعزیز بن موسیٰ کا قتل ۵۰۳
فتوحات ۵۰۴
قسطنطنیہ پر حملہ اور ناکامی ۵۰۶
علالت، ولی عہدی اور وفات، اولاد ۵۰۹

سلیمانی دور پر تبصرہ

مذہبی اصلاحات ۵۱۱
مکہ میں چشمہ کا اجرا ۵۱۱
رملہ کی آبادی ۵۱۱
قریش اور اہل مدینہ کے وظائف ۵۱۲

مضمون صفحہ
سب سے بڑا کارنامہ ۵۱۲
ذاتی حالات ۵۱۲

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
۹۹ھ تا ۱۰۱ھ

خلافت ۵۱۳
خلافت سے دستبرداری پر آمادگی ۵۱۵
غصب شدہ مال اور جائیداد کی واپسی ۵۱۶
فدک کا فیصلہ ۵۱۷
خاندان بنو امیہ کی برہمی ۵۱۹
بیت المال کی آمدنی اور اس کے مصارف کی اصلاح ۵۲۰
بیت المال کی حفاظت کا انتظام ۵۲۱
مصارف میں اصلاح ۵۲۲
رعایا کی خوشحالی ۵۲۲
ظالم عہدیداروں کا تدارک اور مظالم کی اصلاح ۵۲۳
ذمیوں کے حقوق اور انکے ساتھ طرز عمل ۵۲۴
محاصل میں اضافہ ۵۲۶
رفاہ عام کے کام ۵۲۷
احیائے شریعت اور مذہبی خدمات ۵۲۷
انسداد شراب نوشی ۵۲۸
اخلاق کی اصلاح ۵۲۸
ایک بری بدعت کا خاتمہ ۵۳۰
اشاعت اسلام ۵۳۰

مضمون	صفحہ
فتوحات	۵۳۱
خانہ جنگی اور خونریزی کا خاتمہ	۵۳۱
علالت	۵۳۲
یزید بن عبدالملک کو وصیت	۵۳۳
اولاد کے متعلق ارشاد	۵۳۳
وفات	۵۳۴
ازواج و اولاد	۵۳۴
حلیہ	۵۳۴

مختصر تبصرہ

مضمون	صفحہ
خلافت کو اسلامی بنانا چاہتے تھے	۵۳۵
ملوکیت کے امتیازات کا استیصال	۵۳۵
فضل و کمال	۵۳۵
علماء کی قدر دانی اور ان سے مشورہ	۵۳۷
تعلیمی خدمات	۵۳۷
ایک اہم دینی خدمت	۵۳۸
مغازی اور مناقب صحابہ کی تعلیم و اشاعت	۵۳۹
بعض یونانی تصانیف کی اشاعت	۵۳۹
فضائل اخلاق	۵۳۹
ذمہ داری کا احساس اور مواخذہ کا خوف	۵۴۰
تقویٰ و تورع	۵۴۱
تواضع و مساوات	۵۴۲
زہد و ورع	۵۴۳
لباس	۵۴۳

یزید بن عبدالملک ۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ

مضمون	صفحہ
یزید بن مہلب کی بغاوت اور اس کا خاتمہ	۵۴۴
قصر باہلی پر ترکوں کا قبضہ	۵۴۶
صغد پر مسلمانوں کا حملہ	۵۴۷
سعید بن ہبیرہ کا تقرر اور دوسرا معرکہ	۵۴۷
کش اور نسف کی اطاعت	۵۴۸
خزر پر حملہ	۵۴۹
متفرق فتوحات	۵۵۰
خوارج	۵۵۰
ولی عہدی	۵۵۰
وفات	۵۵۰
اولاد	۵۵۱
عراق کا بندوبست	۵۵۱

ہشام بن عبدالملک ۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ

مضمون	صفحہ
ترکستان کی مہمات	۵۵۲
آرمینیہ اور آذربائیجان کا محاذ	۵۵۸
ایشیائے کوچک کی فتوحات	۵۶۱
سندھ کی مہمات	۵۶۲
فرانس کو فتح کرنے کی کوشش	۵۶۳
پہلی کوشش	۵۶۴
دوسرا حملہ	۵۶۴
تیسرا حملہ	۵۶۵
چوتھا اہم حملہ اور ناکامی	۵۶۵
آخری حملہ	۵۶۸

مضمون — صفحہ

شمالی افریقہ اور اس کے ماتحت علاقے ۵۶۸
اندلس وغیرہ کے حالات ۵۶۸
سوس اقصیٰ اور سوڈان پر حملہ ۵۶۹
سردانیہ پر حملہ —— صقلیہ پر حملہ ۵۶۹
افریقہ میں بربر کی بغاوت ۵۷۰
اندلس کے حالات ۵۷۳
خوارج ۵۷۶
زید بن علی کا خروج اور قتل ۵۷۷
بنی عباس کی دعوت ۵۷۸
وفات ۵۸۰

ہشامی عہد پر تبصرہ

افتادہ زمینوں کی آبادی ۵۸۱
بیت المال کی اصلاح ۵۸۱
دفاتر کی تنظیم ۵۸۲
عدالت ۵۸۲
شعبہ فوج ۵۸۲
شہروں کی آبادی ۵۸۲
حوض اور تالاب کی تعمیر ۵۸۳
ریشمی کپڑوں کی صنعت ۵۸۳
مذہبی خدمات ۵۸۳
رعایا کی اخلاقی نگہداشت ۵۸۳
گھوڑوں کی پرداخت و ترقی ۵۸۳
علمی خدمات —— اخلاق و سیرت ۵۸۳

ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک
۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ

یحییٰ بن زید کا خروج اور قتل ۵۸۶
عباسی دعوت ۵۸۶
ولید کی ناعاقبت اندیشی اور اس کے نتائج ۵۸۶
یزید کی بیعت اور ولید کا قتل ۵۸۷
بعض قابل ذکر اوصاف ۵۸۸
بعض غلط واقعات کی تنقید ۵۸۸

یزید ثالث بن ولید المعروف بہ یزید الناقص ۱۲۶ مطابق ۷۴۴ء

یزید کی مخالفت ۵۹۰
حمص میں بغاوت ۵۹۱
فلسطین اور اردن کی بغاوت ۵۹۱
مروان بن محمد کا جزیرہ پر قبضہ، وفات ۵۹۲

ابراہیم بن ولید بن عبدالملک
۱۲۶ھ تا ۱۲۷ھ

مروان بن محمد کی مخالفت ۵۹۳
ابراہیم کی شکست ۵۹۳

مروان ثانی بن محمد بن مروان الملقب بہ حمار ۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ

شام کی بغاوت اور اس کا خاتمہ ۵۹۵
عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کا خروج ۵۹۶

مضمون صفحہ
عباسی تحریک خوارج ۵۹۷
عباسی تحریک ـــــ ابو مسلم خراسانی ۶۰۰
عربوں کی خانہ جنگی ۶۰۱
ابو مسلم کی مداخلت ۶۰۳
امام ابراہیم کی گرفتاری اور قتل ۶۰۴
امام ابو العباس بن عبداللہ کی جانشینی
اور عباسیوں کا خروج ۶۰۵
عربوں میں مصالحت ابو مسلم
کی چالاکی سے دوبارہ اختلاف ۶۰۶
خراسان پر ابو مسلم کا قبضہ ۶۰۷
علی بن کرمان اور اس کے
بھائی عثمان کا قتل ۶۰۷
عراق عجم پر قبضہ ۶۰۸
عراق پر قبضہ ۶۰۹
ابو العباس عبداللہ بن علی کی بیعت ۶۱۰
مروان کی شکست اور اس کا قتل ۶۱۰
بنی عباس کا انتقام اور بنی امیہ کا قتل عام ۶۱۱

اموی حکومت کے زوال کے اسباب

پہلا سبب ۶۱۳
دوسرا سبب ۶۱۴
تیسرا سبب، چوتھا سبب ۶۱۵
اموی دور کی علمی حالت ۶۱۷
عہد جاہلیت کے علوم ۶۱۸
عہد رسالت کے علوم ۶۲۲
مضمون صفحہ
خلافت راشدہ کے علوم ۶۲۳
اموی دور کی علمی ترقی ۶۲۸
شاعری ۶۲۸
خطابت ۶۲۹
کتابت و انشاء ۶۲۹
تفسیر و قرات ۶۳۰
حدیث ۶۳۰
فقہ ۶۳۰
مغازی و سیرت ۶۳۳
انساب ۶۳۵
لغت ۶۳۵
نحو ۶۳۶
غیر قوموں کے علوم کے ترجمے ۶۳۶
خالد بن یزید کی کیمیا پر چند کتابیں ۶۳۶
اہرن القس کی قرابادین کا ترجمہ ۶۳۶
نظام تعلیم ۶۳۷
کتب خانے ۶۳۷
خاتمہ ۶۳۹

دیباچہ طبع اول

الحمدللہ کہ سلسلہ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی حلقوں نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قدر افزائی کی، جن یونیورسٹیوں میں تاریخ اسلام پڑھائی جاتی ہے ان میں سے بعض نے اس سلسلہ کو اپنے نصاب میں شامل کرلیا اور جن کے نصاب میں انگریزی کی کوئی کتاب ہے اس کے طلبہ بھی سہولت کے خیال سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں، اسی لیے چند سال کے اندر اس کے کئی حصے ختم ہو گئے، جو اس وقت زیر کتابت و طباعت ہیں، ان کے پہلے ایڈیشن میں ــــ جو فروگزاشتیں اور خامیاں رہ گئی تھیں، ان کی اس میں اصلاح کر دی گئی ہے اور بعض نئے اضافے بھی کر دیے گئے ہیں، خصوصاً اس جلد کے بعد کے حصوں میں زیادہ تغیرات ہوئے ہیں، جن کی تفصیل ان میں آئے گی، اور اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے ــــ آمین

۶ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ
مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۴۸ء

فقیر معین الدین احمد ندوی
دارالمصنفین اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

تاریخ اسلام

حصہ اول

عرب قبل از اسلام

وجہ تسمیہ عرب کی وجہ تسمیہ کے بارہ میں دو بیانات ہیں، ایک یہ کہ عرب کے لفظی معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہیں، چونکہ عرب اپنی فصاحت اور زبان آوری کے مقابلہ میں ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لیے اپنا نام عرب یعنی فصیح اللسان، اور دوسری قوموں کا عجم یعنی ژولیدہ بیان رکھا تھا۔

دوسرا یہ کہ عرب مشتق ہے "عربہ" سے، جس کے معنی دشت و صحرا کے ہیں، چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل تھا، اس لیے سارے ملک کو عرب کہنے لگے۔

جغرافیہ جغرافیائی شکل کے اعتبار سے عرب جزیرہ نما ہے جس کے تین طرف پانی اور ایک سمت خشکی ہے، مغرب میں بحیرہ قلزم، ابنائے سویز اور بحیرہ روم ہے، مشرق میں بحر ہند، خلیج فارس اور بحر عمان، جنوب میں بحر ہند، شمال کے حدود بہت مختلف ہیں، بعض جغرافیہ دان شام تک اس کے حدود کو وسعت دیتے ہیں۔

عرب کی اب تک باقاعدہ پیمائش اور مردم شماری نہیں ہوئی ہے لیکن تخمینی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے، جو جرمنی اور فرانس سے چوگنا ہے اور آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے، ملک کا بڑا حصہ ریگستان و صحرا پر مشتمل ہے، ملک بھر میں پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے، عراق یمن اور شام کے خطے شاداب و زرخیز ہیں، محل وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی

آب و ہوا جدا جدا ہے لیکن عموماً گرم خشک ہے۔

قدیم تاریخ عرب لسانی تقسیم کے اعتبار سے سامی ہیں، مورخین نے انہیں تین طبقات پر تقسیم کیا ہے عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ، عرب بائدہ وہ قدیم طبقہ ہے جو تاریخی دور سے ہزاروں سال پہلے مٹ چکا تھا، عاد و ثمود کی قومیں اسی طبقہ سے تھیں، اشعار عرب اور بعض الہامی صحیفوں کے علاوہ کسی تاریخ سے ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا، عرب عاربہ کی جو قحطانی کہلاتے ہیں، تاریخ موجود ہے، یہ لوگ یمن کے آس پاس آباد تھے، یہی لوگ عرب کے اصلی باشندے ہیں اور عرب کی قدیم تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے، عرب میں ان کی بڑی بڑی اور ترقی یافتہ حکومتیں تھیں، ان کے عظیم الشان محلات کے کھنڈرات اب تک عرب میں پائے جاتے ہیں، جو ان کے دنیاوی جاہ و جلال کے شاہد ہیں۔

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے، یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ظاہر ہوا، ظہور اسلام کے وقت یہی دو طبقے عرب میں تھے اور اسلام کی ابتدائی تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے۔

بعثت ابراہیمیؑ عرب کی دینی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے، حضرت ابراہیم سے پہلے سارے عالم میں گمراہی اور ضلالت چھائی ہوئی تھی، روئے زمین پر ایک قوم بھی خالص خدائے واحد کی پرستش کرنے والی نہ تھی، انسانوں کو خدائی کا دعویٰ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن بابل میں نمرود اپنا مجسمہ پجواتا تھا اور قوت کے زور سے اپنی خدائی منواتا تھا، اس تیرہ و تار دور میں خدا نے حضرت ابراہیم کو نور ہدایت دے کر بھیجا، مگر اس عام تاریکی میں کوئی نگاہ اس نور کو نہ پہچان سکی اور ہر طرف سے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت ہوئی، نمرود نے آپ کو آگ میں ڈلوایا، اعزہ خاص نے مخالفت کی۔ باپ دشمن بن گیا، اس لیے آپ ترک وطن کر کے مصر چلے گئے، رقیون فرمانروائے مصر نے ناموس پر حملہ کرنا چاہا، لیکن پھر اس کی نگاہوں سے باطل کا حجاب اٹھ گیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور رخصت کرتے وقت اپنی لڑکی ہاجرہ آپ کے ساتھ بیاہ دی۔

حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بیوی سارہؑ تھیں ان کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے

اور ہاجرہ کے شکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت سارہ پہلی بیوی تھیں' اس لیے وہ ہاجرہ اور ان کی اولاد کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں' اور ماں بیٹے' دونوں ان کی نگاہ میں کھٹکتے تھے' چنانچہ ابھی حضرت اسماعیل بچہ ہی تھے کہ سارہؓ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ وہ دونوں کو ان کی نگاہ سے دور کر دیں' اس لیے آپ نے ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے جا کر عرب میں آباد کیا۔

تعمیر کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے پہلا اور مقدم فرض گمراہ دنیا کو توحید سے آشنا کرنا تھا لیکن عراق و مصر و شام کی متمدن دنیا میں گھوم کر دیکھ چکے تھے کہ یہاں کوئی خدا کا پیغام سننے والا نہ تھا۔ اس لیے توحید کی اشاعت و تبلیغ کے لیے ریگستان عرب کا سادہ صفحہ جو اپنی اصلی فطرت پر اور تمدن کی نقش آرائیوں سے پاک تھا' انتخاب کیا' اور حضرت اسماعیل کے مستقر مکہ میں خدائے واحد کی پرستش کے لیے بے چھت کا ایک چھوٹا سا گھر بنایا اور حضرت اسماعیل کو اس کا متولی بنا کر اس گھر کی آبادی و مرکزیت اور نسل اسماعیل علیہ السلام کی برومندی کے لئے خدا سے دعا کی' روئے زمین پر یہ پہلا گھر تھا جو خالص خدائے واحد کی عبادت کے لیے بنایا گیا۔

کعبہ کی تعمیر سے پہلے اس مقام یعنی (مکہ) پر کوئی آبادی نہ تھی' لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مستجاب کے اثر اور کعبہ کی کشش سے لوگ رفتہ رفتہ یہاں آ کر آباد ہونے لگے اور سب سے پہلے جرہم کا قبیلہ حوالی' مکہ میں آ کر آباد ہوا۔

آل اسماعیلؑ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے سردار مضاض جرہمی کی لڑکی سے شادی کی اس سے بارہ اولادیں ہوئیں' ان میں سے نابت و قیدار کی نسل نے بڑا دنیاوی جاہ و جلال حاصل کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں کعبہ کو عرب میں مرکزیت حاصل ہو گئی تھی اور یہ سلسلہ چل نکلا تھا' چنانچہ حضرت اسماعیل کے بعد کعبہ کی تولیت کا منصب ان کے لڑکے نابت کے حصہ میں آیا' اور دو ہی پشتوں کے بعد آل اسماعیل میں اتنی کثرت ہو گئی' کہ حصول معیشت کے لیے انہیں مکہ سے باہر نکلنا پڑا' ان کے نکلنے کے بعد بنی جرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا' آل اسماعیل نے نانہالی رشتہ کی وجہ سے ان سے کوئی مزاحمت نہ کی اور وہ مدتوں کعبہ کے متولی رہے' کعبہ کی تولیت سارے عرب کی بادشاہی کے مترادف تھی' آل جرہم اس کے متحمل نہ ہو سکے اور انہوں نے تولیت کے

گھمنڈ میں بڑی بے عنوانیاں شروع کر دیں، خانہ کعبہ کا چڑھاوا کھا جاتے، حجاج کو ستاتے، طرح طرح کے مظالم کرتے، جب ان کی یہ بے عنوانیاں حد سے سوا ہو گئیں تو آل اسماعیل نے انہیں مکہ سے نکال کر پھر کعبہ کی تولیت واپس لے لی۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۶۴، ۶۵) اور یہ منصب نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا ہوا عدنان تک پہنچا، یہ بڑا تاریخی شخص ہے، آنحضرتؐ اور اکثر صحابہؓ کا سلسلہ نسب اس پر منتہی ہوتا ہے اس کے زمانہ میں عرب پر بخت نصر کا حملہ ہوا جس سے عربوں کو سخت نقصان پہنچا، اس حملہ سے سنبھلنے کے بعد عدنان کی اولاد بہت پھلی پھولی، ربیعہ، معنر اور قضاعہ کے نامور قبائل اسی کی نسل سے تھے جنہوں نے عرب کی پرانی تاریخ میں بڑی عظمت و شان حاصل کی، حجاز، نجد، عراق اور شام وغیرہ عرب کے تمام حصوں میں ان کی حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں، ان کا خاص پیشہ تجارت تھا۔

خاندان قریش کی بنیاد اور ان کا نظام آگے چل کر عدنان کی نسل سے خاندان قریش کے مورث اعلیٰ فہر کا جس سے اس خاندان کی بنیاد پڑی ہے، ظہور ہوا، اس کا لقب قریش تھا، اس نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے، قریش کے کل خانوادے اسی کی نسل سے تھے اس کی پانچویں پشت میں قریش کا تاریخی شخص قصی پیدا ہوا، قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز اسی نامور شخص سے ہوتا ہے قصی کا باپ اس کے بچپن میں مر گیا تھا، ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں دوسری شادی کر لی تھی، اس لیے قصی کا بچپن بنی عذرہ میں گذرا، جوان ہوا تو اپنے اصلی خاندان اور اس کی عظمت کا پتہ چلا، غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارہ نہ کیا، اس لیے وہ بنی عذرہ کو چھوڑ کر حجاز پہنچا، ناصیہ اقبال پر آثار بلندی دیکھ کر ددھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

اس زمانہ میں قریش کی حالت نہایت خراب ہو رہی تھی، ان کا کوئی نظام نہ تھا، وہ حجاز کے مختلف گوشوں میں منتشر تھے، حرم کی تولیت پر بنی خزاعہ قابض ہو گئے تھے، اور قصی کے ورود مکہ کے وقت حرم کی تولیت خلیل خزاعی کے ہاتھوں میں تھی، قصی بچپن سے نہایت حوصلہ مند، عاقل و فرزانہ اور امارت پسند تھا، اسے یہ منصب جلیل غیروں کے ہاتھوں میں گوارا نہ ہوا، چنانچہ اس نے پہلے بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ کو حرم سے نکالا، اس کے بعد قریش کو جو مختلف مقامات پر منتشر تھے سمیٹ کر مکہ لایا اور ان کی تنظیم کر کے

ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی' اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی اور ان کا تاریخی دور شروع ہوا۔ (تفصیل کیلئے دیکھو طبری ص ۱۰۹۷ و سیرت ابن ہشام ج اول ص ۷۹)

قصی نے یہ چھوٹی سی ریاست جمہوری اصول پر قائم کی اس کے کئی شعبے تھے' جو مختلف قبائل میں تقسیم تھے' بڑے شعبے تین تھے' فوجی' عدالتی' اور مذہبی' اور پھر یہ تینوں کئی شعبوں پر تقسیم تھے۔

فوجی ۱۔ عقاب' یعنی قومی نشان کی علمبرداری' ۲۔ قبہ' فوجی کیمپ کا انتظام' ۳۔ آعنہ' سواروں کے رسالے کی سپہ سالاری' ۴۔ سفارہ' دوسری حکومتوں اور قبائل کے درمیان خط و کتابت اور گفتگو وغیرہ۔

عدالتی شعبہ ۱۔ ندوہ اور قومی جلسہ گاہ کا انتظام' ۲۔ مشورہ امور مہمہ میں صلاح و مشورت' ۳۔ **مشندق** جرمانہ اور ملی تاوان کی نگہداشت' ۴۔ حکومت مقدمات کا فیصلہ

مذہبی شعبہ' ۱۔ سقایہ حاجیوں کے خورد و نوش کا انتظام' ۲۔ عمارہ خانہ کعبہ کا انتظام' ۳۔ رفادہ حاجیوں کی ملی اعانت' ۴۔ سدانہ خانہ کعبہ کی کلید برداری' ۵۔ ایسار بتوں سے استخارہ کی خدمت' اموال المجرہ بتوں کے چڑھاوے کا انتظام' یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے' ظہور اسلام کے وقت ان کی تقسیم یہ تھی۔

عقاب بنی امیہ' قبہ اور آعنہ بنی مخزوم' سفارت بنی عدی' ندوہ بنی عبدالدار' مشورہ بنی اسد' اشناق بنی تیم' حکومت بنی سہم' سقایہ اور عمارہ بنی ہاشم' رفادہ بنی نوفل' سدانہ بنی عبدوار' ایسار بنی جمح اور اموال المجرہ بنی سہم۔ (عقد الفرید ج ۲ ص ۳۱ میں ان مناصب کی تفصیل ہے)

خانہ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا' حج کے موقع پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے تھے' قصی سے پہلے ان کی آرام و آسائش کا کوئی معقول انتظام نہ تھا' سب سے پہلے قصی نے اس طرف توجہ کی اور قریش سے کہا کہ "حجاج صدہا کوس کی مسافت طے کر کے حرم کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور ان کی میزبانی ہمارا فرض ہے' اس تحریک پر قریش نے اس کام کے لیے سالانہ ایک رقم مقرر کر دی جس سے منیٰ میں حجاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا' کہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ مقام ہے۔ قصی نے چرمی حوض بنوا کر پانی کا معقول انتظام کیا۔

(طبری ص ۱۹۶)

قصی کی چھ اولادیں تھیں' ۱۔ عبددار' ۲۔ عبد مناف' ۳۔ عبدالعزیٰ' ۴۔ عبد' ۵۔ تخحر' ۶۔ برہ' مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام مناصب عبددار کو دیئے اور قریش کی سیادت عبد مناف نے حاصل کر لی عبد مناف کے چھ لڑکے تھے ان میں ہاشم رسول اللہ ﷺ کے دادا سب سے زیادہ با اثر تھے' بنی عبددار کی نااہلی کی وجہ سے انہوں نے سقایہ اور رفادہ کے عہدے عبددار سے لے لیے۔

ظہور اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کی مذہبی اور اخلاقی اور سیاسی حالت

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ عرب اور قریش کی سیاسی تاریخ تھی' ان کی مذہبی تاریخ اسلام سے وابستہ ہے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں سب سے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا' اور خدائے واحد کی پرستش کے لیے مکہ میں سب سے پہلا خدا کا گھر بنایا تھا' لیکن رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں سے صدائے توحید کا اثر زائل ہو گیا تھا' اور نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم میں خالص خدا کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوئے' بڑے بڑے مصلحین نے اخلاق کی صدائیں بلند کیں' ان کا وقتی اثر بھی ہوا' لیکن زود فراموش انسان نے توحید و اخلاق کے یہ سبق بہت جلد فراموش کر دیئے اور پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ زمین کے کسی حصے میں کوئی حقیقی خدا شناس قوم باقی نہ رہ گئی' جن قوموں میں نور الٰہی کی کوئی کرن تھی تو اس پر جہل کے اتنے تو بر تو حجاب پڑ گئے تھے کہ اس کی اصلی صورت نہ پہچانی جاتی تھی۔

ایران' روم اور ہندوستان تمام روحانی مرکزوں کی مذہبی حرارت سرد ہو چکی تھی' ایرانی قوم توحید خالص سے کبھی آشناہی نہ ہوئی تھی' زرتشت اور مانی نے جو اخلاقی آگ روشن کی تھی وہ یزدان اور اہرمن کا گورکھ دھندا بن گئی تھی' ان کی کتاب اخلاق میں باپ بیٹی اور بھائی بہن کی کوئی تمیز نہ تھی' حکومت البتہ ان میں تھی' لیکن حکمرانوں کو راہب کا درجہ حاصل تھا' رعایا ان کی پرستش کرتی تھی' ملک کے لیے کوئی اخلاقی قانون نہ تھا' ظلم وجور کی حکومت تھی' طاقت ور کے مقابلہ میں ناتوانوں کی ہستی نہ تھی' ادنیٰ اعلیٰ کا غلام تھا' آئے دن کے سیاسی انقلابات نے ملک کو امن و امان سے محروم کر دیا تھا۔

روم و فرنگ کی حالت جو دین و دنیا اور مذہب و حکومت دونوں کے تاجدار تھے' کچھ ایران سے بھی زیادہ زبوں تھی' پاک اور اصلی عیسائیت مدتوں پہلے پال کے ہاتھوں مسخ ہو چکی تھی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریم علیہا السلام اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبے کی تعیین نے بیسیوں فرقے پیدا کر دیئے تھے' جن میں ہمیشہ کشت و خون بپا اور پاک روحانیت کا دامن ان کے خون سے رنگین رہتا تھا' توحید کی جگہ تثلیث اور مشرکانہ رسوم نے لے لی تھی' حضرت عیسیٰ اور مریم کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی' دین کی باگ گمراہ اور دنیا پرست پادریوں کے ہاتھوں میں آ گئی تھی' ہر پادری ایک بااختیار خدا اور مسجود خلائق تھا اور اس کی قبر عبادت خانہ تھی' ان کی جنبش لب پر نظام حکومت الٹ پلٹ جاتا تھا' حکومت اور کلیسا کی کشمکش عیسائیت کی نہایت تاریخ ہے' مذہبی اجارہ داری نے پادریوں میں طرح طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں' وہ عیسائیت جو دنیا کو امن و آشتی اور تجرد اور لذائذ دنیوی سے اجتناب کا سبق دینے کے لیے آئی تھی' جنگ و جدل' سفاکی و خون ریزی اور عیش و ہوس پرستی کا گہوارہ بن گئی تھی' مذہبی پیشواؤں کی خانقاہیں عیش و نشاط کے چکلے تھیں' جن میں اگر مذہبی جذبہ باقی بھی تھا وہ ایسی کریہہ اور تکلیف دہ شکل میں کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' سیاسی حالت بھی اس سے کم ابتر نہ تھی آئے دن کی خانہ جنگیوں اور صوبوں کی خود مختاری نے مشرقی اور مغربی روم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور چھٹی صدی کے آخر میں روم انتہائی تنزل و انحطاط کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔

تیسرا روحانی مرکز ہندوستان تھا اگرچہ یہ بھی ایران کی طرح ہمیشہ توحید خالص سے نا آشنا رہا' لیکن یہاں کے مصلحین کرشن اور گوتم وغیرہ مختلف زمانوں میں فلسفیانہ روحانیت اور اخلاق کا درس دیتے رہے لیکن یہ اسباق' مدت ہوئی فراموش ہو چکے تھے اور پرانوں کی تعلیم کا دور دورہ تھا' جو قدیم ہندوستان کا سب سے زیادہ تاریک عہد شمار کیا جاتا ہے' شرک ہمیشہ سے ہندوستان کے خمیر میں تھا' پرانے دور میں یہ شرک انتہا کو پہنچ چکا تھا' اوہام پرستی نے کروڑوں خدا بنا دیئے تھے' زمین سے لے کر آسمان تک ہر شے خدا تھی' بقول ایک ہندو مورخ کے خداؤں کی تعداد ہندوستان کی آبادی سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور ایک ایک آدمی پر کئی کئی خدا کا اوسط پڑتا تھا' پران کی تعلیم نے شرافت انسانی کو بالکل مسخ کر دیا

تھا' ہر نیچا طبقہ اپنے سے بلند طبقہ کا غلام بلکہ کچھ اس سے بھی پست تھا' اس کو جانوروں کے برابر بھی حقوق حاصل نہ تھے' برہمن کے لیے کسی حالت میں کوئی سزا نہ تھی' اگرچہ اچھوت اونچی ذات والے کو چھو لیتے تو اس کی سزا موت تھی' نیچے طبقے مذہبی تعلیم سے قانوناً" محروم کر دیئے گئے تھے۔

اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی ایک ایک عورت کئی کئی شوہر کر سکتی تھی' شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی' بدمستی میں ہر گناہ ثواب بن جاتا تھا' محرمات تک سے تمتع بھی کار ثواب سمجھا جاتا تھا' عصمت کی کوئی قیمت نہ تھی بڑے بڑے ذی وجاہت امراء کی عورتیں جامہ عصمت اتار پھینکتی تھیں۔

مذہب بھی بد اخلاقیوں سے محفوظ نہ تھا' بلکہ ان کا معلم بن گیا تھا' بعض فرقوں میں اعضائے تناسل کی پرستش ہوتی تھی' مندر کے پجاری بد اخلاقیوں کا پیکر تھے' دیوداسیوں کی اخلاقی حالت شرمناک حد تک گری ہوئی تھی' عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی' بعض طبقوں میں لڑکیاں قتل کر ڈالی جاتی تھیں۔ عورت شوہر کی موت کے بعد تمام دنیاوی لذائذ سے محروم کر دی جاتی تھی اس لیے وہ شوہر کے ساتھ جل کر مرجانے کو زندگی پر ترجیح دیتی تھی۔

اس تاریک دور میں اگر کسی انسان میں حق کی تلاش کا جذبہ پیدا بھی ہوتا تھا تو وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر خدا کو تلاش کرتا تھا اور تزکیہ روح کے لیے جسم کو ایسی درد انگیز سزائیں دیتا تھا جو طاقت بشری کی برداشت سے باہر ہیں۔

اس عالمگیر تاریکی میں اگر کسی قوم یا جماعت سے اصلاح کی امید ہو سکتی تھی تو وہ بنی اسرائیل تھے لیکن انہیں غرور اور گھمنڈ نے برباد کر دیا تھا' ساری خدائی میں وہ صرف اپنی قوم کو خدا کا محبوب اور اس کا کنبہ سمجھتے تھے' ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی محبوبیت کی وجہ سے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہو گا تمرد اور سرکش ایسے تھے کہ پیغمبروں کی بات تک نہ سنتے تھے اور انہیں قتل کر ڈالتے تھے۔

ان کا مذہب اگرچہ الہامی تھا' لیکن وہ بھی ان کے دستبرد سے محفوظ نہ رہ گیا تھا' احکام الٰہی کو توڑ موڑ کر اپنے مقصد کے مطابق بنا لیتے تھے اور صرف ان ہی احکام پر عمل کرتے' جو ان کے مقصد کے معارض نہ ہوتے' ظاہری دینداری اور لفظی موشگافیوں کے علاوہ

مذہب کی روح ان سے رخصت ہو چکی تھی اور سینکڑوں قسم کے اوہام و خرافات نے مذہب کی جگہ لے لی تھی۔ انتہا درجہ کے طماع اور لالچی تھے، سود خواری ان کی فطرت میں داخل تھی، جس نے ان میں بڑی شقاوت اور سنگ دلی پیدا کر دی تھی، معمولی زیور کی طمع میں چھوٹے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے اگرچہ وہ مذہب کے اعتبار سے نہایت قدیم التاریخ تھے لیکن ان کی ذلت کی وجہ سے ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی، ان کا مذہبی مرکز بیت المقدس ان کے ہاتھوں میں نہ تھا اور دوسرے ملکوں میں آوارہ پھرتے تھے اور ہر جگہ ان کے ساتھ نہایت ذلت و تحقیر کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور ان کی یہ حالت اب تک قائم ہے، غرض عقیدہ، مذہب، اخلاق اور سیاست ہر اعتبار سے بنی اسرائیل ایک مسخ شدہ قوم تھے۔

(دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا پورا بیان سیرۃ النبیؐ ج ۴ ص ۲۲ تا ۳۱ سے ملخصاً ماخوذ ہے)

خود عرب کی حالت جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور خدا کی بے آمیزش پرستش کے لیے سب سے پہلے خانہ خدا بنایا، دوسری اقوام سے کچھ بہتر نہ تھی، گو وہ دین ابراہیمی کے پیرو تھے، لیکن اس کی صورت بالکل مسخ ہو چکی تھی اور توحید کا رخ زیبا شرک اور بت پرستی کے اوہام میں چھپ کر رہ گیا تھا، خدائے واحد کے ساتھ اور بہت سے کارساز شریک ہو گئے تھے، فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، اجنہ کو الوہیت کا درجہ دیتے تھے۔ بتوں کو مظہر خدا مان کر ان کی پرستش کرتے تھے، سینکڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی، ان میں لات، منات، ہبل اور عزیٰ زیادہ با عظمت تھے، ہبل، خاص خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا، تمام عرب اس کی پرستش کرتا تھا، قبائل کے بت علیحدہ علیحدہ تھے، منات، اوس و خزرج کا تھا، لات ثقیف کا، عزیٰ غطفان کا، عزیٰ کی پرستش ارکان حج میں داخل تھی، ان بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے تھے، ان پر انسانوں کی قربانیاں ہوتی تھیں، بتوں کے نام کے تیروں کے ذریعہ سے قرعہ انداز ہوتی تھی، ان کے علاوہ سینکڑوں لکڑی اور مسالے کے خانہ ساز اور خانگی خدا تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام ج اول اور کتاب الاصنام کلبی وغیرہ میں ان بتوں کی پوری تفصیل ہے)

بت پرستی کے علاوہ مختلف قبائل میں مختلف مذاہب رائج تھے، ربیعہ و حسیان عیسائی تھے، قضاعہ میں عیسائیت کا اثر تھا، حمیر، کنانہ، بنو حارث اور کندہ یہودی تھے، بنی تمیم کا قبیلہ مجوسی تھا، بعض قبائل میں ستارہ پرستی رائج تھی۔ (انتقاب الامم ابن مساعد اندلسی)

ان مذاہب کے علاوہ مختلف قسم کے خیالات و عقائد پائے جاتے تھے' کچھ ملحد تھے' جو سرے سے خدا کے وجود کے منکر تھے' بعض خدا کے قائل تھے لیکن حشر و نشر اور سزا و جزا کو نہ مانتے تھے بعض انبیاء کے منکر تھے' غرض کوئی ایسا عقیدہ و خیال نہ تھا جو عربوں میں رائج نہ رہا ہو (کلام مجید کی آیات میں ان عقاید کی پوری تفصیل موجود ہے)

ضعیف الاعتقادی نے صدہا قسم کے اوہام و خرافات وبا کی طرح پھیلا دیے تھے۔ اخلاقی حالت مذہبی حالت سے بھی زیادہ خراب تھی۔ جنگجوئی' انتقام پسندی' سفاکی اور خون ریزی فطرت میں داخل تھی' معمولی معمولی باتوں پر لڑائی چھڑ جاتی تھی' جس کا سلسلہ پشت ہا پشت تک جاری رہتا تھا' عربوں کی خانہ جنگیاں "ایام عرب" کے عنوان سے عربوں کی تاریخ کا مستقل باب ہیں' اپنی بہیمیت اور درندگی سے مجرموں کو نہایت درد انگیز سزائیں دیتے تھے' شراب نوشی گھٹی میں پڑی تھی' عرب کا ہر گھر میخانہ تھا بد مستی میں مال و دولت' ننگ و ناموس سب قربان کر دیتے تھے' قمار بازی بڑے فخر و مباہات کی چیز تھی۔ گھر کی کل دولت' حتیٰ کہ عورتیں تک بازی میں لگا دیتے تھے' سود خواری بھی یہودیوں کے فیض سے داخل ہو گئی تھی اور سود در سود سے مقروض کو تباہ کر ڈالتے تھے' چوری اور ڈاکہ بعض قبائل کا مستقل پیشہ تھا' فسق و فجور اور بے حیائی و بے شرمی ہنر بن گئی تھی' بڑے بڑے شرفاء اپنی عزیز عورتوں اور شریف خواتین کے عشق و محبت کی داستان فخریہ عام مجمع میں مزے لے کر سناتے تھے' زنا کوئی عیب نہ تھا' عورتوں کی کوئی قیمت نہ تھی' لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے' نکاح کی کوئی تعداد متعین نہ تھی' بھیڑ بکری کی طرح جتنی عورتیں چاہتے تھے رکھ لیتے تھے'

اس عالمگیر ظلمت میں جب کہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کہیں نور حق کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی اور خدا کی مخلوق' خدائی تعلیمات کے ساتھ انسانی اخلاق و شرافت کو بھی فراموش کر چکی تھی اور انسان کی بے قید آزادی اور خود غرضی سے نظام عالم درہم برہم ہو رہا تھا' ایک ایسے ہادی برحق کی ضرورت تھی جو بھٹکی ہوئی مخلوق کو راہ راست پر لگائے اور ایک قوم کو نمونہ عمل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دے۔

دعوت توحید کے لیے عرب کا انتخاب دنیا کے ہر اصلاحی اور مفید انقلاب کی زد' خواہ وہ اخلاقی و روحانی ہو یا مادی' سب سے زیادہ اونچے اور متمدن طبقے پر پڑتی ہے' اس

سے اس کے وقار و امتیاز کو صدمہ پہنچتا ہے' اس لیے دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں ہر مفید تحریک اور دعوت اصلاح کی مخالفت خواہ وہ پیغمبر کی آواز حق ہو یا دنیاوی مصلح کی دعوت' اسی طبقہ نے کی اور تجدید و اصلاح اور اس کو قبول کرنے اور اس کو پھیلانے والے وہی طبقات رہے ہیں جنہیں غریب' نیچا اور غیر متمدن سمجھا جاتا ہے' اسلام کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا' ظہور اسلام کے زمانہ میں ایران و روم اور فرنگ کے خطے تعلیم و تہذیب' دولت و ثروت اور دوسرے تمدنی اثرات سے بالکل مسخ ہو چکے تھے' ان میں جدید طغرائے حق کو قبول کرنے اور صدائے حق کو سننے کی صلاحیت باقی نہ تھی عرب کا خطہ اب تک ان تمام تمدنی اثرات سے بالکل محفوظ اور فطری سادگی پر قائم تھا' عرب کتابی تعلیم سے نا آشنا اور تمدنی اثرات سے پاک تھے' اور ہر طرح کی برائیوں کے باوجود ان میں آزادی' حریت' حق گوئی' جرات و بیباکی' شجاعت اور بہادری کے بدویانہ اخلاق موجود تھے' اس لیے متمدن اقوام کے مقابلہ میں ان میں قبول حق کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی' اس لیے امانت الٰہی کی تفویض اور مخلوق کی راہنمائی کے لیے اسی سادہ مگر پر جوش قوم کا انتخاب ہوا اور دنیا کے موحد اعظم خلیل اللہ کی نسل سے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو یہ منصب جلیل تفویض ہوا۔

ہاشم کی خدمات و کارنامے اوپر ہاشم کے حالات لکھے جا چکے ہیں' کعبہ کے متولیوں میں قصی کے بعد ہاشم بڑے رتبہ کے آدمی تھے' انہوں نے اپنے زمانہ میں خاندان قریش کی بڑی عظمت قائم کی' قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ وہ ملکوں ملکوں پھر کر تجارت کرتے تھے' ہاشم نے کوشش کر کے قیصر و نجاشی کے حدود سلطنت میں قریش کے تجارتی مال کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرایا' عرب کے راستے محفوظ نہ تھے' ہاشم نے دورہ کر کے قبائل سے معاہدہ کیا کہ وہ قریش کے کاروان تجارت سے کوئی تعرض نہ کریں گے (امالی بو علی قالی) حرم کے متعلق اپنے مفوضہ خدمات نہایت خوبی سے ادا کرتے تھے' حجاج کو بڑی فیاضی اور سیر چشمی سے کھلاتے تھے' چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر سبیل لگواتے تھے' ان کی خدمات کی وجہ سے قریش میں ان کی عزت و وقعت تھی' انہوں نے مدینہ کے خاندان بنی نجار میں شادی کی لیکن شادی کے بعد ہی شام جاتے ہوئے انتقال کر گئے' بیوہ بیوی سے ایک فرزند تولد ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا' ان کے بھائی مطلب کو خبر ہوئی تو وہ مدینہ جا کر یتیم بچے کو لے آئے

اور اپنے آغوش شفقت میں ان کی پرورش کی' ان کی پرورش کی وجہ سے شیبہ کا نام عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام پڑ گیا۔ (زرقانی ج ا ص ۸۵)

عبدالمطلب سن شعور کو پہنچنے کے بعد عبدالمطلب باپ کی جگہ کعبہ کے متولی ہوئے' اپنے زمانہ تولیت میں انہوں نے چاہ زمزم کو جو اٹ کر گم ہو گیا تھا' پتہ چلا کر اس کو صاف کرایا عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں اپنے دس لڑکوں کو جوان دیکھ لیں گے' تو ان میں سے ایک لڑکا خدا کی راہ میں قربان کریں گے' جب ان کی یہ آرزو پوری ہوئی تو منت اتارنے کے لیے دسوں لڑکوں کو لے کر کعبہ گئے' عبداللہ کے نام جو تمام اولاد میں سب سے زیادہ محبوب تھے' قرعہ نکلا' عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے۔ آخر میں روسائے قریش کے مشورے سے عبداللہ کے بجائے سو اونٹ قربان کر کے منت پوری کی۔ (سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۸۲/۸۳)

عبداللہ اس کے بعد عبدالمطلب نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن مناف کی لڑکی آمنہ کے ساتھ عبداللہ کی شادی کر دی' شادی کے تھوڑے ہی دنوں بعد عبداللہ کا مدینہ میں انتقال ہو گیا' عبداللہ محبوب خاندان تھے ان کی جوانمرگی کا سارے خاندان کو صدمہ ہوا۔

ولادت نبوی ﷺ عبداللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم بہار اپریل ۵۷۱ء میں ۹ ربیع اول کو عبداللہ کے گھر میں فرزند تولد ہوا' بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کے تولد کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود بچہ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اس کے لیے دعا مانگی' ساتویں دن عقیقہ کر کے محمدؐ نام رکھا۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ا ص ۸۷) اور کل قریش کی دعوت کی' قریش نے اس نامانوس نام رکھنے کا' جو اب تک رائج نہ تھا' سبب پوچھا۔ عبدالمطلب نے کہا میرا فرزند ساری دنیا میں مدح و ستائش کا سزاوار قرار پائے۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ا ص ۸۷)

حضرت حلیمہؓ کی پرورش اور حضرت آمنہؓ کا انتقال شرفائے مکہ میں دستور تھا کہ وہ عربی خصوصیات کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے بچوں کو ایام رضاعت ہی میں دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے' اس دستور کے مطابق چھ مہینے بعد عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو ایک

دایہ حلیمہ کے جو بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہوئی تھیں، حوالہ کر دیا، دو برس تک اس بچہ نے حلیمہ سعدیہ کی گود میں پرورش پائی، تیسرے برس حلیمہؓ نے یہ امانت آکر آمنہ کو واپس کر دی۔ ابھی اس یتیم بچہ کا سن چھ سال کا تھا کہ آمنہ اسے لے کر اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ گئیں، راستہ میں مقام ابواء میں ان کا انتقال ہو گیا، اور یتیم بچہ چھ ہی برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا۔

عبد المطلب کو شروع سے یتیم پوتے کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی، بہو کے انتقال کے بعد یہ محبت شیفتگی کی حد تک پہنچ گئی، ہر وقت پوتے کو ساتھ رکھتے، ایک پل کے لیے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے، لیکن یہ سایہ شفقت بھی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا اور ماں کے انتقال کے دو سال بعد دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔

ابو طالب کی پرورش اور شام کا سفر عبد المطلب دنیا چھوڑتے وقت پوتے کو اپنے لڑکے ابو طالب کے سپرد کر گئے، ان کو بھی یتیم بھتیجے سے بڑا عشق تھا، اس کے مقابلہ میں اپنے بیٹوں کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے، ابو طالب کا شغل تجارت تھا اس سلسلہ میں وہ اکثر شام آیا جایا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کے بارہویں سال ان کو شام کا سفر پیش آیا، گو ابو طالب آپ کو ایک لمحہ کے لیے جدا نہیں کرتے تھے، لیکن سفر کی تکلیف کے خیال سے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے، لیکن چلتے وقت آپ ﷺ چچا سے لپٹ گئے، اس لیے وہ ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے، عام روایتوں کے مطابق بحیرہ راہب کا واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ (۱)

۱۔ اس واقعہ کی تفصیل روایتوں میں یہ ہے کہ جب ابو طالب بصرہ پہنچے تو ایک عیسائی راہب بحیراء کی خانقاہ میں اترے اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر کہا یہ سید المرسلین ہیں لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ بحیراء نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو تمام درخت اور پتھر سب سجدے کے لیے جھک گئے۔ یہ روایت ترمذی میں ہے لیکن اصول روایت اور درایت دونوں حیثیتوں سے ناقابل احتجاج ہے۔ اولاً اس کے راوی ضعیف ہیں اور دوسرے اس میں ہے کہ ابو طالب نے اس واقعہ کے بعد بصری ہی سے رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابو بکرؓ و بلالؓ کے ساتھ واپس کر دیا، حالانکہ اس زمانہ میں حضرت بلال کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابو بکرؓ صغیر السن اپنے گھر میں رہے ہوں گے، لیکن اس ضعیف روایت کے

ایک جنگ میں شرکت عربوں میں ہمیشہ لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا، آنحضرت ﷺ کے سن رشد کو پہنچنے کے بعد قریش اور بنی قیس میں جنگ ہوئی، قریش اس جنگ میں برسرحق تھے اس لیے آپ ﷺ نے ان کا ساتھ دیا لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی۔ (روض الانف ج ۱ ص ۱۲۰)

تجارت کا شغل سن شعور کو پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو کسب معاش کی فکر ہوئی اس وقت آپ ﷺ نے تجارت کا خاندانی اور پاک شغل اختیار کیا، لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے مستقل کاروبار نہیں کر سکتے تھے، خاندانی شغل کی وجہ سے آپ کو تجارت کا کافی تجربہ تھا، آپ ﷺ کے تجارتی تجربے اور دیانت کی شہرت کافی ہو چکی تھی، اس لیے سرمایہ دار منافع کی شرکت پر آپ کو سرمایہ دے دیتے تھے، آپ نہایت محنت اور دیانت داری کے ساتھ ان کا کام کرتے، رفتہ رفتہ آپ کی دیانت اور امانت داری کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ (زرقانی ج ۱ تزویج خدیجہ میں اس کی تفصیل ہے)

حضرت خدیجہؓ سے شادی حضرت خدیجہؓ قریش کی ایک معزز، پاکیزہ اخلاق اور دولت مند بیوہ تھیں، ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا، آنحضرت ﷺ کے تجارتی تجربات، اور دیانت داری کا شہرہ سن کر انہوں نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لیے شام لے جائیے، جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس کا دونا آپ کو دوں گی، آپ نے منظور کر لیا اور حضرت خدیجہؓ کا سامان لے کر بصری تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا، اس نے آنحضرت ﷺ کے اخلاق و

باوجود عیسائی مصنفین نے اس روایت کو بہت اچھالا ہے اور اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مذہب کے اسرار و حقائق بحیراہ راہب سے سیکھے تھے، جس کو انہوں نے آگے چل کر اسلام کی شکل میں پیش کیا، حالانکہ اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جاتا تو اس میں بحیراہ راہب سے استفادہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، پھر آنحضرت ﷺ کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی اس عمر کا بچہ مذہب کے اسرار و حقائق کو کیا سیکھتا، علامہ شبلی نے سیرۃ جلد اول میں اس کی مفصل تردید کی ہے)

عادات مشاہدہ کئے اور واپس ہو کر اپنی مالکہ سے بیان کیے' خدیجہؓ آپ کے پاکیزہ اخلاق سے پہلے ہی سے واقف تھیں۔ میسرہ کے بیان سے مزید تصدیق ہو گئی' ان کو اپنا کاروبار چلانے کے لیے ایک پاکیزہ اخلاق اور امین شوہر کی ضرورت تھی' اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شادی کی درخواست کی آپ نے منظور فرما لیا' اور ابو طالب نے پانچ سو طلائی درہم پر نکاح پڑھا دیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی ۴۰ سال تھی' پانچویں پشت پر دونوں کا نسب نامہ مل جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو زرقانی ج ۱ ص ۲۳۲ و مابعد)

حلف الفضول میں شرکت قبائل کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے سینکڑوں گھرانے برباد ہو چکے تھے' اور حجاز کا امن و امان خطرہ میں پڑ گیا تھا' جنگ فجار کے بعد لوگوں کو ان تباہ کن نتائج کا احساس ہوا' چنانچہ آنحضرت ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنی زہرہ اور بنی تیم نے آپس میں معاہدہ کیا کہ وہ ملک میں امن و امان قائم کرنے کی کوشش اور مسافروں کی حفاظت اور غریبوں کی امداد کریں گے۔ اور مظلوموں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑائیں گے۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۸۲) آنحضرت ﷺ بھی اس معاہدہ میں شریک تھے اور اس کو اس قدر پسند فرمایا تھا' کہ زمانہ اسلام میں آپ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے' کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی میں نہ لیتا' اور آج اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو میں شرکت کے لیے تیار ہوں۔ (مستدرک ج ۲ ص ۲۲۰)

تعمیر کعبہ خانہ کعبہ کی عمارت نشیب میں تھی' بارش کے زمانہ میں پانی سے بچاؤ کے لیے بند بندھوایا گیا تھا' لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا' خانہ کعبہ کی عمارت بھی امتداد زمانہ کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی اس لیے قریش نے اس کو تڑوا کر از سر نو تعمیر کرایا' جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا' تو اس شرف کے حصول کے لیے قبائل میں تلواریں نکل پڑیں' آخر میں یہ طے ہوا کہ دوسرے دن سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں آئے وہی حکم قرار پائے' اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' آپ کی ایمان داری اور دیانت پر سب کو اعتماد تھا۔ اس لیے سب نے بالاتفاق آپ کو حکم مان لیا۔ آپ نے رفع شر کی یہ صورت نکالی کہ چادر بچھا کر اس میں حجر اسود رکھ دیا اور فرمایا' ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی چادر پکڑ کے اٹھائے' اور جب چادر موقع کے برابر آ گئی' تو آپ

ﷺ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا۔ (مستدرک حاکم جلد اول ص ۴۵۸) اس حسن تدبیر سے ایک خون ریز جنگ ہوتے ہوتے رک گئی۔

چونکہ آئندہ چل کر آنحضرت ﷺ کو ایک منصب جلیل ملنے والا تھا' اس لیے خدا نے ابتدا ہی سے آپ کو فطرت سلیم عطا فرمائی تھی' چنانچہ بچپن ہی سے آپ کا دامن اخلاق ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رہا اور آپ نے رسوم جاہلیت میں سے کسی میں حصہ نہ لیا۔

نبوت کی تمہید یہ قانون قدرت ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل سپیدہ سحر نمودار ہو جاتا ہے باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں موسم برشگال کا پتہ دیتی ہیں موسم بہار کے آغاز میں فضا کا تغیر بہار کی آمد آمد کا اعلان کرتا ہے' اس لیے جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی جاتی تھی اور نبوت کا وقت قریب آتا جاتا تھا' آپ ﷺ میں غیر معمولی تغیرات پیدا ہوتے جاتے تھے' اور عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ طبیعت دنیا سے ہٹتی جاتی تھی اور روح ایک لا معلوم شے کے لیے بے قرار تھی' لیکن مطلوب کا پتہ نہ چلتا تھا' رفتہ رفتہ آپ ﷺ کی طبیعت عزلت نشینی کی طرف مائل ہونے لگی۔

آپ ﷺ سامان خورد و نوش لے کر مکہ سے باہر غار حرا چلے جاتے اور دنیا کی نگاہوں سے الگ مجاہدہ و ریاضت اور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ (فتح الباری)

جب مجاہدہ و ریاضت سے قلب فیضان الٰہی کے قبول کرنے کے لیے تیار ہو گیا' اس وقت نبوت کے آثار و علامات شروع ہو گئے' خواب میں اسرار منکشف ہونے لگے' جو خواب دیکھتے وہ واقعہ کی شکل میں نظر آتا۔ (مشکوۃ ص ۵۱۳)

جوں جوں یہ مدارج بڑھتے جاتے تھے' فیضان الٰہی کی لہریں زیادہ تیز ہوتی جاتی تھیں' تا آنکہ جب آپ ﷺ کا سن شریف چالیس سال کو پہنچا' تو ایک دن جب کہ آپ حسب معمول غار حرا میں تشریف رکھتے تھے' فرشتہ غیب نظر آیا اور آپ ﷺ سے کہا (اقراء باسم ربک الذی خلق آلایہ) پڑھ اپنے رب کا نام جس نے پیدا کیا۔

بعثت

ظہور اسلام

یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا' گھر واپس تشریف لائے تو سینہ جلال الٰہی سے لبریز تھا' حضرت خدیجہؓ سے واقعہ بیان کیا' انہوں نے تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں' خدا کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ اور آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس جو توریت و انجیل کے عالم تھے' لے گئیں' انہوں نے یہ ماجرا سن کر کہا "یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا' کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ ﷺ کو نکال دے گی' اس وقت آپ ﷺ کی مدد کرتا" (بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر) اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ پر اصل حقیقت منکشف ہو گئی اور آپ ﷺ نے اپنا فرض انجام دینا شروع کر دیا۔

دعوت اسلام کا مخفی آغاز لیکن ایک ایسی قوم کو جو صدیوں سے شرک اور بت پرستی کی ضلالت میں مبتلا تھی' توحید کی دعوت دینا خصوصاً اس حالت میں کہ روسائے قوم کے سالہا سال کے اقتدار کا خاتمہ ہوا جاتا تھا' آسان نہ تھا' اس لیے اول اول اپنے ان مقربان خاص کو اسلام کی دعوت دی' جو لوگ آپ کے عادات و خصائل سے اچھی طرح واقف تھے انہوں نے بلا تامل اس دعوت کو قبول کر لیا' چنانچہ عورتوں میں سب سے اول آپ ﷺ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ صدیقہ' مردوں میں آپ ﷺ کے قدیم رفیق و محرم راز حضرت ابوبکرؓ' غلاموں میں آپ کے محبوب غلام زید' نو عمروں میں آپ کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ اسلام سے مشرف ہوئے اور آپ تین سال تک خاموشی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیتے رہے' حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے بااثر تھے ان کے اثر سے حضرت عثمان بن عفان' زبیر بن عوام' عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن ابی وقاص' طلحہ بن زبیر رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے ان کے قبول اسلام کے اثر سے اس کا دائرہ بڑھنے لگا' چنانچہ حضرت خباب بن ارت' عمار بن یاسر' سعید بن زید' عبداللہ بن مسعود'

عثمان بن مظعون' ابو عبیدہ' صہیب اور ارقم رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اسلام قبول کیا اور ایک اچھی خاصی جماعت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی' یہ تمام کام خفیہ ہوا۔ (ان بزرگوں کے قبول اسلام کے واقعات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں)

اعلانیہ تبلیغ لیکن آپ کا فرض تھا خفیہ تبلیغ اور چند آدمیوں کے ہدایت یاب ہونے پر ختم نہ ہو جاتا تھا بلکہ سارے عالم کو علانیہ دعوت دینا تھا' اس لیے تین سال کے بعد علانیہ تبلیغ کے احکام نازل ہوئے۔ یاایھا المدثر قم فانذر' اور فاصدع بما تؤمر اور وانذر عشیرتک الاقربین اس حکم پر آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی "یا معشر قریش" اے قریشیو! آپ کی آواز پر لوگ جمع ہو گئے' آپ نے ان سے سوال کیا کہ "اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر جرار آ رہا ہے' تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا ہم نے ہمیشہ تم کو سچ ہی بولتے پایا ہے"۔ فرمایا تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہو گا۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۱۰) یہ غیر متوقع اور اپنے معتقدات کے خلاف بات سن کر سب بگڑ گئے۔

اس واقعہ کے چند دنوں بعد آپ ﷺ نے ایک دعوت کا انتظام کیا اور عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کر کے ان سے فرمایا "میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے' اس بار گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ سب خاموش رہے صرف حضرت علی ؓ نے جواب دیا کہ مجھے آشوب چشم کی شکایت ہے میری ٹانگیں پتلی ہیں اور نو عمر ہوں' لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا"۔ ان کے علاوہ سب خاموشی کے ساتھ اٹھ گئے۔

(طبری ج ۳ ص ۱۱۷۱)

مشرکین مکہ کی جانب سے مخالفت کا آغاز اب مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ چکی تھی' اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک دن حرم میں جا کر توحید کا اعلان کیا اس جرم پر مشرکین ٹوٹ پڑے' حارث بن ابی ہالہؓ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی اس میں وہ مقتول ہوئے یہ راہ خدا میں پہلا خون تھا۔ (اسابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ)

اب تک مشرکین نے اسلام کی دعوت کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی' لیکن جوں جوں اسلام کے پرستاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا' مشرکین کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی' ان کی مخالفت کے بہت سے اسباب تھے' اسلام ان کے صدیوں کے عقائد و رسوم کو باطل کر

رہا تھا، ان کے معبودوں کو جن کی وہ پرستش کرتے تھے' آگ کا ایندھن بتاتا تھا قرآن علانیہ قریش کی بد اخلاقیوں کی پردہ دری کرتا تھا، اور متولی کعبہ کی حیثیت سے عرب پر ان کا جو اقتدار قائم تھا، اسلام اس کا خاتمہ کیے دیتا تھا، بنی ہاشم اور بنی امیہ باہم پرانے رقیب تھے اس لیے بنی امیہ آل ہاشم میں نبوت کے اعزاز کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لیے یہ سب سے زیادہ مخالفت میں پیش پیش تھے۔

ابو طالب سے شکایت، ان کا جواب اور رسول اللہ ﷺ کا استقلال ان اسباب کی بنا پر سارا قریش اسلام اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا، تاہم شروع میں انہوں نے سختی کی بجائے صلح اور آشتی سے آنحضرت ﷺ کو باز رکھنے کی کوشش کی جب اس میں مایوسی ہوئی تو معززین قریش کا ایک وفد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس گیا، انہوں نے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا لیکن آنحضرت ﷺ اپنے فریضہ سے دست کش نہیں ہو سکتے تھے، قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابو طالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے معززین کو ناسمجھ بتاتا ہے اس لیے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ، ورنہ پھر میدان میں آؤ کہ ہم تم فیصلہ کر لیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر سمجھایا کہ "بیٹا! چچا پر ناقابل برداشت بار نہ ڈال اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دے، آپ ﷺ کا ظاہری سہارا جو کچھ تھے ابو طالب تھے، ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے، اور فرمایا —— "چچا جان خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب لا کر رکھ دیں، تو بھی میں اس فریضہ سے دست کش نہیں ہو سکتا، تاآنکہ میں کامیاب ہوں یا اسی راہ میں میرا خاتمہ ہو جائے۔۔" ابو طالب یہ جواب سن کر سخت متاثر ہوئے اور کہا جاؤ جو دل آئے کرو میں کسی بھی حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۸۹)

قریش کی ایذا رسانی ابو طالب سے مایوس ہونے کے بعد قریش نے رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں، آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے، نماز پڑھتے میں پشت مبارک پر نجاست کا بار لا کر لاد دیتے، بد زبانیاں کرتے، ایک مرتبہ آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن معیط نے گردن مبارک میں اپنی چادر رسی کی طرح ڈال کر

اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ (بخاری باب مالقی نبی کریم ﷺ من المشرکین) آپ ﷺ ان تمام سختیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور اپنا فرض برابر ادا کیے جاتے تھے۔

دنیاوی ترغیبات اور آنحضرت ﷺ کا جواب قریش سخت متحیر تھے کہ آپ ﷺ یہ تمام سختیاں کیوں جھیلتے ہیں، انہوں نے اپنی محدود پرواز خیال کے مطابق خیال کیا کہ آپ کا مقصد صرف دنیاوی جاہ و دولت اور نام و نمود کا حصول ہے اس لیے انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا اس نے آپ ﷺ سے کہا "محمد" کیا چاہتے ہو؟ مکہ کی ریاست؟ کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ دولت کا ذخیرہ؟ ان میں سے ہر شے تمہارے لیے مہیا کر سکتے ہیں، بشرطیکہ تم ان باتوں سے باز آ جاؤ۔ ان ترغیبات کے جواب میں آپ ﷺ نے سورہ حم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، عتبہ نہایت غور اور تاثر کے ساتھ ان کو سنتا رہا، یہاں سے واپس ہوا تو اس کا رنگ بدل چکا تھا، قریش سے جا کر کہا کہ "محمد ﷺ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ سحر ہے نہ کہانت نہ شاعری، وہ کچھ اور ہی شے ہے، اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سنا، میری رائے میں تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو اگر وہ کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے اور اگر عرب کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۵۴، ۱۵۵) لیکن قریش نے ان کی رائے منظور نہ کی۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام چند دنوں کے بعد آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ اور قبیلہ عدی کے منصب دار عمر بن خطاب مسلمان ہو گئے، عمر بن الخطاب دوسرے رؤسائے قریش کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اور اپنے بہن بہنوئی کو جو مسلمان ہو چکے تھے، اسلام کے جرم میں سزا دینے کے لئے گئے تھے، لیکن قرآن کی سحر آفرین آیتیں سن کر مسحور ہو گئے، اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد خاصی ہو چکی تھی لیکن وہ بڑی بے کسی کی حالت میں تھے، ان کے لئے علانیہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا، حضرت عمرؓ بڑے جری اور دبدہ و شکوہ کے شخص تھے، ان کے مسلمان ہوتے ہی دفعۃً حالت بدل گئی، انہوں نے بھرے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کیا، مشرکین نے اول اول ان پر بھی بڑی سختی کی، لیکن ان کی ثابت قدمی نے انہیں شکست دی اور حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو لے کر علانیہ حرم میں نماز ادا کی اور اس وقت سے اسلام کی تاریخ کا

ایک نیا دور شروع ہوا۔ (اسلام کی تاریخ میں حضرت عمر ؓ کے اسلام لانے کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے اس لیے سیرت و طبقات کی تمام کتابوں میں اس کا ذکر ہے' دیکھو ابن ہشام ج اول ص ۱۸۶ ومابعد)

مسلمانوں پر مشرکین کا جور و ستم جب اسلام غرباء اور کمزوروں سے بڑھ کر ارکان و عمائد میں پھیلنے لگا اور مشرکین ان کے مقابلہ میں مجبور ہو گئے' اس وقت ان کا غصہ غریب اور بے حامی و مددگار مسلمانوں پر ٹوٹنے لگا' چنانچہ انہیں ستانے کے لئے نئے نئے انداز ستم ایجاد کیے' ٹھیک نصف النہار کے وقت تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ غریب ہلنے نہ پائیں' دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیتے اور اس وقت تک جنبش نہ کرنے دیتے جب تک زخموں کی رطوبت سے آگ بجھ نہ جاتی' پانی میں غوطہ دیتے' رسی باندھ کر گھسیٹتے' حضرت بلال' خباب' عمار اور صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہ اس ستم رسیدہ جماعت کے سرگردہ تھے' مرد تو مرد مسلمان عورتیں تک ان ظالموں کے ظلم سے محفوظ نہ تھیں۔ حضرت بلال ؓ وغیرہ کی طرح حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا' زنیرہ اور لبینیہ بھی مشق ستم تھیں' سمیہ کو ابو جہل نے نیزے سے چھید چھید کر ہلاک کر دیا' (ان بزرگوں کے اس ابتلا کے حالات ابن سعد وغیرہ میں ان کے ترجموں میں مذکور ہیں) لیکن یہ تمام سفاکیاں کسی ایک مسلمان کو بھی جادہ اسلام نہ ہٹا سکیں۔

حبشہ کی ہجرت جب مشرکین کی ستم رانیاں حد سے سوا ہو گئیں اور ارض حرم میں جہاں جانوروں تک کو ستانے کی ممانعت ہے' مسلمانوں کے لیے سانس لینے کی گنجائش باقی نہ رہی اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان کو ارض حبشہ جو ان کے لیے مانوس مقام تھا' چلے جانے کا حکم دیا' اس حکم پر ۵ بعثت میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا مختصر قافلہ حبشہ روانہ ہو گیا' قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے بندرگاہ تک تعاقب کیا' لیکن مسلمان روانہ ہو چکے تھے۔ (اس کی پوری تفصیل طبری ج ۳ ذکر ہجرت حبشہ میں ہے)

مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش اور اس میں ناکامی حبشہ کا بادشاہ نجاشی نہایت رحم دل اور منصف مزاج تھا اس کی عدالت کی دور دور تک شہرت تھی' اس لیے حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کو اطمینان کی سانس لینے کا موقعہ ملا لیکن قریش اسے بھی گوارا

نہ کر سکتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ ہدایا و تحائف لے کر حبشہ پہنچے اور نجاشی کے درباریوں کو ہموار کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے چند سادہ لوح نوجوانوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین جو ہمارے اور آپ کے دونوں کے مذہب کے خلاف ہے، اختیار کیا ہے اور آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں، اس لیے ان کو ہمارے حوالہ کیا جائے، امرائے دربار نے بھی تائید کی، نجاشی نے نو وارد مسلمانوں کو بلا کر ان سے پوچھا۔ "تم نے کون سا دین ایجاد کیا ہے جو بت پرستی اور نصرانیت دونوں کے خلاف ہے"۔ اس کے استفسار پر حضرت جعفرؓ نے حسب ذیل تقریر کی!

"ایہا الملک! ہم لوگ جاہل تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاری اور قطع رحم کرتے تھے، ہمسایوں کے ساتھ زیادتی سے پیش آتے تھے، ہم میں طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا، ان حالات میں ہم میں خدا نے ایک پیغمبر ﷺ بھیجا جس کی صداقت، پاک بازی، امانت داری اور حسب و نسب سے ہم سب واقف ہیں، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمیں تعلیم دی کہ ہم بتوں کی پرستش چھوڑ دیں، صرف خدائے واحد کی پرستش کریں، سچ بولیں، امانت داری اور صلہ رحمی کریں انسانوں کا حق ادا کریں، خون ریزی اور حرام باتوں کو چھوڑ دیں، عفیفہ عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ ہم اس پیغمبر پر ایمان لائے، اس کی تعلیمات کو قبول کیا، شرک چھوڑ کر خداپرستی اختیار کی، حلال و حرام کو پہچانا اور تمام اعمال بد سے باز آئے، اس جرم میں ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، اور ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دیتی ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ کر پھر گمراہی اختیار کر لیں"۔

یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا اگر تم کو کچھ کلام الٰہی یاد ہے تو سناؤ، حضرت جعفرؓ نے کہیعص کا ابتدائی حصہ سنایا، اسے سن کر نجاشی لور اس کے بطریقوں پر بے اختیار رقت طاری ہو گئی، اور اس نے کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں اور قریش کے سفیروں کو صاف جواب دے دیا کہ یہ مظلوم تمہارے حوالے نہیں کیے جا سکتے۔

اس ناکامی کے بعد عمرو بن العاص دوسری چال چلے اور دوسرے دن دربار میں جا کر کہا، ان لوگوں سے ذرا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو پوچھئے، کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ اس نے

پھر مسلمانوں کو بلا بھیجا یہ بڑا آزمائش کا موقع تھا، قرآن حضرت عیسیٰ کے متعلق عیسائیوں کے گمراہ کن عقاید کا سخت مخالف تھا، لیکن حضرت جعفرؓ نے فیصلہ کیا کہ خواہ نتیجہ کچھ ہی ہو وہ صحیح اسلامی عقاید بیان کریں گے، چنانچہ نجاشی نے جب ان سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ لوگوں کا کیا عقیدہ ہے؟ تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ قرآن کی رو سے وہ خدا کے بندے اور اس کے پیغمبر اور اس کی روح ہیں۔ نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ "تم نے جو کچھ بیان کیا، عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔ نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اس کے بطارقہ برہم ہو گئے، لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور قریش کی سفارت ناکام لوٹ آئی۔ (یہ پوری تفصیل مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۰۲ اور سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۱۸۱ ومابعد میں مذکور ہے)

حبشہ کی دوسری ہجرت چند دنوں حبشہ میں قیام کے بعد مسلمان اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبریں سن کر مکہ لوٹ آئے، قریب پہنچ کر حقیقت معلوم ہوئی، کچھ لوگ تو پھر حبشہ لوٹ گئے لیکن اکثر چھپ کر مکہ چلے آئے اور کسی نہ کسی کی امان میں آ گئے، قریش اپنی سفارت کی ناکامی پر بہت جلے ہوئے تھے اس لیے اب انہوں نے ستم رانی کا شکنجہ اور زیادہ کس دیا، اس لیے دوبارہ ایک سو دو مسلمانوں کو جن میں ۸۲ مرد اور بیس عورتیں تھیں ترک وطن کرنا پڑا۔

بنی ہاشم کا مقاطعہ، شعب ابی طالب میں نظربندی اور رہائی قریش کی ہر طرح کی بندشوں اور ستم آرائیوں کے باوجود اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا، اس لیے انہوں نے آپس میں طے کیا کہ اگر بنی ہاشم محمدؐ کو قتل کے لیے حوالہ نہ کریں تو ان کا مکمل مقاطعہ کیا جائے، ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے جائیں، ان کے ساتھ خرید و فروخت بند کر دی جائے، ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ جانے دیا جائے، ان سے کسی قسم کا ربط و ضبط نہ رکھا جائے، غرض ہر قسم کے معاشرتی تعلقات ان سے منقطع کر لیے جائیں۔

مشرکین کی شرط ایسی تھی کہ کوئی باحمیت ہاشمی اسے پوری کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکتا تھا، اس لیے ابو طالب اپنے خاندان کو لے کر ایک گھاٹی میں جو انہی کے نام کی نسبت سے "شعب ابی طالب" مشہور تھی، چلے گئے اور کامل تین سال تک انتہائی مصیبتوں کے

ساتھ زندگی بسر کرتے رہے' باہر سے ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی شے نہ پہنچنے پاتی تھی' بعض رحم دل چرا چھپا کر غلہ پہنچا دیا کرتے تھے' جس پر ان لوگوں کی زندگی کا مدار تھا' تین سال گذرنے کے بعد خاندان بنی ہاشم کے بعض قریبی اعزہ کو رحم اور رحم کے ساتھ حمیت آئی' انہوں نے طے کیا کہ جس طرح ہو سکے ان لوگوں کو اس مصیبت سے نکالنا چاہیے۔ چنانچہ ہشام مخزومی' زمعہ بن الاسود' مطعم بن عدی اور زبیر نے معاہدہ نامہ چاک کر دیا اور جا کر بنی ہاشم کو قید سے نکال لائے۔ (اس کا ذکر ابن سعد' ابن ہشام اور طبری وغیرہ سب کتابوں میں ہے)

معراج اور فریضہ نماز اسی سن میں معراج ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو عالم افلاک اور جنت دوزخ کی سیر کرائی گئی' معراج ہی میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔

ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال قید تنہائی سے نکلنے کے چند دنوں بعد آنحضرت ﷺ کے چہیتے اور ظاہری پشت پناہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا' اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ نے بھی سفر آخرت کیا اور سال کے اندر اندر آپ ﷺ کے دو محسن اٹھ گئے۔

آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی میں بے باکی ابو طالب کی حمایت اور حضرت خدیجہؓ صدیقہ کی ملی وجاہت رسول اللہ ﷺ کے دو بڑے ظاہری سہارے تھے' ان کے بعد قریش کو کسی کا پاس و لحاظ باقی نہ رہ گیا اور ان کو نہایت آزادی کے ساتھ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا' چنانچہ انہوں نے نہایت بے باکی کے ساتھ آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ (حدیث کی کتابوں میں ان کے بہت سے واقعات ہیں)

تبلیغ کے لیے طائف کا سفر' اور واپسی اگرچہ یہ ستم کشی کوئی نئی شے نہ تھی' آنحضرت ﷺ عرصہ سے اسے برداشت کرتے چلے آ رہے تھے اور اس راہ کے ہر کانٹے کو پھول سمجھتے تھے' لیکن اہل مکہ کی متمردانہ روش سے آپ ﷺ کو ان کے قبول حق کی امید باقی نہ تھی' اس لیے دوسرے بندگان خدا کے کانوں میں توحید کی آواز پہنچانے کے لیے طائف تشریف لے گئے' اور یہاں کے روسا کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن یہاں بھی وہی جواب ملا اور وہی تمرد و سرکشی نظر آئی' جس کا مشاہدہ مکہ میں ہو چکا تھا' بلکہ مکہ والے پھر

بھی اپنے تھے، سب کو نہ سہی بعض کو آپ کا پاس و لحاظ تھا، طائف والے بالکل بیگانہ تھے، اس لیے انہوں نے اہل مکہ سے بھی زیادہ گستاخانہ سلوک کیا۔ اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو تالیاں بجا کر آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے تھے، اور آپ پر پتھر برسا کر لہو لہان کر دیا۔ اس لیے آپ ﷺ یہاں سے بھی مایوس ہو کر پھر مکہ لوٹے۔

معطعم بن عدی کی زیر حمایت فریضہ تبلیغ میں وسعت اس مرتبہ مطعم بن عدی نے آپ ﷺ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور حرم میں جا کر اعلان کر دیا "کہ میں نے محمد ﷺ کو اپنی امان میں لے لیا ہے اب کوئی انہیں ستانے کا ارادہ نہ کرے"، مطعم بن عدی کی امان میں آنے کے بعد آپ ﷺ نے اور زیادہ وسعت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا شروع کر دیا، عام مجموع میں، عکاظ اور ذی المجاز کے بازاروں میں، حج کے موقعہ پر بنی عامر، بنی فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، کندہ، کلب، عذرہ، حضار، بہ وغیرہ قبائل کا دورہ کر کے لوگوں کو پیغام حق سنایا، دشمن ابو لہب ہر جگہ ساتھ جاتا تھا اور کہتا تھا یہ دین سے پھر گیا ہے، جھوٹ کہتا ہے، اس کی باتیں نہ سنو۔ (مواہب لدنیہ میں اس کی پوری تفصیل ہے دیکھو زرقانی ج اول ص ۳۵۸).

انصار کی بیعت اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت عین ان حالات میں خدا نے قبیلہ اوس و خزرج کے بعض اشخاص کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اس سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، اوس اور خزرج قحطانی نسل کے دو مشہور مدنی قبیلے تھے، اگرچہ یہ بھی مشرکین مکہ کی طرح بت پرست تھے، لیکن یہودیوں کی ہمسائگی کی وجہ سے مذہبی کتابوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان پر یہودیوں کا بڑا اثر و اقتدار تھا، لیکن ظہور اسلام سے کچھ پہلے ان کو بڑی حد تک اس سے آزادی حاصل ہو گئی تھی، مدینہ اور اس کے جوار میں ان کے بہت سے قلعے تھے، یہ بھی حج کے لیے مکہ آیا کرتے تھے، موسم حج میں تبلیغ کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے اور قبائل عرب کے ساتھ قبیلہ خزرج کے چند آدمیوں کے سامنے بھی، جو مکہ آئے ہوئے تھے، اسلام پیش کیا، انہوں نے جن کی تعداد چھ تھی، اسلام قبول کر لیا، اس کے دوسرے سال بارہ آدمی اس شرف سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست پر مصعبؓ بن عمیر کو انہیں احکام سکھانے کے لیے ان کے ساتھ کر دیا، مصعبؓ مدینہ کے رئیس سعد بن زرارہ کے یہاں مقیم ہوئے، مدینہ آنے کے بعد

انہوں نے گھر گھر پھر کر اسلام کی دعوت شروع کر دی' ان کی کوششوں سے چند دنوں میں مدینہ میں اچھا خاصا اسلام پھیل گیا' اس سلسلہ میں قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ بھی مسلمان ہوئے' ان کا اسلام گویا پورے قبیلہ کا اسلام تھا' دوسرے سال حج کے موقعہ پر بہتر (۷۲) اہل مدینہ نے آنحضرت ﷺ کے دست حق پر بیعت کی۔ (مستدرک حاکم ج اول ص ۱۵)

اگرچہ آفتاب اسلام کی کرنیں مکہ کی پہاڑیوں سے نکل کر مدینہ کے افق تک پہنچ گئیں' لیکن خود اہل مکہ کے تمرد و سرکشی کا اب تک وہی حال تھا' گو یہاں بھی ایک معتد بہ جماعت اسلام لا چکی تھی' لیکن رؤسا جو اسلام کی راہ کا سنگ گراں تھے' اب تک ضلالت پر قائم تھے' بلکہ اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کا جنون اور زیادہ تیز ہوتا جاتا تھا' اور غریب مسلمانوں پر انہوں نے مکہ کی زمین تنگ کر رکھی تھی۔

ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد و پیمان آنحضرت ﷺ کا فرض صرف چند انسانوں کو راہ راست دکھا دینے پر ختم نہ ہو جاتا تھا' بلکہ سارے عالم کو خدائے واحد کے سامنے جھکانا اور خانہ کعبہ کو جو دنیا میں سب سے پہلا گھر خدا کا تھا' بتوں کی آلائش سے پاک کرنا تھا اور یہ اہم فرض مکہ میں رہ کر پورا ہونا ممکن نہ تھا' آپ کی بعثت کو اب تیرہ سال ہو چکے تھے' اس تیرہ سال کی جانکاہ محنت اور طرح طرح کی اذیتوں کو برداشت کرنے کے بعد ابھی بہت کم اہل مکہ مسلمان ہوئے تھے' اس لیے خدا کے دین کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ پھیلانے کے لیے کسی پر امن مقام کی ضرورت تھی' اوس و خزرج کے قبول اسلام سے مدینہ میں اسلام کی ایک پشت پناہ جماعت پیدا ہو چکی تھی' جو اپنا تن من دھن سب اسلام پر نثار کرنے کو تیار تھی' اس لیے آپ ﷺ نے اسلام کا تبلیغی مرکز مکہ سے مدینہ منتقل کر دینے کا عزم فرمایا' انصار کے لیے اس سے زیادہ سعادت اور کیا ہو سکتی تھی وہ آنکھیں فرش راہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے' آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس ؓ نے جو اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن ان میں خون کی محبت موجود تھی' ان بہتر (۷۲) انصاریوں سے جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا' فرمایا کہ گروہ خزرج! محمدؐ اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں ہم ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے' اب وہ تمہارے یہاں جانا چاہتے ہیں' اگر تم لوگ مرتے دم تک ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہو تو بہتر ہے ورنہ ابھی صاف جواب دے دو' آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم لوگ اس پر بیعت

کرو کہ اپنے اہل و عیال کی طرح میری حفاظت کرو گے' یہ سن کر براء بن معرور انصاری ؓ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا' آپ نے ان سے بیعت لی' براء ؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے پشت ہا پشت سے جنگ و جدال میں پرورش پائی ہے' ابھی انہوں نے اتنا ہی کہا تھا' کہ ابو الہیثم انصاری بات کاٹ کر بولے' یا رسول اللہ ہم میں اور یہود میں جو تعلقات ہیں' بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے' ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل ہو اس وقت آپ ہم کو چھوڑ دیں اور اپنے وطن لوٹ آئیں' آپ نے مسکرا کر فرمایا نہیں تمہارا خون میرا خون ہے' تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ (سیرت ابن ہشام ج اول ص ۲۴۲)

اس گفتگو کے بعد آنحضرت ﷺ نے جماعت انصار میں سے بارہ نقیب مقرر فرما کر ان سے بیعت لی' سعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر اپنی جماعت سے کہا بھائیو! خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ بیعت عرب و عجم اور جن و انس کے ساتھ اعلان جنگ ہے سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ہاں ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں۔ (سیرت ابن ہشام ج اول ص ۲۴۴)

صحابہ ؓ کی ہجرت مدینہ مدینہ میں جائے پناہ حاصل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ ؓ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا' قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی' لیکن رفتہ رفتہ اکثر صحابہ ؓ نکل گئے' صرف آنحضرت ﷺ' حضرت ابو بکر صدیق ؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور وہ صحابہ ؓ جو ناداری کی وجہ سے مدینہ جانے تک کی مقدرت نہ رکھتے تھے باقی رہ گئے۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو امن و سکون نصیب ہوا اور ان کی تعداد نہایت تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی' اس کا تدارک مشرکین مکہ کے بس سے باہر تھا' وہ سن کر پیچ و تاب کھاتے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے' آنحضرت ﷺ ابھی تک مکہ ہی میں تشریف رکھتے تھے' اس لیے مشرکین نے اپنی ناکامی کے غصہ میں (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ ہی کا قصہ چکا دینے کا عزم کر لیا' چنانچہ عتبہ' ابو سفیان' جبیر بن مطعم' ابو جہل' امیہ بن خلف اور حکم بن حزام وغیرہ رؤسائے قریش نے اس بارہ میں مختلف رائیں دیں' سرخیل اعداء ابو جہل نے تجویز پیش کی کہ سرے سے محمد ﷺ ہی کا کام تمام کر دیا جائے کہ یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے' اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس میں شریک ہو تاکہ بنی ہاشم بدلہ نہ لے سکیں' اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا اور رات گذرنے کے

بعد کاشانہ نبوی ﷺ کا محاصرہ کر کے آپ ﷺ کے برآمد ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۵)

ہجرت نبویؐ آنحضرت ﷺ کو ان کے ارادہ سے آگاہی ہو گئی، آپ ﷺ کے ذمہ اہل مکہ کی کچھ امانتیں تھیں، حضرت علی کو بلا کر یہ امانتیں سپرد کیں اور فرمایا میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا، تم میرے پلنگ پر چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب امانتیں پہنچا دینا"۔۔۔ خدا کو اپنا دین مکمل کرنا تھا اس لیے مشرکین کو نیند آ گئی اور انہیں غافل پا کر آنحضرت ﷺ گھر سے باہر نکل آئے اور ان پر حسرت کلمات کے ساتھ۔ "مکہ تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے"۔۔۔ کعبہ کو الوداع کہہ کر حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے، یہاں سواری وغیرہ سفر کا ضروری سامان موجود تھا، فوراً دونوں روانہ ہو گئے، اور مکہ سے تین میل چل کر غار ثور میں روپوش رہے، تین دن تک اس غار میں مقیم رہے، اس درمیان میں حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ برابر رات کو غار میں ساتھ رہتے اور صبح سویرے مکہ چلے جاتے اور وہاں کے حالات کا پتہ چلا کر شام کو آ کر ان کی اطلاع دیتے آپ کا غلام روزانہ دودھ پہنچا جاتا۔

تعاقب اور مشرکین کی ناکامی ادھر مکہ میں جب محاصرہ کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرت ﷺ کی بجائے حضرت علیؓ کو بستر پر پایا، یہ بہت کمسن تھے اس لیے معمولی تنبیہہ کر کے چھوڑ دیا اور آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلے ڈھونڈتے غار ثور کے دہانہ پر پہنچ گئے، حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کے خیال سے گھبرا گئے۔ آپ نے اطمینان دلایا، گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے، اس اعتماد نے دستگیری کی اور تلاش کرنے والوں کی نظر آپ لوگوں پر نہ پڑی اور وہ ناکام لوٹ گئے، آنحضرت ﷺ چوتھے دن غار سے نکل کر آگے بڑھے۔

آنحضرت ﷺ کے مکہ سے نکلنے کے بعد قریش نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمدؐ یا ابو بکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ دیئے جائیں گے، اس انعام کی طمع میں بہت سے آدمی تلاش کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے، آنحضرت ﷺ کے مکہ سے نکلنے کے وقت ایک شخص سراقہ ابن جعشم نے دور سے آپ کو دیکھا تھا، لیکن اس کو پورا یقین نہ تھا،

اشتہار کے بعد وہ بھی تعاقب میں نکلا اور تلاش کرتے کرتے قریب پہنچ گیا لیکن اس کے گھوڑے نے پیہم ٹھوکریں لیں، قریب پہنچ کر گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، اس پیہم بدشگونیوں پر اسے خیال ہوا کہ یہ آثار تو کچھ اور ہیں اس لیے اس نے گرفتاری کا خیال ترک کر دیا اور آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر آپ ﷺ کو اشتہار کا حال سنایا اور استدعا کی آئندہ کے واسطے میرے لیے امان لکھ دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ سے لکھوا کر دے دیا، یہ تحریر پا کر سراقہ لوٹ گیا اور آنحضرت ﷺ منزلیں طے کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ (یہ پوری تفصیل بخاری باب الہجرت سے ماخوذ ہے)

اہل مدینہ کا انتظار اہل مدینہ آپ ﷺ کی تشریف آوری میں چشم براہ تھے روزانہ شہر سے نکل کر انتظار کر کے ناکام لوٹ جاتے، ایک دن حسب معمول انتظار کر کے واپس ہوئے تھے کہ ایک یہودی نے اطلاع دی کہ اہل عرب جس کا انتظار کرتے تھے وہ آ گیا، یہ سنتے ہی سارا شہر تکبیروں سے گونج اٹھا۔

قباء میں ورود اور مسجد قبا کی تاسیس مدینہ سے باہر قبا میں چند انصاری خاندان آباد تھے، حوالی مدینہ پہنچ کر آپ نے پہلی منزل قبا میں کی اور کلثوم بن ہدم کو شرف میزبانی حاصل ہوا، قبا میں آپ ﷺ کے آنے کی خبر سن کر جوق در جوق انصاری سلام کے لیے حاضر ہونے لگے۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۶۰، طبقات ابن سعد حصہ سیرت ص ۱۵۸) یہاں آپ نے چودہ دن قیام فرمایا اور ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی، یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی، قرآن میں لمسجد اسس علی التقوی سے یہی مسجد مراد ہے۔ (اس مسجد کی تعمیر کی تفصیل وفاء الوفاء میں مذکور ہے)

مدینہ میں داخلہ، انصار کا جوش اور ابو ایوب انصاری کے یہاں قیام تعمیر مسجد کے بعد مدینہ روانہ ہوئے راستہ میں بنی سالم کے محلہ میں پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی، سارا مدینہ استقبال کے لیے ٹوٹ پڑا تھا قبا سے مدینہ تک دو رویہ انصاریوں کی صفیں تھیں، ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا، حضور! یہ جان ہے یہ مال ہے، یہ دولت ہے، آپ اظہار منت کرتے اور دعائے خیر فرماتے ہوئے مدینہ پہنچے، سارا مدینہ جوش استقبال میں امنڈ آیا، عورتیں گاتی ہوئی چھتوں پر چڑھ گئیں، معصوم لڑکیاں خوشی سے دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔

(زرقانی ج ۱ ص ۳۳۳) جب کوکبۂ نبوی' حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے پاس پہنچا' اس وقت شرف میزبانی کے لیے باہم سخت کشمکش ہوئی' آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے وہ جہاں جا کر بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہو گی' چنانچہ یہ دولت حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کے حصہ میں آئی' آپ ﷺ نے سات مہینے ان کے یہاں قیام فرمایا' اسی وقت سے سن ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔

تعمیر مسجد اور نماز باجماعت کا اہتمام اب تک مدینہ میں مویشی خانہ میں نماز پڑھی جاتی تھی آنحضرت ﷺ نے تشریف لانے کے بعد مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا' آپ ﷺ کی قیام گاہ کے قریب بنی نجار کی افتادہ زمین تھی' انہوں نے بلا قیمت نذر دینی چاہی' مگر آپ ؐ نے منظور نہ فرمایا اور باصرار قیمت ادا فرمائی اور صحابہ کے ساتھ مل کر ایک مختصر اور سادہ مسجد تعمیر کی جس کی دیواریں کچی اینٹوں کی' ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت چھپر کی تھی' قریب ہی نادار مسلمانوں کے قیام کے لیے ایک چبوترہ تعمیر فرمایا' جو تاریخ اسلام میں صفہ کے نام سے مشہور ہے' مسجد کی تعمیر کے بعد اسی سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے بنے۔ (اس مسجد کی تعمیر کے حالات بخاری کے مختلف ابواب میں پوری تفصیل ابن سعد حصہ سیرت ص ۱۴ میں مذکور ہے) تعمیر مسجد سے پہلے نماز باجماعت کا اہتمام نہ تھا' جس سے اسلام کی عبادتوں کا ایک مقصد یعنی وحدت و اجتماع فوت ہوتا تھا' تعمیر مسجد کے بعد نماز باجماعت قائم ہوئی اور اعلان کے لیے حضرت عمر ؓ کی رائے سے اذان دینے کا طریقہ جاری ہوا۔

(بخاری باب الاذان و ابو داؤد باب بدء الاذان)

مہاجرین اور انصار میں رشتہ اخوت اور انصار کا بے مثل ایثار مکہ کے غریب الوطن جنہیں اسلامی اصطلاح میں "مہاجرین" کہا جاتا ہے بالکل بے سرو سامان مدینہ آئے تھے' اگرچہ ان میں بہتیرے صاحب حیثیت بھی تھے' لیکن ایسی حالت میں وطن چھوڑا تھا کہ کوئی شے مکہ سے لا نہ سکے تھے' اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کا سہارا قائم کرنے اور ان کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور انصار میں رشتہ اخوت قائم کر دیا' یعنی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا' یہ اخوت حقیقی اخوت سے بڑھ گئی' اس موقع پر انصار نے جس فیاضی' جس ایثار اور جس میزبانی کا ثبوت دیا تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی' انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کی حیثیت محض مہمان کی نہ رہنے دی'

بلکہ اس کو مال و دولت، زمین جائیداد، کھیتی باڑی، اپنی ساری کائنات میں برابر کا شریک و سہیم بنا لیا، حتیٰ کہ حضرت سعد بن ربیع ؓ نے جن کے دو بیویاں تھیں، ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمٰن کے سامنے نکاح کے لیے پیش کیا، لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ اس سے انکار کر دیا۔ اکثر مہاجرین نے صرف بقدر ضرورت نقد لے کر اپنا کاروبار علیحدہ شروع کر دیا یہ رشتہ اتنا قوی تھا کہ جب تک آیت میراث نازل نہ ہوئی اس وقت تک متوفی انصار کی وراثت مہاجرین ؓ کو ملتی تھی جب مہاجرین کی حالت سنبھلی گئی، مہاجرین، انصار کی امانت انہیں واپس کرتے گئے۔

یہود مدینہ سے معاہدہ یہود اپنے تمول اور ثروت کی وجہ سے مدینہ میں بڑے صاحب اقتدار تھے، مدتوں سے انصار کو دباتے چلے آ رہے تھے، گو اب ان کا پہلا اقتدار باقی نہ رہ گیا تھا، تاہم انصار کے مقابلہ میں ان کی امتیازی شان قائم تھی، اس لیے ان کی جانب سے آنحضرت ﷺ کو خطرات تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے ایک معاہدہ کیا، جس کی اہم دفعات یہ ہیں۔ کہ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے وہ قائم رہے گا، یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے، فریقین میں سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ پیش آئے تو باہم ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے، کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا، جب کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ کرے گی تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے، فریقین میں سے جب کوئی کسی تیسری طاقت سے صلح کرے گا تو دوسرے کو بھی صلح کرنی ہو گی، البتہ مذہبی لڑائیاں اس سے مستثنیٰ رہیں گی (تفصیل کے لیے دیکھو ابن ہشام ج ۱ ص ۲۷۸، ۲۸۹)

اب تک نماز کی صرف دو رکعتیں تھیں ۱ھ میں فجر کے علاوہ ظہر، عصر اور عشاء میں چار چار ہو گئیں۔

مکہ کا قبلہ قرار پانا اب تک مسلمان بیت المقدس کی جانب جو یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا، نماز پڑھتے تھے، لیکن اسلام ایک مستقل مذہب تھا اس کے استقلال و اختصاص کے لیے ایک مستقل قبلہ کی ضرورت تھی، اسلام ملت ابراہیمی کی تجدید کے لیے آیا تھا اس لیے اس کا قبلہ خانہ ابراہیم علیہ السلام ہی ہو سکتا تھا، چنانچہ سولہ مہینے بیت المقدس کی سمت نماز پڑھنے کے بعد ۲ ہجری میں خدا نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا۔

یہودیوں کی مخالفت کا آغاز انصاریوں کی مالی کمزوری اور بت پرستی کی وجہ سے ان پر مدتوں سے یہودیوں کا، جو مذہب اور دولت و ثروت دونوں میں ان سے ممتاز تھے، مذہبی اور مالی تفوق چلا آتا تھا، اسلام نے ان کی برتری کو نقصان پہنچایا تھا، اس لیے یہودی دل سے اسلام کے خلاف تھے، لیکن ابتداء میں ان کی مخالفت پردہ میں رہی اور جب تک بیت المقدس اسلام کا قبلہ رہا اس وقت تک یہود منافقانہ مسلمانوں کے بھیس میں، نمازوں میں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے، لیکن بیت المقدس کو وہ کسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے تھے اس لیے تحویل قبلہ کے بعد جب ان کا رہا سہا امتیاز بھی جاتا رہا اس وقت ان کی منافقت کا راز فاش ہو گیا اور وہ علانیہ مسلمانوں کے خلاف ہو گئے۔

مسلمانوں کی عام مخالفت اور مدینہ پر حملہ کا خطرہ ۲ھ سے اسلام کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا، اور اس کے پیرؤوں کو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہو کر اپنی بقا و حفاظت کے لیے تلوار ہاتھ میں لینی پڑی، اس دور پر بعض کوتاہ بین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام جب تک مکہ میں کسمپرسی کی حالت میں رہا، اس وقت تک وہ ہر قسم کے ستم سہتا رہا، مدینہ پہنچ کر جب اس میں قوت پیدا ہوئی تو اس وقت اس نے تلوار اٹھائی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد بھی مسلمانوں کو پورا اطمینان نہیں ہوا، یہ صحیح ہے کہ مکہ کی طرح ان کی زندگی مشق ستم نہیں رہی لیکن ان کی مخالفت کے اسباب اور مخالفین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا، وہاں صرف ایک قریش کا مقابلہ تھا، مدینہ آ کر اس میں یہودیوں اور بعض انصار کا بھی اضافہ ہو گیا، یہود کی مخالفت کا سبب تو کھلا ہوا ہے کہ اسلام ان کے صدیوں کے وقار کو مٹا رہا تھا، انصاریوں کے خاندان میں بھی بعض وہ رؤسا جن کی سیادت خطرہ میں پڑ گئی تھی، گو زبان سے کچھ نہ کہتے تھے لیکن دل سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھے، عبداللہ بن ابی منافق جو ہجرت سے پہلے رئیس الانصار تھا اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے لیے تاج تیار کر لیا تھا۔ (بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر) اس کے علاوہ قریش جنہیں سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی، تمام قبائل عرب کو، جن میں اہل مدینہ بھی شامل تھے، مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے، چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اسے قتل کر دو یا اپنے یہاں سے نکال دو ورنہ

ہم مدینہ پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۷ باب خبر النضیر) آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی' آپ ﷺ نے عبداللہ کو سمجھایا کہ کیا اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے' اکثر اہل مدینہ مسلمان ہو چکے تھے۔ جوش غضب برابر بڑھتا جاتا تھا' اتفاق سے اسی زمانہ میں اوس کے رئیس اعظم حضرت سعد بن معاذ انصاری ؓ عمرہ کے لیے مکہ گئے ہوئے تھے اور اپنے پرانے رفیق امیہ بن خلف کے مہمان ہوئے' قریش کے بعض افراد نے ان سے کہا کہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دی ہے اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔" سعد ؓ نے کہا۔ "اگر تم نے مجھ کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ بند کر دیں گے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی)

قریش نے نہ صرف مدینہ پر حملہ کی دھمکی دی' بلکہ حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ خطرہ اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہ راتوں کو ہتھیار لگا کر سوتے تھے۔

(لباب النقول فی اسباب النزول السیوطی' مسند داری)

حفاظت اور مدافعت کی تدبیریں ان حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو اپنی اور اپنے حامی انصاریوں کی حفاظت کے لیے جنہوں نے اسلام کی خاطر قریش کی دشمنی خریدی تھی' مدافعانہ کاروائی کرنی پڑی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کر دی' اور حمزہ ؓ عبید بن حارث اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو مختلف اوقات میں تھوڑی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا' لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی' اس کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لیے آس پاس کے قبائل سے معاہدہ کیا' سب سے پہلے قبیلہ جہینہ سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دیں گے' اس کے بعد قبیلہ مزینہ سے معاہدہ کیا کہ اگر کوئی قوت ان پر حملہ آور ہو گی تو مسلمان ان کی مدد کریں گے' اور جب مسلمانوں کو مدد کی ضرورت ہو گی تو وہ مدد کے لیے آئیں گے۔

(زرقانی جلد اول ص ۲۷۷)

مدینہ کی چراگاہ پر حملہ اس معاہدہ کے ایک مہینہ بعد مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے رسول اللہ ﷺ کے مویشی لوٹ لیے' مسلمانوں نے تعاقب کر کے مویشی چھین لیے' لیکن کرز بچ کر نکل گیا۔ (بخاری کتاب المغازی و اصابہ تذکرہ

کرز بن جابر) اسی سن میں آنحضرت ﷺ نے ذوالعشیرہ تشریف لے جا کر بنی مدلج سے معاہدہ کیا۔

سریہ عبداللہ بن جحش رجب ۲ھ میں آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو بارہ (۱۲) آدمیوں کی مختصر جماعت کے ساتھ قریش کے کاروان تجارت کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا' اتفاق سے قریش کے چند آدمی جو تجارت کا سامان لیے ہوئے شام سے واپس آ رہے تھے' مل گئے' عبداللہ نے ان پر حملہ کر دیا اور ایک آدمی قتل اور دو گرفتار کر کے مدینہ لائے' آنحضرت ﷺ نے ان کے اس فعل پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ "میں نے تم کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی اور غنیمت کا مال بھی قبول نہ فرمایا' صحابہؓ نے بھی ناپسندیدگی ظاہر کی۔ (سیرت ابن ہشام ج ا ص ۳۴۴' ۳۴۵ و طبری ص ۱۲۷۵)

غزوہ بدر سوئے اتفاق سے جو لوگ قتل و گرفتار ہوئے تھے' وہ معززین قریش تھے۔ اس لیے قریش جو پہلے سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کر رہے تھے' اس واقعہ سے اور زیادہ مشتعل ہو گئے اسی دوران میں مکہ میں یہ خبر اڑ گئی کہ مسلمان قریش کا کاروان تجارت لوٹنے کے لیے آ رہے ہیں اس خبر پر قریش بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا' مہاجرین نے جان نثارانہ تقریریں کیں' لیکن آپ ﷺ انصار کا عندیہ لینا چاہتے تھے' قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعدؓ بن عبادہ نے انصار کی طرف سے عرض کیا کہ آپ ﷺ جہاں تشریف لے جائیں ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں' اور جس سے چاہیں تعلق منقطع کر لیجئے' جس سے چاہیں قائم رکھیے' آپ ﷺ ہم سے جو لینا چاہیں یا ہم کو دینا چاہیں' ہم دونوں کے لیے حاضر ہیں' آپ' ہمارا جس قدر مال قبول فرمائیں گے اس سے ہم کو زیادہ خوشی ہو گی اس مال کے مقابلہ میں جو آپ چھوڑ دیں گے' آپ ﷺ جو حکم دیں گے ہم سب آپ کے تابع ہیں' اگر آپ ﷺ برک غماد تک بھی جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں' اگر آپ ہم کو سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم کود پڑیں گے' حضرت مقدادؓ نے کہا کہ "ہم موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح نہیں ہیں' جس نے موسیٰ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں' بلکہ ہم آپ ﷺ کے دائیں بائیں' آگے پیچھے آپ' کے ساتھ لڑیں گے"۔ یہ تقریریں سن کر آپ' کا چہرہ وفور مسرت سے چمک اٹھا۔ (زاد

المعارج اول ص ۳۴۲) اور آپ رمضان ۲ ہجری ۶۲۳ء میں تین سو تیرہ مسلمانوں کو لے کر جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے' مدینہ سے روانہ ہوئے اس درمیان میں قریش کا لشکر جس میں ایک ہزار پیدل سپاہ اور سو سوار تھے' عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا آنحضرت ﷺ کو چاہ بدر کے قریب اس کی اطلاع ملی' آپ ﷺ وہیں ٹھہر گئے' لیکن قریب کوئی کنواں نہ تھا اس لیے آگے بڑھ کر ایک چشمہ پر خیمہ زن ہوئے اور رات بھر دعا و مناجات میں مصروف رہے' صبح کو فوج مرتب کر کے دعا فرمائی' خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر' آج اگر یہ تیرے چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو پوجا نہ جائے گا۔ (سیرت ابن ہشام ج اول ص ۳۶۰)

یہ بڑے امتحان و آزمائش کا موقع تھا' جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں کو نظر آیا کہ خود ان کے بزرگ اور ان کے قلب و جگر کے ٹکڑے تلواروں کے سامنے ہیں' لیکن اسلام کی محبت نے تمام رشتوں کو بھلا دیا تھا' چنانچہ میدان جنگ میں حضرت ابو بکرؓ کی تلوار اپنے لخت جگر عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں بے نیام ہوئی۔ (استیعاب ذکر عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ) حضرت عمرؓ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی' حذیفہؓ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلہ میں آنا پڑا۔

پہلے فردا" فردا" مقابلہ ہوا اور دونوں فوجوں میں سے ایک ایک آدمی میدان میں آیا' مقتول عامر کے بھائی عمرو کو حضرت عمرؓ کے غلام نے قتل کیا' قریش کے سپہ سالار عتبہ کا کام حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تمام کیا' اس کے بھائی شیبہ کو علیؓ کی تلوار نے ختم کیا' عبیدہ بن سعید کو حضرت زبیرؓ نے مارا اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی اور دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں' دو انصاری نوجوان معوذؓ اور عفراءؓ ابو جہل کی تاک میں تھے' نظر پڑتے ہی اس کا کام تمام کر دیا' عکرمہ بن ابی جہل نے جھپٹ کر معوذؓ پر تلوار کا وار کیا' ہاتھ شانہ سے لٹک گیا' صرف تسمہ لگا رہ گیا تھا' (سیرت ابن ہشام ذکر غزوہ بدر) مگر وہ اس وقت بھی لڑتے رہے' لیکن کٹا ہوا ہاتھ تلوار چلانے میں مزاحم ہوتا تھا اس لیے تسمہ کاٹ کر الگ کر دیا' ابو جہل کے قتل سے قریش میں بد دلی پھیل گئی' لیکن ابھی ایک اور سردار امیہ بن خلف باقی تھا' عبدالرحمٰن بن عوف اس کے حلیف تھے اس لیے وہ مسلمانوں کی نظر بچا کر لے نکل دینا چاہتے تھے' اتفاق سے حضرت بلالؓ نے جو مکہ میں اس کے مشق ستم رہ چکے تھے دیکھ

لیا، انہوں نے انصار کو خبر دی وہ دو طرف سے ٹوٹ پڑے، حضرت عبدالرحمٰن بچانے کے لیے امیہ پر لیٹ گئے، لیکن بلال ؓ کی فریاد کے مقابلہ میں لوگوں نے ان کی پرواہ نہ کی اور نیزے سے چھید چھید کر قتل کر ڈالا۔ (بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر)

اسیران جنگ سے حسن سلوک امیہ کے قتل ہوتے ہی کفار نے میدان چھوڑ دیا، مسلمانوں میں کل ۱۴ آدمی شہید ہوئے اور قریش کے بہت سے نامور سردار شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن اسود، امیہ بن خلف وغیرہ مارے گئے اور مشاہیر قریش میں حضرت عباس، عقیل، نوفل اسود عبد بن زمعہ وغیرہ گرفتار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے تمام قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم کر کے انہیں آرام سے رکھنے کا حکم دیا، اس پر صحابہ نے اس شدت سے عمل کیا کہ خود کھجور کھا کر بسر کرتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے۔ (طبری ص ۱۳۳۸) جن کے پاس کپڑے نہ تھے انہیں کپڑے دیئے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اسیران جنگ کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت ابوبکر نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن حضرت عمر ؓ کی رائے تھی کہ قتل کر دیا جائے اور مسلمان خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اعزہ کو قتل کریں، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر سب کو رہا کر دیا، جو لوگ ناداری سے فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے، تو ان میں سے جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان کے متعلق حکم ہوا کہ دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں تو وہ رہا کر دیئے جائیں گے۔ (مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۲۴۶)

قریش کا جوش انتقام اور غزوہ سویق اس جنگ میں بہت سے رؤسائے قریش مارے گئے تھے، ان کے بعد ابوسفیان ابن حرب اموی قریش کی مسند ریاست پر بیٹھا، عرب کی روایات کے مطابق اس وقت اس کا مقدم فرض مقتولین بدر کا انتقام لینا تھا، چنانچہ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ اپنے مقتولین کا انتقام نہ لے گا اس وقت تک سر میں تیل نہ ڈالے گا، دو سو سواروں کا دستہ لے کر خفیہ مدینہ پہنچا، بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی نے پرتکلف دعوت کی اور مدینہ کے مخفی رازوں سے آگاہ کیا، اس سے حالات معلوم کرنے کے بعد ابوسفیان نے عریض پر حملہ کیا اور ایک انصاری کو قتل کر کے مکانات اور گھاس کے ذخیرے جلا دیئے آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ اس کے تعاقب میں نکلے، لیکن ابوسفیان نکل گیا۔ (ابن سعد ج ۲ ص ۲۰)

متفرق واقعات اسی ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور پہلی مرتبہ عیدگاہ میں نماز عید ادا ہوئی، اور آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی ؓ کے ساتھ سوا سو روپے مہر پر کیا اور ایک چارپائی، چمڑے کا گدا، ایک چھاگل، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے جہیز میں دیے۔ (ابن سعد ج ۸ تذکرہ فاطمہؓ و زرقانی ج ۲ میں اس نکاح کی پوری تفصیل ہے)

غزوہ احد اگرچہ عریض پر حملہ سے ابوسفیان کی قسم فی الجملہ پوری ہو گئی، لیکن جن جن لوگوں کے اعزہ بدر میں قتل ہوئے تھے وہ ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا محمدؐ نے قریش کو تباہ کر دیا ہے اس کا انتقام ضروری ہے اس کے اخراجات کے لیے اس مرتبہ کاروان قریش کا منافع ہم کو دلایا جائے۔ سب نے اسے بخوشی منظور کر لیا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ تیاریاں شروع ہو گئیں اور شوال ۳ھ ۶۲۴ء میں بڑے سروسامان سے قریش مدینہ روانہ ہوئے، حضرت عباسؓ نے جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ ہی میں مقیم تھے، آنحضرت ﷺ کو خفیہ اطلاع بھجوا دی، آپ ﷺ نے پتہ چلانے کے لیے آدمی بھیجے، معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب عریض تک پہنچ چکا ہے۔ (ابن سعد ج ۲ ص ۲۵)

دوسرے دن صبح کو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار نے رائے دی کہ عورتوں کو شہر کے باہر قلعوں میں بھیج دیا جائے اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے، لیکن پر جوش نوجوانوں کو اصرار تھا کہ باہر نکل کر صف آرائی کی جائے، ان کے اصرار پر آنحضرت ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ، احد کی طرف جہاں مشرکین مکہ خیمہ زن تھے بڑھے، عبداللہ بن ابی منافق تین سو سواروں کی معیت میں نکلا لیکن پھر عذر لنگ کر کے لوٹ گیا اور مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔

احد پہنچ کر پہاڑ کی پشت پر صف آرائی ہوئی، حضرت مصعب بن عمیرؓ کو علم اور حضرت زبیر بن عوامؓ کو سپہ سالاری عطا ہوئی، پہاڑ کی پشت سے مشرکین کے حملہ کا خطرہ تھا، اس لیے پچاس آدمیوں کا دستہ اس کی حفاظت پر متعین کر کے تاکید فرما دی کہ فتح و شکست میں تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا، قریش تعداد اور سروسامان ہر شے میں مسلمانوں سے زیادہ تھے انہوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ صف بندی کی، میمنہ پر خالد بن ولید، میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل، سواروں پر صفوان بن امیہ، تیر اندازوں پر عبداللہ ابن ربیعہ تھے، علم

طلحہ کے ہاتھوں میں تھا۔

قریش کی صف سے پہلے ابو عامر (یہ مدینہ کا باشندہ اور کچھ دنوں سے مکہ میں متوطن ہو گیا تھا' اور اس کی رندانہ زندگی کی وجہ سے اہل مدینہ پر اس کا بڑا اثر تھا) میدان میں آیا اور پکارا' اہل مدینہ! مجھے پہچانتے ہو میں کون ہوں؟" انصار نے جواب دیا۔ "بدکار ہم تجھے خوب جانتے ہیں' خدا تیری آرزو بر نہ لائے"۔ اس کے بعد قریش کا علمبردار طلحہ بڑھا اور طنزیہ پکارا۔ "کون ہے جو مجھے جہنم بھیج دے یا میں اسے جنت میں پہنچا دوں؟" حضرت علیؓ نے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی' حضرت علیؓ' حمزہؓ اور ابو دجانہؓ انصاری نے اپنے بے پناہ حملوں سے مشرکین کی صفیں درہم برہم کر دیں' حمزہؓ جوش شجاعت میں دور تک دشمنوں کی صفوں میں گھستے چلے گئے' جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے جو آپ کی تاک میں تھا' نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ (بخاری باب قتل حمزہؓ ج ۱ ص ۳۸۵)

قریش بڑی شجاعت سے لڑ رہے تھے ان کے علمبردار پیہم قتل ہو رہے تھے لیکن علم سرنگوں نہیں ہونے پایا تھا' مگر حضرت علیؓ اور ابو دجانہؓ انصاری کے بے پناہ حملوں نے آخر میں پاؤں اکھاڑ دیئے۔ ان کے پاؤں اکھڑتے ہی مسلمان مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے' پہاڑ کی پشت پر جو دستہ متعین تھا اس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی' اس کے ہٹتے ہی خالد بن ولید نے پشت سے حملہ کر دیا' جبیر بن مطعمؓ نے' جو اب تک اپنی جگہ پر تھے' چند جانبازوں کے ساتھ روکا' مگر سب شہید ہوئے اور خالد نے بڑھ کر لوٹنے والے مسلمانوں پر حملہ کر دیا' یہ لوگ بالکل غافل تھے اس لیے اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ (بخاری غزوہ احد ج ص ۵۷۹) اور ایسے بدحواس ہوئے کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز باقی نہ رہی' آپس ہی میں ایک دوسرے کو مارنے لگے' مصعب بن عمیرؓ جو آنحضرت ﷺ کے مشابہ تھے' شہید ہو گئے اور شبہ میں یہ خبر اڑ گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت پائی' اس خبر نے مسلمانوں کے رہے سے اوسان اور خطا کر دیئے اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے آنحضرت ﷺ کے گرد صرف بارہ جان نثار باقی رہ گئے' (کتاب التفسیر باب الرسول یدعوکم) لیکن ذوالفقار حیدری اس وقت بھی بجلی کی طرح چمک رہی تھی' حضرت عمرؓ نے دل شکستہ ہو کر تلوار پھینک دی کہ اب لڑنے سے کیا حاصل' ابن نضر انصاری نے کہا اب زندہ رہ کر کیا کریں

گے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام)

بہت سے جان نثار اس حالت میں بھی لڑتے جاتے تھے' عین اس وقت کعبؓ بن مالک کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی' انہوں نے پہچان کر پکارا' مسلمانو! رسول اللہ ﷺ ادھر ہیں' یہ آواز سنتے ہی ٹوٹی ہوئی ہمت پھر بندھ گئی اور مسلمان اس سمت آ گئے' کفار نے بھی ہر طرف سے سمٹ کر اپنا پورا زور صرف کر دیا' ان کا ریلا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے آواز دی' کون مجھ پر جان دیتا ہے اس آواز پر سات انصاری بڑھے اور ایک ایک کر کے نثار ہو گئے' (مسلم باب غزوہ احد) عبداللہ بن قمیہ بڑھتے بڑھتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گیا اور چہرہ انور پر تلوار ماری' مغفر کی دو کڑیاں پیوست ہو گئیں' یہ دیکھ کر جان نثاروں نے ہر طرف سے حصار میں لے لیا' ابو دجانہؓ آپ ﷺ کے سامنے جھک کر سینہ سپر ہو گئے' جو تیر آتا تھا اسے پیٹھ پر روکتے تھے' حضرت طلحہؓ تلوار کے وار ہاتھ پر روکتے تھے ایک ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا' ابو طلحہؓ نے تین کمانیں توڑیں اور سینہ سامنے کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو زخم نہ پہنچنے پائے۔ (مسلم باب غزوہ احد ج ۱) آنحضرت ﷺ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن رحمت عالم ﷺ کی زبان پر اس وقت بھی یہ الفاظ تھے "اے خدا میری قوم کو بخش دے کہ وہ جانتے نہیں"۔ (بخاری غزوہ احد ج ۲-۵۸۱) چہرہ انور سے خون جاری تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے زخم کو دھویا اور چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اسے زخم میں بھرا' اس سے خون تھما۔

(بخاری غزوہ احد ص ۵۸۴)

مشرکین کا ریلا رکا تو آپ ﷺ چند جان نثاروں کے ساتھ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے' مشرکین کی فوج میں بھی آنحضرت ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی' ابوسفیان نے اس کی تصدیق کے لیے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی' محمدؐ یہاں ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو جواب دینے سے منع کر دیا۔ ابو سفیان نے جواب نہ پا کر ابو بکرؓ و عمرؓ کو آواز دی' اس پر بھی کوئی جواب نہ ملا اس وقت اس نے مسرت میں نعرہ لگایا کہ سب مارے گئے' حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا' بولے' دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں' یہ سن کر ابو سفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا "اعلی ہبل" صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے جواب دیا "اللہ اعلی واجل" ابو سفیان پکارا "لنا العزی و الاعزی لکم" صحابہؓ نے کہا "اللہ مولانا و لا مولی لکم" مسلمانوں کے سنبھلنے کے بعد قریش کی ہمت پست ہو گئی اور وہ لوٹ گئے۔

اس معرکہ میں ستر (۷۰) مسلمان شہید ہوئے جن میں زیادہ تر انصار تھے، اختتام جنگ کے بعد قریش کی خواتین نے مقتولین بدر کے انتقام کے جوش میں مسلمان شہداء کے ناک کان کاٹ دیئے، ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے ان کو پھولوں کی طرح کا ہار بنا کر پہنا اور حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی۔

اس غزوہ میں مسلمان عورتوں نے بھی بڑی بہادری اور جانفروشی دکھائی، حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا مشک میں پانی بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۲)

مشرکین کے حملہ کے وقت جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے آپ کی حفاظت کے لیے حضرت ام عمارہؓ آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئیں، جو مشرک آپ کی طرف بڑھتا تھا اس کو تیر اور تلوار کے ذریعہ روکتی تھیں، ابن قمیہ جب آپ کے پاس پہنچ گیا تو ام عمارہ نے بڑھ کر اس کو روکا، اس روکنے میں ان کا شانہ زخمی ہوا، انہوں نے بھی تلوار چلائی، لیکن ابن قمیہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا، اس لیے وار کارگر نہ ہوا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۶۰)

حضرت حمزہؓ کی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں، مشرکین نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو مثلہ کر دیا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ بن عوام کو بلا کر حکم دیا کہ صفیہ بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائے انہوں نے ماں سے کہا وہ بولیں میں بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں، لیکن راہ خدا میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ کی اجازت لے کر لاش پر گئیں، عزیز بھائی کے بدن کے ٹکڑے دیکھ کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گئیں، اور مغفرت کی دعا مانگی۔ (طبری ص ۱۴۲۱) ان سب سے بڑھ کر ایک انصاری خاتون کا واقعہ ہے، جن کے باپ بھائی اور شوہر سب کے سب جنگ میں مارے گئے تھے، ان کو یکے بعد دیگرے تینوں حادثوں کی خبر ملی، یہ ہر مرتبہ یہی پوچھتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا۔ بخیریت، انہوں نے پاس جا کر چہرہ مبارک کو دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں۔ (طبری ص ۱۴۲۵)

کل مصیبة بعدک جلل   تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں

قریش کے واپس جانے کے بعد مسلمان بھی لوٹ آئے‘ اس وقت مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا‘ ہر گھر میں کہرام بپا تھا‘ آنحضرت ﷺ کا دل بھر آیا کہ سب کا ماتم ہو رہا ہے‘ لیکن آپؐ کے چچا حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں‘ یہ انسانی فطرت تھی‘ چنانچہ انصاری نے آپؐ کا تاثر دیکھ کر اپنی عورتوں کو حمزہؓ کا سوگ منانے کے لیے بھیجا‘ لیکن آپ ﷺ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا کہ مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۸۴)

متفرق واقعات اسی سال حضرت حسنؓ پیدا ہوئے‘ حضرت حفصہؓ آنحضرت ﷺ کے عقد میں آئیں اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کی شادی ہوئی‘ وراثت کا قانون نازل ہوا اور مشرکہ عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام قرار پایا۔

مختلف سرایا ۴ھ غزوہ احد کے بعد سرایا یعنی چھوٹی چھوٹی فوج کشیوں اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اس کے مختلف اسباب تھے‘ سب سے بڑا سبب تو یہ تھا کہ عرب کا ہر قبیلہ بت پرست تھا اور اسلام اس کو مٹانے آیا تھا‘ دوسرا سبب یہ تھا کہ قریش کی مذہبی سیادت سارے عرب میں تھی اور حج کے موقع پر ہر حصہ کے لوگ مکہ میں جمع ہوتے تھے‘ قریش ان کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے‘ تیسرا سبب یہ تھا کہ اکثر قبائل عرب کے معاش کا ذریعہ لوٹ اور غارت گری تھا۔ اسلام اس کو بھی روکتا تھا‘ اس لیے قبائل کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر اسلام غالب آ گیا تو ان کے ذرائع معاش بند ہو جائیں گے‘ بدر کی کامیابی سے قبائل عرب پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا تھا اور وہ خاموش ہو گئے تھے‘ لیکن احد کی شکست نے ان کا حوصلہ بڑھا دیا اور دفعۃً بہت سے قبائل اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے اول محرم ۴ ہجری میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو قطن میں آباد تھا‘ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا‘ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ابو سلمہ کو ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا۔ لیکن حملہ آور منتشر ہو گئے (طبقات ابن سعد ج اول ص ۳۵) اسی سال بنی لحیان کے سردار سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا عزم کیا‘ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن انیس کو بھیجا انہوں نے بلطائف الحیل سفیان کو قتل کر دیا۔ (طبقات ابن سعد ج اول ص ۲۳۶)

صفر ۴ھ میں بنی کلاب کے سردار ابو براء نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو

کر درخواست کی کہ میری قوم میں تبلیغ اسلام کے لیے کچھ آدمی بھیج دیجئے۔ آپؐ نے ستر(۷۰) آدمی ساتھ کر دیئے انہوں نے بیر معونہ میں قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرتؐ کا خط دے کر قبیلہ رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، اس نے ان کو قتل کر دیا اور عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل کو لے کر مسلمانوں کی طرف بڑھا، مسلمان، حرام کی واپسی کا انتظار کر کے ان کی تلاش میں نکلے، آگے بڑھ کر عامر کا مقابلہ ہوا اس نے گھیر کر کل مسلمانوں کو قتل کر دیا، صرف عمرو بن امیہ کو چھوڑ دیا، آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۸۸، ۸۹ میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے) اس زمانہ میں قبیلہ عضل و قارہ کے چند اشخاص نے مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے ان کی تعلیم کے لیے کچھ آدمی بھیج دیجئے، آپؐ نے دس معلم بھیج دیئے، مقام عسفان میں پہنچ کر غداروں نے بنی لحیان کو اشارہ کر دیا، انہوں نے دو سو آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کو گھیر لیا اور ان سے کہا ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تم کو امان دیتے ہیں، سات مسلمانوں نے ان کی امان میں جانا پسند نہ کیا اور لڑ کر جان دے دی، یہ خبیبؓ اور زیدؓ دو مسلمان اعتماد کر کے چلے گئے، کافروں نے انہیں پکڑ لیا اور مکہ لے جا کر فروخت کر دیا، یہ دونوں مشرکین مکہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ (بخاری غزوہ رجیع، طبقات ابن سعد غزوہ مذکور)

متفرق واقعات اسی سال حضرت حسینؓ پیدا ہوئے، ام المومنین زینبؓ کا انتقال ہوا، آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ عقد کیا، بعض مورخوں کے نزدیک شراب بھی اسی سنہ میں حرام ہوئی۔

یہودیوں کی مخالفت اور اس کے اسباب انصار بت پرست اور یہود اہل کتاب تھے، اس لیے انصاریوں کے مقابلہ میں ان کو خاص تفوق اور امتیاز حاصل تھا، لیکن مسلمانوں کے مدینہ آنے کے بعد ان کا قدیم وقار گھٹتا جاتا تھا، انصاریوں کی یہودیت رک گئی تھی اور وہ ان کے قرضوں سے چھوٹتے جاتے تھے، قرآن علیحدہ ان کے اخلاق ذمیمہ کی پردہ دری کرتا تھا، اس لیے اب یہود علانیہ اسلام کے مقابلہ میں آ گئے، اور آنحضرت ﷺ کو ستانا شروع کر دیا، ان کا معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کو "السلام علیک" کی بجائے "السام علیک" کہتے، جس کے معنی یہ ہیں کہ "تجھ کو موت آئے۔" آپؐ نے بڑے ضبط و تحمل

سے کام لیا اور حتی الامکان یہودیوں کو ٹھیس پہنچانے سے بچتے' بلکہ ان کی دلجوئی کرتے اور ان معاشرتی امور میں' جن کے بارہ میں قرآن مجید میں کوئی حکم نہ ہوتا' یہود کی موافقت فرماتے' لیکن یہودیوں کو نظر آ رہا تھا کہ اسلام کے مقابلہ میں ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی' اس لیے وہ اسلام کی بیخ کنی پر کمربستہ ہو گئے۔

مشرکین کی نگاہوں میں اسلام کے وقار کو گھٹانے کے لیے ان سے کہتے کہ مسلمانوں سے تو تم اچھے ہو اور خود جھوٹ اسلام قبول کر کے مرتد ہو جاتے' تاکہ اسلام کی حقانیت لوگوں کے دلوں میں جمنے نہ پائے (قرآن پاک کی اس آیت **ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدی من الذین امنوا** میں اس کی تصریح موجود ہے) اوس و خزرج میں جو باہم پرانے حریف اور اسلام کے دست و بازو تھے' اور اسلام نے انہیں ملا دیا تھا پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کرتے' ایک آدھ مرتبہ دونوں میں تلواریں نکل آئیں لیکن عین موقع پر آنحضرت ﷺ نے ٹھنڈا کر دیا' (اصابہ ج ا ص ۱۸۸) ان کی دشمنی یہاں تک بڑھ گئی کہ مخفی آنحضرت ﷺ کی جان لینے کے درپے ہو گئے اور ان کی جانب سے برابر خطرہ لگا رہتا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اصابہ تذکرہ طلحہ بن براء)

غزوہ بنی قینقاع اگرچہ یہودیوں نے اسلام کی مخالفت کو شعار بنا لیا تھا اور وہ کسی موقع پر اپنی دشمنی سے نہ چوکتے تھے' تاہم اب تک علانیہ تصادم کی نوبت نہ آئی تھی' ایک اتفاقی واقعہ نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی نے ایک انصاری عورت کی بے حرمتی کی' ایک انصاری نے جوش حمیت میں یہودی کو قتل کر دیا' یہودیوں نے انصاری کو مار ڈالا' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی' تو آپ' ان کے پاس تشریف لے گئے' اور ان سے کہا "خدا سے ڈرو' ایسا نہ ہو بدر والوں کی طرح تم پر بھی عذاب نازل ہو جائے۔" گو یہود مدینہ سے آنحضرت ﷺ کا معاہدہ ہو چکا تھا' جو اوپر گذر چکا ہے' لیکن اس کے باوجود انہوں نے جواب دیا۔ "ہم قریش نہیں ہیں ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم بتا دیں گے کہ لڑائی کس کا نام ہے' یہ نقض عہد ایک طرح کا اعلان جنگ تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کی آئے دن کی ریشہ دوانیوں کے سدباب کرنے کا فیصلہ کر لیا' یہود قلعہ بند ہو گئے' آنحرت ﷺ نے محاصرہ کر لیا' پندرہ دن کے بعد یہودی آنحضرت ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔

آپؐ نے عبداللہ بن ابی کی تجویز پر سات سو یہودیوں کو جلاوطن کر دیا اور یہ لوگ شام کے علاقہ اذراعات جا کر آباد ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو سیرت ابن ہشام و ابن سعد غزوہ بنی قینقاع)

کعب بن اشرف کی فتنہ انگزیاں اور اس کا قتل

مدینہ کے یہودیوں میں کعب بن اشرف بڑا با اثر یہودی تھا اس کو ابتدا ہی سے اسلام کے ساتھ پرخاش تھی' بدر میں قریش کی شکست کا اس کو بڑا غم ہوا تھا' چنانچہ اظہار تعزیت کے لیے مکہ گیا تھا اور مقتولین بدر کا نہایت پر زور مرثیہ لکھا تھا' اور اس کو پڑھ کر لوگوں کو انتقام پر ابھارتا تھا۔ (سیرت ابن ہشام حالات غزوہ بدر) رسول اللہ ﷺ کی ہجو کہہ کر قریش کو آپؐ کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ (ابوداؤد باب کیف کان اخراج الیہود) ابو سفیان کو خانہ کعبہ میں لے جا کر انتقام کا حلف دلوایا تھا' (تاریخ خمیس ص ۵۱۵) مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی ہجو کہہ کر سناتا تھا' آپ کو خفیہ نقصان پہنچانے یا شہید کرنے کی سازش کی (ابن واضح کاتب عباسی کے الفاظ یہ ہیں اراد ان یمکر برسول اللہؐ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۹) اس کی اس فتنہ انگیزیوں پر آنحضرت ﷺ سے صحابہؓ نے شکایت کی' رؤسائے اوس نے قتل کی رائے دی' چنانچہ یہ خدمت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کے سپرد ہوئی انہوں نے اس کے گھر جا کر بلطائف الحیل میں اس کو قتل کر ڈالا۔ (بخاری میں اس واقعہ کی تفصیل ہے)

آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش

عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا' اس کا خون بہا یہودی بنی نضیر کے ذمہ تھا' آنحضرت ﷺ اس کے مطالبہ کے لیے تشریف لے گئے' بنی نضیر نے خون بہا ادا کرنے کا وعدہ کیا' لیکن ایک یہودی نے اوپر سے پتھر لڑھکا کر ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا' آپ کو اس کا علم ہو گیا اس لیے آپؐ بچ کر لوٹ آئے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۹۳) چند دنوں کے بعد آپ نے بنی قریظہ کے یہودیوں سے معاہدہ کی تجدید کی' بنی نضیر سے بھی تجدید کرنی چاہی' مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ (ابوداؤد و کتاب الخراج والامارۃ خبر النضیر) اور آپ کو تین آدمیوں کے ساتھ اپنے علماء سے مناظرہ کرنے کے لیے بلا بھیجا' اگر یہ لوگ آپؐ پر ایمان لے آئیں گے تو ہم بھی لے آئیں گے۔ آپؐ نے منظور فرما لیا' راستہ میں آپؐ کو معلوم ہوا کہ یہود نے اس بہانہ سے قتل کے لیے بلایا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۵)

غزوہ بنی نضیر ان پیہم مخالفتوں کی بنا پر آپؐ نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا' یہ اس غلط فہمی میں تھے کہ بنی قریظہ ان کا ساتھ دیں گے' لیکن وہ معاہدہ کر چکے تھے اور علانیہ حمایت نہیں کر سکتے تھے' اس لیے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بنی نضیر نے مدینہ چھوڑ دیا اور اپنا مال و متاع ساتھ لے کر خیبر آباد ہوئے۔ (طبری ص ۳۵۲)

پہلے تنہا قریش کی مخالفت کا مقابلہ تھا' اب یہود بھی حریف بن گئے' اور دونوں نے مل کر مکہ سے لے کر مدینہ تک تمام قبائل میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگا دی اور سب نے اپنی اپنی جگہ پر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں' پہلے انمار و ثعلبہ نے پیش قدمی کی آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ محرم ۵ ھ میں چار سو صحابہؓ کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے نکلے' انمار و ثعلبہ ابھی پورے تیار نہ تھے اس لیے پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ (ابن سعد غزوہ ذات الرقاع) اس کے بعد ربیع الاول ۵ ھ مذکور میں کفار نے دومتہ الجندل میں اجتماع کیا' آنحضرت ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ ان کی طرف بڑھے' یہ بھی منتشر ہو گئے۔

غزوہ بنی مصطلق خزاعہ کا قبیلہ قریش کا حلیف تھا' ان دونوں میں باہم قرابتداریاں بھی تھیں' اس لیے خزاعہ کو قریش کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا' اس قبیلہ کی ایک شاخ بنی مصطلق مدینہ سے تھوڑی مسافت پر مقام مریسیع میں آباد تھی' اس کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ (ابن سعد حصہ مغازی ص ۴۵' ۴۶) اس لیے آنحضرت ﷺ شعبان ۵ ھ میں مدافعت کے لیے نکلے' حارث بھاگ گیا لیکن مریسیع کی اور آبادی نے مقابلہ کیا' مسلمانوں نے شکست دی اور دس اہل مریسیع مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (ابن سعد حصہ مغازی)

مریسیع کے معرکہ میں مال غنیمت کے لالچ میں بہت سے منافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے' جو ہر موقع پر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے' ایک دن چشمہ سے پانی لینے میں ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا' دونوں نے اپنی اپنی جماعت کو آواز دی' فریقین کی تلواریں نکل آئیں' چند آدمیوں نے درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا' اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو بھڑکانے کا موقع مل گیا اس نے انصار سے کہا "تم نے یہ بلا خود مول لی ہے' مہاجرین کو تم نے اتنا سر چڑھا دیا ہے کہ اب وہ

تمہارے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں' اگر اب بھی تم ان کی دستگیری چھوڑ دو تو یہاں سے چلے جائیں گے' حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گئے' آنحضرت ﷺ سے عرض کیا' اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں آپ ؐ نے فرمایا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ (بخاری جلد ۲ ص ۲۸) عبداللہ کے لڑکے مسلمان ہو چکے تھے' اور اسلام کے سچے شیدائی تھے انہیں خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔ "دنیا جانتی ہے کہ میں والد کا کتنا اطاعت گذار ہوں' لیکن اگر آپ کی یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ملے میں جا کر ان کا سر کاٹ لاتا ہوں' ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے کو حکم دیں اور میں محبت اور غیرت کے جوش میں قاتل کو قتل کر دوں" آپ ؐ نے اطمینان دلایا کہ میں قتل نہ کروں گا بلکہ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آوں گا۔

(طبری ص ۱۵۱۵)

افک افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھنے کا واقعہ غزوہ مریسیع میں پیش آیا لیکن قرآن نے خود اس کی پردہ دری کر دی ہے۔

غزوہ احزاب اوپر گذر چکا ہے کہ معاہدہ کی بنا پر بنی قریظہ مسلمانوں کی مخالفت میں بنی نضیر سے الگ تھے' لیکن پھر چند دنوں کے بعد رؤسائے بنی نضیر کی کوششوں سے وہ ان سے مل گئے اور ۵ ھ میں انہوں نے بنی نضیر' بنی قریظہ' قریش اور بہت سے قبائل کو جمع کر کے دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھائی کی' (تفصیل کے لیے دیکھو طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۱ ص ۴۷' فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۱) آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے مدینہ کے گرد خندق کھود کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے' اتحادیوں نے مدینہ پہنچ کر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا اور ایک مہینہ تک اس شدت کے ساتھ محاصرہ قائم رہا' کہ مسلمانوں پر کئی کئی فاقے گذر گئے' ایک دن بے تاب ہو کر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پیٹ کے پتھر دکھائے' آپ ﷺ نے اپنا شکم مبارک کھولا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی) جب محاصرہ کی شدت خطرناک حد تک پہنچ گئی تو آپ نے جماعت صحابہؓ کو خطاب فرمایا کہ "کوئی ہے جو محاصرہ کرنے والوں کی خبر لائے' اس کے جواب میں صرف حضرت زبیر کی آواز آئی' اس جانبازی کے صلہ میں ان کو حواری کا معزز لقب عطا ہوا۔

چند دنوں تک کفار خندق کے پار سے تیر اور پتھر برساتے رہے' جب اس سے کوئی

نتیجہ نہ نکلا تو عرب کے نامور بہادر ضرار' جبیرہ' نوفل اور عمرو بن عبدود ایک مقام سے جہاں خندق نسبتاً" کم چوڑی تھی' گھوڑے کو ایڑ لگا کر پار کر گئے' خندق کے پار پہنچ کر عمرو بن عبدود نے مبازر طلبی کی' حضرت علیؓ نے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا' (ابن سعد ج ۲ ق ۲ حالات خندق) اس کے بعد ضرار اور جبیرہ ہمت کر کے آگے بڑھے لیکن پھر ڈر کر پیچھے ہٹ گئے' نوفل خندق میں گر پڑا' حضرت علیؓ نے کود کر اس کو بھی ختم کر دیا' دن بھر لڑائی رہی' آنحضرت ﷺ کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں۔ لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا' جوں جوں محاصرہ بڑھتا جاتا تھا' اہل مدینہ سے زیادہ کفار کے لیے مصیبت بڑھتی جاتی تھی اس لیے کہ دس ہزار کی فوج کی رسد کا سامان آسان نہ تھا' اسی درمیان میں ایک دن اس زور کی آندھی آئی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں' عین اس موقع پر نعیم بن مسعود ثقفی نے' جو در پردہ مسلمان ہو گئے تھے' قریش اور یہودیوں میں پھوٹ ڈلوا دی' (تفصیل کے لیے دیکھو ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۲۰، ۲۱) کفار چند در چند دشواریوں میں پھنس گئے اور قریش آپس کی نا اتفاقی' موسم کی ناسازگاری اور سامان رسد کی قلت کی وجہ سے ہمت ہار گئے' چنانچہ ابو سفیان نے یہ کہہ کر سامان رسد ختم ہو چکا ہے' یہود نے ساتھ چھوڑ دیا ہے' موسم نا خوشگوار ہے' ان حالات میں محاصرہ بے کار ہے' محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا' قریش کے بعد بنی قریظہ نے بھی میدان چھوڑ دیا' (ابن سعد ج ۲ ق ۲ حالات خندق) اس جنگ میں مسلمانوں کا کم نقصان ہوا' صرف ایک صحابی حضرت سعدؓ بن معاذ زخمی ہوئے۔ جس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے اور غزوہ بنی قریظہ کے بعد انتقال کر گئے' اس جنگ کا نام غزوہ خندق یا احزاب ہے۔

بنی قریظہ کا خاتمہ بنی قریظہ نے معاہدہ کے خلاف جنگ احزاب میں شرکت کی تھی اس میں شکست اور واپسی کے وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو اپنے یہاں لیتے گئے تھے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۶ و طبری ج ۳ ص ۴۸۷) اس لیے غزوہ احزاب کے بعد آنحضرت ﷺ بنی قریظہ کی طرف بڑھے' اگر اس وقت بھی بنی قریظہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر مصالحت کا ہاتھ بڑھاتے تو ممکن تھا صلح ہو جاتی' لیکن اس کے برعکس جب مسلمان قریب پہنچے تو بنی قریظہ نے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دینی شروع کیں۔ (طبری ص ۱۴۸۵) اس لیے آپؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا' ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا آخر میں بنی

قریظہ نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی اور کہلا بھیجا کہ سعد بن معاذؓ (جو ابھی زندہ تھے) جو فیصلہ کر دیں وہ ہم کو منظور ہے' آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا' حضرت سعدؓ نے یہود کی کتاب توریت کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ تمام لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں' عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے جائیں اور ان کا مال و اسباب مال غنیمت سمجھا جائے۔ یہ فیصلہ توریت کے حکم کے مطابق تھا اس لیے یہودیوں کو چار و ناچار قبول کرنا پڑا۔ (۱) اور صحیح روایت کی رو سے چار سو یہودی' جن میں دوران محاصرہ کے مقتولین بھی شامل ہیں' قتل کیے گئے۔

حضرت زینبؓ سے نکاح اسی سنہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی پھوپھیری بہن حضرت زینبؓ سے نکاح کیا' آنحضرت ﷺ نے آقا و غلام کی تمیز اٹھانے کے لیے زینب کا عقد اپنے غلام اور متبنی حضرت زیدؓ کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن دونوں کے اختلاف طبع کی وجہ سے نہ نبھ سکی اس لیے زیدؓ نے طلاق دے دینے کا ارادہ کیا' آنحضرت ﷺ نے روکا مگر ناخوشگواری برابر بڑھتی گئی' اس لیے زید نے آخر میں طلاق دے دی' عرب میں متبنی بیٹوں کی بیوی کے ساتھ نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس خیال کو مٹانے اور زینب کی دلجوئی کے لیے خود ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ (۲)

پردہ کا حکم اس وقت تک عورتیں جاہلیت کے طریقہ پر بے پردہ نکلتی تھیں اور بے باکانہ چلتی تھیں' اسی سال یہ حکم نازل ہوا کہ "شریف عورتیں گھروں سے نکلیں تو چادر اوڑھ کر منہ چھپا کر' سینہ پر آنچل ڈال کر نکلیں' چلنے میں اٹھکیلی نہ کریں' پردے کی اوٹ سے بولیں' آواز میں بناوٹ نہ پیدا کریں"۔ ازواج مطہرات نامحرموں کے سامنے نہ آئیں' اسی سال عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کا حکم اور لعان کا طریقہ جاری ہوا' پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت اور صلوۃ خوف کا حکم نازل ہوا۔ (۳)

۱۔ طبری ص ۱۴۸۷ و ۱۴۹۲ و توریت کا حکم یہ ہے اگر دشمن صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا ان پر تجھ کو قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے' باقی بچے عورتیں' جانور اور جو چیز شہر میں موجود ہوں سب تیرے لیے مال غنیمت ہوں گی۔ (کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰)

۲۔ اس کی تفصیل حدیث کی قریب قریب تمام کتابوں میں ہے۔ ۳۔ یہ احکام سورہ نور میں واقعہ افک کے سلسلہ میں نازل ہوئے' تفصیل کیلئے بخاری ج ۲ ص ۷۰۷ و ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۲ و فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۱)

عمرہ ۔ چھ برس سے جب سے مسلمان مکہ سے نکالے گئے انہوں نے کعبہ کو غلط انداز نظر سے بھی نہ دیکھا تھا' اس لیے ذوالقعدہ ٦ ھ میں آنحضرت ﷺ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ قریش کو جنگ وغیرہ کا شبہ نہ ہو یہ احتیاط فرمائی تھی کہ احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ ساتھ لے لیے (سیرت ابن ہشام ج ٢ ص ١٦٠) اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے صرف تلوار ساتھ ہو وہ بھی نیام کے اندر' ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کیں' قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے آپ کو روکنے کے لیے بڑی زبردست تیاریاں کیں اور پیغام بھیج کر تمام متحدہ قبائل کو جنگ کے لیے جمع کیا اور خالد بن ولید کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے تھوڑی سی فوج کے ساتھ پتہ لگانے کے لیے بھیجا' انہوں نے جا کر قریش کو خبر کر دی کہ مسلمان عمیم تک پہنچ چکے ہیں ان کے جانے کے بعد مسلمان بڑھ کر حدیبیہ میں ٹھہرے۔

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا' اس کے رئیس بدیل نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے' آپ نے فرمایا قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے ہیں' بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ (ابن سعد حصہ مغازی ص ٧٠) بہتر یہ ہے کہ قریش ہم سے ایک مدت معینہ کے لیے معاہدہ کر لیں اور اگر اس پر وہ راضی نہیں ہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے' میں اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری گردن الگ نہ ہو جائے اور خدا اپنا فیصلہ پورا نہ کر دے' بدیل نے مکہ جا کر قریش کو یہ پیغام سنانا چاہا' ناآزمودہ کار نوجوان اس قدر جوش سے لبریز تھے کہ سننے کے لیے بھی تیار نہ ہوئے' لیکن تجربہ کاروں نے آمادگی ظاہر کی' بدیل نے آنحضرت ﷺ کا پیام اور آپ کے شرائط سنائے' یہ شرائط سن کر ان کی جماعت کے ایک معمر اور تجربہ کار شخص عروہ ابن مسعود ثقفی نے کہا' محمدؐ نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں' مجھ کو اجازت دو میں خود جا کر معاملہ طے کر آؤں' قریش کو ان پر پورا پورا اعتماد تھا اس لیے وہ ان کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے' اور کہا' محمد ﷺ فرض کرو تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس دنیا میں کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو خود اپنے ہاتھوں برباد کر دیا ہو۔" عروہ ضروری گفتگو کر کے لوٹ گئے' اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ صحابہؓ کی جو

حیرت انگیز عقیدت دیکھی تھی' قریش کو سنائی۔

بیعت رضوان اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مصالحت کی گفتگو کے لیے خراش بن امیہ کو بھیجا' قریش نے ان کو قتل کر ڈالنا چاہا' مگر ان کے قبیلہ کے دو آدمیوں نے بچا لیا۔ (ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۱) خراش کی واپسی کے بعد قریش نے مسلمانوں پر حملہ کے لیے ایک دستہ بھیجا' مگر وہ گرفتار کر لیا گیا آنحضرت ﷺ نے درگزر سے کام لے کر اسے رہا فرما دیا' قریش کی مخالفانہ روش کے باوجود آپؐ نے ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوشش کی اور دوبارہ حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس بھیجا' انہوں نے آپ کو روک لیا' مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمانؓ قتل کر دیئے گئے' آنحضرت ﷺ کو سخت صدمہ ہوا' آپؐ نے قصاص کے لیے صحابہؓ سے جانبازی کی بیعت لی۔ (بخاری کتاب الشروط والمصالحۃ مع اہل الحرب میں ان واقعات کی پوری تفصیل ہے) اس بیعت کو تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے بیعت کے بعد معلوم ہوا کہ قتل کی خبر غلط تھی۔

اس دوران میں قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ مصالحت کے لیے آمادہ ہو گئے' اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو صلح کی گفتگو کے لیے بھیجا' ان میں اور مسلمانوں میں ردو قدح کے بعد ان شرائط پر صلح ہوئی۔

۱۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کے لوٹ جائیں گے۔

۲۔ اگلے سال آئیں گے اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں گے۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں گے' صرف تلواریں ساتھ ہوں' وہ بھی نیام میں۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان کو مسلمان اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے اور جو مسلمان مکہ میں رہ جانا چاہے گا اسے قیام سے نہ روکیں گے۔

۵۔ اہل مکہ یا مکہ کے مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے گا تو اسے نہ واپس کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے چاہیں ساتھ ہو جائیں۔

ابھی اس معاہدہ کی کتابت ہو رہی تھی کہ سہیل کے لڑکے ابو جندل جو مسلمان ہو

چکے تھے اور اس جرم میں طرح طرح کے مصائب جھیل رہے تھے، کسی طرح چھوٹ کر مسلمانوں کی فرود گاہ پر پہنچ گئے اور انہیں دیکھ کر ان کے باپ نے کہا محمدؐ! پابندی عہد کا یہ پہلا موقع ہے، آپؐ نے فرمایا معاہدہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے، سہیل نے کہا تو ہمیں صلح منظور نہیں، آنحضرت ﷺ نے خوش اسلوبی کے ساتھ سہیل کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ نہ مانا، آنحضرت ﷺ نے مجبور ہو کر ابو جندل کو حوالہ کر دیا، انہوں نے جسم کے نیل دکھا کر جو مشرکین کے ظلم سے پڑ گئے تھے، مسلمانوں سے فریاد کی کہ کیا پھر اسی عذاب کے لیے کفار کے حوالہ کرتے ہو؟ مسلمان ان کی درد انگیز فریاد سن کر تڑپ اٹھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنا فیصلہ قائم رکھا، صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے قربانی کے اونٹ ذبح کر کے بال ترشوائے اور احرام کھولا۔ (بخاری کتاب الشروط والمصالحۃ مع اہل الحرب)

گو صلح حدیبیہ بظاہر دب کر ہوئی تھی لیکن خدا نے اس کو فتح سے تعبیر کیا اور سورہ **انا فتحنالک فتحا مبینا** نازل ہوئی، کہ نتائج کے اعتبار سے یہ صلح در حقیقت فتح کا دیباچہ تھی، صلح سے پہلے مسلمان کافروں سے الگ تھلگ رہتے تھے، اس کے بعد دونوں میں میل جول اور آمد و رفت شروع ہوئی، ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا اس تصویر کو دیکھ کر اور تبادلہ خیالات سے کفار کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھینچنے لگے اور اسلام نہایت سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا، چنانچہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جس کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے اتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ (بخاری کتاب الشروط المصالحہ مع اہل الحرب)

اس مصالحت کی رو سے مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی گلو خلاصی کی کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی، لیکن خدا نے بلا شرط ان کے لیے راستہ کھول دیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مشق ستم مسلمان ابو بصیر مکہ سے مدینہ بھاگ آئے، قریش نے ان کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیجے، آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کے مطابق انہیں حوالہ کر دیا، راستہ میں ابو بصیر نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا، دوسرا ڈر کر مدینہ بھاگ آیا، اس کے عقب سے ابو بصیر بھی مدینہ پہنچ گئے اور آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ "آپؐ نے مجھ کو واپس کر دیا تھا، اب آپؐ کی ذمہ داری ختم ہو گئی، یہ کہہ کر وہ ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے اس سے دوسرے مسلمانوں کے لیے راستہ کھل گیا، چنانچہ وہ سب بھاگ بھاگ کر ایک جگہ جمع ہو

گئے' اور جب ان کا اچھا خاصا جتھا بن گیا اس وقت انہوں نے قریش کے کاروان تجارت پر جو ان کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا' چھاپہ مارنا شروع کر دیا' اس سے ان کی تجارت خطرہ میں پڑ گئی' آخر میں قریش نے مجبور ہو کر لکھ بھیجا کہ گزشتہ شرط سے باز آئے' جو مسلمان مدینہ میں رہنا چاہے وہ جا سکتا ہے' اس شرط کی تنسیخ کے بعد آپ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو مدینہ واپس بلا لیا۔

سلاطین کو دعوت اسلام اور ان کے نتائج صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرتؐ کو کسی قدر اطمینان حاصل ہوا تو آپ نے ۶ ہجری میں قیصر روم کجکلاہ ایران' عزیز مصر' نجاشی شاہ حبش' روسائے یمامہ والی حدود شام' حارث غسانی' شرجیل بن عمرو والی بصریٰ کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور علی الترتیب یہ خدمت حضرت دحیہ کلبیؓ' عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ' عمرو بن امیہ ضمریؓ' سلیط بن عمرؓ' شجاع بن وہبؓ اور حارث بن عمیرؓ کے سپرد ہوئی۔

قیصر روم نے خط پا کر حکم دیا کہ اگر اس کے حدود سلطنت میں عرب کا کوئی شخص مل جائے تو اسے حاضر کیا جائے' اتفاق سے اس وقت ابو سفیان جو تجارت کے سلسلہ میں شام آئے ہوئے تھے' موجود تھے چنانچہ انہیں لے جا کر پیش کیا گیا' قیصر نے ان سے اسلام اور آنحضرتؐ کے متعلق چند سوالات کیے' ان میں جھوٹ بولنے کی گنجائش نہ تھی اس لیے ابو سفیان نے صحیح جوابات دیئے' یہ جوابات سن کر قیصر کو آنحضرتؐ کی صداقت کا یقین ہو گیا' اس نے ابو سفیان سے کہا کہ "اگر تمہارے جوابات صحیح ہیں تو میرے قدم گاہ تک اس شخص (آنحضرت ﷺ) کا قبضہ ہو جائے گا' مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے' لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں ظاہر ہو گا' اگر میں اس تک پہنچ سکتا تو اس کے قدم دھوتا۔" قیصر کے ان خیالات کو سن کر اس کے بطارقہ سخت برہم ہوئے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ تخت و تاج کی طمع میں اسلام کی دعوت سے محروم رہ گیا۔ (یہ واقعہ بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے)

ان تبلیغی خطوط میں عرب کے طرز تحریر کے مطابق خدا کے نام کے بعد اور مرسل الیہ کے نام سے پہلے' فرستندہ کا نام تھا' خسرو پرویز کجکلاہ ایران اس طرز تحریر سے آشنا نہ تھا اس لیے اسے اپنی تحقیر سمجھ کر سخت برہم ہوا اور کہا "میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا

ہے"۔ اور نامہ مبارک چاک کر ڈالا اور ایران کے یمنی گورنر کو لکھا کہ "عرب کے مدعی نبوت کو میرے پاس بھیج دو"۔ اس نے دو آدمی مدینہ بھیجے انہوں نے آنحضرتؐ سے جا کر کہا کہ "تم کو شہنشاہ عالم نے طلب کیا ہے' اگر اس کے حکم کی تعمیل نہ کرو گے تو تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر ڈالے گا"۔ شہنشاہ دو عالم ﷺ نے جواب دیا' جا کر اس سے کہہ دو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔ (ابن سعد ج ۱ ص ۱۶ ق اور طبری ج ۳ ص ۱۵۷۲) ابھی یہ دونوں سفیر واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ خود خسرو پرویز کے لڑکے نے باپ کا کام تمام کر دیا۔ مقوقس عزیز مصر نے جواب دیا کہ مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہو گا' میں نے آپؐ کے قاصد کو عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا آپ کے لیے قبطی دو لڑکیاں' لباس اور خچر تحفہ بھیجتا ہوں۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ق ۲ ص ۱۶' ۱۷)

شاہ حبش نجاشی کے پاس نامہ مبارک پہنچا تو اس کے احترام میں تخت سے نیچے اتر آیا اور اس کو آنکھوں سے لگا کر' حضرت جعفرؓ کے ہاتھوں پر جو ہجرت اولیٰ میں حبشہ گئے تھے' اور اب تک وہیں مقیم تھے' اسلام قبول کر لیا اور آنحضرتؐ کو لکھ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے پیغمبر اور اس کے رسولؐ ہیں۔ (ابن سعد ج ۱ ص ۱۱۶ ق او طبری ج ۳ ص ۱۵۷۲)

شرحبیل والی بصریٰ نے آپؐ کے قاصد حارثؓ بن عمیر کو شہید کر دیا' اسی سنہ میں قریش کے نامور اشخاص خالد بن ولید فاتح عراق و شام اور عمرو بن العاص فاتح مصر اسلام لائے۔

غزوہ خیبر ۷ھ عرب میں یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا' یہود ابتداء ہی سے اسلام کے خلاف تھے' بنی نضیر نے خیبر جلا وطن ہونے کے بعد یہاں کے یہودیوں کو بھڑکانا شروع کیا قریب ہی عرب کا ممتاز قبیلہ غطفان آباد تھا' جو یہود خیبر کا حلیف و ہم عہد تھا' اسلام بن ابی الحقیق نے جو حیی بن اخطب کے بعد یہودیوں کی مسند ریاست پر بیٹھا تھا' بڑا با اثر تھا' اس نے غطفان اور اس کے آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کر لیا اور ایک عظیم الشان فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ق ۲ ص ۱۶' ۱۷) آنحضرتؐ کو اس کی فتنہ انگیزی کی خبر ہوئی تو آپؐ کے ایماء سے

ایک انصاری عبداللہ بنؓ عتیک نے خیبر جا کر خاص سلام بن ابی الحقیق کو قتل کر دیا۔

سلام بن ابی الحقیق کے بعد اسیر بن رزام مسند ریاست پر بیٹھا' اس نے یہودیوں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ میرے پیشروؤں نے محمدؐ کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کی تھیں وہ غلط تھیں' خود محمدؐ کے دارالریاست پر براہ راست حملہ کرنا چاہیے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۹۶) چنانچہ غطفان وغیرہ کا دورہ کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے لشکر تیار کیا' آنحضرتؐ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے عبداللہ بن رواحہ کو تحقیقات کے لیے بھیجا' انہوں نے بذات خود تحقیقات کر کے اس کی تصدیق کی' آنحضرتؐ نے پہلے مصالحت کے ذریعہ سے اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی اور عبداللہ بنؓ رواحہ کو اس غرض سے اسیر کو لانے کے لیے بھیجا کہ مدینہ بلوا کر خیبر میں اس کی حکومت کی تصدیق فرما دیں' چنانچہ اسیر عبداللہ کے ساتھ روانہ ہوا' راستہ میں اس کو بدگمانی پیدا ہوئی اس نے عبداللہ بن رواحہ کے ایک ہمراہی مسلمان عبداللہ بن انیس کی تلوار چھیننا چاہی' عبداللہ نے اس کی بدنیتی پر اسے قتل کر دیا' (ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۲) اس کے قتل پر فریقین میں تلواریں نکل آئیں' اسیر کے سب ساتھی مارے گئے' صرف ایک زندہ بچا۔

یہودی پہلے سے تیاریاں کر رہے تھے' اسیر کے قتل سے انہیں ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بالکل آمادہ ہو گئے۔

سب سے پہلے ان کے حلیف بنی فزارہ محرم ۷ ھ میں ذی قرد کی چراگاہ پر جس میں آنحضرتؐ کے مویشی چرا کرتے تھے حملہ کر کے چند اونٹنیاں لوٹ لے گئے' لیکن سلمہ بن اکوعؓ صحابی نے جو بڑے تیر انداز تھے' اس کا تعاقب کر کے اونٹنیاں چھین لیں۔ (بخاری غزوہ ذی قرد)

اس واقعہ کے بعد آنحضرتؐ کو بھی ان کے مقابلہ میں آنا پڑا۔ چنانچہ آپؐ محرم ۷ ھ میں سولہ سو مسلمانوں کے ساتھ خیبر کی طرف بڑھے' مقام رجیع میں عورتوں اور بار برداری کا سامان چھوڑ کر خیبر روانہ ہوئے' راستہ میں غطفان ہتھیار لگا کر نکلے' لیکن یہ دیکھ کر خود ان کا گھر خطرہ میں ہے' لوٹ گئے۔ (طبری ص ۱۵۷۵)

خیبر میں یہودیوں کے چھ قلعے تھے ان میں بیس ہزار آزمودہ سپاہی موجود تھے' عرب کا مشہور بہادر مرحب بھی یہیں رہتا تھا' مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ کر یہودیوں نے

سامان رسد قلعہ ناعم میں جمع کیا تھا، اور فوجیں نطاۃ اور قموص میں تھیں، اس لیے مسلمانوں نے خیبر پہنچ کر سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا، لیکن یہاں کوئی بڑی فوجی قوت نہ تھی اس لیے آسانی کے ساتھ فتح کر لیا۔ (سیرت ابن ہشام غزوہ خیبر) اور چھوٹے چھوٹے قلعے بھی آسانی کے ساتھ تسخیر ہو گئے، سب سے اہم قموص کا قلعہ تھا، مرحب اسی میں رہتا تھا اس لیے آنحضرتؐ نے اس کے لیے خاص اہتمام فرمایا اور پہلے یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ کو اس مہم پر مامور فرمایا، لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا، دوسرے دن حضرت علیؓ کو علم مرحمت فرمایا، مرحب رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا، حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی یہودیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور بیس دن کے محاصرہ کے بعد قموص کا قلعہ فتح ہو گیا۔ (بخاری غزوہ خیبر و ابن سعد غزوہ خیبر) اس معرکہ میں ۹۳ یہودی اور بیس مسلمان مقتول ہوئے۔

خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمانوں نے زمینوں پر قبضہ کر لیا، یہودیوں نے درخواست کی کہ زمینیں ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائیں، ہم اس کے معاوضہ میں نصف پیداوار دیا کریں گے، آنحضرتؐ نے منظور فرمالیا، جب بٹائی کا وقت آتا رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجتے، وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کہتے کہ جو حصہ چاہے لے لو، یہودیوں پر اس کا یہ اثر پڑا کہ وہ کہتے تھے کہ زمین آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷ و طبری ص ۱۵۸۹) اس جنگ میں رئیس خیبر کی لڑکی صفیہ قید ہوئی تھیں اور حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں پڑی تھیں، لیکن لوگوں نے اعتراض کیا کہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ دحیہ کے حصہ میں نہیں جا سکتی، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اور کوئی اس کا اہل نہیں ہے، ان کے اعتراض پر آپؐ نے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا۔ (صحیح مسلم باب فضل عتق الامتہ ثم التزوج بہا، ابوداؤد، باب ماجاء، فی سہم الصفی)

خیبر فتح ہونے کے بعد بھی یہودیوں کی مخفی شرارتیں جاری رہیں، سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے آنحضرتؐ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپؐ نے بہت کم نوش فرمایا تھا، اس لیے آپ پر زہر کا اثر نہ ہوا، لیکن ایک دوسرے صحابہ بشر بن براء ہلاک ہو گئے، اس لیے آپؐ نے ان کے قصاص میں زینب کو قتل کرا دیا۔

غزوہ خیبر کے سلسلہ میں متعدد احکام جاری ہوئے، درندے، جانور، پنجہ والے

پرندے، گدھا اور خچر حرام قرار پائے، لونڈیوں سے تمتع کے لیے استبراء یعنی چند دنوں تک توقف کی قید ہو گئی، چاندی سونے کا تبادلہ بہ تفاضل حرام قرار دیا گیا۔

وادی القریٰ خیبر کے بعد مسلمان وادی القریٰ کی سمت روانہ ہوئے، یہودی اس وقت بھی شرارت سے باز نہ آئے اور تیر برسا کر آنحضرتؐ کے غلام مدعمؓ کو شہید کر دیا، اس لیے جنگ ہو گئی، لیکن یہودیوں نے معمولی مقابلہ کے بعد سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط پر صلح کر لی۔ (بیہقی باب المدادر ذکر غلول)

ادائے عمرہ اسی سال آنحضرتؐ عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے اور صلح حدیبیہ کے شرائط کے مطابق بغیر اسلحہ کے مکہ میں داخل ہوئے، کفار مکہ تین دن کے لیے شہر خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے، آنحضرتؐ تین دن قیام کے بعد عمرہ پورا کر کے مدینہ واپس تشریف لائے، "رمل" کی سنت اسی عمرہ میں جاری ہوئی۔

غزوہ موتہ ۸ھ اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرتؐ کے قاصد حارثؓ بن عمیر کو شرحبیل والی بصریٰ نے قتل کر دیا تھا، آپ کو اس کا بہت صدمہ تھا، لیکن یہودیوں کی مخالفانہ روش کی وجہ سے ادھر توجہ کرنے کا موقع نہ ملا، ان کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد زید بن حارثہؓ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حارثؓ بن عمیر کے انتقام کے لیے بھیجا اور ہدایت فرما دی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ امیر ہوں، وہ شہید ہوں تو عبداللہؓ بن رواحہ، شرحبیل کے جاسوسوں نے اسے مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر دی، وہ ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لیے بڑھا، زید بن حارثہؓ نے آنحضرتؐ کو اطلاع دینے کا قصد کیا لیکن عبداللہ بن رواحہؓ نے روک دیا، کہ ہمارا مقصد فتح نہیں بلکہ شہادت ہے اور وہ ہر حالت میں حاصل ہو سکتا ہے، چنانچہ جوش شہادت میں تین ہزار مسلمانوں کا گروہ ایک لاکھ لشکر کے مقابلہ میں آیا، اس تناسب کے باوجود مسلمانوں نے بڑی بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا، لیکن تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ ہی کیا۔۔۔؟ زیدؓ لڑتے لڑتے شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا، انہوں نے بھی جام شہادت پیا، ان کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ نے علم لیا، یہ بھی مرتبہ شہادت پر سرفراز ہوئے، سب سے آخر میں خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں میں علم آیا، یہ بڑی بہادری اور خوش تدبیری سے باقی ماندہ فوج کو دشمنوں کے نرغے سے نکل

لائے آنحضرتؐ کو حضرت جعفرؓ کی شہادت کا سخت قلق ہوا' ان کی شہادت کی خبر سن کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔

فتح مکہ ۸ ھ اب تک جو واقعات پیش آئے وہ در حقیقت اصل مقصد کا دیباچہ تھے آنحضرتؐ کا سب سے مقدم فرض خانہ کعبہ کو' جو دنیا میں توحید کا سب سے پہلا اور واحد مرکز تھا' بتوں کی آلائش سے پاک کرنا تھا' لیکن قریش کی دشمنی اور قبائل عرب کی عام مخالفت نے اب تک اس کا موقع نہ دیا تھا' صلح حدیبیہ کی بدولت ایک مرتبہ مسلمان یادگار ابراہیمی کو نگاہ غلط انداز سے دیکھ آئے تھے' لیکن قریش زیادہ دنوں تک صلح حدیبیہ پر بھی قائم نہ رہ سکے' حدیبیہ کی صلح کے مطابق قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا اور اس کے حریف بنی بکر قریش کے معاہد ہو گئے تھے مگر از روئے معاہدہ فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کا حق حاصل نہ تھا' لیکن بنی بکر اور ان کی حمایت میں قریش نے اس کے خلاف عین حرم میں بنی خزاعہ کو قتل کیا' (طبری ص ۱۶۲۰ و ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۷) بنی خزاعہ آنحضرتؐ کے پاس فریاد لے کر آئے' آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ یا وہ مقتولین کا خون بہا ادا کریں یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں' ورنہ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

یہ شرطیں سن کر قریش کی جانب سے قرطہ بنی عمر نے کہا "ہم کو تیسری شرط منظور ہے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۳۲) لیکن پھر آنحضرتؐ کے قاصد کے واپس آنے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی' انہوں نے ابو سفیان کو فوراً تجدید معاہدہ کے لیے مدینہ دوڑایا' لیکن اب آنحضرتؐ کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا آپؐ کا ضروری فرض تھا' اس لیے آپ نے معاہدہ کی تجدید نہ فرمائی' ابو سفیان نے آپؐ سے مایوس ہو کر ابو بکرؓ و عمرؓ کو درمیان میں ڈالنا چاہا مگر ان بزرگوں نے انکار کر دیا' ان کے انکار کرنے پر حضرت علیؓ کے مشورہ سے حرم میں تجدید معاہدہ کا اعلان کر کے لوٹ گیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۳۷)

ابوسفیان کے واپس جانے کے بعد آنحضرتؐ نے تطہیر حرم کی تیاریاں شروع کر دیں اور رمضان ۸ ھ میں دس ہزار فوجوں کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے' راستہ میں معاہد قبائل ساتھ ہوتے جاتے تھے قریب پہنچ کر مکہ سے ایک منزل ادھر مر ظہران میں مسلمانوں نے منزل کی اور ان کے دستے دور دور تک پھیل گئے قریش مسلمانوں کی روانگی کی خبر سن چکے

تھے‘ انہوں نے تحقیقات کے لیے ابوسفیان حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا‘ یہ لوگ پتہ چلاتے ہوئے مرظہران پہنچے‘ ابوسفیان پر حضرت عباسؓ کی نظر پڑی وہ اس کے رفیق تھے‘ اس کی جان بچانے کے لیے اسے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے‘ لیکن خیمہ نبوی کے محافظ دستے نے دیکھ لیا‘ حضرت عمرؓ کی نظر بھی پڑ گئی وہ اسے دیکھ کر بے قابو ہو گئے‘ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کفر کے استیصال کا وقت آ گیا‘ لیکن حضرت عباسؓ آڑے آئے اور آنحضرت ﷺ سے ابوسفیان کی جان بخشی کرا دی۔

اس وقت ابوسفیان کے تمام پچھلے اعمال سامنے تھے‘ اسلام کی عداوت‘ مدینہ پر بار بار حملہ‘ قبائل عرب کا اشتعال‘ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش‘ ان میں سے ہر عمل اس کے خون کا دعویدار تھا‘ لیکن رحمۃ اللعالمین کی شان کچھ اس سے بھی بالاتر تھی‘ تمام گناہوں پر خط عفو پھیر دیا‘ پھر بھی ابوسفیان بدستور کفر و ضلالت پر قائم رہا‘ لیکن حضرت عباس ؓ کے ڈرانے سے کلمہ توحید پڑھ لیا اور وہ سر پر غرور جو خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا۔ آستان نبویؐ پر خم ہو گیا۔ (بخاری کتاب المغازی غزوہ فتح مکہ و ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۵ میں اس کی پوری تفصیل ہے)

اس کے بعد افواج اسلامی کا سیلاب مکہ کی طرف بڑھا‘ ہر قبیلہ کا دستہ الگ الگ تھا‘ آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کو افواج الٰہی کا نظارہ کرانے کے لیے ایک بلند مقام پر بھیج دیا‘ تمام قبائل کے پرچم یکے بعد دیگرے گزرتے تھے‘ ابوسفیان افواج اسلامی کی ہیبت سے سہا جاتا تھا‘ سب سے آخر میں کوکبۂ نبوی نمودار ہوا اور ٹھیک آٹھ برس کے بعد آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے ساتھ اس سرزمین میں فاتحانہ داخل ہوئے‘ جس سے انتہائی بے کسی کی حالت میں محروم کیے گئے تھے۔

قریش میں دس ہزار فوج کے مقابلہ کی تاب نہ تھی‘ ان کی جانوں کے لالے پڑ گئے‘ لیکن رحمۃ للعالمینؐ نے مکہ میں داخلہ کے وقت ہی مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ جب تک کوئی شخص خود ان پر حملہ آور نہ ہو وہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں اور مکہ کے داخلہ کے بعد اعلان عام کر دیا کہ جو شخص حرم میں چلا جائے گا یا دروازہ بند کر دے گا یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا‘ وہ مامون ہے۔ (سیرت ہشام ج ۲ ص ۲۳۵‘ ۲۳۸ دوسری کتابوں میں ان کے

علاوہ بعض صورتوں کو بھی امن و جان بخشی کا ذریعہ بنایا) صرف چند خیرہ سروں نے معمولی سی مزاحمت کی جن میں دو مسلمان شہید اور ۱۳ کفار مقتول ہوئے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ "حرم کعبہ" میں گئے' اس وقت یہاں تین سو ساٹھ بت نصب تھے' آنحضرت ﷺ نے انہیں لکڑی سے گرانا شروع کیا اور زبان مبارک سے فرماتے تھے۔ **جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا** (بخاری باب فتح مکہ) خاص خانہ کعبہ کے اندر جس قدر بت تھے' سب نکل دیئے گئے' حضرت عمرؓ نے دیوار کی تصویریں مٹائیں' شرک کی آلائشوں سے تطہیر کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت بلالؓ و طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز شکرانہ ادا فرمائی' اس کے بعد جبابرہ قریش کے رو برو توحید و رسالت پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۲) جس کا خطاب نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم سے تھا۔

> "ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا' ہاں آج تمام مفاخر سارے انتقامات و خون بہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔"
>
> "اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا' تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔ اس کے بعد کلام مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثٰی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر

> "لوگو میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو' لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے خدا جاننے والا اور واقف کار ہے۔

ان اللہ و رسولہ حرم بیع الخمر (بخاری) اللہ اور اس کے رسولؐ نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے۔

خطبہ کے بعد آپؐ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے' ان میں وہ

حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب کے سرکردہ تھے، وہ بھی تھے جو پیکر اقدس کے سامنے طرح طرح کی گستاخیاں کر چکے تھے، وہ بھی جو ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے غریب مسلمانوں کو مشق ستم بنایا تھا، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازشیں کی تھیں آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا، کچھ معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ اگرچہ یہ سرکش تھے، گمراہ تھے، اسلام کے دشمن تھے، لیکن مزاج شناس تھے بول اٹھے "اخ کریم و ابن اخ کریم تو شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم اذھبو فانتم طلقاء (بخاری فتح مکہ باب مقام النبی بمکہ) تم پر کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو، چند اشتہاری مجرموں کے علاوہ سب کو امان دے دی۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال ؓ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، قریش کی قوت اور رعونت اگرچہ خاک میں مل چکی تھی، لیکن اب بھی جاہلی عصبیت باقی تھی، چنانچہ اذان کی آواز سن کر ان کی غیرت مشتعل ہو گئی اور عتاب بن اسید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا، خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کے لیے دنیا میں باقی نہ رکھا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۲) تاہم ان کے لیے دامن رحمت کے علاوہ کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی اور آنحضرت ﷺ کے عفو عام نے اکثروں کے دلوں سے اسلام کی نفرت دور کر دی تھی، اس لیے صدہا پرغرور سر آستان اسلام پر خم ہو گئے، آنحضرت ﷺ مقام صفا میں ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے اور کفار جوق در جوق آ کر بیعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے پندرہ یوم قیام کرنے کے بعد معاذ بن جبل ؓ کو نو مسلموں کی تعلیم کے لیے چھوڑ کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

غزوہ حنین فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا، اگرچہ فتح مکہ نے جابرہ قریش کی قوت توڑ دی تھی اور اس کے بعد قبائل عرب نے عام طور پر خود پیش قدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا، لیکن بعض سرکش قبائل پر اس کا الٹا اثر پڑا، ان میں ہوازن اور ثقیف عرب کے بڑے ممتاز اور جنگجو قبیلے تھے، اسلام کے اقتدار سے ان کا امتیاز ختم ہو رہا تھا، اس لیے دونوں قبیلوں کے اشراف نے جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانوں سے جنگ کی جائے مسلمانوں کو اب تک جن قبائل سے واسطہ پڑا ہے، وہ اس میدان کے مرد نہ تھے اور قبل اس کے

کہ وہ ہماری طرف رخ کریں، ہمیں بڑھ کر حملہ کر دینا چاہیے، اس قرارداد کے بعد وہ مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے لیا کہ ان کی لاج میں قدم نہ اکھڑنے پائیں۔

آنحضرت ﷺ کو ان کی تیاریوں کی خبر ملی تو آپؐ نے عبداللہ بن حدرد کو تحقیقات کے لیے بھیجا، انہوں نے حنین جا کر خفیہ تحقیقات کی تو واقعہ صحیح نکلا، اس لیے آنحضرت ﷺ شوال ۸ ھ میں بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر بڑے سروسامان کے ساتھ حنین روانہ ہوئے، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کے مقابلہ میں نکلے، چنانچہ بعضوں کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟

حنین پہنچ کر فریقین میں مقابلہ ہوا، بعض روایتوں میں ہے کہ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن صحیح یہ ہے کہ پہلے حملہ میں مشرکین پسپا ہوئے، مگر ابھی پوری طرح ان کو شکست نہیں ہوئی تھی کہ مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے، مشرکین کو موقع مل گیا، انہوں نے تیر بازی شروع کر دی۔ (زرقانی ج ۳ ص ۶) مسلمانوں کی فوج میں بہت سے مکہ کے مولفتہ القلوب نو مسلم بھی تھے، جو دل سے شریک نہیں تھے، انہوں نے عین موقع پر دھوکہ دیا، (بخاری غزوہ حنین) اس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور وہ اس بری طرح سے منتشر ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی صرف چند جاں نثار باقی رہ گئے، لیکن پیکر اقدس اپنی جگہ رہا اور انصار کو آواز دی، جواب میں آواز آئی ہم حاضر ہیں" اس نازک حالت میں آپؐ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا "میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں، (طبری ج ۳ ص ۱۶۶۰ و بخاری غزوۃ النساء مع الرجال) حضرت عباسؓ نے آپؐ کے حکم سے مہاجرین اور انصار کو پکارا، ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے اور اس جانبازی کے ساتھ لڑے کہ دیکھتے دیکھتے لڑائی کا رنگ بدل گیا، کفار ان کے بے پناہ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، بنی مالک نے استقلال دکھایا لیکن ان کے سردار عثمان بن عبداللہ کے قتل کے بعد انہیں بھی میدان چھوڑ دینا پڑا، جو باقی رہ گئے وہ زندہ گرفتار ہوئے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اوطاس حنین کے شکست خوردہ کفار کچھ اوطاس طائف میں جمع ہوئے ہوازن کا رئیس اعظم درید بن صمہ بھی کئی ہزار فوج لے کر اوطاس پہنچ گیا، اس لیے حنین سے واپسی

میں آنحضرت ﷺ نے ابو عامر اشعری کو تھوڑی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا' درید کے لڑکے نے ابو عامر کو قتل کر کے علم اسلام پر قبضہ کر لیا' یہ حالت دیکھ کر ابو موسیٰ اشعری نے جھپٹ کر اس کا کام تمام کر دیا اور علم واپس لے لیا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۹)

طائف کا محاصرہ بنی ثقیف کی ایک شاخ طائف میں آباد تھی جو اپنی شجاعت و بہادری کے لحاظ سے سارے عرب میں ممتاز تھی' طائف کے گرد فصیل نما چہار دیواری اور قلعہ تھا' اس لیے حنین کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ طائف چلا آیا تھا' اور اہل شہر سے مل کر سامان رسد اور مقابلہ کے ضروری سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو گیا۔ (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۲۲ وابن سعد غزوہ اوطاس) اس لیے حنین سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے جنگ کا مال غنیمت جعرانہ بھجوا دیا' اور خود طائف تشریف لے گئے' اور اس کا محاصرہ کر لیا' بیس دن محاصرہ قائم رہا' لیکن کامیابی نہ ہوئی' چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی اس لیے بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا لیا۔

تقسیم غنائم طائف سے جعرانہ تشریف لائے' خیبر کے مال غنیمت میں بیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار بکریاں' چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی بھی تھے' جعرانہ تشریف لانے کے بعد قیدیوں کے بارے میں کئی دن تک فدیہ کا انتظار کیا جب کوئی چھڑانے نہیں آیا' تو آپؐ نے شرعی اصول کے مطابق کل مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور تالیف قلب کے خیال سے اس کا زیادہ حصہ جدید الاسلام مسلمانوں کو' جن میں زیادہ تر شرفائے مکہ تھے عطا فرمایا' اس سے بعض انصاریوں کو شکایت پیدا ہو گئی اور انہوں نے غائبانہ کہا کہ قریش کو مال غنیمت ملتا ہے اور ہم' جن کی تلواروں سے قریش کا خون ٹپکتا ہے' محروم رکھے جاتے ہیں' بعضوں نے کہا مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت کے وقت دوسروں کو یاد کیا جاتا ہے۔ (بخاری غزوہ طائف)

آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے انصار کو بلا کر پوچھا' انہوں نے عرض کی کہ ہمارے سربر آوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا' ہاں نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے' کچھ لوگوں نے اقرار کیا' آپؐ نے ان کا ملال خاطر دور کرنے کے لیے خطبہ دیا۔ "کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی' تم منتشر

اور پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا' تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند بنایا۔" انصار ہر ہر ارشاد پر کہتے جاتے تھے "خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔ (بخاری غزوہ طائف)

آپؐ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دو کہ محمد جس وقت لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی' جب لوگوں نے تجھ کو چھوڑ دیا' اس وقت ہم نے تجھ کو پناہ دی' تو اپنے یہاں سے مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح تیری مدد کی' تم یہ کہتے جاؤ میں جواب دیتا جاؤں گا "ہاں تم سچ کہتے ہو" لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔"

یہ سحر آفرین خطبہ سن کر انصار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمد ﷺ درکار ہیں' اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں' اس کے بعد آپؐ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں' ان کو میں نے جو کچھ دیا ہے وہ کسی حق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف تالیف قلب کے لیے۔ (یہ واقعات بخاری میں بجمل اور فتح الباری میں بہ تفصیل ہیں)

حنین کے مال غنیمت کے سلسلہ میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن (غالباً حضرت حلیمہؓ کی لڑکی شیما) بھی تھیں' یہ جب گرفتار ہوئیں تو انہوں نے کہا' میں تمہارے پیغمبر کی رضاعی بہن ہوں' لوگ تصدیق کے لیے آپؐ کے پاس لائے' شیماء نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک مرتبہ بچپن میں آپؐ نے دانت سے کاٹا تھا' یہ اس کا نشان ہے' یہ سن کر فرط محبت میں آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے' ان کے بیٹھنے کے لیے خود ردائے مبارک بچھائی' لطف و محبت کی باتیں کیں' چند اونٹ اور بکریاں عطا کیں اور ارشاد فرمایا جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور اگر گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے' شیما نے گھر جانا پسند کیا' آپؐ نے عزت و احترام کے ساتھ بھجوا دیا۔

(طبقات ابن سعد و طبری ج ۳ ص ۱۶۶۸)

اسی سال آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا۔

غزوہ تبوک رجب ۹ھ (۶۳۵ء) میں غزوہ تبوک پیش آیا' تبوک عرب اور شام کی سرحد پر ایک مقام ہے' یہ رومیوں کی حکومت میں تھا' روم اور عرب کے سرحدی علاقے

پر رومی حکومت کی جانب سے عرب سردار حکومت کرتے تھے، شرحبیل والی بصریٰ بھی انہی سرداروں میں، جنگ موتہ کے بعد ہی رومیوں نے عرب پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا، اور شام کے غسانی خاندان کو جو نسلاً" عرب اور مذہباً" عیسائی تھا، اور رومی حکومت کے ماتحت حاکم تھا، اس مہم پر مامور کیا تھا، اس وقت سے عرب پر ان کے حملہ کی افواہیں برابر پھیلتی رہتی تھیں اسی زمانہ میں شام کے نبطی سوداگروں نے جو مدینہ آیا کرتے تھے، اطلاع دی کہ شام میں رومیوں نے بہت بڑی فوج جمع کی ہے اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے، (زرقانی ج ۳ ص ۷۲) یہ بھی افواہ پھیل گئی، کہ عیسائی عربوں کی درخواست پر ہرقل نے چالیس ہزار فوج بھیج دی ہے۔

چونکہ رومیوں کی جانب سے عرصہ سے حملہ کا خطرہ تھا اس لیے ان خبروں کے یقین کرنے میں تامل نہ ہوا اور آنحضرت ﷺ رجب ۹ ھ میں حضرت علیؓ کو مدینہ چھوڑ کر تیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ، جس میں دس ہزار سوار تھے، شام روانہ ہوئے، تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہیں غلط تھیں، تاہم آپؐ نے بیس دن تک تبوک میں قیام فرمایا، ایلہ کے سردار یوحنا نے حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کیا اور ایک خچر ہدیہ میں کیا، آپؐ نے اس کو ایک رداء عطا فرمائی، (زرقانی ج ۳ ص ۷۲) جرباء اور اذرح کے عیسائیوں نے بھی آ کر جزیہ پر رضامندی ظاہر کی، دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر، قیصر کے ماتحت تھا، اس کی جانب سے خطرہ تھا، اس لیے آپؐ نے خالد بن ولیدؓ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ دومۃ الجندل بھیجا، خالد نے اسے گرفتار کر لیا، اکیدر مصالحت کے لیے آمادہ ہو گیا، خالد نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے، بیس دن تبوک میں قیام کے بعد آس پاس کے حکمرانوں کو جن کی جانب سے خطرات تھے مطیع بنا کر مدینہ واپس تشریف لائے، یہیں اکیدر حاضر خدمت ہوا اور آپؐ نے اسے امان نامہ عطا فرما کر واپس کر دیا۔ (یہ حالات ابن سعد اور طبری میں ہیں)

حج اور اعلان برات مکہ ۸ ھ میں فتح ہو چکا تھا، لیکن اس سال مشرکین ہی کے اہتمام میں حج ادا ہوا تھا، اس لیے غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ ۹ ھ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں تین سو حجاج کا ایک قافلہ حج کے لیے روانہ فرمایا اور حضرت علیؓ کو منصب نقابت (بخاری کتاب المناسک باب لا یطوف عریان) تفویض ہوا، قرآن نے اس حج کو

حج اکبر کہا ہے' اس لیے یہ پہلا موقع تھا' کہ جب سنت ابراہیمی کے مطابق حج کے ارکان ادا ہوئے اور خانہ خدا میں عہد جاہلیت کے اختتام اور دور حکومت اسلام کے آغاز کا اعلان کیا گیا اور زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں باطل قرار پائیں' مکہ پہنچ کر حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دی' قربانی کے دن خطبہ میں مسائل حج بیان کئے' حضرت علیؓ نے سورۃ برات کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا' نہ کوئی برہنہ حج کرنے پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے کیے ہیں ان کے نقض عہد کے باعث آج سے چار مہینہ بعد ٹوٹ جائیں گے (مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۲۹۹) اسی سال زکوۃ کا حکم نازل ہوا اور تحصیل زکوۃ کے لیے عمال مقرر ہوئے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۱۰۲) اور سود حرام قرار پایا۔

مختلف اغراض کے لیے چھوٹے چھوٹے سرائے مذکورہ بالا غزوات کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے مختلف اوقات میں بکثرت چھوٹے چھوٹے مسلح دستے عرب کے مختلف حصوں میں بھیجے' انہیں اصطلاح میں "سرایا" کہا جاتا ہے' ان سرایا کو عموماً لوگ جنگی دستوں سے تعبیر کرتے ہیں' جو صحیح نہیں ہے یہ دستے مختلف ضروریات کے لیے بھیجے جاتے تھے' مثلاً۔

۱۔ دشمنوں کی نقل و حرکت کی سراغ رسانی کے لیے۔
۲۔ دشمنوں کے حملے کی خبر سن کر مدافعت کے لیے۔
۳۔ امن و امان قائم کرنے کے لیے۔
۴۔ اشاعت اسلام کے لیے انہیں تاکید کر دی جاتی تھی کہ وہ تلوار سے کام نہ لیں۔

(۱) پہلی قسم کے سرایا میں' عبداللہ بن جحش کا بریہ تھا' جسے آپ نے ۲ھ میں مکہ کی طرف بھیجا تھا' اس میں صرف بارہ آدمی تھے' اور ایک خط دے کر ہدایت فرما دی تھی کہ دو دن بعد اسے کھولنا"۔ دو دن بعد عبداللہ نے اسے کھولا تو اس میں لکھا تھا' کہ برابر بڑھتے چلے جاؤ اور مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ میں ٹھہر کر قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو' اور ان کی خبریں معلوم کرو۔ (طبری جلد ۱ ص ۱۲۷۳)

(۲) دوسری قسم' یعنی مدافعت کے سرایا میں سریہ غطفان ۳ھ' اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ قبیلہ بنی ثعلبہ اور محارب کی ایک جماعت ذی امر میں

حملہ کرنے کے قصد سے جمع ہوئی ہے، اس لیے آپؐ نے ایک مختصر جماعت مدافعت کے لیے روانہ فرمائی (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۳)

سریہ ابو سلمہ ۳ھ طلحہ اور خویلد کے مقابلہ کے لیے، جن کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوئے ہیں، بھیجا گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۵) سریہ عبداللہ بن انیس ۳ھ، یہ ابوسفیان بن خالد کے جتھے کو، جو مخالفانہ جمع ہوا تھا، منتشر کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، غزوہ ذات الرقاع ۵ھ میں اس لیے ہوا تھا کہ ایک جاسوس نے اطلاع دی تھی کہ انمار و ثعلبہ کے قبیلے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے فوج جمع کر رہے ہیں، سریہ دومۃ الجندل ۵ھ میں اس لیے گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ دومۃ الجندل میں ایک بڑا گروہ مدینہ پر حملہ کے لیے جمع ہوا ہے، (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۳) غزوہ مریسیع ۵ھ کا سبب یہ تھا کہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے اپنے قبیلہ اور ان لوگوں کو جو اس کے قابو میں تھے، رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کی دعوت دی تھی، (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۳) سریہ فدک علی بن ابی طالب ۶ھ یہ بنی سعد کے مقابلہ کے لیے، جو یہود خیبر کی مدد کے لیے فدک میں جمع ہوئے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۵) روانہ کیا گیا تھا، سریہ بشیر بن سعد ۷ھ، اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب میں جمع ہوا ہے اور عیینہ بن حصن ان سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۳) سریہ ذات السلاسل ۸ھ عمرو بن العاص، یہ قضاعہ کے مقابلہ کے لیے، جو مدینہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے، بھیجا گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۸۷)

(۳) تیسری قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قریش نے مسلمانوں کو حج اور عمرہ سے روک دیا تھا، قریش کا مایہ غرور ان کی تجارت تھی، اس کے رک جانے سے ان کو سخت نقصان پہنچتا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کی تھی، تاکہ قریش مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ جانے کی اجازت دے دیں، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے سرایا صلح حدیبیہ سے پہلے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش نے چند شرائط کے ساتھ عمرہ کی اجازت دے دی تو ان سرایا کا سلسلہ بند ہو گیا، اگرچہ ان سے مقصود صرف قریش کو دھمکانا تھا لیکن اس سلسلہ میں کبھی کبھی تصادم بھی ہو

جاتا تھا۔

(۴) چوتھی قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قبائل عرب میں ہمیشہ جنگ و جدال کا سلسلہ برپا رہا، ان کی وجہ سے راستے بالکل غیر محفوظ ہو گئے تھے، تجارتی قافلے دن دہاڑے لوٹ لیے جاتے تھے اسلام کا ایک اہم فرض امن عام قائم کرنا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ بد امنی کی خبر سن کر ان کے انسداد کے لیے سرایا روانہ فرماتے تھے، ان سرایا میں!

پہلا سریہ ۶ ھ میں زید بن حارثہ کی سرکردگی میں بھیجا گیا تھا، اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت زیدؓ سامان تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے، واپسی میں مقام وادی القریٰ میں بنی فزارہ نے مار پیٹ کر کل سامان چھین لیا، آنحضرت ﷺ نے ان لٹیروں کی تنبیہہ کے لیے ایک دستہ روانہ فرمایا، جس نے ان لوگوں کو سزا دی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۹۲)

سریہ زید بن حارثہؓ ۶ ھ، اس کا باعث یہ تھا کہ ایک شخص ہنید نے آنحضرت ﷺ کے قاصد دحیہؓ کلبی کا، جو قیصر روم کے پاس خط لے کر گئے تھے، کل سامان چھین لیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کے بدلہ کے لیے زیدؓ بن حارثہ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۵) اس قسم کے سرائے عموماً خانہ بدوش اور پیشہ ور غارت گر قبائل کی طرف بھیجے جاتے تھے، سریہ دومۃ الجندل بھی اسی قسم کا سریہ تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۳)

(۵) پانچویں قسم اشاعت اسلام کے سرایا، قبائل سارے عرب میں پھیلے ہوئے تھے، ان سب کے کانوں تک اسلام کی آواز پہنچانا، آنحضرت ﷺ کا فرض تھا، اس لیے آپ وقتاً” فوقتاً” اسلام کی اشاعت کے لیے ان میں مسلمانوں کی جماعتیں بھیجتے تھے، یا کبھی کبھی خود قبائل کی درخواست پر دعاۃ اور معلمین روانہ فرماتے تھے، اور چونکہ بد امنی عام تھی اس لیے یہ لوگ مسلح بھیجے جاتے تھے، کبھی کبھی ان میں اور مخالفین اسلام میں جنگ کی نوبت آجاتی تھی، اس سلسلے کے بعد سرائے یہ ہیں۔

سریہ بیر معونہ، ۳ ھ، قبیلہ کلاب کے رئیس عامر بن مالک نے آنحضرت ﷺ سے اپنے یہاں دعاۃ اسلام بھیجنے کی درخوست کی تھی، اس درخواست پر آپؐ نے منذر بن عمرو ساعدی کی ماتحتی میں ستر (۷۰) قراء کی جماعت بھیجی، بیر معونہ کے قریب یہ سب کے سب قبائل رعل اور ذکوان کے ہاتھوں شہید ہوئے صرف ایک شخص بچ گیا، جس نے مدینہ آکر

اطلاع دی۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۳۴' تا ۳۸)

سریہ مرثد ابی مرثد غنوی ۳ھ' یہ دس مسلمانوں کی جماعت تھی' جو قبیلہ عضل اور قارہ کی درخواست پر ارشاد و تعلیم کے لیے بھیجی گئی تھی' مقام رجیع میں بنی لحیان نے حملہ کر کے ایک کے سواسب کو شہید کر دیا۔ ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۳۹' ۴۰)

سریہ ابن ابی العوجاء ۷ھ' اس میں ابن ابی العوجاء کی ماتحتی میں پچاس مبلغین بنی سلیم کے پاس بھیجے گئے تھے' بنی سلیم نے ان کی دعوت کا جواب تیروں اور پتھروں سے دیا مسلمانوں نے مجبوراً مقابلہ کیا لیکن ابن ابی العوجاء کے سوا باقی سب شہید ہوئے۔

(ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۸۹)

سریہ کعب بن عمیر ۸ھ میں یہ پندرہ مبلغین کی جماعت کعب بن عمرو غفاریؓ کی ماتحتی میں ذات اطلاح اشاعت اسلام کے لیے بھیجی گئی تھی' یہاں کے باشندوں نے بھی سلیم کی طرح تیر و تفنگ سے جواب دیا اور ایک کے سوا کل شہید ہوئے۔

(ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۹۲)

اگرچہ یہ تبلیغی سرایا اپنی حفاظت کے لیے مسلح بھیجے جاتے تھے' لیکن انہیں خاص طور سے تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیں گے' پھر بھی کبھی کبھی اتفاقیہ واقعات پیش آ جاتے تھے' اگر یہ واقعات مسلمانوں کی غلطی سے پیش آتے تو آنحضرت ﷺ کو اس کا سخت صدمہ ہوتا اور آپ' ان کی پوری تلافی فرماتے تھے' فتح مکہ کے بعد آپ' نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو تین سو آدمیوں کے ساتھ دعوت اسلام کے لیے بنی جذیمہ بھیجا اور چلتے چلتے تاکید فرما دی کہ "صرف اسلام کی دعوت دینا' جنگ مقصود نہیں ہے۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۱۰۶' ۱۰۷ و طبری ص ۶۵) لیکن خالدؓ نے غلطی سے تلوار اٹھا دی اور بہت سے آدمی قتل ہو گئے' آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی' تو آپ' کو سخت تکلیف ہوئی اور قبلہ رو کھڑے ہو کر فرمایا' خدایا! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔" پھر حضرت علیؓ کو بھیج کر تمام مقتولین حتیٰ کہ کتوں تک کا خون بہا ادا کیا۔

اسی سلسلہ کی کڑی وہ سرایا بھی ہیں' جو مختلف اطراف میں بت شکنی کے لیے بھیجے گئے' سارے عرب میں صنم کدوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا' ہر ہر قبیلہ کا بت جدا تھا' اس لیے کوئی خطہ بت کدوں سے خالی نہ تھا' فتح مکہ کے بعد اکثر قبائل مسلمان ہو چکے تھے اور

انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی تھی، لیکن صدیوں کی پرستش کی وجہ سے ان کے دلوں سے بتوں کی ہیبت نہ مٹی تھی، اور وہ ان کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے طائف کے باشندوں نے اسلام قبول کرتے وقت یہ شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک نہ توڑا جائے، لیکن آنحضرت ﷺ نے مسترد فرما دی، اس وقت انہوں نے کہا، اچھا ہم اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں گے، اس قسم کے خوف و ہراس کو مٹانے کے لیے راسخ العقیدہ مسلمان بت کدوں کو توڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ سریہ خالدؓ بن ولید عزیٰ کے صنم کدہ کو، سریہ عمرو بن العاصؓ سواع کے بت خانے کو، سریہ (طبری ص ۶۵) سعدؓ بن زید مناۃ کے صنم خانے کو، سریہ ابوسفیان و مغیرہ لات کی پرستش گاہ کو، سریہ جریر، ذی الخلصہ کے مندر کو، سریہ طفیل بن عمرو ذی الکفین کی مورت کو، سریہ علی بن ابی طالب فلس کی عبادت گاہ کو توڑنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول میں ان سب کے حالات ہیں)

اس کے علاوہ چھ ہجری میں سریہ عکاشہ بن محسن و سریہ علی بن ابی طالب، ۷ ھ میں سریہ کعب بن عمرو چھوٹے چھوٹے سرایا مختلف سمتوں میں دشمنوں کی خبر سن کر بھیجے گئے، اور سرایا بھی ہیں لیکن ان کا استقصاء مقصود نہیں ہے، ان سب کے حالات ابن سعد اور زرقانی میں مذکور ہیں۔

جنگ میں اسلام کی اصلاحات ان غزوات و سرایا سے ظاہر بینوں کو یہ دھوکہ ہوا، یا وہ عمداً" یہ غلط نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان کا مقصد قتل و غارت گری اور اسلام کی جبری اشاعت تھا، حالانکہ یہ تمام لڑائیاں تبلیغ اسلام کی راہ میں کفار کی مزاحمت کی بنا پر پیش آئیں اور ان میں اور دوسری قوم کی لڑائیوں میں بڑا فرق ہے، خود عرب میں، جنگ سفاکی اور درندگی کا نمونہ تھی، اس کا مقصد دوسروں کے ملک، زمین اور مال و متاع پر قبضہ یا جذبہ انتقام کی تسکین ہوتی تھی اور لڑائی میں فریقین انسانیت کی حدود سے گزر جاتے تھے، اسیران جنگ جو مردوں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر ڈالتے، بلکہ آگ میں زندہ جلا دیتے تھے، غفلت کی حالت میں دفعتہ" دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے، بچوں کو نشانہ بنا کر تیروں سے مارتے، زندہ آدمیوں کے اعضا کاٹ ڈالتے کہ تڑپ تڑپ کر مرے۔ جذبہ انتقام میں مردہ لاشوں کے اعضاء کاٹ ڈالتے، حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، سرسبز کھیتوں کو اجاڑ ڈالتے، آبادیوں کو ویران کر ڈالتے۔

اسلام نے خاص حالات میں جنگ کی اجازت ہی نہیں بلکہ اس کا حکم تک دیا ہے' لیکن اس کو تمام دنیاوی اغراض اور وحشیانہ افعال سے پاک کر کے بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا دیا' اور مذکورہ بالا امور بلکہ تمام خلاف انسانیت باتوں سے روک دیا' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بچوں' عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرما دی' (ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین) دشمن کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنانے کو' جس کا عرب میں عام دستور تھا' سختی سے روک دیا۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین باقتل الاسیر بالنبل)

لڑائیوں میں عہد کی پابندی کی کوئی قیمت نہ تھی' آنحضرت ﷺ نے پابندی عہد کی سخت تاکید فرمائی' خود قرآن میں اس کے صریح احکام ہیں' قاصدوں کے قتل اور ان کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا' حتیٰ کہ ان قاصدوں سے بھی ناروا سلوک نہیں فرمایا' جنہوں نے آپؐ کے ساتھ گستاخی کی۔

اسیران جنگ کو ہر قسم کی تکلیف پہنچانے کی ممانعت فرمادی' جنگ بدر کے قیدیوں کو جب صحابہؓ کے حوالہ کیا تو تاکید کر دی کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے پائے' چنانچہ صحابہ خود کھجور کھا کر پیٹ بھرتے تھے' ان کو شکم سیر ہو کر کھانا کھلاتے تھے' غزوہ حنین میں چھ ہزار قیدیوں کو رہا کر دیا اور ان کے پہننے کے لیے اسی قدر جوڑے مرحمت فرمائے۔

(تفصیل کے لیے دیکھو ابن سعد ج ۲ ق اول حالات غزوہ بدر' حنین)

اس زمانہ میں عام دستور تھا کہ فوج کشی کے وقت جن جن مقامات اور راستوں سے فوجیں گذرتی تھیں' ان میں عام لوٹ مار کرتی تھی' آنحضرت ﷺ نے اسے بھی منع فرمایا' ایک غزوہ میں مسلمانوں کو سامان رسد کی کمی کی وجہ سے دشواری پیش آ گئی' اتفاق سے بکریوں کا ایک گلہ نظر آیا۔ مسلمانوں نے اسے لوٹ لیا اور بکریاں ذبح کر کے گوشت پکایا' آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو جا کر اپنے ہاتھوں سے پکتی ہوئی ہانڈیاں چولہے سے الٹ دیں اور فرمایا لوٹ کا مال مردار کے گوشت کے برابر ہے۔ (ابوداؤد و کتاب الجہاد باب فی النہی من النہب اذاکان فی الطعام قلۃ) ایک مرتبہ اور مسلمانوں نے کچھ تاخت و تاراج کی' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے عام منادی کرا دی کہ جو شخص دوسروں کو ان کے گھروں میں تنگ کرے گا یا غارت گری کرے گا' اس کا جہاد جہاد نہیں ہو گا۔

(ابوداؤد و کتاب الجہاد باب مایو مر من انضمام العسکر)

مال غنیمت ہر قوم کے فاتحین کا جائز حق ہے اس لیے اسلام نے بھی اس کو قائم رکھا لیکن اس کی حرص و طمع کو اور اسے جنگ کا مقصد قرار دینے کی نہ صرف ممانعت فرمائی، بلکہ حصول اجر و ثواب کے منافی قرار دیا، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا کہ کوئی شخص غنیمت کے لیے جہاد کرتا ہے، کوئی اظہار شجاعت کے لیے، ان میں سے کس کا جہاد خدا کی راہ میں ہے، فرمایا جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ خدا کا بول، بالا ہو۔

(بخاری کتاب الجہاد من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا)

خود قرآن پاک میں جن جن صورتوں میں جنگ کی اجازت اور اس کا حکم دیا گیا ہے اس کی رو سے اسلامی جہاد خدا شناسی اور کمزوروں پر ظلم و زیادتی اور ملک میں فتنہ و فساد کے استیصال کا ذریعہ ہے اور اس کا مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ، روئے زمین پر خدا کی حکومت کا قیام اور اس کی تحمید و تقدیس ہے؛ کلام مجید میں اس کی متعدد آیات ہیں، اس طرح اس نے جنگ کو جو صرف سفاکی و خون ریزی سے عبارت تھی عبادت بنا دیا۔

مذہبی انتظامات

تبلیغ و دعوت اسلام آنحضرت ﷺ کا اصلی کام نہ صرف عرب بلکہ ساری مخلوق کو توحید الٰہی کی دعوت دینا اور سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت تھا، لیکن کفار عرب کو مسلسل مزاحمت اس راہ میں سنگ گراں بنی رہی، اس مزاحمت کی مدافعت نے جنگ کی شکل اختیار کر لی؛ جس کے حالات اوپر گذر چکے ہیں، ورنہ یہ لڑائیاں مقصود بالذات نہ تھیں، لیکن ان مزاحمتوں کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رہا اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا رہا اور جس قدر مزاحمتیں دور ہوتی گئیں اسلام کی اشاعت کی رفتار بڑھتی گئی، تا آنکہ فتح مکہ کے بعد جب قریش کی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور عربوں کا مذہبی مرکز کعبۃ اللہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، اس وقت سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہی رسالت کا حقیقی کارنامہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے تبلیغ اسلام کے مختلف طریقے اختیار فرمائے ابتداء میں تن تنہا، اشخاص سے مل کر مجمعوں، میلوں اور قبائل میں جا کر خدا کا پیغام پہنچاتے تھے اس راہ میں

آپؐ نے جو جو تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھائیں، اس کے حالات اوپر گذر چکے ہیں، سابقین اولین اور انصار کی ابتدائی جماعت کا اسلام جو در حقیقت تبلیغ اسلام کا سنگ بنیاد ہے، اسی دور کے مساعی کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد اسلام میں جوں جوں تقویت آتی گئی، اس فریضہ کی ادائیگی میں اور زیادہ وسعت ہوتی گئی، تربیت یافتہ مبلغین اور چھوٹی چھوٹی تبلیغی جماعتیں مختلف قبائل اور مقامات میں بھیجی جانے لگیں، جس قبیلہ کا کوئی آدمی مسلمان ہو جاتا تھا، وہ خود جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کرتا تھا، امراء اور فرمانرواؤں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

ان مساعی کے ساتھ ساتھ ایسے قدرتی اسباب بھی پیدا ہوتے گئے جو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بن گئے اگرچہ سارا عرب کفر و بت پرستی میں مبتلا تھا، لیکن بعثت نبویؐ کے قبل ہی سے ان میں کچھ خدا پرست یا کم از کم متلاشی حق موجود تھے، ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ انہی متلاشیان حق میں سے تھے۔ (طبقات کی کتابوں میں ان بزرگوں کے حالات میں اس کی تفصیل ہے) اس جماعت میں سے جنہوں نے اسلام کا زمانہ پایا وہ خود اس دولت سے سرفراز ہوئے اور اپنے ساتھ اپنی زیر اثر جماعت کو بھی اس سے نوازا، مثلاً حضرت ابوذرؓ غفاری خود مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا۔ (بخاری، ذکر اسلم و غفار) پھر قبیلہ غفار کے اثر سے اس کا ہم جوار قبیلہ اسلم مسلمان ہوا۔ (مسلم باب اسلام ابی ذر)

حضرت سلیمان فارسی بھی ان لوگوں میں سے تھے جو سالہا سال سے دین حق کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے پہلے عیسوی مذہب اختیار کیا، اس کے بعد اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے، بعض حالات میں خود قریش کی مخالفت تبلیغ اسلام کا سبب بن جاتی تھی، وہ آنحضرت ﷺ کو "صابی" یعنی بے دین اور مجنون مشہور کرتے تھے اور لوگوں کو آپؐ کے پاس جانے سے روکتے تھے، اس سے ان میں قدرۃً آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوتا تھا اور وہ آپؐ سے ملنے کے بعد مسحور ہو جاتے تھے۔

قبیلہ ازد شنوہ کے رئیس ضماد بن ثعلبہ زمانہ جاہلیت کے آنحضرت ﷺ کے دوست تھے ایک مرتبہ وہ مکہ آئے تو سنا محمدؐ کو جنون ہو گیا ہے، انہیں جھاڑ پھونک میں دخل تھا،

اس لیے ازراہ محبت و ہمدردی آپ ؐ کے علاج کے لیے پہنچے، آپ ؐ نے ان کو کلام اللہ کی چند آیتیں سنائیں، ان کے سحر آفرین اثر سے وہ مسلمان ہو گئے، پھر ان کی دعوت پر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

(مسلم باب تخفیف الصلوۃ والخطبہ)

طفیل بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا، قبائل پر شعراء کا بڑا اثر تھا، اس لیے قریش نے عمرو کو آنحضرت ﷺ سے ملنے سے روکنے کی بڑی کوشش کی، لیکن ایک مرتبہ اتفاقیہ آپ ؐ کو قرآن پڑھتے سن لیا اور اس کے اثر سے مسلمان ہو گیا، اس کے قبیلہ پر اس کے اسلام کا اثر پڑا، پھر آنحضرت ﷺ کی دعا سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی و مسلم کتاب الایمان و بخاری و باب قصہ دوس)

بعض لوگ آپ ؐ کے دعوئ نبوت کے حالات سن کر آپ ؐ سے ملنے کے شوق میں آتے تھے اور نبوت کی پر تاثیر باتیں سن کر مسلمان ہو جاتے تھے، چنانچہ عمرو بن عنبسہ آپ ؐ کے دعوئ نبوت کے حالات سن کر مکہ آئے اور آنحضرت ﷺ سے مل کر نبوت اور اسلام کے متعلق چند سوالات کر کے آپ ؐ کی پیروی پر آمادہ ہو گئے، لیکن اس وقت آپ ؐ کفار کے زرغہ میں گھرے ہوئے تھے اس لیے واپس کر دیا کہ "اس حالت کے بدلنے کے بعد آنا"۔ چنانچہ اس وقت وہ واپس چلے گئے، اور ہجرت کے بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوئے۔ (صحیح مسلم باب الاوقات النہی عن الصلوۃ فیہا)

غرض اسی طرح اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا رہا، ۵ ھ کے بعد جب غزوہ احزاب میں مسلمانوں نے قریش کنانہ، غطفان اور اسد کے متحدہ قبائل کو شکست دی اور قریش کا اثر کسی قدر کم ہوا، اس وقت ان قبائل نے جو اسلام کی طرف مائل تھے، لیکن قریش کے خوف سے اس کے اظہار کی ہمت نہ پڑتی تھی، وفود بھیجنے شروع کیے چنانچہ قبیلہ مزینہ چار سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ آکر مشرف باسلام ہوئے۔

(طبقات ابن سعد جز اول قسم ۲ ص ۳۸)

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سو آدمی مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ہمارے آپ ؐ کے درمیان معاہدہ ہو جائے"۔ آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا، پھر صلح کے بعد یہ لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد جز اول قسم ۲ ص ۴۸)

قبیلہ جہینہ ان ہی قبائل کے آس پاس آباد تھا' وہ بھی آنحضرت ﷺ کی دعوت پر مسلمان ہو گیا اور اکثر غزوات میں مسلمانوں کا شریک حال رہا۔

(اصابہ تذکرہ بشر بن عرفطہ ج اول ص ۱۵۳)

لیکن صلح حدیبیہ تک اشاعت اسلام کی رفتار سست رہی' صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمانوں اور غیر مسلموں کو آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا' اس وقت مسلمانوں کے اخلاق و عمل اور اسلام کے زندہ پیکر کو دیکھ کر اور ان سے اسلام کو سمجھ کر بکثرت کفار مسلمان ہوئے' طبری کا بیان ہے کہ

"کوئی سمجھ دار آدمی ایسا نہ تھا' جس نے اسلام پر گفتگو کے بعد اس کو قبول نہ کیا ہو' جتنے لوگ شروع سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے' صرف دو برسوں کے اندر ان کے برابر یا ان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے۔" (طبری ص ۱۵۵۱)

پھر بھی فتح مکہ تک یہ رفتار مقابلتہ" سست رہی' فتح مکہ کے بعد ہر طرف سے لوگ قبول اسلام کی جانب پیش قدمی کرنے لگے' اس کا سبب یہ تھا کہ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش سارے عرب کے مقتدا اور پیشوا تھے' اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں' فتح مکہ کے بعد جب کعبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور قریش کی قوت ختم ہو گئی' اس وقت قبائل اسلام کی طرف ٹوٹ پڑے۔

بخاری کی روایت ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے' وہ کہتے تھے کہ محمدؐ کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو' اگر محمدؐ ان پر غالب آ گئے' تو بے شبہ وہ سچے پیغمبرؐ ہیں پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔ (بخاری باب فتح مکہ)

فتح مکہ کے بعد ایک طرف قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی' دوسری طرف قریش کی قوت ختم ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کا موقع ملا۔ اور آپؐ نے ہر طرف دعاۃ اور مبلغین روانہ فرمائے ان میں سے بعض مبلغین اور مقامات کے نام یہ ہیں۔

حضرت علیؓ	قبیلہ ہمدان' جذیمہ اور مذحج
حضرت خالد بن ولیدؓ	اطراف مکہ

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ	بحرین
حضرت عمروؓ بن العاص	عمان
حضرت وبرؓ بن یحنس	ابنائے فارس
حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ	حارث بن عبد کلال شہزادہ یمن

عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز و سیر حاصل اور تمدن و تہذیب کا نہایت قدیم مرکز تھا حمیر اور سبا کی عظیم الشان حکومتیں یہیں تھیں، ہجرت سے پہلے یہاں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی اور قبیلہ دوس میں اسلام پھیل چکا تھا، لیکن یہاں کا سب سے ممتاز اور بڑا قبیلہ ہمدان تھا، ۸ ھ کے آخر میں آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کو ہمدان میں دعوت اسلام کے لیے یمن بھیجا، یہ چھ مہینے تک دعوت دیتے رہے، لیکن کامیاب نہ ہوئے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس بلالیا، اور حضرت علیؓ کو ان کی جگہ بھیجا، آپؓ کی کوششوں سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۴۳) یمن ہی میں ایک دوسرا ممتاز قبیلہ مذحج تھا، ۱۰ ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان میں تبلیغ اسلام کی خدمت بھی حضرت علیؓ کے سپرد کی، انہوں نے جا کر اسلام کی دعوت دی لیکن اس کا جواب تیر اور پتھروں سے ملا، حضرت علیؓ نے بھی مدافعت کی، اس مدافعت میں بیس مذحی کام آئے باقی بھاگ نکلے، اس کے بعد خود روسائے قبائل نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، اور دوسروں کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا۔ (ابن سعد ج ق اول ص ۱۲۲) حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی دعوت اسلام کے لیے یمن کے اضلاع میں بھیجے گئے۔ (بخاری کتاب المغازی)

نجران میں ایک قبیلہ حارث بن زیاد تھا، ۱۰ ھ میں آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کو نجران بھیجا، ان کی کوششوں سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۱۶)

بحرین ایران کے حدود حکومت میں داخل تھا، یہاں عرب قبائل بھی آباد تھے، ان میں عبدالقیس بکر بن وائل اور تمیم مشہور خاندان تھے، عبدالقیس کے قبیلہ کے ایک شخص منقذ بن حبان ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی دعوت پر مسلمان ہو گئے، آپ نے ان کو ایک فرمان عطا کیا، وطن واپس جانے کے بعد منقذ نے اسلام کو مخفی رکھا، لیکن ان کی بیوی نے ایک دن ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اپنے

باپ منذر سے شکایت کی انہوں نے منقذ سے دریافت کیا اور خود مسلمان ہو گئے' اور آنحضرت ﷺ کا فرمان لوگوں کو پڑھ کر سنایا اسے سن کر پورے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۶۶)

۸ ھ میں آنحضرت ﷺ نے علاء حضرمی کو بحرین بھیجا اس زمانہ میں یہاں حکومت ایران کی جانب سے منذر بن ساوی گورنر تھا' اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے۔ بحرین کے علاقہ ہجر کا حاکم سیبلخت آنحضرت ﷺ کی دعوت پر ایمان لایا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۶۶ فتوح البلدان)

عمان میں قبیلہ ازد تھا' عبید اور جعفر یہاں کے حاکم تھے' ۸ ھ میں آنحضرت ﷺ نے ابو زید انصاریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو دعوت اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا' اس دعوت پر دونوں سرداروں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی ترغیب سے یہاں کے تمام عرب مشرف باسلام ہوئے۔

ان مقامات کے علاوہ عرب کے مختلف حصوں میں آنحضرت ﷺ نے مبلغین روانہ فرمائے۔ جنہوں نے عرب کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی روشنی پھیلائی' لیکن ان سب کا استقصاء مقصود نہیں ہے۔ مبلغین کے علاوہ بعض آدمیوں نے دور دراز مقامات سے آ کر خود اسلام قبول کیا اور واپس جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کی' ان میں سے بعضوں کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں' ان میں طفیل بن عمرو دوسی' عروہؓ بن مسعود ثقفی' عامر بن شہرؓ ہمدانی' ضمامؓ بن ثعلبہ سعدی' منقذ بنؓ حبان اور ثمامہ بن آثال کے نام لائق ذکر ہیں۔

عرب کے جو مقامات اسلام کے زیر اثر آتے تھے' وہاں زکوۃ' عشر اور جزیہ وصول کرنے کے لیے جو عمال بھیجے جاتے تھے' وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ و ارشاد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے' ان میں سے بعضوں کے نام یہ ہیں۔

مہاجرؓ بن ابی امیہ	عامل صنعاء یمن
زیادؓ بن لبید	عامل حضرموت
خالدؓ بن سعید	عامل صنعاء یمن
عدی بن حاتم	قبیلہ طے (اور ان کا وطن بھی یمن تھا)
علاء حضرمی	عامل بحرین

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ	عامل زبید و عدن
حضرت معاذ بن جبل	عامل جند
جریر بن عبداللہ بجلیؓ	ذوالکلاع حمیری

وفود آنحضرت ﷺ کی جانب سے اسلام کا تبلیغی نظام تھا، اس کے علاوہ فتح مکہ کے بعد جب قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی تو بہت سے قبائل کے وفود نے مدینہ آ کر اسلام قبول کیا، یا اپنے اپنے مقامات پر قبول کر چکے تھے، پھر آنحضرت ﷺ سے گفتگو کے بعد مسلمان ہو جاتے تھے۔ یا محض معاہدہ کر کے واپس چلے جاتے تھے، اس قسم کے وفود کی تعداد باختلاف روایت پندرہ سے لے کر سو سے اوپر تک ہے، یہ وفود مختلف اوقات میں آتے رہے لیکن زیادہ تعداد بلکہ دو چار کے سوا باقی کل فتح مکہ کے بعد آئے، ان میں بعض کے نام یہ ہیں۔

مزینہ، اسد، تمیم، عبس، فزارہ، مرہ ثعلبہ، محارب، سعد بن بکر، کلاب، عقیل بن کعب، بنی البکا، کنانہ، اشجع، باہلہ، سلیم، ہلال بن عامر، عامر بن صعصعہ، ثقیف، ربیعہ عبد قیس، بکر ابن وائل، ثعلب، حنیفہ، شیبان، طے، مراد، زبید، کندہ، صدف، سعد، ہذیل، بلی، بہرا، عذرہ، سلامان، جہینہ، کلب، جرم، آزد، غسان، حارث بن کعب، ہمدان، نخع، بجیلہ، خثعم، اشعریین، ازد، دوس، اسلم، جذام، مہو اور حمیر وغیرہ۔

ان میں سے چند کے سوا اکثر دولت اسلام سے مشرف ہوئے، ابن سعد نے طبقات میں ان کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن سعد ج اول ق ۲ حالات وفود)

غرض چند برسوں کے اندر اندر سارے عرب میں اسلام پھیل گیا۔

دعاۃ اور معلمین کی تعلیم دنیا کے بیشتر مذاہب میں مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے خاندان اور طبقات مخصوص ہیں، یہودیوں میں اس خدمت کے لیے ایک مخصوص خاندان تھا، اس کے علاوہ دوسرا اسے انجام نہ دے سکتا تھا، عیسائیوں میں اگرچہ خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ایک طبقہ نے ان خدمات کو اپنے لیے خاص کر لیا تھا، ہندوؤں میں برہمن کے علاوہ دوسرا اس کا مجاز نہیں، دوسری قوموں میں بھی کم و بیش یہی حال ہے۔

لیکن اسلام میں ہر مسلمان داعی مذہب، مبلغ، معلم، واعظ اور محتسب ہے، مگر مذہبی تعلیم اور شریعت کے اوامر و نواہی سے واقفیت کے بغیر یہ فرض صحیح طور سے ادا نہیں کیا جا

سکتا اور ہر شخص کو پوری تعلیم و تربیت کا موقع نہیں مل سکتا، اس لیے ضرورت تھی کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو شریعت کے اوامر و نواہی کی واقفیت کے ساتھ شب و روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہ کر اس طرح اسلامی رنگ میں ڈوب جائے کہ اس کی گفتار، کردار، نشست و برخاست، قول و عمل ہر شے اسلامی تعلیمات کا زندہ نمونہ بن جائے۔

آنحضرت ﷺ نے مذہبی تعلیم و تربیت کے دو طریقے رکھے تھے ایک غیر مستقل، جس میں عرب کے مختلف قبائل کے آدمی مدینہ آ کر چند دن قیام کر کے ضروری مسائل سیکھ کر واپس جاتے تھے اور اپنے قبیلہ کو تعلیم دیتے تھے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ جاتا تھا، اور آپ ﷺ سے مذہبی امور دریافت کر کے دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا۔ (تفسیر خازن، تفسیر آیت وماکان المومنون لینفروا کافۃ)

اس قسم کے متعلمین کے حالات حدیث و طبقات کی کتابوں میں بکثرت ہیں، انہیں چند دن تعلیم دینے کے بعد آپ ﷺ ان کے قبیلوں میں واپس بھیج دیتے تھے، چنانچہ مالک بن الحویرثؓ کی سفارت کو بیس دن کی تعلیم کے بعد حکم دیا کہ "اپنے خاندان میں واپس جاؤ اور ان میں رہ کر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو۔ (بخاری باب رحمۃ البہائم)

دوسرا طریقہ مستقل درس و تعلیم کا تھا، اور اس کے لیے صفہ کی درسگاہ مخصوص تھی، اس میں وہ لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے، جو علائق دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنے کو دینی تعلیم اور عبادت و ریاضت کے لیے وقف کر دیتے تھے، اس درس گاہ میں دو حلقے تھے، ایک درس و تعلیم کا اور دوسرا ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت کا۔ سنن ابن ماجہ میں ہے ایک دن رسول اللہ ﷺ کاشانہ اقدس سے برآمد ہوئے تو مسجد میں دو حلقے تھے، ایک حلقہ کے لوگ تلاوت و دعا میں معروف تھے، اور دوسرے حلقہ کے تعلیم و تعلم میں، آپؐ نے دونوں کو تحسین فرمائی اور خود ارشاد فرما کر کہ میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، درس و تعلیم کے حلقہ میں بیٹھ گئے۔ (سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء و بحث علی طلب العلم) صفہ کی درس گاہ میں رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اکابر صاحب علم صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے، حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور

لکھنے کی تعلیم دی، ان میں سے ایک شخص نے مجھ کو کمان ہدیہ دی۔ (ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب العلم)

ان کا سارا وقت درس و تعلیم میں گذرتا تھا، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ستر اشخاص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے، اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۳۷)

حضرت ابو ہریرہؓ، جو اس درس گاہ کے تعلیم یافتہ تھے، کا بیان ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے، اور انصار اپنی کھیتی باڑی کی دیکھ بھال میں، میں محتاج آدمی تھا، میرا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گزرتا تھا، اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے، میں موجود رہتا تھا، اور جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے میں محفوظ رکھتا تھا۔ (فضائل ابی ہریرہؓ)

اصحاب صفہ کی زندگی نہایت پرمشقت اور پرمحن تھی، کھانے کا کوئی سہارا نہ تھا، پہننے کے لیے صرف ایک کپڑا ہوتا تھا، جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب جماع اثواب ما یصلی فیہ) فقرو فاقہ کا یہ حال تھا کہ ضعف سے نماز میں گر پڑتے، بدو دیکھتے تو کہتے کہ پاگل ہیں۔ (ترمذی ابواب الزہد)

ان میں سے کچھ لوگ دن کو شیریں پانی بھر لاتے اور جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور ان کو بیچ کر ان کی آمدنی سے گزر اوقات کرتے تھے۔ (مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید)

اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا، یہ لوگ تعلیمی اور تبلیغی ضروریات کے لیے مختلف مقامات پر بھیجے جاتے تھے، چنانچہ قبیلہ عرینہ کی درخواست پر ان ہی میں سے ستر (۷۰) قراء کتاب و سنت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجے گئے تھے، جن کو ان لوگوں نے دھوکے سے شہید کر دیا تھا۔ (مسلم کتاب الامارۃ ثبوت الجنۃ للشہید)

عہد نبوی میں ان قراء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو گئی تھی، چنانچہ یمامہ کی جنگ میں جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی آغاز عہد صدیقی میں ہوئی ستر حفاظ شہید ہوئے۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۳۵)

تعمیر مساجد اسلام کا سب سے بڑا مقصد عبادت اور تسبیح و تقدیس الٰہی تھا، اس لیے مسجد کی تعمیر سب سے مقدم فرض تھا، عبادت و ریاضت کے علاوہ مسجد، مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز تھی، جہاں مسلمان دن میں پانچ مرتبہ جمع ہوتے تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت کی سخت تاکید فرمائی۔

جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا، تو اس کے لیے مسجد ضروری ہو جاتی تھی، بڑی بڑی آبادیوں میں ایک ایک مقام پر کئی کئی مسجدوں کی ضرورت پیش آجاتی تھی، چنانچہ عہد نبویؐ میں صرف مدینہ میں مسجد نبویؐ کے علاوہ نو مسجدیں تھیں، جن میں علیحدہ علیحدہ نماز ہوتی تھی، ان کے نام یہ ہیں، مسجد بنی عمرو، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی رائج، مسجد زریق، مسجد بنی غفار، مسجد بنی اسلم، مسجد جہینہ۔

ان کے علاوہ مختلف مقامات پر حسب ذیل مساجد کے نام ملتے ہیں۔

مسجد بنی حذرہ، مسجد بنی امیہ، (انصار کا ایک قبیلہ) مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابی فیصل، مسجد بنی دینار، مسجد ابی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بلحارث بن خزرج، مسجد بنی حطمہ، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبدالاشہل، مسجد واقم، مسجد بنی معاویہ، مسجد عاتکہ، مسجد بنی **قریظہ**، مسجد بنی وائل، مس داتجرہ۔

(عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۳۶۸)

غرض آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت عرب کے گوشہ گوشہ میں خدائے واحد کا گھر تعمیر ہو گیا تھا، جہاں ہر روز پانچ وقت اس کا نام لیا جاتا تھا۔

ائمہ نماز مساجد کی تعمیر کے ساتھ ان کے لیے ائمہ بھی مقرر فرمائے، "معمولاً" ہر قبیلہ کے بڑے حافظ قرآن کو یہ نصب عطا ہوتا تھا، اور اس میں آقا و غلام اور چھوٹے بڑے کا فرق نہ تھا، غلام آقاؤں کی امامت کرتے تھے، ہجرت نبویؐ سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آ چکے تھے حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ ان کی امامت کرتے تھے، آپؐ نے امام کے انتخاب کے لیے یہ اصول فرمایا تھا کہ "جماعت کی امامت وہ کرنے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو۔ اگر اس وصف میں سب برابر ہوں تو ان سے جو سب سے زیادہ سنت سے واقف ہو، اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔ (مسلم)

جن جن مقاموں پر مدینہ سے عمال مقرر ہو کر جاتے تھے، عموماً وہی وہاں کے امام بھی ہوتے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۸) بعض مقاموں پر عامل اور امام کے فرائض علیحدہ علیحدہ دو شخصوں سے بھی متعلق ہوتے تھے۔

سیرت کی کتابوں میں عہد نبویؐ کے اماموں کے ناموں کی نام بہ نام تفصیل نہیں ملتی، مختلف روایات اور بیانات سے حسب ذیل اماموں کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر	مدینہ منورہ	ہجرت نبویؐ سے پہلے مدینہ میں انصار کی امامت کرتے تھے۔
حضرت سالمؓ	مدینہ منورہ	(حضرت ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام) ہجرت نبویؐ سے پہلے مہاجرین مدینہ کی امامت کرتے تھے۔
حضرت ابن ام مکتومؓ	مدینہ	موذن تھے اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ سے باہر تشریف لے جانے کے زمانہ میں امامت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔
حضرت ابو بکرؓ	مدینہ	آنحضرت ﷺ کے مرض الموت میں امامت کی خدمت انجام دی تھی۔
حضرت عتبان بن مالکؓ	بنی سالم	اپنے قبیلے کے امام تھے۔
حضرت معاذؓ بن جبل	بنی سلمہ	اپنے قبیلے کے امام تھے۔
ایک انصاریؓ	مسجد قبا	اپنے قبیلے کے امام تھے۔
حضرت عمرو بن سلمہؓ	بنی جرم	اپنے قبیلے کے امام تھے۔
حضرت اسید بن حضیرؓ	بنی جرم	اپنے قبیلے کے امام تھے۔
حضرت انس بن مالکؓ یا کوئی اور صحابی	بنی نجار	اپنے قبیلے کے امام تھے۔
حضرت مالک بن حویرثؓ	بنی نجار	اپنے قبیلے کے امام تھے۔
حضرت عتاب بن اسیدؓ	مکہ	اپنے قبیلے کے امام تھے۔
حضرت عثمان بن ابی العاصؓ	طائف	اپنے قبیلے کے امام تھے۔

حضرت ابو زید انصاریؓ	عمان	اپنے قبیلے کے امام تھے۔

موذنین غالباً اذان کی خدمت کے لیے کوئی خاص شخص نہیں ہوتا تھا' تاہم چند بزرگ اس خدمت کے لیے مخصوص تھے۔

حضرت بلالؓ	مدینہ منورہ	مسجد نبویؐ
حضرت ابن ام مکتومؓ	مدینہ منورہ	مسجد نبویؐ
حضرت سعد القرظؓ	حوالی مدینہ	مسجد قبا
حضرت ابو محذورہ مکی	مکہ	مسجد حرام

(ان کے نام حدیث کی تمام کتابوں میں ہیں)

غرض آنحضرت ﷺ نے دنیا سے سفر کرنے سے پیشتر خدائے واحد کی عبادت کے جملہ انتظامات مکمل فرمائے۔

تاسیس حکومت الٰہی

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد دعوت توحید' اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفوس تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے کام ضمنی تھے اور صرف اس حد تک جس حد تک مذکورہ بالا مقاصد کے حصول میں معاون اور قیام امن کے لیے ضروری تھے' اسلام دنیا میں شہنشاہی قائم کرنے کے لیے نہیں بلکہ اسے مٹانے اور اس کے خرابہ پر خلافت الٰہی قائم کرنے کے لیے آیا تھا اور اپنے ساتھ ایک دائمی شریعت اور ایک مکمل قانون لایا تھا' جو انسانوں کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن تھا' اس قانون کے تحفظ' نفاذ اور قیام امن کے لیے ایک نظام کی ضرورت تھی' اس لیے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ خلافت الٰہیہ کی بھی تشکیل ہوتی گئی' یہ کوئی شہنشاہی نظام نہ تھا بلکہ اسلام کی محدود ضروریات کے مطابق ایک سادہ اور مختصر نظام حکومت تھا' وقتاً" فوقتاً" جو ضروریات پیش آجاتی تھیں ان کے مطابق نظام بنتا جاتا تھا۔

اگرچہ ذات اقدس جملہ مذہبی و انتظامی امور کا مرجع تھی' لیکن تنہا ایک ذات عظیم الشان مذہبی ذمہ داریوں کے ساتھ انتظامی امور کی متکفل نہیں ہو سکتی تھی' اس لیے آپ نے مختلف شعبے قائم کر کے انہیں اکابر صحابہ کرامؓ کے متعلق فرما دیا تھا' وہ سادہ نظام حکومت یہ تھا!

فوج اور امیر العسکری چونکہ اسلام جنگ و جدل کے لیے نہیں آیا تھا اس لیے اس کی کوئی باقاعدہ اور منظم فوج بھی نہ تھی' مگر حق و باطل کی معرکہ آرائی کے وقت ہر مسلمان مجاہد تھا اور حضرت ابوبکرؓ سے لے کر ایک معمولی غلام تک میدان جہاد میں سر بکف نظر آتا تھا بڑے بڑے معرکوں میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس قیادت فرماتے تھے' بدر' احد' خیبر' اور فتح مکہ وغیرہ میں آپؐ ہی امیر العسکر تھے' ان معرکوں کا مقصد خون ریزی اور فتح نہ تھا بلکہ فوج کی اخلاقی و روحانی نگرانی اور اصول آئین جنگ کی تاسیس بھی تھا' مجاہدین اسلام کی جن جزئی بے اعتدالیوں پر آپؐ نے گرفت فرمائی اس کی تصریح غزوات کے حالات میں موجود ہے' لیکن چھوٹے چھوٹے سرایا میں کبار صحابہؓ امیر العسکر ہوتے تھے'

جن کے حالات اوپر گذر چکے ہیں۔

افتاء افتاء کے فرائض آپ ﷺ خود انجام دیتے تھے لیکن بعض صاحب علم صحابہؓ بھی اس خدمت کو بجالاتے تھے۔

مقدمات کا فیصلہ مدینہ اور حوالی مدینہ کے قضیے آپ خود فیصل فرماتے تھے لیکن دور دراز مقامات پر وہ صاحب علم صحابہؓ جو معلم بنا کر بھیجے جاتے تھے اس خدمت کو انجام دیتے تھے' حضرت علیؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل کو آپؐ نے یمن کا قاضی مقرر فرمایا تھا' بعضوں کے نام آئندہ آئیں گے۔

کاتب آپؐ دعوت اسلام کے خطوط بھیجتے تھے' قبائل و اقوام سے تحریری معاہدے ہوتے تھے' مسلمان قبائل اور عمال و محصلین کو احکام و ہدایات بھیجتے تھے' اس لیے کتابت کا شعبہ نہایت ضروری تھا' اس کا کوئی باضابطہ محکمہ نہ تھا' لیکن بہت سے صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ اور آخر میں امیر معلویہ کاتب وحی تھے۔ ان کے علاوہ مراسلات کی تحریر کی خدمت اور بہت سے صحابہ کرامؓ سرانجام دیتے تھے۔

احتساب یعنی قوم کے اخلاق و عادات' بیع و شرا اور معاملات داد و ستد کی نگرانی کا باقاعدہ محکمہ عہد نبویؐ میں نہ تھا لیکن اس کی بنیاد اسی زمانہ میں پڑ گئی تھی' آپؐ بہ نفس نفیس ان امور کی نگرانی فرماتے تھے' لوگوں کو جزئیات اخلاق کی تعلیم دیتے تھے اور اس قسم کی فروگذاشتوں پر مواخذہ فرماتے تھے' تجارت میں آپ نے بہت سی اصلاحات جاری کیں اور ان پر سختی کے ساتھ عمل کرایا' جو لوگ تخمینہ سے غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ دیں۔ (بخاری کتاب البیوع)

کبھی کبھی تحقیقات کے لیے خود بازار تشریف لے جاتے تھے' ایک بار آپ بازار سے گذرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا' اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی' دکاندار سے پوچھا' اس نے جواب دیا" بارش سے بھیگ گیا ہے' فرمایا تو اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا کہ ہر شخص کو نظر آتا' جو لوگ فریب دیتے ہیں' وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۵۳)

عمال کا جائزہ فرائض احتساب میں سب سے مقدم فرض عمال کا احتساب ہے، چنانچہ جب عمال زکوۃ اور صدقہ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا، ایک مرتبہ ایک صحابی ابن اللیتہؓ کا جو صدقہ وصول کر کے لائے تھے، جائزہ لیا، انہوں نے کہا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیتہ" ملا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا، اس کے بعد ایک عام خطبہ دیا جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ (بخاری کتاب الاحکام ج ۲ ص ۱۰۶۷)

حکام اور ولاۃ مقدمات کے فیصلہ، اقامت عدل اور قیام امن کے لیے مختلف مقامات پر حکام و ولاۃ مقرر فرمائے، ان حکام اور ان کے مقاموں کے نام یہ ہیں۔

حضرت باذانؓ بن ساسان	بہرام گور کے خاندان سے تھے، سلاطین عجم میں سب سے پہلے مشرف بہ سلام ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔
حضرت شہر بن باذانؓ	باذان بن ساسان کے بعد صنعاء کے والی مقرر ہوئے
حضرت خالد بن سعیدؓ بن العاص	شہر بن باذان مارے گئے تو ان کی جگہ والی مقرر ہوئے
حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ مخزومی	آپؐ نے ان کو کندہ اور صدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے آپؐ کا انتقال ہو گیا۔
حضرت زیادؓ بن لبید انصاری	والی حضرموت
حضرت معاذؓ بن جبل	والی جند
حضرت عمروؓ بن حزم	والی نجران
حضرت زید بن ابی سفیان	والی تیمار
حضرت عتابؓ بن اسید	والی مکہ
حضرت علیؓ بن ابی طالب	متولی اخماس یمن
حضرت عمروؓ بن العاص	والی عمان
حضرت علاءؓ بن حضرمی	والی بحرین

محصلین اگرچہ مسلمانوں کا جوش ایمان ہر قبیلہ کو اپنے صدقات و زکوٰۃ خود لا کر پیش کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا لیکن ایک وسیع ملک کے محاصل کی تحصیل کے لیے ایک باقاعدہ نظام کی ضرورت تھی، اس ضرورت کے لیے آنحضرت ﷺ نے ہر قبیلہ میں صدقہ اور زکوٰۃ کے محصل مقرر فرمائے، عموماً ہر قبیلہ کے سردار کو یہ منصب سپرد ہوتا تھا، ان کے نام یہ ہیں۔

نام محصل	مقام	نام محصل	مقام
حضرت عدیؓ بن حاتم	طے و بنی اسد	حضرت مالکؓ بن نویرہ	بنو حنظلہ
حضرت صفوانؓ بن صفوان	بنی عمرو	ابو جہم بن حذیفہؓ	بنو لیث
ایک ہذیلیؓ	بنی ہذیم	حضرت عبداللہ بن اللتیہؓ	بنو ذبیان
حضرت عمر فاروقؓ	مدینہ	عبیدہ بن جراحؓ	نجران
حضرت بریدہؓ بن حسیب اسلمی	غفار و اسلم	عبداللہ بن رواحہؓ	شہر خیبر
حضرت عبادؓ بن بشر الاشہلی	سلیم و مزینہ	زیاد بن لبیدؓ	حضرموت
حضرت رافعؓ بن مکیث	جہینہ	ابو موسیٰ اشعریؓ	صوبہ یمن
حضرت زبرقانؓ بن بدر	بنو سعد	خالد بن ولیدؓ	صوبہ یمن
حضرت قیس بنؓ عاصم	بنو سعد	ابان بن سعیدؓ	بحرین
حضرت عمروؓ بن العاص	بنو فزارہ	عمرو بن سعید بن العاصؓ	تیماء
حضرت ضحاکؓ بن سفیان	بنو کلاب	محمیہؓ بن جرز	تحصیل خمس
حضرت بسر بنؓ سفیان الکعبی	بنو کعب	عیینہؓ بن حسن فزاری	بنو تمیم

یہ محصلین قوانین صدقات و زکوٰۃ کے عالم ہوتے تھے، ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا، جس میں بہ تصریح بتا دیا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے، چھانٹ کر عمدہ مال لینے اور حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی، ان عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا، اس ضرورت کی تصریح آپؐ نے خود ان الفاظ میں فرما دی تھی کہ "جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو اپنی بی بی کا خرچ لینا ہے اور اگر نوکر نہ ہو تو نوکر کا اگر گھر نہ ہو تو مکان کا اور اگر اس سے زیادہ کوئی لے گا تو وہ خائن ہے"۔ (ابو داؤد ج ۳ باب ارزاق العمال)

محاصل کے اقسام اور اس کے مصارف

عہد نبویؐ میں محاصل کی پانچ قسمیں تھیں، غنیمت، فے، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج۔

غنیمت یعنی جو مال دشمنوں سے فتح کے موقع پر ملتا تھا، یہ کوئی مستقل آمدنی نہ تھی، اس کو قرآن نے اللہ کی ملک قرار دیا ہے اور اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے نام سے حکومت کے مصالح اور اغراض کے لیے مخصوص کر دیا ہے، یعنی یہ سپاہیوں کی ملکیت نہیں ہے بلکہ امام وقت مصالح کی بنا پر جس مصرف میں چاہے اس کو صرف کر سکتا ہے۔

لیکن ایک دو موقع کے علاوہ رسول اللہ ﷺ خمس نکالنے کے بعد کل مال غنیمت مجاہدین میں برابر تقسیم فرما دیتے تھے، سوار سپاہیوں کو تین حصے ملتے تھے اور پیدل کو ایک۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار کو دو ملتے تھے، (ابوداؤد علم ارض خیبر) خمس کا مال بھی عموماً آپ ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور غریب الدیار مسافرین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور چار مدوں سے وصول ہوتی تھی، نقد روپیہ، پھل پیداوار، مویشی (باستثنائے گھوڑے) اسباب و سامان تجارت۔ (ابو داؤد علم ارض خیبر کتاب الزکوٰۃ باب العروض اذا کانت للتجارۃ)

دو سو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی، پیداوار کی زکوٰۃ کے لیے پیداوار کا پانچ وسق سے زیادہ ہونا ضروری تھا مویشیوں کی زکوٰۃ مختلف جنس کی مختلف تعداد کے لحاظ سے ہے، پیداوار میں جو بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے اس میں دسواں حصہ ہے اور جو آبپاشی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس میں بیسواں حصہ۔ (ترمذی کتاب الزکوٰۃ و بخاری جلد اول ص ۲۰۱)

زکوٰۃ کے مصرف کی تعیین خود قرآن نے کر دی ہے فقراء و مساکین، نو مسلم، وہ غلام جن کو آزاد کرانا ہو، مقروض، مسافر، محصلین زکوٰۃ کی تنخواہیں اور دوسرے کار خیر، زکوٰۃ جس مقام سے وصول کی جاتی تھی، عموماً وہیں کے مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔

جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا، اس کی تعداد متعین نہ تھی، آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانے میں ہر مستطیع اور بالغ مرد سے ایک

دینار سالانہ وصول کرنے کا حکم دیا تھا' بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھے۔

خراج غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جس قدر حصہ باہمی مفاہمت سے طے ہو جائے' خیبر' فدک' وادی القریٰ اور تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا۔

جزیہ اور خراج کی آمدنی سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی' جو کچھ وصول ہو کر آتا آنحضرت ﷺ اسی وقت مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے' ان سب کے نام رجسٹر میں درج تھے' اہل و عیال والوں کو دو حصے ملتے تھے اور مجرد کو ایک۔ (ابوداؤد کتاب الخراج باب قسم الفیٔ)

شریعت کی تاسیس و تکمیل تمام مذاہب عالم میں یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ تنہا دعاؤں اور عبادات کا مجموعہ نہیں ہے' بلکہ اپنے پیروؤں کے تزکیہ اخلاق اور ان کے اخروی فوز و فلاح کے ساتھ ان کے جملہ دنیاوی ضروریات کا بھی کفیل ہے اس لیے وہ اپنے ساتھ ایسا مکمل قانون لایا جو مسلمانوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ان کے دنیاوی اور مادی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور امت مسلمہ کے لیے دستور حیات بھی ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے اسلام میں اصول ضابطہ موجود ہے اس قانون کو اسلامی اصطلاح میں شریعت کہتے ہیں۔ اس قانون کی تاسیس کا آغاز بعثت نبویؐ سے ہوا اور اختتام آپؐ کی وفات پر یعنی کامل تئیس (۲۳) سال کی مدت میں حسب ضرورت بتدریج مکمل ہوتا رہا' اس کی چار شاخیں ہیں عقائد' عبادات' معاملات' اور عام اخلاق۔ ان میں سے دو یعنی عقائد و عبادات' اللہ اور بندہ کے درمیانی تعلقات اور تزکیہ روح و اخلاق سے متعلق ہیں اور دو' یعنی معاملات و اخلاق انسانوں کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں' عقائد میں توحید' رسالت' ملائکہ' قیامت اور حشر و نشر اور سزا و جزا پر ایمان' عبادات میں نماز' روزہ' حج اور زکوۃ پر عمل (حلال و حرام کے ضوابط بھی اسی سے متعلق ہیں) معاملات' وراثت' وصیت' نکاح و طلاق' حدود' تعزیرات' تجارت اور لین دین وغیرہ یعنی مسلمانوں کی دنیاوی معاشرتی زندگی سے متعلق ضوابط و قواعد' اخلاق' انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی فرائض۔

کلام اللہ میں ان سب کے متعلق اصول احکام موجود ہیں' رسول اللہ ﷺ نے اپنے

قول سے ان کے جزئیات کی تشریح فرما کر اور عملاً ان کو برت کر دکھایا اور اپنی زندگی میں ایک جماعت نمونہ عمل بنا دی' اسلامی شریعت خود ایک مستقل اور وسیع موضوع ہے لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے' یہ مذہب اسلام پر لکھنے والے کا کام ہے۔

حجتہ الوداع

جب سارے عرب میں اسلام پھیل چکا' اللہ کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز پر آ چکی' اسلام کے عقائد' اعمال اور شریعت کے اصول و فروغ کی تکمیل ہو چکی' حکومت الٰہی کا قیام عمل میں آ چکا اور سارے عالم کی راہنمائی کے لیے ایک جماعت تیار ہو چکی' اس وقت یہ حکم نازل ہوا۔

> اذا جاء نصر اللہ والفتح و رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔
>
> جب اللہ کی مدد آ چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اللہ کی حمد کی تسبیح پڑھو اور استغفار کرو' وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سے آنحضرت ﷺ کو یہ منشائے الٰہی معلوم ہو گیا کہ اب آپؐ اپنا کام ختم کر چکے اور دنیا میں آپؐ کے رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی' اس لیے آنحضرت ﷺ نے جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کے سامنے خصوصاً اور ساری دنیا کے لیے عموماً اسلام' اس کی شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصولوں کا اعلان کرنے کے لیے حج کا اعلان فرمایا' اس خبر کے پھیلتے ہی مسلمانوں کا ایک انبوہ شرف ہمرکابی کے لیے امنڈ آیا اور ۲۶ ذیقعد ۱۰ھ کو آپؐ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں' ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا' اس وقت انسانوں کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ آگے پیچھے' دائیں بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی' انسانوں کا دریا متلاطم نظر آتا تھا' آنحضرت ﷺ لبیک فرماتے تھے تو عام مسلمانوں صدائے بازگشت سے دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔

مکہ کے قریب مقام سرف میں قیام فرمایا' دوسرے دن غسل فرما کے مکہ میں داخل

ہوئے، کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ شرف و عزت دے"۔ پھر کعبہ کا طواف کیا طواف سے فراغت کے بعد مقام ابراہیم علیہ السلام میں دوگانہ ادا کیا، پھر کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لیے سلطنت، ملک اور حمد ہے وہ مارتا اور جلاتا ہے اور تمام چیزوں پر قادر ہے، کوئی اللہ نہیں مگر وہ اکیلا، اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی" (ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ) پھر صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لے گئے اور طواف و سعی سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے، عمرہ تمام کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا، پنج شنبہ کے دن (آٹھویں تاریخ) منیٰ میں قیام فرمایا۔

خطبۃ الوداع نویں ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد مسلمانوں کے ساتھ عرفات تشریف لے گئے اور ناقہ پر سوار ہو کر وہ آخری اور مشہور و معروف خطبہ دیا، جو تاریخ اسلام میں خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر ہے، یہ وہ دن تھا کہ اسلام اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ رسوم مٹا دیئے گئے، چنانچہ آپؐ نے اعلان فرمایا۔

"ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں" (ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ)

مخلوق الٰہی طبقات و مراتب کے امتیاز سے بٹی ہوئی تھی، غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے، شرفاء ادنیٰ طبقوں سے بالاتر مخلوق سمجھے جاتے تھے، عامی، علماء کے ساتھ گفتگو کرنے کے مجاز نہ تھے، آپؐ نے یہ ساری حدیں توڑ کر انسانیت کی ناہموار سطح کو برابر کر دیا۔

لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ (یعقوبی ج ۱ ص ۴۳)

اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی جہالت اور آباء و اجداد پر فخر کو مٹا دیا، انسان اللہ

سے ڈرنے والا مومن ہوتا ہے یا اس کا نافرمان شقی، تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب التفاخر بالا حساب)

اسلام کے رشتہ نے انسانوں کو باہم بھائی بھائی بنا دیا۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

(مستدرک حاکم ج ۱ ص ۹۳، ابن سعد حصہ سیرت حالات حجۃ الوداع)

غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہیے۔

"تمہارے غلام، تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ"۔

عرب میں اگر ایک شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو قاتل و مقتول کے قبائل میں پشت ہا پشت تک انتقام کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا اور ایک ایک قتل کے بدلہ میں سینکڑوں برس تک خون کی ندیاں بہتی رہتی تھیں، آپؐ نے اس جاہلی حمیت کو مٹا دیا اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا خون ہدر کیا۔

"جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے) ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں"۔ (مسلم کتاب الحج باب سنۃ حجۃ النبی و ابوداؤد کتاب الحج باب سنۃ حجۃ النبی)

سارے عرب میں نہایت وسیع سودی کاروبار پھیلا ہوا تھا، سرمایہ دار غرباء کا خون چوستے تھے، ہر مقروض اپنے قرض خواہ کا غلام تھا، آپؐ نے اس دام کا، خلق اللہ جس کا صید زبوں تھی، تار تار الگ کر دیا اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا سود باطل کیا۔

"جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے، اور سب سے پہلے اپنے خاندان عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔" (مسلم کتاب الحج باب سنۃ حجۃ النبی و ابوداؤد کتاب الحج باب سنۃ حجۃ النبی حضرت عباسؓ سودی کاروبار کرتے تھے اور بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا)

عورتوں کا کوئی درجہ نہ تھا، ان کی حیثیت ملک و جائیداد سے زیادہ نہ تھی، ان کو حقوق میں مساوات عطا ہوئی۔

"عورتوں کے معاملات میں اللہ سے ڈرو۔ (ابوداؤد کتاب الحج باب سنۃ حجۃ النبی ﷺ)

تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ (طبری و ابن ہشام)

عرب میں جان و مال کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی' جس کو جو چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا' چھین لیتا تھا' اور ان دونوں کی حرمت قائم کی گئی۔

"تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے"۔ (باب حجۃ الوداع و مسلم کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبیؐ)

پھر آپؐ نے امت کی راہنمائی کے لیے ہدایت ربانی کا مجموعہ امت کے سپرد کیا اور تاکید فرمائی "میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں' اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ" (یہ ٹکڑا صحاح کی تقریباً کل کتابوں میں ہے)

اس کے بعد چند اصولی احکام بیان فرما دیئے۔

"اللہ نے ہر حقدار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا' اب کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے' لڑکا اس شخص کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو' زنا کار کے لیے پتھر ہے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے"۔

"جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے"۔

"ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں ہے' قرض ادا کیا جائے' عاریت واپس کی جائے' عطیہ لوٹایا جائے' ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔" (یہ احکام سنن ابن ماجہ باب الوصایا اور ابوداؤد کتاب الوصایا میں مختصر ہیں اور ابن سعد اور ابن ہشام میں تصریح ہے کہ عرفہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا) یہ احکام بیان فرما کر مجمع سے سوال کیا۔

"تم سے اللہ میری نسبت پوچھے گا' تو تم کیا جواب دو گے؟"

صحابہؓ نے عرض کی! "ہم کہیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا"۔ آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا!

"اے اللہ! تو گواہ رہنا' اے اللہ تو گواہ رہنا! اے اللہ تو گواہ رہنا"

(مسلم و ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبیؐ)

عین اس وقت جب آپؐ نبوت کے آخری فرائض ادا فرما رہے تھے' یہ آیت نازل

ہوئی۔ (بخاری و مسلم اور ابوداؤد کے مختلف ابواب میں اس کی تصریح ہے)

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے مذہب اسلام کا انتخاب کیا۔

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی' پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور کھڑے ہو کر قبلہ رو دیر تک دعا میں مصروف رہے' آفتاب ڈوبتے وقت یہاں سے روانہ ہوئے' مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز ادا فرمائی رات بھر آرام کر کے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف کوچ فرمایا' راستہ میں سائلین' حج کے مسائل پوچھتے جاتے تھے' آپ' جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم فرماتے جاتے تھے' جمرہ پہنچ کر رمی جمار کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو' کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔

(سنن نسائی کتاب المناسک باب التقاط الحصی)

اسی دوران یہ بھی فرمایا!

"حج کے مسائل سیکھ لو میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے"۔ (مسلم کتاب الحج باب استحباب رمی جمرۃ العقبہ یوم النحر راکبا")

رمی جمار سے فارغ ہونے کے بعد منیٰ کے میدان میں تشریف لائے' حضرت بلال ؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی' حضرت اسامہ ؓ بن زید پیچھے بیٹھے ہوئے چادر سے سایہ کیے ہوئے تھے' آگے پیچھے دائیں بائیں ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا ۲۳ سالہ فرائض نبوت اور جانکاہ محنت کے ثمرات و نتائج نگاہوں کے سامنے تھے' زمین سے آسمان تک قبول حق و اعتراف حق کا نور برس رہا تھا' اب ایک نئی شریعت نئے نظام اور نئے عالم کا آغاز ہو رہا تھا' اس لیے ارشاد فرمایا۔

"ابتداء میں اللہ نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا' زمانہ پھر پھرا کر پھر اسی نقطہ پر آ گیا"۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے طریقہ عبادت حج میں عربوں نے اپنے اغراض کی بنا پر بہت سی ترمیمیں کر دی تھیں' حج کے مہینوں میں خون ریزی حرام ہے اس لیے جنگجو عرب اس کے جواز کے لیے مہینوں کو گھٹا بڑھا دیتے تھے لیکن اب پھر حج اپنی اصلی شکل و

صورت میں آرہا تھا اس لیے آپؑ نے اعلان فرمایا!

"سال کے بارہ مہینے ہیں، جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں، تین متواتر، ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ ہے، جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے"۔

دنیا میں عدل و انصاف اور امن و امان کا مدار تین چیزوں پر ہے، جان، مال اور آبرو کی حفاظت، آنحضرت ﷺ ایک دن پہلے کے خطبہ میں اس کی حرمت کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے، لیکن جنگجو اور خون آشام عربوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے زیادہ تاکید کی ضرورت تھی، اس لیے دوبارہ آپ ﷺ نے نہایت بلیغ انداز میں اس کا اعادہ فرمایا اور ان سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

> "کچھ معلوم ہے آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے۔ آپؑ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک پھر ارشاد ہوا یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپؑ نے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک ہے، پھر پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے بدستور جواب دیا، آپؑ نے پھر سکوت کے بعد فرمایا کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں۔ ہے لوگوں نے عرض کیا ہاں بے شک ہے"۔

اس طریقہ استفسار سے جب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو گیا کہ آج کا دن، مہینہ اور شہر سب محترم ہے، یعنی اس دن اس مقام پر جنگ و خون ریزی جائز نہیں تو فرمایا۔

"تمہارا خون تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تاقیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے"۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۹)

قوموں کے لیے سب سے زیادہ تباہ کن ان کی باہمی خانہ جنگی ہے اس لیے مسلمانوں کو متحدہ قومیت کے دوام و ثبات کے لیے فرمایا!

"ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا"۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۵۹)

یہ ظلم عالمگیر تھا کہ اگر کسی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو سارا خاندان مجرم سمجھا جاتا تھا، اور اصلی مجرم کے فرار ہو جانے کی صورت میں باپ کے عوض میں بیٹے اور بیٹے کے بدلے میں باپ سے مواخذہ کیا جاتا تھا، اس ظلم کی ان الفاظ میں بیخ کنی فرمائی گئی!

"ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہاں باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں"۔ (ابن ماجہ باب الخطبہ یوم النحر)

"قبل از اسلام عرب کی پراگندگی اور بد نظمی کا ایک بڑا سبب ان کی خود سری تھی کہ ان کا ہر فرد اپنی جگہ اپنے کو حکمران سمجھتا تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری عار شمار کرتا تھا، چنانچہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لیے انہیں انقیاد و طاعت کی تعلیم دی۔

"اگر کٹی ہوئی ناک کا کوئی حبشی بھی تمہارا امیر ہو اور تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔" (مسلم جلد ۲ کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ و تحریمھا المعصیۃ)

اس وقت سارا عرب اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا، کفر و شرک کا نام و نشان باقی نہ رہ گیا تھا، تمام مخالف قوتیں پامال ہو چکی تھیں، اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:۔

"ہاں شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی، البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہو گا"۔ (ابن ماجہ باب الخطبۃ یوم النحر)

خطبہ کے آخر میں ایک مرتبہ پھر اسلام کے فرائض یاد دلائے۔

"اپنے پروردگار کو پوجو، پانچوں وقت نماز پڑھو، مہینہ بھر کے روزے رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو، اللہ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے"۔ (مستدرک حاکم ج ۱ کتاب المناسک باب خطبۃ النبیؐ فی حجۃ الوداع)

خطبہ تمام کرنے کے بعد مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"الاھل بلغت کیوں! میں نے پیغام خداوندی سنایا؟"

سب نے جواب دیا "ہاں" فرمایا۔

اللھم اشھد اے اللہ تو گواہ رہنا!

پھر لوگوں سے فرمایا:۔

فلیبلغ الشاھد الغائب "جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں"۔

خطبہ کے اختتام کے بعد آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔ (صحیح مسلم ج اول کتاب الحج باب حجۃ الوداع)

اس خطبہ کے بعد بقیہ مناسک حج ادا فرمائے‘ ۱۳ زی الحجہ تک منیٰ میں قیام رہا‘ ۱۳ زی الحجہ کو یہاں سے نکل کر وادی محصب میں قیام فرمایا‘ پچھلے پہر کو اٹھ کر خانہ کعبہ تشریف لے گئے‘ اور آخری طواف کر کے وہیں فجر کی نماز ادا کی‘ نماز کے بعد مدینہ کی طرف کوچ فرمایا‘ راستہ میں مقام خم غدیر میں صحابہؓ کے سامنے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔

"حمد و ثنا کے بعد‘ اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے اللہ کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے (موت) قبول کرنا پڑے‘ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں‘ ایک اللہ کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں‘ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو یاد دلاتا ہوں۔ (مسلم ج ۲ کتاب الفضائل باب فضائل علیؓ)

وفات

جزیرۃ العرب کے کفر و شرک کے استیصال' اسلام کی اشاعت' شریعت و مکارم اخلاق کی تعلیم حجۃ الوداع میں تکمیل دین کے آخری فرائض سے سبکدوشی اور الیوم اکملت لکم دینکم کی تصدیق کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا' اس کے بعد روح قدسی کو عالم جسمانی میں رہنے کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی' اس لیے حجۃ الوداع ہی میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد عالم آب و گل چھوڑنے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے' زیادہ وقت تسبیح و تہلیل میں بسر ہونے لگا۔

شہداء میں شہدائے احد نے بڑی بے کسی سے جان دی تھی' اس کا آنحضرت ﷺ کے دل پر بڑا اثر تھا' اس لیے مدینہ سے واپسی کے بعد ان سے رخصت ہونے کے لیے ان کی قبروں پر تشریف لے گئے' اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح ایک مرنے والا اپنے اعزہ کو الوداع کہتا ہے۔ (بخاری کتاب الجنائز)

اس کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا' جس میں فرمایا!

> "میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں' اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے' مجھ کو اس کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک میں مبتلا ہو گے البتہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لیے آپس میں کشت و خون نہ کرو اور اس طرح ہلاک نہ ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئیں"۔
>
> (مسلم کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاتہ)

اوپر غزوات میں گذر چکا ہے کہ حضرت زید ؓ بن حارثہ کو رومیوں نے شہید کر دیا تھا' آنحضرت ﷺ نے آغاز علالت سے ایک دن پہلے ان کے لڑکے اسامہ ؓ کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر جلد اس طرف جائیں اپنے والد کے خون کا انتقام لیں۔

"۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ کو آپ' مسلمانوں کے گور غریباں جنت البقیع تشریف لے گئے' وہاں

سے واپس ہوئے تو مزاج ناساز ہو گیا، بیماری کی حالت میں بھی آپؐ ازراہ عدل باری باری سے ازواج مطہراتؓ کے گھروں میں بسر فرماتے تھے، جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں مستقل قیام فرمایا۔

جب تک چلنے کی طاقت رہی، نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے، آخری نماز مغرب کی پڑھائی، بعض روایتوں میں ہے کہ ظہر اور عشاء کی نماز کے لیے کئی مرتبہ مسجد کا قصد کیا، مگر مرض کی شدت و نقاہت سے ہر مرتبہ غش آ گیا، اس لیے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی کہ وہ رقیق القلب ہیں، آپ ﷺ کی جگہ ان سے نہ کھڑا ہوا جائے گا، لیکن آپؐ نے دوبارہ حکم دیا، اس کے بعد کئی دن تک حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھاتے رہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ و ابن سعد وفات نبویؐ)

واقعہ قرطاس وفات سے چار دن پہلے (جمعرات) کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا دوات اور کاغذ لاؤ، میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں، جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا رسول اللہ (ﷺ) کو مرض کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لیے کافی ہے، اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا، بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے بعض حضرات حضرت عمرؓ کی تائید میں تھے، اس اختلاف پر جب شور و غل بڑھا تو لوگوں نے کہا آپؐ مرض کی شدت میں باتیں کر رہے ہیں۔ آپؐ سے پھر پوچھ لو، دوبارہ جب لوگوں نے استفسار کیا تو آپؐ نے فرمایا مجھے میری حالت پر چھوڑ دو، میں جس مقام میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ (۱)

۱۔ قرطاس کی روایت خفیف تغیر کے ساتھ بخاری اور مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شئی یوصی فیہ، میں موجود ہے۔

یہ واقعہ اہل سنت اور شیعوں کے درمیان بڑا معرکہ آراء مبحث بن گیا ہے، شیعوں کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، جسے حضرت عمرؓ نے روک دیا، سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو واقعی مرض کی شدت تھی دین مکمل ہو چکا تھا شریعت کا کوئی حکم تعلیم کے لیے باقی نہ رہ گیا تھا خود قرآن نے **الیوم اکملت لکم دینکم** کی آیت سے تکمیل دین کی مہر کر دی تھی، ایسی حالت میں حضرت عمرؓ نے مرض کی شدت میں آپؐ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا، اگر کوئی

اس کے بعد آپؐ نے چند وصیتیں فرمائیں۔

"کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے' سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپؐ کے زمانہ میں کیا جاتا ہے' تیسری راوی کو یاد نہیں رہی۔ (بخاری باب وفات النبیؐ و مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شئی یوصی فیہ)

اس دن نماز ظہر کے وقت طبیعت کو کچھ سکون ہوا' تو غسل فرما کر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے مسجد تشریف لے گئے' جماعت کھڑی ہو چکی تھی' حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے' آپؐ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹے آپؐ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی (بخاری باب وفات النبی و مسلم کتاب الصلوۃ باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر من مرض و سفر و غیرہما من یصلی بالناس الخ)

نماز کے بعد خطبہ دیا' یہ آپؐ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا۔

"اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا اللہ کے پاس جو انعامات ہیں ان کو لے' اس نے اللہ ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں' سب سے زیادہ میں جس کی دولت و صحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکرؓ ہیں' اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا' لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے۔ مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکر کے دریچہ کے سوا

ضروری اور دینی حکم ہوتا تو آنحضرت ﷺ کسی کے روکنے سے نہ رک سکتے تھے' **پھر اس کے بعد چار** دن تک زندہ رہے' مرض میں اتنی خفیف بھی ہوئی کہ آپؐ نے خطبہ دیا اس میں آپؐ بیان فرما سکتے تھے یا زبانی لکھوا سکتے تھے' یہ محض قیاس ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے' ممکن ہے کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے ہوں' بخاری میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکرؓ کو بلا کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھانا چاہتے تھے' لیکن پھر اسے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا اللہ اور اہل اسلام ابوبکر ؓ کے سوا کسی کو پسند نہ کریں گے' پھر قرطاس کی روایت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں؟ "**دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعوننی الیہ**" یعنی مجھے میری حالت پر چھوڑ دو' جس مقام پر میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی طرف سے نہیں بلکہ کسی نامعلوم شخص کے جواب میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے لیکن پھر لکھنا مناسب نہ سمجھا

باقی نہ رکھا جائے' ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے دیکھو تم ایسا نہ کرنا' میں تم کو منع کرتا ہوں' (بخاری و مسلم مناقب ابی بکرؓ و مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ باب النہی عن بناء المسجد علی القبور)

اس کے بعد انصار کے متعلق جو اسلام کے قوت بازو تھے فرمایا!

ایہا الناس! میں تم کو انصار کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں' عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جس طرح کھانے میں نمک' وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا چاہئے وہ میرے (جسم میں بمنزلہ) معدہ کے ہیں' جو تمہارے نفع و نقصان کا متولی (یعنی خلیفہ) ہو ان کو چاہئے کہ ان میں سے جو نیکو کار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا سرزد ہو ان کو معاف کر دے۔ (بخاری جلد اول مناقب انصار قول النبی ﷺ اقبلوا من محسنہم و تجاوزوا عن مسیئہم)

اور اسامہ بن زیدؓ کو ان کے والد کے خون کے انتقام کے لیے بھیجنے کا ذکر گذر چکا ہے' بعض لوگوں کی روایتوں میں تصریح ہے کہ وہ منافق تھے' اسامہؓ کی سرداری پر اعتراض تھا کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا ہوا' اس اعتراض کے متعلق فرمایا:۔

اگر اسامہؓ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ کی سرداری پر بھی تم اعتراض کر چکے ہو' اللہ کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا' اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری مناقب زید بن حارثہ کتاب المغازی باب بعث اسامہؓ)

اسلام کی شریعت کے تمام احکام منجانب اللہ ہیں' آنحضرت ﷺ کا صرف یہ کام تھا کہ اپنے قول و فعل سے بندوں تک ان کو پہنچا دیں' دوسرے مذاہب کے پیروں نے اپنے پیغمبروں کو واضع قانون مان کر اور پیغمبری منصب کی تعین میں افراط کر کے اس کا درجہ شرک بلکہ کفر تک پہنچا دیا' اس لیے مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لیے ارشاد فرمایا:

"حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو اللہ نے حرام کی ہے۔ (مسند امام

شافعی باب استقبال القبلہ و ابن سعد وفات النبیؐ)

سارے الہامی مذاہب میں انسان کی جزا و سزا اس کے ذاتی اعمال پر ہے بعض مذاہب کے پیروؤں نے غلطی سے اپنے پیغمبروں کے اعمال کو اپنے اعمال کا کفارہ سمجھ لیا' مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لیے آپؐ نے فرمایا:۔

"اے پیغمبر اللہ کی بیٹی فاطمہؓ! اور اے پیغمبرؐ اللہ کی پھوپھی صفیہؓ اللہ کے یہاں کے لیے کچھ کر لو' میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکتا"۔ (مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ و ابن سعد وفات النبیؐ)

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے' متفرق تعلیمات کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا' یہود و نصاریٰ اپنے پیغمبروں بلکہ مقدس بزرگوں (سینٹ) کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں اتنا غلو کرتے تھے کہ اس کی سرحد شرک و بت پرستی سے مل جاتی تھی' مسلمانوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے عین بیماری کی شدت میں ارشاد ہوا۔

"یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو' انہوں نے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔"
(بخاری باب وفات نبویؐ و مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ باب النہی عن بناء المسجد علی القبور)

جس قدر وصل حبیب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی' دنیا اور اس کے سامانوں سے علیحدگی اختیار فرماتے جاتے تھے' حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں ان کے متعلق دریافت فرمایا۔ "عائشہؓ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد اللہ سے بدگمان ہو کر ملے گا' جاؤ ان کو اس کی راہ میں خیرات کر دو"۔ (مسند احمد بن حنبل ج ٦ ص ٤٩ و ابن سعد حالات وفات نبویؐ)

مرض کی حالت یکساں نہ تھی' کبھی شدت ہو جاتی تھی کبھی افاقہ نظر آتا تھا' وفات کے دن یعنی دو شنبہ ١٢ ربیع الاول ١١ھ کو اتنا سکون ہوا کہ حجرہ مبارک سے جو مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا' پردہ اٹھا کر دیکھا' لوگ نماز فجر میں مشغول تھے' یہ منظر دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر پردہ گرا دیا لیکن جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا جاتا تھا دنیا پر تاریکی چھانے کا وقت قریب ہوتا جاتا تھا' بار بار غشی ہونے لگی اس حالت میں یہ الفاظ فرمائے:۔

اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم اللھم بالرفیق الاعلی

"ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا خداوند بڑا رفیق ہے"۔

اسی حالت میں اپنے ہاتھ سے مسواک فرمائی۔ سہ پہر کے وقت سانس اکھڑ گئی' اور زبان مبارک سے نکلا۔۔۔ "الصلوۃ و ماملکت ایمانکم۔۔۔ نماز! اور غلام!

پاس ہی پانی کی لگن رکھی ہوئی تھی اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر چہرہ پر ملتے تھے' اسی دوران میں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا!

بل الرفیق الاعلی اب کوئی اور نہیں بس وہی رفیق اعلی درکار ہے۔

یہ کہتے کہتے روح عالم قدس میں پہنچ گئی۔ (وفات کے حالات بخاری کے مختلف ابواب سے ماخوذ ہیں)

حضرت ابوبکرؓ کا استقلال اس حادثہ عظیم نے صحابہؓ اور مقربین خاص کو دیوانہ بنا دیا' حضرت عمرؓ کو شدت الم اور فرط محبت و عقیدت میں آپؐ کی وفات کا یقین نہ آتا تھا اور وارفتگی کے عالم میں تلوار کھینچ کر کہتے تھے' جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دوں گا' وفات کے دن صبح کو آپؐ کی طبیعت بحال دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کی اجازت سے جہاں ان کی بیوی رہتی تھیں' چلے گئے تھے' وہاں سے واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد نبویؐ کے دروازہ پر وارفتگان محبت میں شور برپا تھا' آپؓ سیدھے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور رخ انور سے نقاب اٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور رو کر کہا!۔

"میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں اللہ کی قسم آپؐ پر دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں وہ موت جو آپؐ کے لیے مقدر تھی آ چکی اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی۔" (بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت)

یہ بڑا نازک وقت تھا' اگر محرم اسرار نبوت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دینی بصیرت اس وقت مسلمانوں کی دستگیری نہ کرتی تو معلوم نہیں کیا نتائج نکلتے' آپؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ "بیٹھ جاؤ"۔ انہوں نے وارفتگی میں کوئی توجہ نہیں کی' تو آپؓ نے الگ مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ بصیرت آموز تقریر فرمائی۔

"جو لوگ محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو بے شک وہ مر گئے اور جو اللہ کو پوجتے تھے تو بے شک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا"۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل محمدؐ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔

یہ تقریر ایسی دل نشین تھی کہ وارفتہ محبت صحابہؓ کی نگاہوں سے پردہ اٹھ گیا اور وہ مطمئن ہو گئے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت)

تجہیز و تکفین وفات کے دن شام ہو چکی تھی، تجہیز و تکفین اور قبر کنی کے مراحل رات سے پہلے انجام نہ پا سکتے تھے، صحابہؓ علیحدہ بے خود و مبہوت ہو رہے تھے اس لیے تجہیز و تکفین دوسرے دن سہ شنبہ کو عمل میں آئی، غسل وغیرہ کی سعادت اعزہ خاص حضرت علیؓ فضل بن عباسؓ قثم بن عباس اور اسامہ بن زیدؓ کے حصہ میں آئی، حضرت ابو طلحہؓ نے قبر مبارک کھودی اور باری باری سے مسلمانوں نے بلا امام نماز جنازہ پڑھی اور سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول مطابق ۱۱ھ (۶۳۲ء) کو، کونین کی یہ دولت حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی پاک و مطہر زمین کے سپرد کر دی۔

متروکات شہنشاہ کونینؐ نے اپنے بعد جو میراث چھوڑی وہ یہ تھی، ام المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انتقال کے وقت کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم و دینار، نہ غلام نہ لونڈی، نہ اور کچھ، صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین، جسے عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے، (بخاری کتاب الوصایا وقال اللہ عزوجل کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت الخ)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ اونٹ نہ بکری اور نہ کسی چیز کی وصیت کی (ابو داؤد کتاب الوصایا باب ما یؤمر بہ من الوصیۃ) بہر حال اگر کچھ چھوڑا تھا تو یہی چیزیں تھیں، اور ان کے متعلق بھی ارشاد فرما چکے تھے۔ "ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔" (بخاری کتاب الوصایا و کتاب الجہاد باب فرض الخمس)

عمرو بن حویرث کی روایت میں جس زمین کا تذکرہ ہے اس سے مراد مدینہ، خیبر اور فدک کے چند باغات ہیں، اس لیے کہ آپؐ کے متروکات میں صرف یہی جائیداد و زمین تھی۔

مدینہ کی جائیداد میں ایک بنی نضیر کی جائیداد تھی اور چند باغ تھے جو مخیرق کے نام ایک یہودی نے آپ ﷺ کو وصیتہ "ہبہ کیے تھے" لیکن صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ باغ اسی وقت مستحقین میں تقسیم فرما دیئے تھے۔ (بخاری کتاب الوصایا و کتاب الجہاد و باب فرض الخمس و فتح الباری ج ۲ ص ۱۴۰)

خیبر اور فدک کا مسئلہ عہد صحابہؓ سے مسلمانوں میں مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ جائیداد بطور تولیت کے آپ ﷺ کے پاس تھی' دوسری جماعت اسے رسول اللہ ﷺ کی ذاتی اور قابل میراث جائیداد قرار دیتی ہے' چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور اکثر ازواج اسے بطور میراث کے تقسیم کرانا چاہتے تھے' لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے' آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں اس کی آمدنی جن مصارف میں صرف فرماتے تھے اس میں تغیر نہ ہو گا۔ (بخاری کتاب الجہاد باب فرض الخمس و کتاب الفرائض) آپؐ نے اپنی زندگی ہی میں ان جائیدادوں کے مصارف متعین فرما دیئے تھے' بنو نضیر کی جائیداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی' فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی' خیبر کی آمدنی کے دو حصے عام مسلمانوں پر صرف فرماتے تھے' اور ایک حصہ ازواج مطہراتؓ کے مصارف کے لیے عطا فرماتے تھے جو بچ جاتا تھا' وہ غریب مہاجرین پر صرف ہوتا تھا۔ (ابوداؤد کتاب الخراج و الامارہ و الفئی باب وصایا رسول اللہ ﷺ)

حضرت عمرؓ نے اپنے اخیر عہد خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے اصرار پر مدینہ کی جائیداد ان دونوں کی تولیت میں دے دی تھی' لیکن حضرت علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ (ابوداؤد کتاب الخراج و الامارہ و الفئی باب وصایا رسول اللہ ﷺ) خیبر اور فدک حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے زمانہ تک خلفاء کے ہاتھ میں رہے' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں اہل بیت کو واپس کر دیا۔

ازواج مطہرات

رسول اللہ ﷺ نے عالم شباب میں صرف ایک سن رسیدہ اور بیوہ خاتون پر قناعت فرمائی، پھر زوال شباب یعنی پچاس سال کی عمر کے بعد مختلف مصالح کی بنا پر مختلف اوقات میں گیارہ شادیاں کیں۔

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلی شادی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہوئی، یہ خاندان قریش کی ایک چالیس سالہ اور پاکیزہ اخلاق خاتون تھیں، طاہرہ ان کا لقب تھا، پانچویں پشت پر رسول اللہ ﷺ سے ان کا نسب مل جاتا ہے ان کے والد خویلد ایک معزز قریشی اور یہ خود بڑی صاحب ثروت تھیں، ان کی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی، ان کے انتقال کے بعد عتیق ابن عائذ کے ساتھ عقد ہوا، ان کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ کے عقد میں آئیں، اس وقت حضرت خدیجہؓ کا سن چالیس سال کا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا پچیس سال کا، ایک کے سوا آنحضرت ﷺ کی کل اولادیں ان ہی کے بطن سے ہوئیں، ان کی تفصیل آئندہ آئے گی، آنحضرت ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی، ان کی زندگی بھر دوسرا نکاح نہیں فرمایا، ہجرت مدینہ سے کئی سال پہلے مکہ ہی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا، گو ان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے متعدد شادیاں کیں، لیکن ان کی محبت کا نقش ہمیشہ دل پر قائم رہا۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپ بہت پریشان اور غمگین رہتے تھے، اس افسردگی خاطر کو دور کرنے کے لیے سودہ بنت زمعہؓ سے نکاح فرمایا، یہ بھی بیوہ تھیں، ان کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمر تھا، آغاز دعوت اسلام میں دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا۔

حبشہ سے واپسی کے کچھ دنوں بعد سکران کا انتقال ہو گیا، ان کے انتقال کے بعد سودہؓ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آئیں، ان کے زمانہ وفات کے بارہ میں بڑا اختلاف ہے، بہ روایت صحیح حضرت عمرؓ کے آخر عہد خلافت میں وفات پائی۔

حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں ۱۰ بعثت میں آنحضرت ﷺ نے

ان سے مکہ میں نکاح کیا' اس کے تین سال بعد مدینہ میں رخصتی ہوئی' حضرت عائشہؓ بڑی ذہین' زیرک اور فہیم تھیں' رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے نسوانی احکام و مسائل کی تعلیم کے لیے انہیں خاص طور پر اس کی تعلیم دی تھی' وہ صرف امہات المومنین میں نہیں بلکہ بہت سے صاحب علم صحابہؓ کے مقابلہ میں ممتاز تھیں اور بڑے بڑے صحابہؓ مہمات مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے' انہوں نے ۹ سال آنحضرت ﷺ کی رفاقت میں گذارے' آپ کی وفات کے بعد ۴۵ سال زندہ رہیں اور ۵۷ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت حفصہؓ یہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں' یہ بھی بیوہ تھیں' ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوئی تھی' خنیس غزوہ بدر میں زخمی ہوئے اور اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عقد فرمایا' ان کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی ۴۵ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ام المساکین حضرت زینبؓ ان کا نام زینب تھا' فقراء اور مساکین کو بہت کھلاتی تھیں' اس لیے "ام المساکین" کنیت ہو گئی تھی' ان کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن جحشؓ جنگ احد میں شہید ہوئے ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا لیکن اس شرف کے حصول کے دو یا تین مہینوں کے بعد زینبؓ انتقال کر گئیں' خود آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں' انتقال کے وقت تیس سال کی عمر تھی۔

حضرت ام سلمہؓ ہند نام تھا' ام سلمہ کنیت' والد کا نام سہیل تھا' ان کی پہلی شادی ان کے چچیرے اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کے ساتھ ہوئی تھی' ان ہی کے ساتھ آغاز اسلام میں' اسلام لائیں اور ہجرت حبشہ کے شرف سے مشرف ہوئیں' عبداللہ بن عبدالاسدؓ غزوہ احد میں زخمی ہوئے اور اس کے صدمہ سے ۴ھ میں انتقال کر گئے' عبداللہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں' آپ کی وفات کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں' ان کے سنہ وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے' واقعہ کربلا کے چند سال پہلے یا اسی سال یعنی ۶۱ھ میں انتقال کیا' اس وقت ۸۴ سال کی عمر تھی' علی

اعتبار سے حضرت عائشہؓ کے بعد انہی کا درجہ تھا۔

حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی پھوپھیری بہن تھیں، ان کی شادی خود رسول اللہؐ نے اپنے متبنی اور غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ کر دی تھی، لیکن دونوں میں بن نہ سکی اور طلاق ہو گئی، زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود نکاح فرمایا، یہ بڑی عابدہ، زاہدہ اور فیاض اور حسین و جمیل تھیں، ان اوصاف کی بنا پر آنحضرت ﷺ انہیں بہت محبوب رکھتے تھے، امہات المومنین میں یہی حضرت عائشہؓ کی ہمسری کرتی تھیں آنحضرت ﷺ کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا ۲۰ ھ میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت جویریہؓ یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، ان کی پہلی شادی مسافع بن صفوان سے ہوئی تھی، جو غزوہ مریسیع میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا، اس غزوہ میں بہت سے لونڈی غلام گرفتار ہوئے، انہی میں جویریہؓ بھی تھیں، یہ ثابت بن قیس انصاریؓ کے حصہ میں پڑیں، ذی وجاہت خاندان کی خاتون تھیں، غلامی کو غیرت نے گوارا نہ کیا ۱۹ اوقیہ سونے پر ثابت سے رہائی کی شرط قرار پائی، لیکن پاس کچھ نہ تھا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گذشتہ عظمت اور موجودہ نکبت بیان کر کے مدد کی طالب ہوئیں، آپؐ نے ان کی رضا سے ثابت کی رقم ادا کر کے ان سے شادی کر لی اس رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے رسول اللہ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام آزاد کر دیئے، ۵۰ ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

حضرت ام حبیبہؓ اصلی نام رملہ اور ام حبیبہؓ کنیت ہے لیکن کنیت کی شہرت نے نام کی جگہ لے لی یہ بھی خاندان قریش سے تھیں، اپنے پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ آغاز اسلام میں مشرف باسلام ہوئیں اور حبشہ کی دوسری ہجرت میں حبشہ گئیں، حبشہ میں ان کے شوہر نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا لیکن یہ خود اسلام پر قائم رہیں، اس لیے عبیداللہ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی آنحضرت ﷺ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو آپؐ نے نجاشی شاہ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، انہوں نے قبول کر لیا اور ان کی جانب سے خالد بن سعید اموی اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے نجاشی کی وکالت

میں چار سو دینار پر عقد ہوا، نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مہر کی رقم ادا کی اور ولیمہ کیا، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا، انہوں نے ۴۴ ھ میں وفات پائی۔

حضرت میمونہؓ ان کے والد کا نام حارث تھا ان کی پہلی شادی مسعود بن عمرو الثقفی کے ساتھ ہوئی تھی، اس نے طلاق دے دی تو ابودرہم بن عبدالعزیٰ نے نکاح کیا ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں، ان کے سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے، بروایت صحیح ۵۱ ھ میں بمقام سرف انتقال کیا۔

حضرت صفیہؓ اصلی نام زینب ہے یہ غزوہ خیبر میں امام وقت کے پانچویں حصے (خمس) میں پڑی تھیں، جسے "صفی" کہتے ہیں اس لیے صفیہ کہلائیں، نسلاً" اور مذہباً" یہودیہ تھیں، ان کے ننھیال اور ددھیال دونوں میں سرداری تھی، ان کا باپ حی بن اخطب قبیلہ بنی نضیر کا رئیس تھا اور ان کی ماں بنی قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھیں، ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم یہودی سے ہوئی تھی، اس نے طلاق دے دی، طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق نے نکاح کیا، کنانہ جنگ خیبر میں مارا گیا، صفیہ کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ میں کام آئے اور خود گرفتار ہوئیں، حضرت دحیہ کلبیؓ نے ان کو اپنے لیے منتخب کیا، بعض صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کی رئیسہ کو دحیہ کلبیؓ کو دے دیا، وہ صرف آپ کے لائق ہیں، ان کے کہنے پر ایک رئیسہ کی عزت قائم رکھنے کے لیے آپ نے حضرت دحیہؓ کو دوسری لونڈی دے دی اور صفیہ کو ازدواج سے عزت بخشی آنحضرتؐ ان کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے، حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ جنہیں ازواج مطہرات میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی، کبھی کبھی حضرت صفیہؓ پر طعن و طنز کرتی تھیں رسول اللہ ﷺ ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔

اولاد امجاد آنحضرت ﷺ کی اولاد امجاد کے بارہ میں بڑا اختلاف ہے مختلف روایتوں کی رو سے ان کی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے لیکن متفق علیہ بیان یہ ہے کہ چھ اولادیں تھیں، دو صاحبزادے قاسمؓ اور ابراہیمؓ اور چار صاحبزادیاں، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہ زہراؓ، بعض روایتوں میں دو اور صاحبزادوں طیبؓ اور طاہرؓ کا نام بھی ملتا ہے۔ ان میں حضرت

ابراہیمؓ ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے باقی کل حضرت خدیجہؓ سے۔

قاسم سب سے پہلی اولاد تھے، ان کی پیدائش نبوت سے گیارہ بارہ سال پیشتر ہوئی تھی، لیکن بچپن ہی میں انتقال کر گئے، آنحضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم انہی کے نام پر تھی۔

سب سے آخری اولاد حضرت ابراہیم تھے۔ یہ ۸ ھ میں پیدا ہوئے اور کل سوا دو مہینے زندہ رہے، ان کی موت کے دن اتفاق سے سورج گہن ہوا، لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ ابراہیم کی موت اس کا سبب ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کی تردید فرمائی کہ چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں، کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔

صاحبزادیوں میں زینبؓ سب سے بڑی تھیں یہ قاسم کے بعد پیدا ہوئیں، ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص کے ساتھ ہوئی تھی، زینبؓ نے آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں ۸ ھ میں انتقال کیا، ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ یادگار چھوڑی، آنحضرتؐ امامہ سے بڑی محبت فرماتے تھے، نماز کی حالت میں بھی ان کو جدا نہ کرتے تھے۔

زینبؓ سے چھوٹی رقیہ تھیں ان کی شادی قبل از اسلام ابولہب کے لڑکے عتیبہ کے ساتھ ہوئی تھی، ظہور اسلام کے بعد ابولہب نے اپنی کینہ پروری میں عتیبہ سے طلاق دلوا دی، طلاق کے بعد حضرت عثمانؓ سے شادی ہوئی، ان کا انتقال بھی آنحضرتؐ کی زندگی میں غزوہ بدر کے زمانہ میں ہوا، انہی کی تیمار داری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

رقیہؓ سے چھوٹی ام کلثومؓ تھیں ان کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتبہ کے ساتھ ہوئی، انہیں بھی ابولہب نے طلاق دلوا دی تھی، حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی شادی حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر دی، شادی کے چھ سال بعد تک زندہ رہیں ۹ ھ میں انتقال کیا۔

سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ الزہرا تھیں ان کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا، چونکہ لڑکیوں میں یہ سب سے چھوٹی تھیں اور ان کے علاوہ سب اولادیں آنحضرتؐ کی حیات میں انتقال کر گئی تھیں، اس لیے آپ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، حضرت علیؓ نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح کرنا چاہا تو آپؐ نے سخت ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ "میری لڑکی

میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اس سے اذیت ہو گی"۔ آپؐ کی نامرضی دیکھ کر حضرت علیؓ نے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی بھر دوسری شادی نہیں کی، آنحضرتؐ کے وصال کے چھ مہینہ بعد جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا، ان کے پانچ اولادیں تھیں، حضرت حسن، حضرت حسین، ام کلثوم، زینب، محسن، محسن کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔

اخلاق نبویؐ جس طرح اسلام اپنی تعلیمات کی جامعیت کے لحاظ سے دوسرے مذاہب میں ممتاز ہے اسی طرح آنحضرتؐ کو ان تعلیمات کے نمونہ عمل کے لحاظ سے دوسرے انبیاء و رسل میں امتیاز حاصل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی پیغمبر کی زندگی کے چند خاص واقعات کے سوا اس کے سوانح حیات اور اخلاق و سیرت کے حالات محفوظ نہیں، اس لیے ان کی زندگی کو عملی نمونہ کی حیثیت سے نہیں پیش کیا جا سکتا، اس کے مقابلہ میں آنحضرتؐ کی زندگی کا ایک ایک خدوخال محفوظ ہے، آپ ﷺ نے دنیا کو جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی ان کو عملاً" برت کر دکھایا، خود قرآن نے آپ ﷺ کے اخلاق کا یہ جامع مرقع پیش کیا ہے۔

انک لعلی خلق عظیم اے محمدؐ! تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

آپؐ کی ذات گرامی مکارم اخلاق کی جملہ جزئیات کا مجسم پیکر تھی۔

رقت قلب، زہد و ورع، عفت و عصمت، حسن معاملہ، حسن خلق، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار و قربانی، محبت و رحمت، زہد و قناعت، صداقت و امانت، تواضع و مساوات، ضبط و حلم، عفو و درگزر، حسن سلوک، دشمنوں، کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، عیادت و تعزیت، مہمان نوازی، سادگی و بے تکلفی، مسکینوں اور محتاجوں کی دلجوئی، صبر و شکر، شرم و حیا، عزم و استقلال، شجاعت و شہامت، گداگری اور سوال سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، ہدیہ دینا اور قبول کر لینا، تعظیم و بے جا مداحی کی ناپسندیدگی، دوسروں کی حاجت روائی وغیرہ۔

غرض ذات گرامی شرافت انسانی کے جملہ اوصاف و کمالات کی جامع تھی، ان کے واقعات سے حدیث کی کتابیں معمور ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا اثر اسلام کی اصولی تعلیمات جستہ جستہ اسلام کی تاسیس و تکمیل

اور حجتہ الوداع میں گذر چکی ہیں، ان کی تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہیں، ان تعلیمات اور رسول اللہ کے عملی نمونہ نے چوتھائی صدی کے اندر اندر وحشی عربوں کی کایا پلٹ دی، جس کا ثبوت آئندہ صفحات میں ملے گا۔

ظہور اسلام سے پہلے عرب کی خصوصاً اور سارے عالم کی عموماً جو اخلاقی اور مذہبی حالت تھی اس کی ناتمام تصویر اوپر دکھائی جا چکی ہے، لیکن تھوڑے ہی مدت میں وہی عرب دنیا کے معلم اخلاق بن گئے۔ اور پھر ان کے اثر سے یہ روشنی سارے عالم میں پھیلی، آج دنیا میں جہاں کہیں بھی توحید کی کرن نظر آتی ہے وہ اسلام ہی کے آفتاب عالمتاب کا پرتو ہے۔

خلافت راشدہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۱۱ھ تا ۱۳ھ مطابق ۶۳۳ء تا ۶۳۴ء)

مختصر حالات آنحضرتؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے قدیم رفیق، اسلام کے سب سے پرانے جان نثار، محرم اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار، حضرت ابوبکر صدیق ؓ آپؐ کے جانشین منتخب ہوئے۔

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر اور صدیق عتیق لقب ہے، والد کا نام قحافہ تھا، آپ قریش کی شاخ بنی تیم سے تعلق رکھتے تھے چھٹی پشت پر آپ کا نسب آنحضرتؐ سے مل جاتا ہے آپ کا گھرانہ زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز چلا آتا تھا، قریش کے نظام سیاسی میں خون بہا کے مال کی امانت داری کا عہدہ آپ ہی کے گھر میں تھا۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲) اسلام سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کا شغل تجارت تھا آپ ابتداء ہی سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کا دامن اخلاق عرب کے عام مفاسد سے بالکل پاک رہا اور اسی زمانہ کے لوگوں پر آپ کے حسن اخلاق، راست بازی اور متانت و سنجیدگی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا، اور شرفائے مکہ میں آپ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

آپ تقریباً آنحضرتؐ کے ہم عمر تھے، طبیعت کی یکسانیت کی وجہ سے بچپن ہی سے دونوں میں گہرے تعلقات و روابط پیدا ہو گئے تھے، ان روابط کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے اخلاق و سیرت سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ آنحضرتؐ نے جس وقت سب سے پہلی مرتبہ اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابوبکر ؓ نے بغیر کسی شک و شبہ کے اس کی تصدیق کی، قبول اسلام کے بعد وہ اسلام کی تبلیغ میں آنحضرتؐ کے دست راست بن گئے، اور راہ خدا میں جان و مال اور عزت و آبرو نثار کر دی، اور میدان جان نثاری میں کوئی دوسرا صحابی آپ سے بازی نہ لے جا سکا، بعض بعض مواقع پر گھر کا سارا

اثاثہ خدا کی راہ میں دے دیا' جب آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ کچھ اہل و عیال کے لیے بھی چھوڑا ہے تو عرض کیا ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ (ترمذی مناقب ابی بکرؓ) کسی صحابی کے اسلامی خدمات آپ کے برابر نہیں ہیں' ان کی مختصر فہرست یہ ہے' قریش کے سن رسیدہ لوگوں میں سب سے اول اسلام قبول کیا اور مکہ کی پر خطر اور مظلومیت کی زندگی کے ہر مرحلہ میں آنحضرت ﷺ کے پشت پناہ رہے' تبلیغ اسلام میں آپؐ کی رفاقت کرتے' جہاں حضور ﷺ تشریف لے جاتے ساتھ جاتے اور اپنے جاننے والوں سے آپؐ کا تعارف کراتے۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۹)

حضرت عثمانؓ' حضرت زبیر بن عوامؓ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعدؓ بن ابی وقاص' حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح' حضرت عثمانؓ بن مظعون جیسے اکابر صحابہ اور اساطین اسلام آپ ہی کی کوششوں سے مشرف با سلام ہوئے' کفار کے ظلم و جور کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے۔ (بخاری باب مالقی النبی و اصحابہ من المشرکین بمکہ) حضرت بلالؓ' عامر بن فہیرہؓ اور متعدد غلاموں کو جو اسلام کے جرم میں مشرک آقاؤں کے ظلم و جور کا نشانہ تھے اپنے مال سے آزاد کرایا' ہجرت نبوی میں رفاقت کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' ہجرت کے بعد جب آنحضرتؐ نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اس کی زمین کی قیمت' جو دو یتیموں کی ملکیت تھی' حضرت ابوبکرؓ نے ادا کی' اس طرح مدینہ میں پہلا خانہ خدا حضرت ابوبکرؓ کی مدد سے تعمیر ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۹۲)

غزوات بدر' احد' بنی مصطلق' حدیبیہ' خیبر' فتح مکہ' حنین و طائف وغیرہ تمام معرکوں میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور سب میں نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دیں' حدیث' سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کی تفصیل ہے۔

۵ ھ میں امارت حج کا منصب تفویض ہوا' غرض آغاز اسلام سے لے کر وفات نبویؐ تک ہر مرحلہ میں حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کی جان نثارانہ رفاقت کی' آپؐ پر ان کی ان قربانیوں کا اتنا اثر تھا کہ فرماتے تھے کہ جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ہے۔ (بخاری باب فضائل ابی بکرؓ)

اس رفاقت اور خدمات کی بنا پر صحابہؓ کی جماعت میں حضرت ابوبکرؓ اسلام کے سب سے بڑے محسن اور اسرار نبویؐ کے محرم تھے' اس لیے وہ قدرتاً "نیابت نبویؐ" کے سب

سے زیادہ اہل و مستحق تھے' اور آنحضرتؐ کی حیات ہی میں خاص خاص مواقع پر اس کا شرف حاصل ہوتا تھا' چنانچہ آپؐ کے مرض الموت میں' جب نقل و حرکت کی طاقت آپؐ میں نہ رہی اس وقت آپؐ نے نبوت کا سب سے بڑا منصب یعنی مسجد نبوی کی امامت کا شرف حضرت ابوبکرؓ ہی کو عطا فرمایا' (بخاری باب اہل العلم و الفضل احق بالامامۃ) جو در حقیقت آپؐ کی جانشینی کی طرف اشارہ تھا' لیکن اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے اس لیے آپؐ اپنی جانب سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کر کے اس کو توڑنا نہ چاہتے تھے' اس لیے صراحۃً کسی کو جانشین نامزد نہیں فرمایا' اس سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ کی صحبت اور آپؐ کی تعلیم نے آپؐ کے حاشیہ نشینوں میں ایسی صحیح بصیرت اور قوت فیصلہ پیدا کر دی تھی' کہ آپؐ کے بعد اسلامی نظام کے قیام میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہ گیا تھا اس لیے آپؐ نے آئندہ کے بارے میں تصریح سے سکوت فرمایا۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت مدینہ میں منافقوں کی جماعت جن کا شعار دوستی کے پردہ میں اسلام کا شیرازہ بکھیرنا تھا' ہمیشہ سے موجود تھی اور ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتی تھی۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا اس لیے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اس جماعت کو فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا' چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد ہی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی منافقین کی سازش سے آپ کی جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر جانشینی کا دعویٰ کیا' یہ مسئلہ ایسے نازک وقت چھڑا تھا کہ اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا جاتا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جاتی اور عجب نہیں کہ آنحضرتؐ کے وصال کے ساتھ ہی اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا' لیکن حضرت ابوبکرؓ کو بروقت اس کی اطلاع ہو گئی' آپ فوراً حضرت عمرؓ اور امین الامت حضرت عبیدہ بن الجراحؓ کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے' یہاں دیکھا تو دوسرا ہی گل کھلا ہوا تھا' انصار مدعی تھے کہ آنحضرتؐ کی جانشینی میں انہیں بھی حصہ ملنا چاہیے اور قریش کے ساتھ ان کی جماعت کا بھی ایک امیر یا نائب الرسول ہونا چاہئے' لیکن ایک شخص کے دو جانشین ہونے کے نتائج بالکل ظاہر ہیں اس لیے اس صورت کے قبول کرنے کے معنی خود اپنے ہاتھوں اسلامی نظام کا درہم برہم کرنا تھا' یہ ہو سکتا تھا کہ تنہا انصاریوں کو ہی یہ منصب مل جاتا' لیکن اس میں یہ مشکل تھی' کہ اولاً خود قریش' پھر دوسرے عرب قبائل قریش کے علاوہ اور کسی خاندان

کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تھے' پھر انصاریوں میں اوس و خزرج دو مقابل جماعتیں موجود تھیں' ان میں سے جسے بھی یہ منصب دیا جاتا' دوسرا اسے تسلیم نہ کرتا۔

اس نازک موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت نرمی اور آشتی سے انصار کو سمجھایا اور یہ محل تقریر کی۔۔۔ "کہ مجھے تم لوگوں کے فضائل و مناقب اور تمہاری خدمات اسلامی سے انکار نہیں' لیکن عرب قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کی سیادت تسلیم نہیں کر سکتے' پھر مہاجرین اپنے تقدم فی الاسلام اور آنحضرتؐ کے ساتھ خاندانی تعلق کی بنا پر آپ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں" یہ ابوعبیدہ اور عمر بن الخطاب موجود ہیں' ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو"۔۔۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر فرمایا کہ آپ ہم سب میں بزرگ ہیں' ہم سب میں بہتر اور رسول اللہ ﷺ کے سب سے مقرب ہیں اس لیے ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۱۸)

حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت ہر جماعت میں ایسی محترم تھی کہ اس انتخاب پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا' چنانچہ حضرت عمرؓ کی بیعت کے ساتھ مسلمان بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور حضرت ابوبکرؓ کی برمحل تقریر اور بیعت میں حضرت عمرؓ کی پیش قدمی سے ایک زبردست انقلاب ہوتے ہوتے بچ گیا۔

اس کے دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی اور ربیع اول ۱۱ھ میں حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

بیعت عام کے بعد آپ نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

> "لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں' اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت' تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے' یہاں تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق اس کو نہ دلا دوں' اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ حاصل کر لوں' یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے خدا اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے' اگر میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر اس کی

نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں"۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۲۹)

حضرت علیؓ کی بیعت میں تاخیر کا سبب بیعت عام کے بعد کچھ دنوں تک حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھ بعض اور صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں توقف کیا' اس توقف نے مسلمانوں میں عجیب بحثیں پیدا کر دیں ہیں' یہ صحیح ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے گوناگوں تعلقات کی وجہ سے خلافت کے متوقع تھے' لیکن یہ نہ صرف غلط بلکہ آپ کی ذات پر اتہام ہے کہ خلافت نہ ملنے کے ملال میں آپ چھ مہینہ تک جمہور مسلمانوں سے الگ رہے' حضرت ابوبکرؓ کے استفسار پر آپ نے خود اس توقف کا جو سبب بیان فرمایا وہ یہ ہے۔

> "میں آپ کی امارت ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن نہ جمع کر لوں گا اس وقت تک نماز کے سوا اپنی چادر تک نہ اوڑھوں گا"۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۲ ص ۱۰۱)

حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد آپ نے بھی بیعت کر لی اور حضرت ابوبکرؓ کے فضائل کا اعتراف فرمایا۔ "آپ کو خدا نے جو رتبہ دیا ہے اس پر ہم کو حسد نہیں' لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں' کیونکہ رسول اللہؐ کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ہم اسے اپنا حق سمجھتے تھے یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں میں سے آنسو جاری ہو گئے' آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کو اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں' رسول اللہ ﷺ کی متروکہ جائیداد میں میں نے آپؐ کے طرز عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا ہے"۔ اس صاف دلی کی گفتگو کے بعد دونوں کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام میں حضرت علیؓ کے توقف بیعت پر آپ کی جانب سے عذر خواہی کی' اور حضرت علیؓ نے سب کے سامنے آپ کے فضائل کا اعتراف فرمایا۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر)

قبائل میں شورش و انقلاب کا آغاز حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا آغاز بڑی مشکلات اور بڑے اہم حوادث کے ساتھ ہوا لیکن آپ نے اپنے تدبر' عاقبت اندیشی اور مذہبی بصیرت سے ان سب پر قابو حاصل کر لیا' سب سے اہم انقلاب عرب کا ارتداد تھا' بہت

سے قبائل نے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اسلام تو قبول کر لیا تھا' لیکن ان کے دلوں میں وہ راسخ نہ ہوا تھا اس لیے آپ کی وفات کے بعد وہ مرتد ہو گئے' دوسری جانب متعدد جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا' غرض حضرت ابوبکرؓ کے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی ہر طرف انقلاب کے آثار نمودار ہو گئے' ان مشکلات کے ساتھ ساتھ موتہ کی مہم علیحدہ درپیش تھی' جس کو آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں رومیوں سے حضرت زید بن حارثہؓ کے خون کا انتقام لینے کے لیے ان کے لڑکے اسامہؓ بن زید کی ماتحتی میں شام بھیجنے کے لیے حکم دیا تھا' ابھی یہ مہم روانہ نہ ہوئی تھی (بعض روایتوں کے مطابق روانہ ہو چکی تھی' لیکن تھوڑی دور جا کر آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سن کر رک گئی تھی) کہ آپ' کا انتقال ہو گیا' اس حادثہ کے بعد جب عرب میں انقلاب کے آثار نمایاں ہوئے تو صحابہؓ نے مخالفت کی کہ ایسی حالت میں فوج کو مرکز خلافت سے دور بھیجنا مناسب نہیں ہے اس مہم سے پہلے ان انقلابات کا تدارک ضروری ہے' مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مدینہ میں اتنا سناٹا ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگیں نوچیں تب بھی میں اس مہم کو جس کی روانگی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا' نہیں روک سکتا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷۱)

اسامہ بن زیدؓ کی مہم اور انہی انقلاب انگیز حالات میں فوج روانہ کی اور خود پاپیادہ مدینہ سے باہر تک اسے رخصت کرنے کے لیے گئے' رخصت کرتے وقت ہدایت کی کہ خیانت نہ کرنا' مال نہ چھپانا' بے وفائی سے بچنا' مثلہ نہ کرنا' بوڑھوں' بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا' ہرے بھرے اور پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا' کھانے کے علاوہ جانور کو بے کار ذبح نہ کرنا۔ (طبری ص ۱۸۵۰)

چالیس دن کے بعد یہ مہم اپنا کام پورا کر کے فاتحانہ مدینہ واپس آئی حضرت ابوبکرؓ نے شہر سے نکل کر اس کا استقبال کیا۔

بظاہر ایسے نازک وقت میں حضرت ابوبکرؓ کا فوج روانہ کرنا مصلحت اور تدبر کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا اثر نہایت اچھا پڑا' اس سے ایک طرف بیرونی طاقتوں کے دلوں پر خوف بیٹھ گیا دوسری طرف انقلاب کرنے والوں کو اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں

کی قوت کافی ہے' ورنہ ایسے حالات میں جب کہ اندرونی قبائل میں بغاوت بپا ہے' وہ بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اتنی بڑی فوج نہیں بھیج سکتے تھے۔

مدعیان نبوت کا استیصال آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے' مسیلمہ کذاب نے اسی زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا لیکن آپ' کی زندگی میں یہ جھوٹی آواز صور صداقت کے سامنے نہ ابھر سکی تھی۔ آپ' کی وفات کے بعد بہت سے حوصلہ مندوں کے دماغ میں یہ سودا سما گیا' چنانچہ اسود عنسی' طلیحہ بن خویلد کئی مدعیان نبوت پیدا ہو گئے' مرد تو مرد' عورتیں تک اس خبط میں مبتلا ہو گئی تھیں' چنانچہ قبیلہ تمیم کی ایک عورت سجاح بنت خویلد بھی نبوت کی دعویدار بن گئی تھی اور مسیلمہ کذاب سے شادی کر لی تھی۔

موتہ کی مہم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان جھوٹے نبیوں کے استیصال کی طرف توجہ فرمائی' مسیلمہ کی مہم حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کے سپرد ہوئی' عکرمہؓ ان کی مدد پر مامور ہوئے' خالد بن ولیدؓ طلیحہ بن خویلد کی طرف بڑھے' طلیحہ اور اس کے متبعین کو قتل و گرفتار کر کے تیس قیدیوں کو مدینہ روانہ کیا' طلیحہ شام بھاگ گیا' پھر تجدید اسلام کر کے مسلمان ہو گیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جنگ کی نوبت نہیں آئی' طلیحہ کے پیروں میں زیادہ تر قبیلہ طے تھا' اس کے سردار عدی بن حاتمؓ نے اسے دوبارہ مسلمان بنا لیا' باقی دوسرے اتباع کو خالد بن ولیدؓ نے شکست دے کر قتل و گرفتار کیا' طلیحہ شام بھاگ گیا اور وہاں جا کر مسلمان ہو گیا حضرت شرحبیل بن حسنہؓ اور عکرمہؓ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں تھے' عکرمہؓ نے شرحبیل سے پہلے پہنچ کر مسیلمہ کے پیرو بنی حنیفہ پر حملہ کر دیا لیکن انہیں شکست ہوئی' ان کی شکست کی خبر سن کر حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو جو طلیحہ کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے شرحبیلؓ کی مدد کے لیے بھیجا' مسیلمہ کے اتباع چالیس ہزار کی تعداد میں جمع تھے' حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک خون ریز جنگ کے بعد حنیفہ کو نہایت فاش شکست دی' مسیلمہ وحشی بن حرب کے ہاتھوں مقتول ہوا' اس کی بیوی سجاح جو خود مدعیہ نبوت تھی' شوہر کے قتل ہونے کے بعد بھاگ گئی۔ اس جنگ میں بہت سے حفاظ قرآن صحابہ شہید ہوئے' تیسرے مدعی نبوت اسود عنسی کی جماعت میں خود اختلاف پیدا ہو گیا اور

وہ اپنے ایک ساتھی قیس بن مکشوح کے ہاتھوں نشہ کی حالت میں مارا گیا' غرض چند دنوں کے اندر تمام مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔(۱)

خود سر مرتد امراء کا استیصال مدعیان نبوت کے بعد ان مرتد سرداروں کی طرف توجہ کی جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مسلمان ہو چکے تھے' لیکن آپؐ کے بعد پھر مرتد ہو گئے' اور اپنی اپنی جگہ آزاد حکمران بن بیٹھے' چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں' لقیط بن مالک نے عمان میں اور متعدد سرداران قبائل نے کندہ کے علاقہ میں مرتد ہو کر خود سری کا اعلان کر دیا' حضرت ابوبکرؓ نے علاءؓ بن حضرمی' حذیفہ بن محصنؓ اور زیاد بن لبیدؓ کو علی الترتیب ان سرداران کے مقابلہ میں بھیجا' علاءؓ نے نعمان کا استیصال کیا' حذیفہؓ نے لقیط کو قتل کیا اور زیادؓ نے فرمانروایان کندہ کو زیر کر کے دوبارہ اسلام پر قائم کیا۔(۲)

منکرین زکوٰۃ کی تادیب ان سب سے زیادہ اہم اور نازک معاملہ منکرین زکوٰۃ کا تھا یہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے صرف زکوٰۃ کے منکر تھے اس لیے ان پر تلوار اٹھانے کے بارہ میں بعض صحابہؓ کبار نے اختلاف کیا اور کہا۔۔۔ "جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور صرف زکوٰۃ دینے کے منکر ہیں ان پر کس طرح تلوار اٹھائی جا سکتی ہے"۔ اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ نے اپنی دینی بصیرت اور عرفان شریعت سے فرمایا۔

"خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ میں دیتا تھا' اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے مقابلہ میں جہاد کروں گا"۔

آپ کے اصرار پر حضرت عمرؓ کو بھی آپ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا کہ اگر آج انہیں زکوٰۃ نہ دینے پر چھوڑ دیا جائے گا' تو کل صوم و صلوٰۃ کے منکر ہو جائیں گے' اور اسلام ایک تماشا بن جائے گا' غرض حضرت ابوبکرؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ تمام منکرین زکوٰۃ قبائل کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں' آپ کو اس معاملہ میں اتنا غلو تھا کہ بنی

۱۔ یہ واقعات طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں بہت مفصل ہیں' ہم نے ان کا خلاصہ لکھا ہے تفصیل کے لیے دیکھو کتب مذکور حالات مدعیان نبوت

۲۔ یہ واقعات طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں بہت مفصل ہیں ہم نے ان کا خلاصہ لکھا ہے تفصیل کے لیے دیکھو کتب مذکورہ حالات فتنہ ارتداد۔

عبس اور بنی ذبیان کے مقابلہ میں خود گئے' اور انہیں زیر کیا۔ آپ کی مستعدی اور استقامت سے چند دنوں میں تمام منکرین زکوۃ نے زکوۃ ادا کر دی' بعض نے خود مدینہ حاضر ہو کر بیت المال میں داخل کی۔

اس طرح صدیق اکبرؓ کی مذہبی بصیرت' اصابت رائے اور استقلال و استقامت سے وہ تمام فتنے جو آنحضرت ﷺ کے بعد دفعتہ" بپا ہو گئے تھے' دب گئے اور اسلام نے گویا دوبارہ زندگی پائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری' حالات منکرین زکوۃ)

فتوحات

ایران و روم کی مخالف حکومتیں اندرونی انقلاب فرو کرنے کے بعد عرب کے ناگزیر سیاسی حالات کی بنا پر بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ کرنی پڑی اس زمانہ میں جزیرۃ العرب دو عظیم الشان مخالف سلطنتوں کے درمیان میں گھرا ہوا تھا' ایران میں ساسانی اور شام میں رومی دونوں حکومتیں عربوں کی پرانی دشمن تھیں اور ہمیشہ سے ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہتی تھیں' خصوصا ایرانیوں نے کئی مرتبہ عرب کو زیر فرمان کرنے کی کوشش کی تھی' اور ساسانی سلسلہ کے دوسرے فرمانروا سابور بن اردشیر نے حجاز اور یمن دونوں کو باجگذار بنا لیا تھا' اور سابور ذی الاکتاف ایک مرتبہ یمن و حجاز فتح کر کے مدینہ تک پہنچ گیا تھا' یہ عربوں کا اتنا شدید دشمن تھا کہ جو عرب گرفتار ہو کر اس کے قبضہ میں جاتے تھے ان کے شانے اکھڑوا دیا کرتا تھا' اس لیے عربوں میں وہ ذوالاکتاف یعنی شانے والے کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (اخبار الطوال ص ۴۹) لیکن عرب کسی بیرونی طاقت سے دبنے والے نہ تھے اور جب انہیں موقع ملتا تھا' ان سے گلو خلاصی حاصل کر لیتے تھے اور ان کا ملک دبا بیٹھتے تھے' چنانچہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں' اسی سلسلہ کے ایک فرمانروا نے حیرہ کو دارالسلطنت بنایا تھا' غرض عربوں اور ایرانیوں میں نہایت قدیم رقابت چلی آ رہی تھی' ایرانی عربوں کو نہایت تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے' اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں خسرو پرویز شہنشاہ ایران کو خط لکھا تو وہ سخت غضبناک ہوا اور نامہ مبارک چاک کر کے پھینک دیا اور کہا "میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے"۔ اور فورا یمن کے عامل کے نام آنحضرت ﷺ کی گرفتاری کا فرمان لکھا۔ (ابن سعد ج ا ق ا، ص ۱۱۶) پہلے یہ تحقیر کا جذبہ تھا اس کے بعد اسلام نے سارے عرب کو متحدہ طاقت بنا دیا۔ اس وقت ساسانی حکومت اسے خوف و خطر کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی۔

ایران کی سیاسی حالت اس زمانہ میں ایران کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی خسرو پرویز تک نہایت قوی تھی' اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا شیرویہ تخت نشین

ہوا اس نے اپنے سب بھائیوں کو قتل کرا دیا' یہ کل آٹھ مہینہ تخت پر رہا' اس کے بعد اس کا صغیر السن لڑکا تخت پر بیٹھا' اسے ایک درباری افسر قتل کر کے خود بادشاہ بن گیا' چند دنوں کے بعد دوسرے درباریوں نے اسے قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا' ایک سال کے بعد یہ بھی مر گیا' اس وقت شاہی خاندان میں ایک صغیر السن بچہ یزدگرد کے علاوہ اور کوئی نہ تھا' اس لیے شاہی خاندان کی ایک عورت بوران دخت کو اس شرط کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا گیا کہ یزدگرد کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد وہ بادشاہ بنایا جائے گا۔

(اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری ص ۱۱۹)

عراق پر عرب قبائل کا حملہ ان پیہم انقلابات و حوادث نے ایران کی گزشتہ عظمت و شان برباد کر دی تھی' اور ایرانی سلطنت بہت کمزور ہو گئی تھی' اس وقت ایران کے ہم جوار ان عرب قبائل کو جو ہمیشہ سے ایرانیوں کے تختہ مشق بنتے چلے آ رہے تھے' بدلہ لینے کا موقع مل گیا' چنانچہ عراق کے عرب قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت فراہم کر کے حیرہ اور ابلہ پر تاخت شروع کر دی' گو ایران کی حکومت پر زوال طاری ہو چکا تھا' تاہم اس گئی گزری ہوئی حالت میں بھی اس کو زیر کرنا عرب سرداروں کے بس کی بات نہ تھی' اس لیے مثنیٰ نے مدینہ جا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے باقاعدہ عراق پر حملہ کی اجازت حاصل کی مثنیٰ خود مسلمان تھے لیکن ان کا قبیلہ عیسائی تھا' مدینہ سے واپس ہو کر انہوں نے سب سے پہلے اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا۔ اس کے بعد اسے لے کر عراق روانہ ہو گئے۔ (فتوح البلدان ص ۲۵۰)

عراق پر فوج کشی اور فتوحات اس وقت حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیان نبوت اور مرتدین کی مہم سے فراغت پا چکے تھے' لیکن ابھی واپس نہ ہوئے تھے' مثنیٰ کی درخواست پر حضرت ابوبکرؓ نے انہیں راستہ ہی سے ان کی مدد کے لیے عراق جانے کا حکم دیا' چنانچہ وہ فوجیں لیے ہوئے سیدھے عراق روانہ ہو گئے' اور مثنیٰ کو ساتھ لے کر بانقیا اور بارسوا کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ابلہ پہنچے اور عراق کے ایرانی حاکم ہرمز کو لکھا۔

"یا اسلام قبول کرو یا جزیہ ادا کرو ورنہ تم کو ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزومند ہے جتنی تم زندگی کی تمنا رکھتے ہو"۔

ہرمز نے یہ خط اردشیر کے پاس ایران بھجوا دیا' اور خود خالد بن ولیدؓ کے مقابلہ کے

لے نکلا' مقام کاظمیہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا' ایرانیوں نے اپنے پیروں کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا تاکہ میدان سے منہ نہ موڑنے پائے' لیکن مسلمانوں نے اس زنجیر آہن کے بھی ٹکڑے کردیئے ایرانیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور ہرمز مارا گیا۔

دوسری طرف اردشیر نے ہرمز کا خط پاتے ہی قارن کی ماتحتی میں ایک فوج گراں اس کی مدد کے لیے روانہ کردی تھی' اس کو مقام مذار میں ہرمز کی شکست کی خبر ملی اس لیے قارن یہیں ٹھہر گیا۔ ہرمز کی شکست خوردہ فوج بھی مذار پہنچ گئی' خالدؓ کو خبر پہنچی تو وہ مذار پہنچے' دونوں میں مقابلہ ہوا ایک خون ریز جنگ کے بعد ایرانیوں نے نہایت فاش شکست کھائی' ان کی تیس ہزار سپاہ کام آئی اور قارن' انوشجان اور قباذ تمام بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ (طبری ج ۴ ص ۲۰۲۷' ۲۰۲۸)

اس شکست اور فوج کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو اردشیر کو نہایت سخت رنج ہوا' اس نے ایران کے ممتاز بہادر اندرزغر اور بہمن جاذویہ کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا یہ دونوں سپہ سالار ایرانی سپاہ کے علاوہ حیرہؓ اور کسکر کے تمام باشندوں اور عیسائی عربوں کو ساتھ لیتے ہوئے ولجہ میں آکر خیمہ زن ہوئے۔

خالد بن ولیدؓ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لیے بڑھے' ایرانیوں کے لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی سی فوج ساحل کے نشیب میں چھپادی اور خود آگے بڑھ کر صف آراء ہوئے' ایرانی پہلے سے تیار تھے' دونوں میں نہایت خون ریز جنگ ہوئی' جب ایرانی تھک گئے تو تازہ دم مسلمانوں نے کمین گاہوں سے نکل کر حملہ کردیا' ایرانی اس حملہ کی تاب نہ لاسکے اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔۔۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کردیا اور بے شمار ایرانی مارے گئے اور زغرجان بچاکر بھاگ نکلا لیکن کچھ دور آگے جاکر پیاس کی شدت سے مرگیا۔ (طبری ج ۴ ص ۲۰۳۱)

اس جنگ میں بہت سے عیسائی عرب بھی جنہوں نے ایرانیوں کا ساتھ دیا تھا' مارے گئے تھے۔ اس لیے اس کے انتقام میں تمام عیسائی قبائل بہمن جاذویہ سے جو الیس میں پڑا ہوا تھا جاکر مل گئے' کسکر کی فتح کے بعد خالد بن ولیدؓ الیس پہنچے اور ایرانیوں اور عربوں دونوں کو شکست دے کر ان کی بہت بڑی تعداد زندہ گرفتار کرکے قتل کرادی۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۰۳۱ تا ۲۰۳۷) الیس سے فراغت کے بعد امغیشیا پہنچے لیکن یہاں کے باشندے ان کا

رخ دیکھ کر پہلے شہر خالی کر چکے تھے۔

امغیشیا کے بعد خالدؓ فرات کے راستہ سے حیرہ کی طرف بڑھے، حاکم حیرہ نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی اپنے لڑکے آزادبہ کو مسلمانوں کو روکنے کے لیے آگے بھیج دیا تھا، اس نے فرات کا بند باندھ دیا تھا اس لیے کچھ دور چل کر کشتیاں رک گئیں، یہ صورت دیکھ کر مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے فرات کے دہانہ پر آزادبہ کا مقابلہ ہوا، آزادبہ شکست کھا کر مارا گیا۔ (ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹۸)

آزادبہ کو ختم کرنے کے بعد مسلمانوں نے فرات کا بند کھول کر حیرہ کا راستہ لیا، آزادبہ حیرہ چھوڑ کر آگے جا چکا تھا اہل شہر نے دروازے بند کر لیے خالدؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ جاری رہا، آخر میں ایرانیوں نے محاصرہ سے گھبرا کر ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی، خالدؓ نے یہ عہد نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کیا "اہل حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے"۔ ہم اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے اور اگر حفاظت نہ کر سکیں تو یہ رقم ان پر واجب نہ رہے گی، اگر وہ بد عہدی کریں تو ہم بری الذمہ ہیں۔ (طبری ج ۴ ص ۲۰۳۷ تا ۲۰۴۱) مسلمانوں کی ان فتوحات اور خالد کے حسن سلوک سے حیرہ کے قرب و جوار کے باشندوں نے بھی بیس ہزار درہم پر صلح کر لی اور جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۸۱)

اس دوران اردشیر مر گیا تھا اس کی موت سے ایران کے اندرونی اختلافات اور زیادہ بڑھ گئے تھے لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے پوری قوم متحد تھی، چنانچہ انہوں نے اپنے اندرونی اختلاف کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنا دیا، ایرانی فوجیں اس وقت شمالی عراق میں عین التمر سے لے کر انبار اور فرائض تک پھیلی ہوئی تھیں، جنوبی عراق کی تسخیر کے بعد خالدؓ بن ولید اس کی حفاظت کے لیے قعقاع بن عمرو کو چھوڑ کر انبار پہنچے، ایرانی فوجیں قلعہ بند تھیں، خالد نے محاصرہ کر کے حملہ شروع کر دیا، لیکن ایرانی خندق کے اس پار سے تیر باری کر رہے تھے اس لیے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا، یہ صورت دیکھ کر خالدؓ نے بھی تیر باری کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے تیر برسا کر ہزاروں آنکھیں بیکار کر دیں، اس سے ایرانی گھبرا گئے، اور خالدؓ نے خندق پٹوا کر فوجیں پار اتار دیں، ایرانی تیر باری سے پہلے ہی گھبرا چکے تھے، مسلمانوں کے خندق عبور کرنے کے بعد ان کے اوسان خطا ہو گئے، اور

انہوں نے سپر ڈال کر صلح کر لی۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۰۵۹ تا ۲۰۶۱ و فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵)

خالدؓ نے انبار کا معرکہ سر کیا تھا کہ دوسری طرف بہرام چوبین کا لڑکا تازہ دم فوجیں لے کر عین التمر پہنچ گیا' عربی قبائل میں تمر' مغنب اور ایاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹) اس لیے انبار کا معرکہ سر کرنے کے بعد خالد عین التمر پہنچے بہرام چوبین کا لڑکا بڑا متعصب تھا' اگرچہ عرب قبائل نے اس کا ساتھ دیا تھا' لیکن اس نے قومی عصبیت میں انہیں آگے کر دیا' بعض ایرانی اس پر معترض ہوئے تو جواب دیا کہ ان کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لیے انہی کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے کٹانا چاہیے' مقام کرخ میں دونوں کا مقابلہ ہوا' خالد نے عربوں کے سردار عقہ بن عقہ کو گرفتار کر لیا' اس کی گرفتاری کے بعد عربوں نے سپر ڈال دی' خالدؓ نے ان کی بہت بڑی تعداد گرفتار کر لی اور ان کی قوم فروشی کی سزا میں انہیں قتل کر دیا' اس کے بعد ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے جو قلعہ میں محفوظ تھے پہنچے' انہوں نے نکل کر مدافعت کی' لیکن ناکام ہو کر پھر قلعہ میں گھس گئے' خالدؓ نے بزور شمشیر قلعہ فتح کر لیا۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵) اور معمولی خراج کے علاوہ اور مفتوحہ علاقہ پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔ (طبری ص ۲۰۶۳)

عراق و شام کی سرحد و دومتہ الجندل میں عہد نبویؐ سے عربی عیسائی قبائل' مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے' غزوہ تبوک اسی سلسلہ میں ہوا تھا اور خالدؓ نے یہاں کے ایک فرمانروا اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کر کے مطیع بھی بنایا تھا۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۴۹) ان سازشوں کا سلسلہ اب تک قائم تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے اس کے تدارک کے لیے عیاضؓ بن غنم کو مامور فرمایا' یہ مہم تنہا ان کے بس کی نہ تھی' اس لیے انہوں نے خالد بن ولیدؓ سے جو قریب ہی موجود تھے' مدد مانگی' وہ فوراً پہنچے' اکیدر بن عبدالملک کو ایک مرتبہ' خالدؓ کا تجربہ ہو چکا تھا' اس لیے اس نے دوسرے فرمانروا جودی وغیرہ کو جنگ سے روکا مگر جودی نہ مانا' اکیدر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور عیاضؓ اور خالدؓ نے دومتہ الجندل کا محاصرہ کر لیا جودی نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر مارا گیا' خالدؓ نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر قبضہ کر لیا' بنی کلب کو ایک مسلمان عاصم نے امان دے دی باقی قبائل قتل کر دیئے گئے۔

(ابن اثیر ج ۲ ص ۳۰۳)

ادھر خالدؓ دومتہ الجندل کی مہم میں مشغول تھے' دوسری طرف عراق میں عرب

قبائل نے ایرانیوں کو عراق واپس لینے کے لیے ابھارا اور زر مہر اور روزبہ عربوں کو ساتھ لے کر حصید اور خنافس کی طرف بڑھے، اس درمیان میں خالدؓ بن ولید دومۃ الجندل کی مہم سے فراغت حاصل کر کے حیرہ پہنچ گئے اور قعقاع اور ابولیلیٰ کی مدد کے لیے، جو ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے خنافس جا رہے تھے، خنافس روانہ ہو گئے، عین التمر میں ان سے ملاقات ہوئی، یہاں سے خالدؓ نے قعقاع کو حصید اور ابولیلیٰ کو خنافس بھیجا، قعقاع نے حصید پہنچ کر زر مہر اور روزبہ کو شکست دے کر قتل کر دیا باقی شکست خوردہ فوج خنافس چلی آئی، عین اس وقت جب ابولیلیٰ یہاں پہنچے تھے انہیں دیکھ کر ایرانی مصیخ کی طرف ہٹ گئے خالدؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قعقاع اور ابولیلیٰ وغیرہ کو لیتے ہوئے مصیخ پہنچے اور شب خون مار کر ایرانیوں کو نہایت فاش شکست دی، دوسری طرف عرب سردار ربیعہ بن بجیر اور ہذیل عرب قبائل کو لیے ہوئے ایرانیوں کی مدد کے لیے مثنیٰ اور بشر میں عربوں پر شبخون مارا، ہذیل کے علاوہ باقی سب مقتول ہوئے۔ (طبری ج ۴ ص ۲۰۶۰ تا ۲۰۷۰) اس کے بعد وہ بشر کے عرب جتھوں کو صاف کرتے ہوئے فرائض کے ارادے سے رضاب آئے۔

فراض نہایت اہم مقام تھا، یہاں شام، عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں اس لیے اپنی حفاظت کے لیے رومی بھی ایرانیوں کے ساتھ مل گئے، اور ان تینوں کی متحدہ فوجیں فراض میں جمع ہوئیں، اس لیے خالدؓ کو ان کے مقابلہ کے لیے خاص اہتمام کرنا پڑا اور فراض پہنچ کر از سر نو فوجیں مرتب کیں، ایک طرف ایرانی، عرب اور روم کی متحدہ طاقت تھی، دوسری طرف تنہا مسلمان، درمیان میں فرات حائل تھا، ایرانی، رومی اور عرب نشہ نخوت میں فرات کو پار کر کے اس پار چلے آئے، لب ساحل فریقین کا مقابلہ ہوا، اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تین تین طاقتیں تھیں۔ لیکن ان کے جوش جہاد اور سر فروشی نے تینوں کو نہایت فاش شکست دی، شکست خوردہ فوجوں کے عقب میں دریا حائل تھا اور سامنے مسلمان تھے، اس لیے انہیں بھاگنے کا بھی راستہ نہ ملا اور قریب قریب کل فوجیں برباد ہو گئیں، اس اہم معرکہ کے بعد خالدؓ بن ولید جنگ ملتوی کر کے مثنیٰ کو عراق چھوڑ کر حج کو چلے گئے، وہاں سے واپس ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے شام کی مہم پر جہاں عرصہ سے جنگ چھڑی ہوئی تھی، بھیج دیا اس لیے سردست عراق کی مہم رک گئی۔

(طبری ج ۴ ص ۲۰۷۳ تا ۲۰۷۴)

عرب اور رومیوں کے تعلقات عربوں کی دوسری ہمسایہ حکومت رومیوں کی تھی، رومیوں کی مرکزی حکومت قسطنطنیہ میں تھی، عرب کے پڑوس شام میں ہرقل رومیوں کے ماتحت حکومت کرتا تھا، یہ حکومت گو ایرانیوں کی طرح عربوں کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی، لیکن دونوں قوموں میں قدیم رقابت چلی آ رہی تھی، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں حبشہ کے عیسائیوں نے رومیوں ہی کے اشارہ سے عربوں کی مرکزیت توڑنے کے لیے "کعبہ یمانی" بنایا تھا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۰) ظہور اسلام کے بعد شام کے رومی مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے تھے، چنانچہ ۶ ھ میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ایک سفیر حضرت دحیہ کلبیؓ کو، جو قیصر کے پاس اسلام کا دعوت نامہ لے کر گئے تھے، لوٹ لیا تھا۔ اور دوسرے سفیر حارث ابنؓ عمرو کو شرحبیل حاکم بصریٰ نے، جس کے پاس وہ خط لے کر گئے تھے قتل کر دیا، اسی کے انتقام میں غزوہ موتہ ہوا تھا، پھر ۹ ھ میں رومیوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں اور آنحضرت ﷺ کی وفات تک ہر وقت رومیوں کے حملہ کا خطرہ لگا رہتا تھا، اسی خطرہ کے انسداد کے لیے شہدائے موتہ کے انتقام کے لیے رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں اسامہؓ بن زید کو شام بھیجنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا، اور حضرت ابوبکرؓ نے اس کی تکمیل کی، غرض ظہور اسلام کے بعد سے مسلمانوں اور شامی رومیوں کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو گئے تھے اور مدینہ پر ان کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا، جس کے حالات اوپر گذر چکے ہیں۔

شام پر فوج کشی اور فتوحات ان اسباب کی بنا پر رومیوں کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے لیے ان سے نپٹنا ضروری تھا، اس لیے ۱۳ ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے کبار صحابہؓ کے مشورہ سے شام پر فوج کشی کا فیصلہ کیا اور شام کے ہر ہر حصہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں، دمشق کی مہم پر یزید بن ابی سفیانؓ مامور ہوئے، حمص پر ابوعبیدہ بن جراح اردن پر شرحبیلؓ بن حسنہ اور فلسطین پر عمرو بن العاصؓ اور حضرت عبیدہؓ بن جراح ان سب کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے، ان فوجوں کی مجموعی تعداد ستائیں ہزار تھی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۵)

مسلمانوں کو فوج کشی کے وقت ہرقل والیٔ شام حمص میں تھا، اس کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو اس نے تمام مسلمان افسروں کے مقابلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوجیں

روانہ کیں تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہو سکیں، چنانچہ جس وقت مسلمانوں نے شام کی سرحد میں قدم رکھا اس وقت انہیں قدم قدم پر رومی جتھوں کا سامنا ہوا، ان کی کثرت کا اندازہ کر کے مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی اور دارالخلافہ سے مزید فوجیں مدد کے لیے طلب کیں، حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ بن ولید کو جو عراق میں تھے، حکم دیا کہ وہ عراق کا انتظام مثنیٰ کے ہاتھوں میں چھوڑ کر شام چلے جائیں، اس حکم پر فوراً شام روانہ ہو گئے، (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۵) اور راستہ میں خذرداء سوی، قصم اور مرج راہط وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شام پہنچے۔

سرزمین شام میں قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے بصریٰ پر فوج کشی کر کے یہاں کے بطریق کو شکست دی اور اہل بصرہ نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۹)

دوسری طرف عمرو بن العاصؓ فلسطین کے مورچہ پر تھے اور ان کے مقابلہ کے لیے اجنادین میں رومیوں کا عظیم الشان لشکر جمع تھا اس لیے بصریٰ سے فراغت کے بعد خالدؓ بن ولید عمرو بن العاصؓ کی مدد کے لیے روانہ ہو گئے، اور رومیوں کو شکست دے کر اجنادین پر قبضہ کر لیا، اجنادین کے بعد شام کے صدر مقام دمشق پہنچے، ابو عبیدہؓ کے ساتھ مل کر دمشق کا محاصرہ کیا، کامل تین مہینہ تک محاصرہ جاری رہا، ابھی دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ ختم ہو گیا۔

علالت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف جلوی الثانی ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ بیمار پڑے پندرہ دن بخار رہا، آپ بطور خلیفہ بہت ناتواں تھے۔ عمر کے تقاضے اور اس علالت نے بہت جلد نڈھال کر دیا، نشست و برخاست سے معذور ہو گئے، آپ کی علالت میں حضرت عمرؓ امامت کرتے تھے، جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو اکابر صحابہ کو بلا کر ان سے آئندہ اپنے جانشین کے بارہ میں مشورہ کیا اور اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ "ان کی اہلیت میں کوئی شبہ نہیں لیکن وہ کسی قدر سخت ہیں" حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے۔" حضرت طلحہؓ عیادت کو آئے ہوئے تھے، انہوں نے بھی حضرت عمرؓ کی درشتی مزاج اور تشدد کی شکایت کی اور کہا، "جب وہ آپ کے سامنے اتنے سخت ہیں تو آپ کے بعد نہ جانے کیا کریں گے"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ "جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو آپ نرم ہو جائیں گے"۔ ایک صحابی نے کہا۔ "آپ عمرؓ کی درشتی کے باوجود ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں' خدا کو آپ کیا جواب دیں گے"؟ فرمایا میں عرض کروں گا۔ "خدایا میں نے تیرے بندوں میں سے ایسے شخص کو منتخب کیا تھا جو ان سب میں اچھا تھا۔"

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے کہ ضعف سے غش آگیا' حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا' تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا تو تحریر پڑھوا کر سنی' حضرت عمرؓ کا نام سن کر بے اختیار زبان سے اللہ اکبر نکل گیا اور فرمایا خدا تم کو جزائے خیر دے تم نے میرے دل کی بات لکھ دی"۔ وصیت نامہ مکمل کرانے کے بعد اپنے غلام کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر صحابہؓ کے عام مجمع میں سناؤ' اور خود بالا خانہ پر جا کر حاضرین سے فرمایا کہ "میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا' بلکہ اس شخص کو منتخب کیا ہے جو میرے نزدیک تم سب میں بہتر ہے"--- سب نے بالاتفاق اس حسن انتخاب کی تائید کی اس کے بعد حضرت عمرؓ کو بلا کر ضروری وصیتیں کیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ذکر وصیت ابی بکرؓ)

آخری وصیتیں اور وفات

انتخاب خلیفہ کی اہم ذمہ داری سے فراغت کے بعد حضرت عائشہؓ کو بلا کر فرمایا کہ "میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے اسے ادا کرنا' میرے پاس مسلمانوں کے مال سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں ہیں' اسے عمرؓ کے پاس بھجوا دینا' اس کے علاوہ اگر کوئی اور چیز نکل آئے تو اسے بھی بیت المال میں داخل کرا دینا۔" کفن کے متعلق فرمایا کہ "میرے بدن پر جو کپڑا ہے اس کو دھو کر کفن دینا"۔ پھر پوچھا آج کون سا دن ہے؟ معلوم ہوا دو شنبہ' پوچھا رسول اللہ ﷺ نے کس دن انتقال فرمایا تھا' عرض کیا گیا کہ اسی دن' فرمایا میری آرزو ہے یہ آرزو پوری ہوئی اور ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ کو دو شنبہ کا دن گزرنے کے بعد شب کو انتقال فرمایا انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی' مدت خلافت دو سال تین مہینہ اور دس دن۔

وصیت کے مطابق رات ہی کو تجہیز و تکفین ہوئی' آپؓ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا۔ عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آقائے نامدار کے پہلو میں' ساری عمر جس کی رفاقت میں گذری تھی' سپرد خاک کر دیے گئے۔

وفات کے بعد عبداللہؓ، عبدالرحمنؓ، اسماء اور عائشہؓ (ام المومنین) کئی اولادیں یادگار چھوڑیں، ایک صاحبزادی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

عہد صدیقی پر مختصر تبصرہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تعلیم اسلام کا زندہ پیکر اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے آپ کے دور کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اس میں کوئی ایسا کام نہیں ہونے پایا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہوا ہو، آپؓ کو کل سوا دو سال مسلمانوں کی خدمت کا موقع ملا، اس قلیل مدت میں آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی وہ گرانقدر خدمات انجام دیں اور آئندہ حکمرانوں کے لیے ایسا نمونہ چھوڑ گئے جو دوسروں سے برسوں میں ممکن نہ تھا۔

آپؓ نے سب سے زیادہ اس کا لحاظ رکھا کہ کسی امر میں عہد نبویؐ سے سرمو تجاوز نہ ہونے پائے، گو عہد رسالت کے قرب کے اثر سے اس کے تدارک کی ضرورت کم پیش آتی تھی، لیکن جہاں ادنیٰ شائبہ بھی نظر آتا تھا سختی کے ساتھ اس کا تدارک فرماتے تھے، جہاں تک فتوحات اور نظام خلافت میں وسعت کا تعلق ہے، خلیفہ ثانی کا زمانہ آپ کے زمانہ سے زیادہ مہتم بالشان تھا، لیکن یہ اسی بنیاد کا نتیجہ تھا جو ابوبکر صدیقؓ رکھ گئے تھے، آنحضرت ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی جدید الاسلام عربوں نے جزیرۃ العرب میں شمع اسلام کو گل کر دینا چاہا تھا اور قریب قریب سارا عرب مرتد ہو گیا تھا، جو قبائل اسلام پر قائم بھی تھے انہوں نے اسلام کے ایک رکن اعظم زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، جھوٹے مدعیان نبوت علیحدہ اسلام کو زیر و زبر کر دینا چاہتے تھے، ان نازک حالات میں محض ابوبکر صدیقؓ کی روشن ضمیری اور استقلال نے اسلام کی کشتی کو بھنور سے نکالا، حضرت عمرؓ جیسے بزرگ بھی منکرین زکوۃ پر تلوار اٹھانے کے خلاف تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے استقلال نے بزور ان سے زکوۃ وصول کر کے انہیں اسلام پر دوبارہ قائم کیا۔

ملکی انتظام چونکہ حضرت ابوبکرؓ کسی کام میں عہد نبویؐ سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے اس لیے آپ کے زمانہ میں جملہ امور عہد رسالت کے نظام پر قائم رہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانہ میں کسی نظام کے بدلنے کی بھی زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی، تمام اہم امور اکابر صحابہؓ کے مشورہ سے انجام پاتے تھے، ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکرؓ اہل الرائے اور فقہائے صحابہؓ سے

مشورہ کرتے تھے اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز صحابہ' حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ عبدالرحمن بن عوفؓ معاذؓ بن جبل' ابی بن کعبؓ اور زیدؓ بن ثابت کی مجلس مشورت طلب کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۹) جزیرۃ العرب کو جس کی اب تک کوئی تقسیم نہ تھی' البتہ انتظامی سہولت کے خیال سے مدینہ' مکہ' طائف' صنعاء' نجران' حضرموت' بحرین اور دومتہ الجندل مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

حکام کے انتخاب میں احتیاط اور ان کو مفید نصیحتیں آپ حکام کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتتے تھے اور حکومت کے عہدوں کے لیے ان ہی بزرگوں کا انتخاب فرماتے تھے' جو درسگاہ رسالتؐ کے تربیت یافتہ تھے' عہد رسالت کے تمام حکام کو ان کے عہدوں پر قائم رکھا' چنانچہ مکہ میں عتابؓ بن اسید' طائف پر عثمانؓ بن ابی العاص' صنعاء پر مہاجرؓ بن ابی امیہ' اور زبید پر زیادہ بن لبیدؓ حاکم تھے' نئے حکام کا انتخاب اسی اصول کے ماتحت کرتے تھے' اور تقرر کے وقت انہیں نہایت مفید نصیحتیں فرماتے تھے' ولیدؓ بن عقبہ محصل صدقات کو یہ نصیحت فرمائی۔

"جلوت و خلوت میں خدا کا خوف رکھو' جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا' جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ کم کر دیتا ہے اور اس کا اجر دوبالا کر دیتا ہے' بے شک بندگان خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے' تم خدا کی ایسی راہ میں ہو جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں مذہب کے استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے اس لیے سستی اور تغافل کو راہ نہ دینا۔"

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۰۸۳)

یزید بنؓ ابی سفیان کو شام کی مہم میں جاتے وقت یہ نصیحتیں فرمائیں:۔

"اے یزید تمہاری قرابت داریاں ہیں' شاید تم ان کو امارت سے فائدہ پہنچاؤ درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنا دے تو اس پر خدا کی لعنت ہو گی اور خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا' یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا"۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳۶)

مالی انتظام عہد صدیقی میں زکوٰۃ، عشر، جزیہ اور غنیمت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو گیا تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کوئی خزانہ قائم نہیں کیا بلکہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اسلامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اس کو بلا تفریق آزاد و غلام، ادنیٰ و اعلیٰ، مرد و عورت عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے، چنانچہ خلافت کے پہلے سال دس دس درہم اسی اصول پر تقسیم کیے۔ دوسرے سال بیس بیس درہم، اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا تو فرمایا، فضل و منقبت اور شے ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہیں۔ (ابن سعد ق اول ج ۳ ص ۱۵۱)

آخر عہد خلافت میں بیت المال کے لیے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی لیکن اس میں کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی، اسی لیے اس کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے کہا آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں مقرر نہیں فرماتے، جواب دیا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ روپیہ تقسیم کر دینے کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے، اسی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا۔ (ابن سعد ق اول ج ۳ ص ۱۵۱)

فوجی نظام فوج کا بھی کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا، بلکہ عہد رسالت کی طرح ضرورت کے وقت مسلمان خود ہی جوش جہاد میں جمع ہو جاتے تھے، عہد صدیقی میں اتنا البتہ اضافہ ہوا کہ ضرورت کے لحاظ سے فوج کی تقسیم قبائل اور دستوں پر کر دی گئی، جن پر علیحدہ علیحدہ افسر ہوتے تھے اور ان سب پر ایک امیر العسکر ہوتا تھا، چنانچہ شام کی فوج کشی میں خالد بن ولیدؓ، یزیدؓ بن ابی سفیان، ابو عبیدہؓ بن جراح اور عمروؓ بن العاص کے علیحدہ علیحدہ دستے تھے، اور سب کے امیر العسکر ابو عبیدہ تھے، فوجوں کو رخصت کرتے وقت ان کی اخلاقی نگہداشت کے لیے مفید ہدایات فرماتے تھے، چنانچہ شام کے افسران نے فوج سے یہ باتیں ارشاد فرمائیں۔

"تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے، ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، کھانے کے سوا بکری اور اونٹ کو بیکار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مال غنیمت میں غبن نہ کرنا،

بزدلی نہ دکھانا"۔ (تاریخ الخلفاء ص ۹۶)

فوجی اخلاق کی اس سے بہتر اور جامع تعلیم آج بھی ممکن نہیں ہے۔

بیت المال کی آمدنی سے فوجی اخراجات کے لیے ایک رقم الگ نکال لیتے تھے جس سے اسلحہ اور باربرداری کے جانور خریدتے تھے۔ (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۱۲) اور جہاد کے اونٹوں اور گھوڑوں کی پرورش کے لیے بعض چراگاہیں مخصوص کر دی تھیں۔

(کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۲)

ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت آنحضرت ﷺ نے آخر وقت میں ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی' اس لیے حضرت ابوبکرؓ ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے' عہد رسالت میں ان کے حقوق متعین ہو چکے تھے' حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی ان کو وہی حقوق حاصل رہے اور آپ نے ان کی تجدید و توثیق فرمائی اور نئے ذمیوں کو بھی وہی حقوق عطا فرمائے' چنانچہ حیرہ کے عیسائیوں کو ازروئے معاہدہ یہ حقوق دیے۔

> "ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ منہدم کیے جائیں اور نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں سے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں' ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہو گی اور نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے۔ (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف)

جزیہ کی شرح نہایت آسان تھی اور اس سے بھی بکثرت ذمی مستثنیٰ کر دیے جاتے تھے۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا' اور اپاہج اور نادار ذمیوں کی کفالت کا بیت المال ذمہ دار تھا۔

(کتاب الخراج قاضی ابو یوسف)

تحفظ دین خلافت کا مقصد تحفظ دین اور اس کے احکام کا قیام و نفاذ ہے' اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو تحفظ دین میں بڑا اہتمام تھا' کوئی نئی بات جو عہد رسالت میں نہ تھی' نہ ہونے دیتے تھے' گو عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے اس کی ضرورت کم پیش آئی' لیکن جہاں اس کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا تھا' اس کا تدارک فرماتے' اس میں احتیاط کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کتابی صورت میں قرآن کی تدوین سے محض اس بنا پر تامل تھا' کہ

آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا' حدیثوں کی روایت میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے' تحفظ دین کے لیے اکابر صحابہؓ کا محکمہ افتاء قائم تھا۔

تدوین قرآن عہد صدیقی کا ایک کارنامہ کتابی شکل میں قرآن مجید کی تدوین ہے اس کا باعث یہ ہوا کہ عہد صدیقی کی لڑائیوں میں خصوصاً یمامہ کی جنگ میں حفاظ قرآن صحابہؓ کی بڑی تعداد شہید ہو گئی' اس وقت حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر حفاظت قرآن کی شہادت کا یہ سلسلہ قائم رہا تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا' اس لیے انھوں نے حضرت ابو بکرؓ سے جمع قرآن کی درخواست کی' حضرت ابو بکرؓ کو یہ عذر ہوا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا اسے میں کس طرح کروں' لیکن حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار سے آپ کے ذہن میں بھی بات آ گئی' چنانچہ انہوں نے مختلف لکھے ہوئے اجزاء اور حفاظت قرآن کے سینوں سے قرآن کی سورتوں کو جمع کر کے کتابی صورت میں مدون کر دیا۔

(بخاری ج ۲ باب جمع القرآن)

اس روایت سے ایک عام غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ عہد نبویؐ میں قرآن مرتب نہ تھا' یعنی اس کی آیات اور سورتوں میں کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام رکھے گئے تھے' یہ کام حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں انجام پایا' لیکن ایسا سمجھنا سراسر غلط ہے' قرآن کے احکام کی طرح اس کے آیات و سور کی ترتیب اور ان کے نام بھی الہامی ہیں' اور حیات نبویؐ میں قرآن کی پوری ترتیب ہو چکی تھی' موجودہ قرآن اسی ترتیب کے مطابق ہے' البتہ کتابی صورت میں پورا قرآن مدون نہ تھا' حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں یہی کام ہوا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

> "اللہ تعالیٰ نے اپنے قول یتلو صحفا مطھرة میں بیان فرما دیا ہے کہ قرآن صحیفوں میں جمع ہے' قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا موجود تھا' لیکن اس کے اجزاء متفرق تھے' حضرت ابو بکرؓ نے ان کو جمع اور ایک جگہ کر دیا' جو ان کے بعد محفوظ رہا اور حضرت عثمانؓ نے اس کے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہروں میں بھیجے"۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۰) ۱۰

حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی بکثرت روایات ہیں کہ جب کوئی سورۃ آیت یا حکم نازل ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کاتب وحی صحابہؓ کو حکم دیتے تھے' کہ اسے فلاں سورۃ میں

فلاں آیت کے بعد لکھا جائے' اور جب ایک سورت ختم ہو جاتی تھی تو دوسری شروع ہوتی تھی' کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بیک وقت آیات نازل ہوتیں تھیں' آپ انہیں مضمون اور معنی کی مناسبت سے مختلف سورتوں میں لکھواتے تھے' اس طرح قرآن کے نزول کے ساتھ آپ کی ہدایت کے مطابق آیات و سور کی ترتیب بھی ہوتی جاتی تھی' آپ کی نمازوں کے سلسلہ میں اس قسم کی بہت سی روایات ہیں کہ فلاں فلاں وقت کی نماز میں آپ نے فلاں فلاں سورتیں پڑھیں' اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کے نام بھی متعین ہو چکے تھے' اس سلسلہ میں بخاری کی یہ روایت عہد نبوی میں ترتیب قرآن کا نہایت بین ثبوت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال آپ کو ایک مرتبہ قرآن سنایا کرتے تھے' اور وفات کے سال دو مرتبہ سنایا۔ (بخاری باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی)

یہ مسلم ہے کہ آپ کی وفات سے پہلے پورا قرآن نازل ہو چکا تھا' اس لیے پورے قرآن سنانے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ مرتب بھی تھا' بعض صحابہؓ کے پاس پورا قرآن جمع تھا اور وہ اس کا ورد کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کا بیان ہے کہ میں نے قرآن جمع کیا تھا' اور اس کو ایک رات میں تمام کر دیتا تھا' رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مہینہ میں ختم کیا کرو' میں نے عرض کیا مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے' فرمایا تو بیس دن میں پڑھا کرو' میں نے عرض کیا اس سے زیادہ کی استطاعت ہے فرمایا تو پندرہ دن میں پڑھا کرو' میں نے عرض کیا اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہوں' فرمایا تو دس دن میں' میں نے عرض کیا اس سے زیادہ کی قوت ہے' فرمایا تو سات دن میں پڑھا کرو' اس سے زیادہ نہیں۔ (ابوداؤد کتاب الصوم باب فی کم یقرأ القرآن)

اس روایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نبویؐ میں پورا قرآن مرتب تھا اور صحابہؓ اس کا دورہ کرتے تھے' حفاظ قرآن صحابہؓ کی موجودگی بھی اس کا ایک ثبوت ہے' پھر ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی اس قسم کی دو چار نہیں کتنی روایتیں ہیں' لیکن ان کی تفصیلات میں پڑنے کا یہ موقع نہیں۔

علمی کمالات جماعت صحابہؓ میں صدیق اکبرؓ سب سے زیادہ اسرار شریعت کے محرم اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے' قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ' جملہ اسلامی علوم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا' قرآن پاک کے فہم و تدبر میں ایسا ذہن وقار اور نظر دقیق پائی تھی کہ

ان کی نظر ان نکات تک با آسانی پہنچ جاتی تھی' جن کی طرف عام صحابہؓ کا ذہن بھی منتقل نہ ہو سکتا تھا' علم الانساب کے' جو عربوں کا بڑا ممتاز علم تھا' بڑے ماہر تھے' اور ان کا شمار ان علمائے انساب میں تھا' جو سارے عرب میں منتخب مانے جاتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۰) شعر و سخن سے ذوق تھا اور زمانہ جاہلیت میں شعر بھی کہتے تھے' لیکن اسلام کے بعد شاعری ترک کر دی تھی۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے بعض اشعار نقل کیے ہیں اگرچہ آپ کوئی زبان آور خطیب نہ تھے لیکن تقریر نہایت موزوں اور موثر ہوتی تھی' آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد شدت الم میں صحابہ کرامؓ پر جو بدحواسی طاری ہو گئی تھی اس کو آپ ہی کی تقریر نے دور کیا تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو آپ ہی کی تقریر نے ٹھنڈا کیا۔

سیرۃ الصدیقؓ ذاتی حیثیت سے بڑے رقیق القلب' نرم خو' متواضع خاکسار اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے' اسلام سے قبل بھی آپ کا دامن اخلاق مراسم جاہلی سے داغدار نہ ہوا' خلافت سے پہلے تجارت کرتے تھے' خلافت کی ذمہ داری کے بعد یہ شغل جاری نہ رہ سکا' چنانچہ بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر کرا کے تجارت چھوڑ دی اور سارا وقت مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی تدبیروں میں صرف کرنے لگے۔

رقیق القلب ایسے تھے کہ بات بات پر آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں' تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ محلہ والوں تک کا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔ اور پڑوسیوں کے مویشی تک چراتے اور ان کا دودھ دوھ دیتے' خلافت ملنے کے بعد ایک لڑکی کو' جس کی بکری کا دودھ دوھ دیا کرتے تھے' بڑی فکر ہوئی' آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خلافت مجھ کو خلق خدا کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی۔

زہد و عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر راتیں قیام میں اور اکثر دن روزوں میں گزرتے تھے' خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں چوب خشک نظر آتے تھے رقت اتنی طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی' عبرت پذیری کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لیے دفتر عبرت تھا' کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے کاش میں درخت ہوتا کہ آخرت کے خطروں سے محفوظ رہتا۔

چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو فرماتے' پرندو تم خوش نصیب ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے

اور درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے محاسبہ کا کوئی خطرہ نہیں، کاش ابوبکرؓ تمہاری طرح ہوتا، بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے، یہاں تک کہ "آواہ" لقب ہو گیا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ق اول، تاریخ الخلفاء اور کنزالعمال ج ۶ میں اس قسم کے بکثرت واقعات ہیں)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

(۱۳ھ تا ۲۴ھ مطابق ۶۳۴ء تا ۶۴۵ء)

تذکرہ عمرؓ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے حضرت ابو بکرؓ مرض الموت میں حضرت عمرؓ کو نامزد کر گئے تھے، چنانچہ ان کی وفات کے بعد جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت عمرؓ ان کے جانشین ہوئے آپ کا نام عمرؓ اور فاروق لقب ہے، آپ قریش کی شاخ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے، آٹھویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے آپ کا خاندان زمانہ جاہلیت میں بھی ممتاز تھا، قریش کے نظام میں سفارت اور فصل مقدمات کا عہدہ آپ ہی کے خاندان میں تھا۔ (عقد الفرید باب فضائل عرب) حضرت عمرؓ کو اسلام سے قبل عرب کے مرغوب فنون میں سپہ گری اور خطابت سے بڑی دلچسپی تھی، معمولی نوشت و خواند سے بھی واقف تھے، معاش کا ذریعہ تجارت تھا۔ اسی سلسلہ میں دور دور کا سفر کر چکے تھے ان سفروں نے بہت پختہ کار اور معاملہ فہم بنا دیا تھا اس لیے سفارت کا خاندانی عہدہ ان کے متعلق ہوا اور قبائل میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آ جاتا تو حضرت عمرؓ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے فہم و تدبر سے اس کو حل کرتے تھے۔ (استیعاب ترجمہ عمرؓ)

ظہور اسلام کے وقت عمائد قریش کی طرح حضرت عمرؓ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اسلام ان کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم تھا، جس کا مجرم ہر سزا کا مستحق تھا جو شخص نیا مسلمان ہوتا تھا، حضرت عمرؓ اس کے دشمن ہو جاتے تھے اور اس کو ہر امکانی اذیت پہنچانے میں دریغ نہ کرتے لیکن تھے بڑے عالی دماغ اور شکوہ و دبدبہ کے اس لیے آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام کی بڑی آرزو تھی اور آپ ان کے اسلام کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی مناقب عمرؓ) یہ قدرت کا کرشمہ تھا کہ ۷ھ میں اسی دشمن اسلام کے بہن بھائی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور اسی وقت بہنوئی کے یہاں جا کر بہن اور بہنوئی کو مارتے مارتے بے دم کر دیا لیکن ان کی زبان کلمہ حق سے نہ پھری ان کا استقلال دیکھ کر دل نے کہا کہ اس دین میں ضرور کوئی بات ہے چنانچہ

بہنوئی سے قرآن سنانے کی خواہش کی، انہوں نے چند آیتیں سنائیں، یہ سحر آفریں آیات سن کر بے اختیار لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اس وقت کم و بیش چالیس آدمی مسلمان ہو چکے تھے لیکن اب تک کسی نے اعلانیہ عبادت کرنے کی جرات نہ کی تھی، بلکہ بہتیرے اسلام کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے، عمر فاروقؓ جب اسلام لائے تو دفعتاً" حالت بدل گئی یہ کسی سے دبنے والے نہ تھے، انہوں نے خانہ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی آنحضرت ﷺ نے اس جرات پر فاروق کا لقب عطا فرمایا۔ (یہ واقعات انساب الاشراف بلاذری ج اول طبقات ابن سعد ج اول قسم اول و اسد الغابہ تذکرہ عمرؓ سے ماخوذ ہیں)

گو دوسرے غریب مسلمانوں کی طرح حضرت عمرؓ کو عماد قریش نہیں ستا سکتے تھے، پھر بھی جس حد تک ممکن تھا باز نہ رہے اور کئی سال تک حضرت عمرؓ ان کی سختیاں جھیلتے رہے اور اذن ہجرت کے بعد انہوں نے ہجرت کی مکہ چھوڑنے سے پہلے جا کر خانہ کعبہ کا طواف کیا، نماز ادا کی اور مشرکین سے برملا کہا جس میں جرات ہو باہر میدان میں آئے کسی نے ہمت نہ کی۔ (زرقانی جلد اول ص ۳۷۱)

ہجرت کے بعد بدر و احد وغیرہ تمام بڑے بڑے معرکوں میں شریک رہے جنگ بدر میں اپنے اعزہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا، غزوہ تبوک میں آدھا مال خدا کی راہ میں دے دیا۔ (یہ واقعہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے) غرض قبول اسلام کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی طرح انہوں نے بھی اپنی جان اور اپنا مال اسلام پر نثار کر دیا ان کی جرات و شجاعت اور جانثاری سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی، ایثار و قربانی میں حضرت ابوبکر کے بعد ان کا ہی درجہ تھا ان کی جانثاری و فداکاری اور خدمات اسلامی کی بنا پر ان کو بارگاہ نبوی میں جو تقرب و اختصاص حاصل تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے سوا اور کسی صحابی کو نہ تھا، آپ فرماتے تھے۔ کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل عمرؓ)

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو دبانے میں آپ کی کوشش کو بڑا دخل حاصل ہے، آپ ہی نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اختلاف کا خاتمہ کیا عہد صدیقی کے جملہ مہمات امور میں حضرت ابوبکر کے خاص مشیر اور دست راست رہے ان کے ان گوناگوں فضائل اور اوصاف کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ وفات کے وقت ان کو اپنا جانشین مقرر کر گئے۔

خلافت گو صحابہؓ میں حضرت عمرؓ کا تدبر، ان کی صداقت و حق پرستی اور ان کی اہلیت مسلم تھی لیکن ان کے مزاج کی سختی کی وجہ سے جو ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی، لوگ کسی قدر ڈرتے تھے چنانچہ استخلاف کے وقت بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا لیکن انہوں نے ان کے شبہات دور کر کے مطمئن کر دیا اور تمام اکابر صحابہؓ نے اس انتخاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہ جمادی الثانی ۱۳ھ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن سعد جلد اول حالات استخلاف عمرؓ)

عراق کی مہم اور فتوحات آپ کی تخت نشینی کے وقت شام و عراق میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اس لیے تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ان مہموں کی طرف توجہ کی، آپ کی بیعت کے سلسلہ میں عرب کے تمام حصوں کے مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے، آپ نے ان کے سامنے جہاد پر تقریر کر کے ان کو ایران کی مہم میں شرکت کے لیے ابھارا لیکن ایک شخص نے بھی آمادگی نہ ظاہر کی، آپ کئی دن تک مسلسل جوش دلاتے رہے آخر میں مسلمانوں میں حرارت پیدا ہو گئی اور بنی ثقیف کے سردار ابو عبید ثقفی نے اٹھ کر اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کیا، ان کی پیش قدمی پر ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں اور تمام مسلمان شرف جہاد حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور حضرت عمرؓ نے ابوعبید ثقفی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا۔

عراق کی گذشتہ معرکہ آرائیوں نے ایرانیوں کو بہت ہوشیار کر دیا تھا اس لیے انہوں نے بھی از سر نو فوجی تنظیم کی، بوران دخت نے خراسان کے نامور مدبر اور مشہور بہادر رستم کو سپہ سالار مقرر کیا اس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران میں آگ لگا دی اور پوری قوم مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے ہمہ تن جوش بن گئی اور چند دنوں کے اندر عراق کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیل گئی اور عراقی اضلاع مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے۔

جدید فوجی تنظیم کے سلسلہ میں بوران دخت نے ایران کے دو نامور بہادروں نرسی اور جابان کو رستم کی امداد پر مامور کیا تھا، یہ دونوں فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکل چکے تھے، دوسری طرف سے ابوعبید آ رہے تھے، مقام

نمارق میں ان کا اور جابان کا مقابلہ ہو گیا ابو عبید نے اسے نہایت فاش شکست دی' اس کے دو ممتاز افسر مارے گئے اور وہ خود زندہ گرفتار ہوا' لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا۔ اس لیے جابان نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کر لی' بعض مسلمانوں نے پہچان کر دوبارہ گرفتار کر لیا' لیکن ابو عبیدہ نے یہ کہہ کر جس کو ایک مسلمان رہا کر چکا ہے اس سے بد عہدی نہیں کی جا سکتی۔ (اخبار الطوال دینوری ص ۱۲۱) چھوڑ دیا' جابان کو شکست دینے کے بعد ابو عبید آگے بڑھے اور مقام سقاطیہ میں دوسرے افسر نرسی کو بھی نہایت فاش شکست دی' اس کی شکست کے بعد سقاطیہ کے قرب و جوار کے ایرانی امراء نے اطاعت قبول کر لی۔

ان پیہم شکستوں کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ روانہ کیا' اور ایرانیوں کا مقدس علم درفش کلویانی جو فتح و ظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا ساتھ کر دیا' مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجیں اتاریں' دوسری طرف مسلمان تھے ہر فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا لیکن ابو عبید جوش جہاد میں ایسے مخمور تھے کہ دوسرے مسلمان امراء کے اختلاف رائے کے باوجود فرات کو عبور کر کے اس پار چلے گئے' دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی' مسلمان جس میدان میں اترے تھے وہ نہایت ناموزوں تھا ایرانی فوج میں دیو پیکر ہاتھی تھے جن سے عربی گھوڑوں کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا اس لیے وہ ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک گئے اور مسلمانوں کو پیدل ہو جانا پڑا۔ گھوڑوں سے اتر کر انہوں نے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو گرانا شروع کیا' ابو عبید نے لپک کر ایک ہاتھ پر وار کیا' لیکن وار خالی گیا اور ہاتھی نے ان کو سونڈ میں لپیٹ کر پیروں کے نیچے مسل ڈالا' ابو عبید کے شہید ہوتے ہی مسلمان پسپا ہو گئے لیکن جگہ بہت کم تھی آگے ایرانی تھے اور پیچھے دریا' اس لیے پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے۔ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکلوں سے تین ہزار جانیں بچائیں۔

واقعہ بویب ۱۳ھ اور ایرانیوں کی شکست حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو آپ کو مسلمانوں کی جانوں کی بربادی کا سخت قلق ہوا' آپ نے اس کے انتقام کے لیے پر جوش خطبوں سے عربوں میں آگ لگا دی عیسائی عرب بھی قومیت کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے اور حضرت عمرؓ نے عبداللہ بجلیؓ کی ماتحتی میں ایک تازہ دم فوج محاذ جنگ پر

روانہ کی دوسری طرف مثنیٰ نے اپنے طور پر سرحدی قبائل کی علیحدہ ایک فوج تیار کر لی تھی۔

بوران دخت کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو اس نے مہران بن جاذویہ کو بارہ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا' مسلمان بویب خیمہ زن تھے اس لیے مہران سیدھا بویب آیا اور فرات کو عبور کر کے اس کے اس پار صف آراء ہوا' مسلمان پہلے سے تیار تھے دونوں میں نہایت سخت مقابلہ ہوا' گزشتہ جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے وہ اس کی تلافی میں بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب نے درجہ شہادت حاصل کیا' مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے' اس ریلے میں بنی تغلب کے ایک آدمی نے مہران کو قتل کر دیا مثنیٰ فرات کے پل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور جتنی ایرانی سپاہ نے اس کو عبور کرنے کی کوشش کی سب کو تہ تیغ کر دیا اس معرکہ کے بعد مسلمان سارے عراق میں پھیل گئے۔

ایرانیوں کا جوش اس شکست اور ایرانی فوجوں کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی' تو ایرانیوں میں بڑا جوش پھیل گیا' انہوں نے بوران دخت کو تخت سے اتار کر سترہ سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سر نو فوجی انتظامات کر کے چند دنوں میں تمام قلعوں اور چھاؤنیوں کو جنگی سامانوں سے بھر دیا' ان انتظامات کے ساتھ ہی سازش کر کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلا دی اسی بغاوت میں بہت سے علاقے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے اور مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے اور فوراً حضرت عمرؓ کو اس صورت حال کی اطلاع بھجوائی۔

حضرت عمرؓ کی تیاریاں حضرت عمرؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے تمام عرب کے نامور بہادروں' رئیسوں' خطیبوں اور اہل الرائے اشخاص کو مدینہ طلب کیا' آپ کی دعوت پر سارا عرب امنڈ آیا انہیں ساتھ لے کر آپ نے بنفس نفیس نکلنے کا ارادہ کیا مگر اکابر صحابہ نے مخالفت کی کہ آپ کا دارالخلافہ چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ (فتوح البلدان ص ۲۴۳) اس لیے آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جو بڑے رتبے کے صحابی تھے اور عہد رسالت میں بڑے کارہائے نمایاں کر چکے تھے' سپہ سالار اعظم مقرر کر کے بیس ہزار فوج

کے ساتھ ایران روانہ کیا اور چلتے وقت بڑی بیش قیمت نصیحتیں کیں اس فوج میں ستر (۷۰) بدری صحابی، تین سو بیعت رضوان کے جانثار اسی قدر فتح مکہ میں شریک ہونے والے اصحاب اور اتنے ہی صحابہ زادے تھے، حضرت عمرؓ تجارت کے سلسلہ میں سارے عراق کا سفر کر چکے تھے، اور یہاں کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔ اس لیے فوج کی نقل و حرکت، اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی سب اپنے ہاتھ میں رکھی، سعدؓ بن وقاص کو ہدایت تھی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے رہیں چنانچہ انہوں نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا، حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر فوج کی تنظیم کی اور پیش قدمی کے متعلق مختلف مفید ہدایات بھیجیں۔ (طبری ج ۴ ص ۲۲۲۳، ۲۲۲۹)

شراف کے بعد سعد بن ابی وقاصؓ نے قادسیہ کا پورا نقشہ بھیجا، حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر آئندہ پیش قدمی کے متعلق ہدایات بھیجیں (طبری جلد ۴ ص ۲۰۳۹) اور حکم دیا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیروں کو تبلیغ اسلام کے لیے دربار ایران بھیجا جائے۔

اسلامی سفارت اس حکم پر سعد بن ابی وقاصؓ نے قادسیہ کے میدان میں مورچہ بندی کی اور اشعث بن قیس کندی کو چند آدمیوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے ایرانی لشکر میں بھیجا انہوں نے جا کر اسلام پیش کیا، رستم نے پوچھا تم کس ارادے سے آئے ہو، مسلمانوں نے جواب دیا یزدگرد کے! دونوں میں گفتگو ہوئی آخر میں مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے نبی کی پیشین گوئی ہے کہ ہم تمہاری زمین پر قابض ہوں گے رستم نے ان کی تحقیر کے لیے تھوڑی سی خاک منگا کر دی کہ لو ہماری زمین میں تمہارا یہ حصہ ہے عمرو بن معدی کرب یہ خاک دامن میں لے کر لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ملک پر قبضہ کے لیے یہ فال نیک ہے، رستم کے بعد لوگوں نے یزدگرد کے پاس جا کر اسلام پیش کیا اس نے جوش غضب میں کہا اگر سفیروں کو قتل کرنا ناروا نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی گردن سلامت نہ لے جا سکتا اور رستم کو سخت تنبیہ کی کہ اس نے انہیں کیوں آنے دیا۔ (بلاذری ص ۲۲۶)

رستم کو مسلمانوں کا پورا تجربہ ہو چکا تھا، اس لیے وہ جنگ سے بچنے کے لیے حیلے ڈھونڈتا تھا چنانچہ یزدگرد کے تاکیدی احکام کے باوجود جنگ کو ٹالتا رہا اور قادسیہ پہنچنے کے بعد اس نے پھر کوشش کی اور سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ وہ گفتگو کے لیے دوبارہ آدمی بھیجیں انہوں نے مغیرہ بن شعبہؓ کو چند آدمیوں کے ساتھ بھیجا، رستم نے انہیں مرعوب

کرنے کے لیے بڑے ٹھاٹھ کا دربار آراستہ کیا، مغیرہ اس شان سے تھے کہ تلوار بھی قرینہ نہ تھی نیام کی بجائے چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے، اسی شان سے دربار میں داخل ہوئے دونوں میں بڑی طویل گفتگو ہوئی آخر میں رستم نے انہیں طمع دلائی کہ غالباً تم لوگ معاش کی تنگی اور پریشان حالی کی وجہ سے جنگ کے لیے نکلے ہو ہم تم کو اتنا دینے کے لیے تیار ہیں، مغیرہ نے جواب دیا کہ بے شک ہم بھوکے تھے، لیکن خدا نے ہم میں ایک پیغمبر مبعوث فرمایا، جس کے اتباع سے ہماری بدبختی، خوش بختی سے بدل گئی اس نے ہم کو اپنے معاندین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے ہم تم کو خدائے واحد کی پرستش اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں اگر قبول کرتے ہو فبہا، ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی یہ سن کر رستم جوش غضب سے بھر گیا اور کہا آفتاب و مہتاب کی قسم کل طلوع صبح سے پہلے تم سب کو خاک میں ملا دوں گا، مغیرہؓ یہ سن کر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتے ہوئے لوٹ آئے۔ (فتوح البلدان ص ۲۶۵، ۲۶۶)

قادسیہ کی جنگ اس گفتگو کے بعد ہی فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا، اور راتوں رات ایرانی فوجیں مرتب ہو گئیں صبح ہوتے ہی قادسیہ کے میدان میں ہر طرف ایرانی فوجوں کا سمندر موجزن تھا۔

مسلمان پہلے سے تیار تھے، محرم ۱۴ھ میں فریقین صف آراء ہوئے عین اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو عرق النساء کا دورہ ہوا وہ نقل و حرکت سے مجبور ہو گئے اس لیے اپنی جگہ خالد بن ارفطہ کو سپہ سالار مقرر کیا اور خود میدان جنگ کے قریب ہی ایک محل میں جہاں سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا، ٹھہر گئے اور یہیں سے لڑائی کا رنگ دیکھ کر احکامات بھیجتے رہتے تھے، بعد نماز ظہر جنگ کا آغاز ہوا اور رات کی تاریکی تک نہایت گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی، یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جو یوم ارماث کے نام سے مشہور ہے۔

دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رن پڑا، عین لڑائی کے وقت حضرت عمرؓ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی اور اس کے ساتھ ہی سزاوار ممتاز بہادروں کے لیے تحائف لائے اور میدان جنگ میں اعلان کیا کہ امیر المومنینؓ نے ان بہادروں کے لیے یہ تحائف بھیجے ہیں جو اپنے آپ کو ان کا مستحق ثابت کریں۔ اس امتیاز

کے حصول کے لیے مسلمانوں نے جانیں لڑا دیں، اور صبح سے شام تک نہایت خون ریز جنگ ہوتی رہی رات کی تاریکی میں دونوں الگ ہوئے اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی فوج کام آئی اس کے بڑے بڑے ممتاز نامور افسر مارے گئے۔ دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی ہو گئی اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے رات گذرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا، یہ دونوں گذشتہ معرکوں سے زیادہ ہیبت ناک تھا اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان رساں کوہ پیکر ہاتھیوں کی صفیں تھیں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بھڑکتے تھے، مسلمانوں نے گھوڑوں پر جھولیں ڈال کر ان کا جواب پیدا کیا لیکن سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ہاتھیوں کی قطار جدھر رخ کر دیتی تھی صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھیں، یہ صورت دیکھ کر چند جانباز مسلمان نیزے لے کر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور ناک کان کی آنکھیں بیکار کر دیں، قعقاعؓ نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہو گئی اور جھرجھری لے کر بھاگا اسے دیکھ کر اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور یہ دیوار آہن ٹوٹ گئی، اس کے بعد مسلمانوں کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ تلوار کی کھچاکھچ، نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا اور کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی دن بھر ہنگامہ کا بازار گرم رہا، رات کو بھی اسی شدت کی جنگ جاری رہی دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا، رستم نہایت پامردی سے مقابلہ کرتا رہا لیکن آخر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگا راستہ میں ایک ندی تھی اس میں سے کود کر نکل جانا چاہا مگر ایک مسلمان نے جو تعاقب میں تھا ندی سے نکل کر قتل کر دیا، اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوجوں نے میدان چھوڑ دیا اس معرکہ میں بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے اور ان کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا گو اس کے بعد عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا لیکن ایرانیوں کی اصل قوت قادسیہ کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی اس عظیم الشان فتح کے بعد سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ سنایا جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی، حضرت عمرؓ کو نہایت بے چینی کے ساتھ خبروں کا انتظار رہتا تھا، لور آپ قاصد کے انتظار میں روزانہ مدینہ سے باہر نکل جاتے تھے، اس لیے سعد بن ابی وقاص کا قاصد شہر کے باہر ہی ملا، اس سے حالات پوچھے، وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا، اس لیے وہ سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا

اور حضرت عمرؓ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے' اسی حالت میں دونوں شہر میں داخل ہوئے یہاں اس کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین یہی ہیں اس وقت وہ سراسیمہ ہوا' آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں' تم حالات بیان کرتے جاؤ زبانی حالات سننے کے بعد مسلمانوں کو جمع کر کے سعدؓ بن ابی وقاص کا خط انہیں سنایا اور حسب ذیل تقریر کی۔

"مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں' میں خود خدا کا غلام ہوں' البتہ خلافت کا بار گراں میرے اوپر ڈالا گیا ہے' اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کر سکتا کہ تم شکم سیر ہو کر چین سے گھر میں سوؤ تو میرے لیے عین سعادت ہے' اگر میں خواہش کروں کہ تم میرے دروازے پر حاضری دیا کرو تو میری بدبختی ہے اس وقت مجھے خوشی کم میسر ہو گی اور غم زیادہ (یہ پوری تفصیل طبری سے ملخصا" ماخوذ ہے دیکھو جلد ۵ ص ۲۲۳۵' ۲۳۶۸)

ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ

قادسیہ کی شکست کے بعد ایرانیوں نے بابل میں اجتماع کیا تھا اس لیے قادسیہ میں دو مہینہ قیام کے بعد سعد بن ابی وقاصؓ بابل روانہ ہو گئے لیکن قادسیہ کی جنگ نے ایرانیوں کی قوت بہت کمزور کر دی تھی' اس لیے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے اور وہ ان کو شکست دے کر بابل کوثی اور بہرہ شیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایران کے پایہ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے' بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملہ کرنے سے روکنے کے لیے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں اس لیے جب مسلمان دجلہ کے ساحل پر پہنچے تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا سعد بن ابی وقاصؓ نے خدا کا نام لے کر دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا' انہیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اتر گئی اور نہایت اطمینان کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی پار پہنچ گئی ایرانی دور سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھتے تھے اور متحیر تھے جب مسلمان کنارہ پر پہنچ گئے تو متحیر ایرانی "دیوان آمدند" "دیوان آمدند" "دیوان آمدند" کہہ کر بھاگ نکلے ایک افسر خرزاد نے معمولی سی مزاحمت کی۔ لیکن مسلمانوں نے اسے مغلوب کر لیا یزدگرد پایہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ صفر ۱۶ھ میں مدائن میں داخل ہو گئے' جمعہ کا وقت قریب تھا' ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کی' یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمین عراق میں پڑھا گیا' مدائن کے خزانہ میں صدیوں کی دولت

اور زر و جواہر کے علاوہ سلاطین عجم کے نادرہ روزگار عجائبات اور نایاب یادگاریں جمع تھیں یہ تمام تاریخی نوادر حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ بھجوا دیئے ان نوادر میں نوشیروان کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص مخلم کو پہنایا گیا جس وقت اس نے اسے پہنا' جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ اور انقلاب دہر کا عجیب عبرت ناک منظر سامنے آ گیا' فرش بہار سلاطین عجم کا قدیم تاریخی فرش تھا' اس پر وہ بہار کے موسم میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے اس میں اس عہد کی ساری شنائیاں صرف کر دی گئی تھیں' بہار کی مناسبت سے جواہرات کے گل بوٹے اور پھل پھول تھے' سب کی رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رہنے دیا جائے لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے حکومت ایران کی طرح اس فرش بہار پر بھی خزاں آ گئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا۔ (طبری نے ان نوادر روزگار اشیاء کی پوری تفصیل لکھی ہے دیکھو جلد ۵ ص ۲۳۵۰ ومابعد)

جلولاء کا معرکہ مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانیوں نے جلولاء کو مرکز بنایا اور رستم کے بھائی خرزاد نے یہاں ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستوں پر گکھرو بچھوا دیئے اس لیے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق ہاشمؓ بن عتبہ اور قعقاعؓ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء بھیجا' انہوں نے اس کا محاصرہ کر لیا لیکن اولاً" جلولاء خود نہایت مستحکم شہر تھا دوسرے یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجیں بھیج رہا تھا اس لیے کئی مہینے لگ گئے لیکن ہاشم نے عہد کر لیا تھا کہ بغیر فتح کیے ہوئے نہ ٹلیں گے بالآخر کئی مہینے کی لڑائیوں کے بعد قعقاعؓ کی شجاعت سے جلولاء فتح ہو گیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔

حلوان پر قبضہ یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا اسے خبر ہوئی تو وہ حلوان چھوڑ کر رے بھاگ گیا' اس کے حلوان چھوڑنے کے بعد قعقاعؓ یہاں پہنچے اور خسرو شنوم کو شکست دے کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا اور عام منادی کرا دی کہ "جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کریں گے ان کی جان اور مال محفوظ رہے گا" اس اعلان کے بعد بہت سے امراء دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جلولاء عراق کا آخری مقام تھا اس کے بعد عراق کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔

جزیرہ عراق کے زیر نگیں ہونے کے بعد حضرت عمرؓ آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے تھے

اور فرماتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک حائل ہوتی کہ نہ وہ (ایرانی) ہم پر حملہ آور ہو سکتے اور نہ ہم ان پر' مال غنیمت کے مقابلہ میں مجھ کو مسلمانوں کی جان زیادہ عزیز ہے۔ (طبری نے ان نوادر روزگار اشیاء کی پوری تفصیل لکھی ہے دیکھو جلد ۵ ص ۲۴۶۴) مگر عراق ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کر سکتے تھے' اب یہ قومی مسئلہ بن گیا تھا' پہلے صرف حکومت کا مقابلہ تھا' لیکن عراق نکل جانے کے بعد پوری قوم مقابلہ میں آگئی اور اہل جزیرہ نے جن کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی تکریت میں نہایت زبردست اجتماع کیا' سعد بن ابی وقاصؓ کو ایران پر فوج کشی کے بارے میں حضرت عمرؓ کے خیالات معلوم تھے اس لیے انہوں نے ان کو حالات لکھ بھیجے' ان حالات میں حضرت عمرؓ کے لیے بھی بجز مقابلہ کے کوئی چارہ کار نہ تھا اس لیے آپ نے عبداللہ بنؓ غنم کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا۔

تکریت پر قبضہ اس حکم پر ۱۶ھ میں پانچ ہزار فوج لے کر تکریت پہنچے اور اس کا محاصرہ کر کے چالیس دن تک برابر حملے کرتے رہے' لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی ایرانیوں کے ساتھ تھے اس لیے کامیابی نہ ہوتی تھی' عبداللہؓ نے عربوں کے پاس خفیہ نامہ و پیام بھیج کر انہیں ملا لیا اس کے بعد جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو عقب سے عرب بھی حملہ آور ہو گئے اور ایرانی دو پاٹوں کے درمیان پڑ کر پس گئے اور تکریت پر قبضہ ہو گیا' اس کے بعد چند دنوں تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے پھر عیاضؓ بن غنم کو مامور کیا' انہوں نے جزیرہ بھر میں فوجیں پھیلا دیں اور معمولی لڑائیوں کے بعد رقہ' حران' نصیبین' میافارقین' سمیساط' سروج اور قرقیسیا وغیرہ فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ زیر نگیں کر لیا۔

خوزستان عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ قائم رکھنے کے لیے یہاں ایک اسلامی شہر بصرہ آباد ہو چکا تھا' اس کا سرحدی علاقہ خوزستان اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا' اس لیے بصرہ کی حفاظت کے لیے خوزستان پر قبضہ کرنا ضروری تھا' چنانچہ ۱۶ھ میں بصرہ کے والی مغیرہ بن شعبہؓ نے اہواز پر حملہ کر کے یہاں کے والی ہرمز کو مطیع بنایا لیکن چند دنوں کے بعد وہ پھر باغی ہو گیا۔ اس وقت ابو موسیٰ اشعریؓ بصرہ کے والی تھے انہوں نے ہرمز کو شکست دے کر اہواز پر مستقل قبضہ کر لیا اہواز کے بعد سوس فتح کیا' سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کیا' اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی' ابو موسیٰؓ کی فتوحات کو دیکھ کر امیر

ہرمزان نے یزدگرد کی خدمت میں جاکر درخواست کی کہ اگر اہواز اور فارس کی حکومت میرے متعلق کردی جائے تو عربوں کو آگے بڑھنے سے روک دوں گا' یزدگرد نے منظور کر لی اور اس کو اہواز اور فارس کی حکومت کا پروانہ دے کر ایک فوج بھی اس کے ساتھ کر دی یہ پروانہ لے کر ہرمزان شوستر آیا اور جنگی استحکامات درست کر کے ایک عظیم الشان فوج تیار کرلی۔ ابو موسیٰ کو اس کی تیاریوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دے کر مزید مدد مانگی آپ نے فوراً عمار بن یاسرؓ والی کوفہ کو حکم بھیجا کہ وہ کوفہ کی فوجیں لے کر ابوموسیٰ کی مدد کو روانہ ہو جائیں' جریر بن عبداللہ بجلیؓ بھی تھوڑی سی فوج لے کر آ گئے' ابوموسیٰ ان دونوں کو ساتھ لے کر شوستر پہنچے' ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ انہیں روکا بہت سے مسلمان کام آئے لیکن آخر میں وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا' ابوموسیٰ نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا' عرصہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی' اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا اس کے ذریعہ سے ایک مسلمان خفیہ راستہ سے شہر کے تمام راستے دیکھ آیا اور تھوڑے سے مسلمانوں کو لے کر تہہ خانہ کے ذریعہ سے شہر میں داخل ہو گیا اور شہرپناہ کے دروازہ کھول دیئے' مسلمان باہر منتظر تھے' شہر کے دروازے کھلتے ہی گھس پڑے ہرمزان نے قلعہ میں پناہ لی اور ابوموسیٰؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ میں اس شرط پر نکل آؤں گا کہ مجھے عمر کے پاس بھجوا دیا جائے۔ ابوموسیٰؓ نے منظور کرلیا اور ہرمزان مدینہ پہنچ کر مسلمان ہو گیا حضرت عمر نے اس کا دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ (ابن اثیر جلد ۳)

شوستر کے بعد جندیسا پور فتح ہوا اور خوزستان کا پورا علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔

عراق عجم پر فوج کشی اور نہاوند کا معرکہ یزدگرد اس وقت مرو میں تھا' یہیں اسے خبر ملی کہ خوزستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور اس کا قوت بازو ہرمزان بھی گرفتار ہو گیا اب تک ایرانی سمجھتے تھے کہ عربوں کا سیلاب سرحد پر آکر رک جائے گا' لیکن خوزستان پر قبضہ کے بعد ان کو نظر آیا کہ یہ سیلاب سارے ایران کو بہا لے جائے گا اس لیے انہوں نے یزدگرد کو آمادہ کیا اس نے ایران کے تمام چھوٹے چھوٹے ماتحت فرمانرواؤں کو مدد کے لیے لکھا' وہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے اور ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع ہو گئی۔ (طبری ج ۵ ص ۲۶۰۲)

یزدگرد نے ایران کے مشہور بہادر مردان شاہ کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا اور

ایران کا تاریخی علم درفش کاویانی جو فتح و ظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، ساتھ کر دیا، کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسر نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، آپ نے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ آپ خود جائیے گا تو اندرون عرب بغاوت برپا ہو جائے گی، آپ تمام ممالک محروسہ کی ایک ایک تہائی فوج کو ایک مرکز پر جمع ہونے کا حکم دیجئے اس مشورہ پر آپ نے فوجیں جمع کر کے نعمان بن مقرن کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا۔ انہوں نے نہاوند پہنچ کر چند میل ادھر منزل کی، مردان شاہ پہلے سے موجود تھا، اس نے پہلے صلح کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے مسلمان سفراء بلا بھیجے۔ نعمان نے مغیرہ بنؓ شعبہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

مردان شاہ نہایت ٹھاٹھ سے سر پر زرنگار تاج رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا درباری چپ راست تلواریں اور نیزے لگائے کھڑے تھے جن کی چمک سے نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی، مغیرہ نے کوئی توجہ نہ کی اور ایک شان بے نیازی کے ساتھ گھستے ہوئے چلے گئے راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا مغیرہؓ نے کہا سفراء کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا، مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی مردان شاہ نے کہا کہ اہل عرب! دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت، فاقہ مست اور نجس و ناپاک قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم ہو، ہماری سپاہ کبھی کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم اپنے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے، اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا ورنہ تمہاری نعشیں خاک و خون میں تڑپتی نظر آئیں گی۔ مغیرہؓ نے حمد و نعت کے بعد جواب دیا، تمہارا جیسا خیال ہے بے شک ہم ایک زمانہ میں ایسے ہی تھے لیکن ہمارے رسولؐ نے ہماری کایا پلٹ دی اس نے ہم سے دنیا میں نصرت و فتح اور آخرت میں جنت کا وعدہ کیا اور اس وقت سے برابر فتح و نصرت ہمارے رکاب میں ہے اس لیے اب ہم اس وقت تک واپس نہیں جا سکتے جب تک تمہارے ملک کو فتح نہ کر لیں۔ یا ہماری لاشیں نہ تڑپیں۔

غرض مردان شاہ کی نخوت سے یہ سفارت ناکام رہی اور اس کی واپسی کے بعد جنگ چھڑ گئی اور ایسا خونریز معرکہ ہوا کہ عجم کی لڑائیوں کے سلسلہ میں قادسیہ کے علاوہ ایسی جنگ نہ ہوئی تھی، مسلمان نہایت ثبات و پامردی سے لڑے، ہزاروں لاشیں خاک و خون میں نہا گئیں، نعمان بن مقرنؓ زخمی ہو کر گرے، زخم مہلک تھا لیکن انہوں نے منع کر دیا

کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی ان کی جانب متوجہ نہ ہو چنانچہ ان کے گرنے کے بعد ان کے بھائی نعیم نے علم سنبھال لیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی اور اسی زور شور کے ساتھ جنگ جاری رہی' رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کر کے ہزاروں ایرانیوں کو تہ تیغ کر دیا' اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر اس سروسامان کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ آ سکے۔ عرب مورخین اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اختتام جنگ کے بعد معقل' نعمانؓ بن مقرن کے نیم جان لاشہ کے پاس پہنچے' کچھ کچھ جان باقی تھی' اس حالت میں بھی زبان سے نکلا مسلمانوں کا کیا انجام ہوا" جواب ملا خدا نے فتح دی فرمایا! الحمدللہ' عمرؓ کو اطلاع دو' یہ مژدہ سن کر جان' جان آفرین کے سپرد کی۔

حضرت عمرؓ کو مہینوں سے بے قراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا' عین اس حالت میں قاصد کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لیے ہوئے پہنچا' فتح کا مژدہ سن کر آپ کو بڑی مسرت ہوئی لیکن جب نعمانؓ کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے اور جواہرات فروخت کر کے فوج میں تقسیم کرا دیے۔

ایران پر عام لشکر کشی حضرت عمرؓ سرزمین ایران کی طرف نہ بڑھنا چاہتے تھے' لیکن عراق نکل جانے کے بعد سے ایرانی چین سے نہ بیٹھے تھے اور وہ برابر فوجیں جمع کر رہے تھے مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرا دیتے تھے' یزدگرد مرو میں بیٹھا ہوا آئے دن فتنے اٹھاتا رہتا تھا اس لیے حضرت عمرؓ کو بڑا تردد تھا اور آپ ان بغاوتوں کو مسلمانوں کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے چند مسلمانوں کے سامنے جو عجم کی مہمات میں شریک تھے' اس کا اظہار بھی کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں' اس لیے وہ باغی ہو جاتے ہیں ان لوگوں نے اس کی تردید کی' احنف بن قیسؓ نے کہا امیرالمومنین اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک بڑھنے سے روک دیا ہے اور اس کا بادشاہ ملک میں موجود ہے جب تک وہ باقی رہے گا' اس وقت تک وہ برابر عذر کرتے رہیں گے اس لیے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے ان کا بادشاہ ان کو بھڑکاتا رہتا ہے' جب تک ہم کو اندرون ملک فوج کشی کر کے ان کے بادشاہ

کے استیصال کی اجازت نہ ملے گی اس وقت تک یہ صورت قائم رہے گی جب تک وہ بادشاہ سے مایوس نہ ہوں گے اس وقت تک خاموش نہ بیٹھیں گے حضرت عمرؓ نے احنف کی دانش مندانہ رائے بہت پسند کی اور اسی وقت ایران پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا تھا۔

اس کے کچھ دنوں بعد ۱۹ھ میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا' انہوں نے بھی یہی کہا کہ جب تک ایران کے تخت کا وارث موجود ہے۔ اس وقت تک یہ فتنہ و فساد ختم نہ ہو گا اس مشورہ کے بعد آپ نے ایران پر عام فوج کشی کا فیصلہ کیا اور ایران کے مختلف حصوں کے لیے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کیے۔

احنف بن قیسؓ کو جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا خراسان کی مہم جہاں یزدگرد مقیم تھا سپرد ہوئی' اردشیر اور سابور کا علم مجاشع بن مسعود کو' اصطخر کا عثمان بن ابی العاص کو' فسا کا ساریہ بن رہم کنانی کو' کرمان کا سہیل بن عدی کو' سیستان کا عاصم بن عمر کو' مکران کا حکم بن عمیر کو' آذربائیجان کا عتبہ بن فرقد کو عطا ہوا' یہ لوگ ۲۱ھ میں اپنی اپنی مہموں پر روانہ ہوئے ان کے علاوہ اور متفرق مقامات پر متعدد افسروں کو مامور کیا۔

اصفہان اس سلسلہ میں سب سے اول عبداللہ بن عبداللہ نے ۲۱ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی' یہاں کا رئیس اسبیدان سواد اصفہان میں فوجیں لیے موجود تھا' مقدمۃ الجیش کی کمان ایک پرانے اور تجربہ کار بہادر شہریار کے ہاتھوں میں تھی عبداللہ کے پہنچنے کے ساتھ دونوں میں ایک خون ریز معرکہ ہوا' شہریار نے مبارز طلبی کی عبداللہ مقابلہ میں آئے۔ شہریار مارا گیا اس کے قتل ہوتے ہی جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور اسبیدان نے صلح کر لی۔

ہمدان کی بغاوت نعیم بن مقرن ہمدان فتح کر چکے تھے ۲۲ھ میں یہاں بغاوت ہوئی نعیم نے بغاوت فرو کر کے خاص شہر ہمدان کا محاصرہ کیا' اہل ہمدان نے صلح کر لی لیکن اس کے بعد ہی دیلم' رے' اور آذربائیجان کے رؤسا' ابو الفرخان اور اسفندیار اپنی اپنی فوجیں لے کر اہل ہمدان کی مدد کو پہنچ گئے نعیم کو خبر ہوئی تو مقابلہ کے لیے نکلے' وادی رود میں نہایت خون ریز جنگ ہوئی ایرانیوں نے شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی۔

اسی سنہ میں براء بن عازبؓ نے قزوین اور زنجان فتح کیے۔

رے وغیرہ کی فتح وادی رود کے معرکہ کے بعد نعیمؓ بن مقرن رے پہنچے' یہاں کے

حاکم سیاوش نے جو بہرام چوبیں کا پوتا تھا‘ طبرستان‘ قومس اور جرجان کے امراء سے مدد طلب کی یہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچے۔ رے کا ایک رئیس زینبی جو سیاوش سے کہیں بات پر برہم تھا‘ نعیم سے مل گیا اور حسن تدبیر سے رے پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دیا‘ یہاں قریب قریب مدائن کے برابر مال غنیمت ملا‘ اس خدمت کے صلہ میں نعیم نے زینبی کو رے کی حکومت عطا کی اور یہیں سے اپنے بھائی سوید کو بھیج کر قومس پر قبضہ کرایا۔

طبرستان قومس کے بعد ہی طبرستان کی سرحد شروع ہو جاتی ہے اس لیے اب طبرستان کا نمبر تھا لیکن مسلمانوں کی پیش قدمی سے پہلے ہی سرحدی علاقے کے باشندوں نے خود پیش قدمی کر کے صلح کر لی اندرونی علاقہ اس صلح میں شامل نہ تھا اس لیے نعیم اندرون ملک جرجان کی طرف بڑھے اور بسطام پہنچ کر جرجان کے حاکم زربان سے نامہ و پیام کیا اس نے جزیہ قبول کر کے صلح کر لی اس مصالحت کی خبر سن کر صوبہ طبرستان کے رئیس اصبہند نے بھی اطاعت قبول کر لی اور ۲۲ھ میں طبرستان کا پورا علاقہ مطیع ہو گیا۔

آذر بائیجان اوپر گذر چکا ہے حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو آذر بائیجان کی مہم پر مامور کیا تھا۔ بکیر بن عبداللہ ان کے شریک تھے یہ دونوں ۲۲ھ میں آذر بائیجان کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ بڑھے‘ کوہستان جو میدان میں آذر بائیجان کے حاکم اسفند یار کا جو وادی رود کی مہم سے ناکام واپس آ رہا تھا‘ بکیر بن عبداللہ کا سامنا ہوا‘ اسفند یار چونکہ شکست خوردہ آ رہا تھا اس لیے بکیر نے اسے دوبارہ آسانی سے شکست دے کر گرفتار کر لیا‘ اس کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی اس نے بکیر سے پوچھا کیا چاہتے ہو صلح یا جنگ؟ بکیر نے جواب دیا صلح‘ اسفند یار نے کہا اگر صلح چاہتے ہو تو مجھے اپنے پاس روک رکھو‘ بکیر نے روک لیا اسی درمیان میں عتبہ بن فرقد نے بھی اپنی سمت فتح کر لی اور بکیر‘ حضرت عمرؓ کے حکم سے باب کی مہم میں مدد دینے کے لیے چلے گئے ان کے جانے کے بعد اسفند یار کا بھائی بہرام عتبہ کی طرف سے بڑھا لیکن عتبہ نے شکست دے دی اس کے شکست کھانے کے بعد اسفند یار نے جو عتبہ کے پاس تھا کہا کہ اب جنگ ختم ہو گئی اور عتبہ سے مصالحت کر لی اس طرح آذر بائیجان کا پورا علاقہ صلحاً مطیع ہو گیا۔ یہ طبری کا بیان ہے (طبری ج ۵ ص ۲۶۶ و مابعد) بلاذری کے بیان کے مطابق آذر بائیجان کو حذیفہؓ نے فتح کیا تھا۔

آرمینیہ آذر بائیجان کے بعد آرمینیہ کا علاقہ تھا اس پر شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں

۲۳ھ میں حملہ ہوا' لیکن فتح نہ ہو سکا تھا' اس لیے جس زمانہ میں آذر بائیجان پر فوج کشی ہوئی اسی زمانہ میں سراقہ بن عمرو اور عبدالرحمٰن نے دوبارہ آرمینیہ پر فوج کشی کی تھی اور اس وقت آرمینیہ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی' بکیر بن عبداللہ بھی آذر بائیجان سے فراغت کے بعد آرمینیہ پہنچ گئے' عبدالرحمٰن اس وقت باب میں خیمہ زن تھے۔ آرمینیہ کا ایرانی حاکم شہریار آرمینیوں کو نہایت ذلیل سمجھتا تھا چنانچہ وہ عبدالرحمٰن کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ مخلوط النسل ارمنی کتوں کا کوئی حسب نسب نہیں ہے اور کوئی سمجھدار عالی نسبوں کے مقابلہ میں کمینوں کی مدد نہیں کر سکتا اس لیے مجھ کو آرمینیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ میرے ملک اور میری قوم کو تم لوگ فتح کر چکے اس لیے میں بھی تمہارا مطیع اور مددگار ہوں' لیکن اتنی درخواست ہے کہ جزیہ لے کر مجھے ذلیل اور اپنے دشمنوں (ارمنی) کے مقابلہ میں کمزور نہ کرو' اس کی درخواست سن کر عبدالرحمٰن نے اس کو سراقہ کے پاس بھجوا دیا اس نے سراقہ سے بھی یہی کہا' انہوں نے کہا جزیہ تو ان کے لیے ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے اور شہریار کی درخواست منظور کر کے حضرت عمرؓ کو اطلاع دے دی' انہوں نے بھی اس فیصلہ پر پسندیدگی ظاہر کی۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲)

باب سے فراغت کے بعد سراقہ نے بکیر بن عبداللہ کو موقان اور حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ کو کوہستان لان کی طرف روانہ کیا' بکیر نے موقان والوں کو مطیع بنایا' عبدالرحمٰن بن ربیعہ مملکت خزر کی طرف بڑھے اور اس کے پایہ تخت کے قریب مقام بیضار تک بڑھتے چلے گئے۔

فارس فارس پر حملہ کے لیے درمیان میں دریا پڑتا تھا اور حضرت عمرؓ مسلمانوں کو دریا کے خطرات میں ڈالنا نہ چاہتے تھے' چنانچہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھ سکتے اور نہ وہ ہماری طرف آ سکتے' لیکن ایک اولوالعزم جانباز علاء بن حضرمیؓ والی بحرین نے ۱۷ھ میں حضرت عمر کی اجازت کے بغیر حملہ کر دیا تھا' لیکن سخت نقصان اٹھانا پڑا' اسلامی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور جو بچا اسے اہل فارس نے گھیر لیا' حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو بڑا قلق ہوا اور فوراً عتبہ بن غزوان کو لکھ کر مدد کے لیے فوجیں بھجوائیں' انہوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر باقی ماندہ مسلمانوں کو بچا لیا۔

اس کے بعد جب ایران پر عام فوج کشی ہوئی تو ساریہ بن زینم کنانی ۲۳ھ میں فارس کی طرف بڑھے، اہل فارس اس وقت فوج میں جمع تھے لیکن مسلمان ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جو سمت ان کے لیے متعین کر دی گئی تھی، سیدھے اسی رخ پر بڑھتے چلے گئے اس لیے اہل فارس بھی فوج سے منتشر ہو گئے ان کے منتشر ہونے کے بعد مجاشع ابن مسعود، سابور اور اردشیر حرہ کی طرف بڑھے اور توج میں فارسیوں کا مقابلہ ہوا، مسلمانوں نے شکست دے کر توج کو فتح کر لیا اور دوسری طرف عثمانؓ بن ابی العاص اصطخر کی طرف بڑھے یہاں کے باشندوں نے مقام جور میں مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، عثمان نے جور اور اس کے بعد اصطخر پر قبضہ کر لیا، اصطخر کے بعد گازرون، نوبند جان، شیراز، ارجان، سینیز اور خباب وغیرہ فارس کے بڑے حصہ پر قبضہ ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کے آخر عہد خلافت میں یزدگرد کے اشارہ سے فارس میں بغاوت ہو گئی اور بہت سے مفتوحہ مقامات نکل گئے لیکن حکم بن ابی العاصؓ نے فارس کے مرزبان شہرک کو قتل کر کے بغاوت کو قابو میں کیا۔

فارس کے بعض مقامات فسا اور دارالجبر وغیرہ رہ گئے تھے، ساریہ بن رینم نے سب سے آخر میں ان پر فوج کشی کی، ان کے مقابلہ کے لیے ایرانیوں اور کردوں کا ٹڈی دل امنڈ آیا، ایرانیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد کچھ نہ تھی، لیکن ساریہ کی ہمت و شجاعت نے یہ معرکہ بھی سر کیا اور فسا اور دارالجبر پر قبضہ ہو گیا۔

کرمان کرمان کی مہم سہل بن عدی کے متعلق تھی، فارس کے بعد کرمان کا صوبہ سامنے تھا۔ چنانچہ ۲۳ھ میں سہیل بن عمرو نے کرمان پر چڑھائی کی اہل کرمان قفس وغیرہ کی امداد لے کر مدافعت کے لیے نکلے، سرحد ہی کے پاس فریقین کا مقابلہ ہوا اور معمولی جنگ کے بعد کرمانیوں نے شکست کھائی، یہاں کا مرزبان مارا گیا، اس کے قتل ہونے سے کرمان کے مرکزی مقامات جیرفت اور سیرجان وغیرہ پر قبضہ ہو گیا۔

سیستان کرمان کے بعد عاصم بن عمروؓ نے سیستان پر فوج کشی کی اہل سیستان روکنے کے لیے بڑھے، مسلمانوں نے شکست دی اور تعاقب کرتے ہوئے دور دور تک بڑھتے چلے گئے زرنج پہنچ کر اس کا محاصرہ کر کے دریا کا بند کھول دیا، سارے سیستان میں سیلاب آگیا، اہل سیستان نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دی جائے

مسلمانوں نے منظور کر لیا اور اس شرط کا اتنا لحاظ رکھا کر کھیتوں کے پاس سے جلدی گذر جاتے تھے کہ چھو نہ جائے (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷)

مکران سیستان ایران کی آخری حد ہے اس کے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اس لیے ایران کی سرزمین کے بعد اسلام کا علم ہندوستان کے حدود کی طرف بڑھا چنانچہ سیستان کی فتح کے بعد حکم بن عمرو تغلبی مکران کی طرف بڑھے' یہاں کا فرمان روا راسل سندھ کے حکمران کی مدد سے مقابلہ میں آیا' دریائے ہلمند پر دونوں کا مقابلہ ہوا ایک خون ریز جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی' اس شکست میں مکرانیوں کی بڑی تعداد کام میں آئی۔

حکم نے صحار عبدی کو نامہ فتح اور مال غنیمت دے کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا' آپ نے ان سے مکران کا حال پوچھا انہوں نے ان الفاظ میں یہاں کی برائیوں کا نقشہ کھینچا' **ارض سہلہا جبل و ماؤھا وشل و ثمرھا وقل وعدوھا بطل و خیرھا شر و شرھا طویل و الکثیو بہا قلیل** حضرت عمرؓ نے فرمایا' واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام' صحار نے عرض کیا واقعی حالات عرض کر رہا ہوں۔ یہ بھیانک نقشہ سن کر آپ نے حکم کو لکھ بھیجا کہ آگے پیش قدمی روک دی جائے چنانچہ مشرق میں فاروقی فتوحات کی آخری سرحد ہے۔ (طبری جلد ۵ ص ۲۷۰۷ و مابعد) لیکن بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاقہ تک فوجیں پہنچ گئی ہیں' اگر یہ صحیح ہے تو خلافت فاروقی ہی میں ہندوستان میں اسلام کا علم پہنچ گیا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ ان فتوحات کے دوران میں یزدگرد خراسان میں مقیم تھا اور ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا' خراسان کی مہم احنف بن قیسؓ سے جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا متعلق ہوئی تھی چنانچہ انہوں نے ۲۲ھ میں خراسان پر چڑھائی کی تھی لیکن چونکہ خراسان کی فتح ساسانی حکومت کا وداع واپسیں تھی اس لیے ہم نے اس کو آخر میں لکھنا مناسب سمجھا۔ خراسان پر فوج کشی کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں تھا' مقدس آگ ساتھ تھی یہاں بیٹھے بیٹھے وہ ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا اس لیے احنف سیدھے مرو کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد کے مستقر مرو شاہ جہان کا رخ کیا اور مطرف بن

عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا، مروشاہجہان کی طرف احنف کا رخ دیکھ کر یزدگرد، مروالروز چلا گیا اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی، احنف کو خبر ملی تو وہ فوراً مروالروز پہنچ گئے یزدگرد یہاں سے بلخ نکل گیا، احنف بھی تعاقب میں پہنچے، یزدگرد شکست کھا کر نہر پار کر کے تاتاری علاقے میں نکل گیا اور احنف بلخ پر قابض ہو گئے۔ یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیر نگین ہو گیا، احنف نے مروالروز واپس ہو کر حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ لکھا، آپ سن کر نہایت مسرور ہوئے اور احنف کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقان چین کے یہاں پہنچا، اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک، فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ خراسان آیا احنف اس وقت مروالروز میں تھے، یہیں دونوں کا مقابلہ ہوا، کچھ دنوں فریقین میں جھڑپ ہوتی رہی، ایک دن حسب معمول خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل و دمامہ بجاتے ہوئے نکل گئے، احنف نے یکے بعد دیگرے تینوں کو قتل کر دیا خاقان نے اس سے فال بد لی، اس کو مسلمانوں کی قوت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا اس لیے یہ سمجھ کر مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور دوسروں کے لیے لڑ کر انہیں خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانا مناسب نہیں ہے فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔

اس کی واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہو کر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی دولت لے کر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل جانے کا قصد کیا، ایرانیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے روکا کہ چینیوں کا کوئی دین و مذہب نہیں، معلوم نہیں وہ کیسا برتاؤ کریں گے، ان سے بہتر مسلمان ہیں کہ وہ دین و مذہب رکھتے ہیں، عہد کے پابند ہیں" اس لیے چین جانے سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے، لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لے جانے پر مصر ہوا، ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ملک کی کل دولت نکلی جا رہی ہے تو زبردستی چھین لی اور یزدگرد ناکام و نامراد ترکستان چلا گیا۔

یزدگرد کے ملک بدر ہونے کے بعد ایرانیوں نے احنف کے پاس جا کر ان سے صلح کر کے کل خزانہ حوالہ کر دیا، مسلمانوں نے بھی اس صلہ میں ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ

وہ اپنی بادشاہت بھول گئے اور مسلمانوں سے مصالحت کے بعد ان کو جو راحت اور فارغ البالی نصیب ہوئی وہ اکاسرہ کے زمانہ میں بھی میسر نہ آئی تھی۔

(طبری جلد ۵ ص ۲۶۸۲ تا ۲۶۸۸)

اس مصالحت کے بعد احنفؓ نے حضرت عمرؓ کو دوسرا خط لکھا' آپ اسے لے کر مسجد میں آئے اور مسلمانوں کو پڑھ کر سنایا اور یہ مختصر مگر موثر تقریر کی۔

آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اب ان کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں' اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین' ان کا ملک اور ان کی دولت کا تم کو اس لیے وارث بنایا ہے کہ تم کو آزمائے اس لیے تم اپنی حالت نہ بدلو ورنہ خدا تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا مجھ کو اس امت کے لیے خود اس کے افراد سے خوف ہے۔ (طبری جلد ۵ ص ۲۶۵۲)

شام کی فتوحات اوپر عہد صدیقی میں گزر چکا ہے کہ دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہو گیا اور اس کی فتح عہد فاروقی میں عمل میں آئی' اس کی تفصیل یہ ہے کہ دوران محاصرہ میں دمشق کے بطریق کے گھر بچہ پیدا ہوا' اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پیں اور ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ ہوئی' خالد بن ولیدؓ راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ گھوم پھر کر خبریں لیا کرتے تھے' اس لیے انہیں اس کی اطلاع ہو گئی۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۱۵۲) وہ کمند لگا کر مع چند جانبازوں کے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اتر گئے اور پھاٹک کے محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دیئے مسلمان باہر منتظر تھے وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہو گئے اہل شہر اس ناگہانی مصیبت سے گھبرا گئے ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا وہ سیدھے ابو عبیدہؓ کے پاس جو دوسری طرف متعین تھے پہنچے اور ان سے صلح کی درخواست کی' انہیں اس صورت حال کا علم نہ تھا' اس لیے صلح قبول کر لی اور شہر کی ایک سمت سے خالد بن ولیدؓ فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے ابو عبیدہؓ مصالحانہ' لیکن ابو عبیدہؓ چونکہ مصالحت کر چکے تھے اس لیے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اور نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۱۵۳' ۲۱۵۴) یہ فتح ۱۴ھ میں ہوئی۔

اردن کی فتح دمشق شام کا مرکزی شہر تھا' اس کے نکل جانے کا رومیوں کو بڑا صدمہ تھا

اور انہوں نے مسلمانوں کے روکنے کے لیے صوبہ اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں، لیکن پھر مسلمانوں کے استقلال کو دیکھ کر انہوں نے مصالحت کی کوشش کی لیکن مفاہمت نہ ہو سکی اور ذی قعدہ ۱۳ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ کئی خون ریز معرکوں کے بعد عیسائیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور اردن کا پورا صوبہ فتح ہو گیا، کل رعایا ذمی قرار دی گئی، عہد نامہ میں رعایا کی پوری املاک زمین، مکان، گرجے اور دوسری عبادت گاہیں محفوظ کر دی گئیں۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۱)

حمص وغیرہ کی فتح دمشق اور اردن کی فتح کے بعد، بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے، اس لیے ابو عبیدہؓ اور خالدؓ حمص کی طرف بڑھے اور راستہ میں بعلبک پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، یہاں حکومت کی کوئی فوج نہ تھی، شہر کی آبادی حکومت کی امداد کی امید پر کچھ دنوں تک مدافعت کرتی رہی، لیکن مسلمانوں نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا تھا اس لیے شہر والوں نے مایوس ہو کر آخر میں صلح کر لی، حمص کے دوران میں ابو عبیدہؓ نے حماۃ، شیرز اور معرۃ النعمان چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کر لیے۔ حمص کی تسخیر کے بعد یہاں عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر ابو عبیدہؓ لاذقیہ روانہ ہو گئے یہ نہایت مضبوط مستحکم شہر تھا، ابو عبیدہؓ نے اسے ایک خاص تدبیر سے فتح کیا، لاذقیہ فتح کرنے کے بعد ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا، لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچ گیا کہ اس سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے اس لیے رک جانا پڑا۔

ہرقل کے دربار میں رومیوں کی فریاد اور ان کا جوش و خروش دمشق، اردن اور حمص کی فتوحات نے رومیوں کو جوش سے لبریز کر دیا انہوں نے ہرقل کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام پامال کر ڈالا ہے اور کوئی طاقت انہیں روکنے والی نہیں، ان کی فریاد پر ہرقل نے چند معزز اور صاحب الرائے اشخاص کو بلا کر ان سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ عرب تم سے تعداد، اسلحہ اور سرو سامان ہر چیز میں کم ہیں، پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے" اس استفسار پر سب نے سر جھکا لیا، ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے، آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں، ان کے مقابلہ میں ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، وعدہ کی

پابندی نہیں کرتے' دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش و استقلال ہوتا ہے اور ہمارے کام ان سے خالی ہوتے ہیں۔

(فتوح الشام ازدی تحت ذکر فتح حمص)

مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور ان کے مقابلہ میں رومیوں کی درماندگی دیکھ کر قیصر نے شام چھوڑ کر قسطنطنیہ چلے جانے کا قصد کیا لیکن جوق در جوق بے کس رومیوں کی فریاد سن کر اسے غیرت آگئی اور وہ پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گیا اور تمام ممالک محروسہ میں فوجوں کے اجتماع کے لیے فرامین جاری کر دیئے' رومی پہلے سے جذبہ انتقام سے سرشار ہو رہے تھے' قیصر کے فرمان نے اور آگ لگا دی اور انطاکیہ میں فوجوں کا طوفان امنڈ آیا۔

مسلمانوں کی تیاریاں رومیوں کی یہ پر جوش تیاریاں دیکھ کر ابوعبیدہؓ نے افسران فوج سے مشورہ کیا' سب نے مختلف رائیں دیں' آخر میں یہ قرار پایا کہ تمام منتشر فوجیں ایک جگہ جمع کر لی جائیں' چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا' چونکہ اس وقت مسلمان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے اس لیے جزیہ کی رقم جو در حقیقت حفاظت کا معاوضہ تھی' انہیں واپس کر دی گئی اس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے۔

دمشق میں اجتماع کے بعد ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو ان جدید حالات کی اطلاع بھجوائی' رومیوں کی تیاریوں کا حال سن کر اہل مدینہ میں بھی جوش پیدا ہو گیا اور ہر شخص سر بکف میدان جنگ میں جانے کے لیے آمادہ ہو گیا حضرت عمرؓ نے تھوڑی سی مزید امدادی سپاہ شام روانہ کر دی۔

یرموک کا فیصلہ کن معرکہ اردن کے علاقہ میں یرموک کا کھلا میدان جنگی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے لیے نہایت موزوں اور مناسب تھا اس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی روک نہ تھی' اس لیے ابوعبیدہؓ نے رومیوں کے مقابلہ کے لیے اسی میدان کا انتخاب کیا اور کل فوجیں دمشق سے یرموک میں منتقل کر دیں' قریب ہی مقام دیرالجبل میں رومیوں کا ٹڈی دل آکر خیمہ زن ہوا' ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی' رومیوں کے مذہبی جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے وہ مقدس راہب تک جنہوں نے کبھی حجرہ عبادت سے باہر

قدم نہ نکالا تھا، خانقاہوں سے نکل کر عام سپاہیوں کے ساتھ ہو گئے تھے، مسلمانوں کی تعداد بیس تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی، لیکن سب منتخب بہادر تھے ان میں ایک سو بدری اور ایک ہزار عام صحابہ تھے، رجب ۱۵ھ میں پہلا مقابلہ ہوا اس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور جنگ آئندہ کے لیے ملتوی ہو گئی، التوائے جنگ کے بعد رومیوں نے مصالحت کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے سفیر طلب کیا، ابو عبیدہؓ نے خالدؓ بن ولید کو بھیجا لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور دوبارہ رومی بڑے جوش و خروش کے ساتھ میدان میں آئے، آگے آگے مقدس پادری ہاتھوں میں صلیبیں لیے ہوئے یسوع مسیح کا نام لے کر جوش دلا رہے تھے، تین ہزار رومیوں نے پیروں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں تاکہ میدان سے منہ موڑنے کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے، یہ جوش و خروش دیکھ کر خالد بن ولیدؓ نے از سر نو فوجوں کو مرتب کیا اور اس کو جدید طریقہ سے چھتیس حصوں پر تقسیم کر کے صف آرائی کی، مسلمانوں کے صف آراء ہوتے ہی رومیوں نے نہایت جوش کے ساتھ حملہ کر دیا، مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا اور ایسی خون ریز اور گھمسان کی جنگ ہوئی کہ میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے، درمیان میں بعض بعض موقعوں پر مسلمانوں کا بازو کمزور پڑ گیا لیکن انجام کار میدان انہی کے ہاتھ میں رہا۔ رومیوں نے نہایت فاش شکست کھائی، باختلاف روایت ان کی ایک لاکھ ستر ہزار سپاہ کام آئی اور مسلمانوں کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا، اس شکست نے رومیوں کی قوت بالکل توڑ دی، چنانچہ جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔

(طبری اور فتوح البلدان ازدی اور بلاذری وغیرہ میں یرموک کی جنگ کی تفصیلات طویل ہیں ہم نے مختصر ضروری خلاصہ لکھا ہے)

یرموک کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو مژدہ فتح بھیجا آپ کئی دن سے انتظار میں سوئے نہ تھے، فتح کی خبر سن کر سجدہ میں گر پڑے، یرموک کے معرکہ نے رومیوں کی قوت پاش پاش کر دی تھی، اس لیے مسلمانوں نے بوقا، جومہ، سرمین، توزی، قورس تل عزاز اور دلوک وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح کر لیے، حلب، قنسرین اور پایہ تخت انطاکیہ کے رومیوں نے کچھ مزاحمت کی لیکن کوئی بڑی قوت ان کی مددگار نہ تھی اس لیے انہوں نے بھی معمولی مزاحمت کے بعد جلد

اطاعت قبول کرلی۔

بیت المقدس کی فتح اوپر گذر چکا ہے کہ فلسطین کی مہم عمرو بن العاصؓ کے متعلق تھی انہوں نے نابلس' لد' عمواس اور بیت جبرین وغیرہ فلسطین کے علاقے آسانی سے فتح کر لیے فلسطین بلکہ سارے شام کا مرکزی شہر بیت المقدس باقی رہ گیا' درمیان میں یرموک وغیرہ کی مہم پیش آ جانے کی وجہ سے وہ بیت المقدس کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے۔ یرموک کے بعد جب رومیوں کی جانب سے ایک حد تک اطمینان ہو گیا' اس وقت عمرو بن العاصؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا اس دوران میں ابوعبیدہؓ بھی پہنچ گئے' عیسائیوں نے چند دنوں تک مدافعت کی لیکن ان کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی اس لیے آخر میں صلح کے لیے تیار ہو گئے اور یہ شرط پیش کی کہ امیرالمومنین خود آ کر صلح کا معاہدہ لکھیں' حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی گئی آپ نے منظور فرما لیا اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب ۱۶ھ میں بیت المقدس روانہ ہوئے تمام مسلمان افسروں کو اطلاع دے دی گئی تھی' مقام جابیہ میں انہوں نے آپ کا استقبال کیا ان کے بدن پر دیبا و حریر کی پر تکلف قبائیں تھیں' حضرت عمرؓ کو اسلامی سادگی کی جگہ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر غصہ آ گیا اور سنگریاں مار کر فرمایا تم نے اتنی جلد عجمی عادتیں اختیار کر لیں' ان لوگوں نے قبا کا دامن اٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہیں' فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ (طبری جلد ۱ ص ۲۴۰۳) بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آ گئے تھے چنانچہ یہیں معاہدہ لکھا گیا اس پر تمام معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے۔

یہ عہد نامہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ خود خلیفہ اسلام نے ایک مذہبی فرقہ کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا طرز عمل دوسرے مذاہب اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ کیا تھا' اس لیے بجنسہ اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

> "یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیرالمومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی یہ امان ان کی جان' مال' گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے کہ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے' نہ ان کو یا ان کے احاطہ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال

میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال محفوظ ہے جب تک کہ وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے اور ان میں سے جو ایلیا ہی میں سکونت اختیار کرنا چاہے، اس کے لیے بھی امن ہے اس کو ایلیا والوں کی طرح جزیہ دینا ہو گا، ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہیں تاکہ وہ اپنی جائے تک نہ پہنچ جائیں اس تحریر پر خدا، رسول اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقرر جزیہ ادا کرتے رہیں اس پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان گواہ ہیں، ۱۸ ہجری میں یہ معاہدہ لکھا گیا۔“

کسی مفتوح قوم کے حقوق تین ہی چیزوں سے متعلق ہو سکتے ہیں، جان و مال اور مذہب اس معاہدہ میں یہ تینوں چیزیں محفوظ قرار دی گئیں۔ یہودیوں کا بیت المقدس سے اخراج، عیسائیوں کی رعایت سے تھا کہ وہ ان کے قومی اور مذہبی دشمن تھے، یونانی گو مسلمانوں کے حریف مقابل تھے لیکن بیت المقدس میں ان کے قیام کی صورت میں ان کے ساتھ بھی اہل ایلیا کی طرح مراعات کی گئیں اور نکل جانے کی صورت میں بھی جان، مال اور عبادت گاہیں محفوظ قرار دی گئیں ایک غیر قوم اور غیر مذہب کے ساتھ اس سے زیادہ منصفانہ سلوک اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ بیت المقدس روانہ ہوئے۔ ابو عبیدہؓ وغیرہ افسران فوج نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا، فاتح بیت المقدس کا لباس اتنا معمولی اور فرسودہ تھا کہ مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اس لباس میں دیکھ کر کیا کہیں گے اس لیے انہوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک پیش کی، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا خدا نے جو ہم کو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لیے بس ہے، اور اسی لباس میں بیت المقدس میں داخل ہوئے۔

بیت المقدس میں کئی دن حضرت عمرؓ کا قیام رہا، ایک دن حضرت بلالؓ نے شکایت کی

کہ امیرالمومنین! ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں اور عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں، حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا انہوں نے عرض کیا کہ یہاں سب چیزیں نہایت ارزاں ہیں، حجاز میں جس قیمت میں روٹی اور کھجور ملتی ہے۔ یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت ملتا ہے اس جواب پر آپ انہیں منع تو نہ کر سکے لیکن تنخواہ کے علاوہ سپاہیوں کی خوراک بھی مقرر کر دی۔

(فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس)

ایک دن آپ نے حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کی درخواست کی انہوں نے فرمایا میں نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے اذان نہ کہوں گا، لیکن آج اور صرف آج آپ کی خواہش پوری کروں گا بلالؓ جب اذان دینے لگا تو صحابہ کی نگاہوں کے سامنے عہد نبویؐ کا سماں پھر گیا سب کی آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئیں حضرت معاذ بن جبلؓ روتے روتے بے تاب ہو گئے، حضرت عمرؓ کو ہچکی لگ گئی۔

(فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس)

حضرت عمرؓ بیت المقدس سے واپسی میں مفتوحہ علاقوں کا دورہ کر کے سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کرتے ہوئے مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

حمص کی بغاوت (جزیرہ سونامیا) جو عراق کا حصہ ہے اس وقت تک فتح نہ ہوا تھا اس کی اور شام کی سرحد ملی ہوئی ہے اس لیے شام کی فتح کے بعد اہل جزیرہ کو اپنے ملک کے بارہ میں خطرہ پیدا ہوا، انہوں نے عیسائیوں کے جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قیصر روم کو لکھا کہ اگر تم مسلمانوں کے مقابلہ میں دوبارہ اٹھو تو ہم ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں یہ سہارا پا کر قیصر نے امدادی فوجیں روانہ کر دیں، دونوں نے مل کر ۱۷ھ میں حمص واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں۔

خالد بن ولیدؓ کی معزولی شام کی فتوحات اور ۱۷ھ کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی کا ہے عام طور پر مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے زمام خلافت سنبھالتے ہی خالد کو معزول کر دیا تھا لیکن یہ روایت صحیح یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے چنانچہ بعض مورخین نے اسے عام روایت کے مطابق ۱۳ھ میں لکھا ہے وہ بھی ۱۷ھ ہی صحیح سمجھتے ہیں چنانچہ ابن اثیر نے ۱۳ھ میں بھی لکھ دیا ہے لیکن خود ان کی رائے یہی ہے

کہ یہ واقعہ ۱۷ھ ہی کا ہے چنانچہ لکھتے ہیں فی ھذہ السنۃ وھی سنۃ سبع عشرۃ عزل خالد بن ولید (ابن اثیر ج ۲ ص ۲۰۷)۔

یہ واقعہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ جس جانباز کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، حضرت عمرؓ نے عین محاذ جنگ میں اسے معزول کر دیا اس کے علاوہ اور حیثیتوں سے بھی سبق آموز ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے اپنے شجاعانہ کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں لاپرواہی برتتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ سے وہ کبھی فوجی مصارف کا حساب و کتاب نہیں بھیجتے تھے انہوں نے ان کو فہمائش بھی کی، لیکن خالدؓ اس پر آمادہ نہ ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے ان کی خدمات کی بنا پر چشم پوشی سے کام لیا۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۹۹، ۱۰۰) حضرت عمرؓ کو اسی زمانہ سے ان کی یہ روش پسند نہ تھی، ان کے زمانہ میں بھی یہی روش قائم رہی آپ نے ان کو تاکید کی کہ وہ آئندہ سے ان کی اجازت کے بغیر کسی کو ایک بکری بھی نہ دیں، خالدؓ نے جواب دیا کہ میں ابوبکرؓ کے زمانہ سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہوں، اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا حضرت عمرؓ نے دوبارہ لکھا کہ تم سپہ سالار اسی شرط پر رہ سکتے ہو کہ فوجی مصارف کا حساب باضابطہ بھیجتے رہو لیکن اس وقت بھی خالد اپنی ضد پر قائم رہے (اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۰ تذکرۃ خالدؓ) اس پر بھی حضرت عمرؓ نے ان کو معزول نہیں کیا بلکہ حضرت ابوعبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد ۱۷ھ میں انہوں نے ایک شاعر کو دس ہزار کی خطیر رقم دے ڈالی، حضرت عمرؓ نے ان سے باز پرس کی اور ابوعبیدہ کو لکھا کہ اگر خالد نے رقم اپنی جیب سے دی ہے تو اسراف کیا اور اگر بیت المقدس سے دی ہے تو خیانت کی دونوں حالتوں میں وہ معزول کے قابل ہیں۔

جو قاصد یہ حکم لے کر گیا تھا اس نے خالدؓ سے پوچھا کہ یہ رقم تم نے کہاں سے دی ہے اس وقت بھی خالد نے کوئی جواب نہ دیا اس لیے قاصد نے بھرے مجمع میں نشان معزولی کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور ان کی سرتابی کی سزا میں انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھ دی خالدؓ نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے اس حکم کو سنا اور مانا اور اب بھی میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمت بجا لانے کے لیے تیار ہوں۔ (طبری جلد ۵ ص ۲۵۲۸) اس واقعہ سے خالدؓ کی حق پرستی اور حضرت عمرؓ کے دبدبہ، دونوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے بڑے سپہ سالار کو بھرے مجمع میں معزول کیا جاتا ہے لیکن دم نہیں مارتے۔

معزولی کے بعد خالدؓ نے مدینہ واپس آ کر حضرت عمرؓ سے شکوہ کیا اور بیس ہزار کی رقم جو ان کے پاس زائد تھی، داخل کر دی، حضرت عمرؓ نے فرمایا "خالدؓ! واللہ تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں اور عمال کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالدؓ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ ان کے کارناموں سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اس لیے میں نے ان کو معزول کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ (طبری جلد ۵ ص ۲۵۲۸)

طاعون عمواس ۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا، اس میں بہت سے مسلمان ضائع ہوئے، بڑے بڑے نامور بزرگ اس وبا کا شکار ہو گئے حضرت عمرؓ کو بڑا تردد پیدا ہوا آپ خود انتظام کے لیے شام روانہ ہوئے، لیکن مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وبا کا زور بڑھتا جا رہا ہے اس لیے صحابہؓ کے مشورے سے لوٹ آئے، اور حضرت ابوعبیدہؓ کو بھی واپس بلا بھیجا، انہوں نے جواب دیا کہ جو قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہو گا، میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔ (مسلم باب الطاعون) حضرت عمر یہ خط پڑھ کر بہت روئے اور ابوعبیدہؓ کو دوبارہ لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹا دو، اس حکم پر انہوں نے فوجیں جابیہ میں جہاں کی آب و ہوا مشہور تھی، منتقل کر دیں۔

(فتح الباری ج ۱۰، ص ۱۵۹)

ابوعبیدہؓ پر وبا کا اندرونی اثر ہو چکا تھا اس لیے جابیہ آنے کے بعد اس میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ انتقال سے پہلے معاذ بن جبلؓ کو اپنا جانشین بنا گئے، وبا کا زور بڑھتا جا رہا تھا، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ اس بلا سے نکل جانا چاہیے، حضرت معاذؓ میں بھی مذہب کا نشہ تیز تھا، انہوں نے تقریر کی کہ "یہ بلا نہیں بلکہ خدا کی رحمت ہے اس میں بڑے بڑے صلحاء نے انتقال کیا ہے"۔ یہ تقریر کر کے گھر واپس ہوئے تو نوجوان بیٹے کو بیمار پایا، وہ دیکھتے ہی دیکھتے اٹھ گیا لیکن معاذؓ کے استقلال میں اب بھی فرق نہ آیا، بالاخر انہوں نے بھی اسی بیماری میں جان دی اور عمرو بن العاصؓ کو اپنا قائم مقام بنا گئے انہوں نے فورا فوجوں کو پہاڑی مقامات میں بھیج دیا۔

اس وبا میں پچیس ہزار مسلمان ضائع ہوئے، ہزاروں عورتیں بیوہ بچے یتیم ہو گئے اس لیے حضرت عمرؓ نے انتظام کے لیے دوبارہ شام کا قصد کیا اور اکثر اضلاع کا دورہ کر کے

مناسب انتظامات کیے' فوجوں میں روپیہ تقسیم کیا' متوفی مسلمانوں کے ورثہ کو ان کا ترکہ دلایا فوج میں جو جگہیں خالی ہو گئیں تھیں' ان پر نئے عہدہ دار مقرر کیے' سرحدی مقامات میں جا کر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں' ان انتظامات سے فراغت کے بعد مدینہ واپس آئے ابھی ایک مصیبت سے نجات ملی تھی کہ عرب میں قحط ٹوٹ پڑا' حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظامات کر کے ہزاروں مسلمانوں کو بھوکا مرنے سے بچا لیا۔

(تفصیل کے لیے دیکھو یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۷)

قیساریہ کی فتح طاعون عمواس سے پہلے ہی قریب قریب پورا شام تسخیر ہو چکا تھا' ایک قیساریہ جو اس زمانہ میں نہایت آباد اور پر رونق شہر تھا' باقی رہ گیا تھا اس پر کئی مرتبہ فوج کشی ہوئی مگر فتح نہ ہو سکا بالآخر امیر معاویہؓ نے ۱۹ھ میں اسے فتح کیا' قیساریہ کی فتح کے بعد شام کا مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

مصر کی فتوحات شام کے زیر نگین ہونے کے بعد اس کے ہم سرحد ملک مصر پر فوج کشی ہوئی اس کی فتح کا سہرا تمام تر حضرت عمرو بن العاصؓ کے سر ہے۔ ظہور اسلام سے قبل وہ تجارت کے سلسلہ میں اکثر مصر آیا جایا کرتے تھے' اسی زمانہ سے مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی اس کے علاوہ مصر پر دوسری فوج کشی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ قبطی حکومت قیصر روم کی ماتحت تھی اور رومیوں کا اس پر پورا اثر تھا اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ قبطیوں کے ذریعہ شام میں کم از کم اس کے سرحدی علاقے میں شورش بپا کرا سکتے تھے اس لیے شام کی حفاظت کے لیے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا' چنانچہ شام کی فتح کے بعد عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی آپ نے احتیاط کے خیال سے انکار کر دیا لیکن پھر عمرو بن العاصؓ کے پیہم اصرار پر رضامند ہو گئے اور چار ہزار سپاہ ساتھ کر دی۔

حضرت عمر سے اجازت لینے کے بعد عمرو بن العاصؓ نے ۲۱ھ میں مصر پر فوج کشی کی اور عریش کے راستہ سے فرما پہنچے' یہاں کی رومی فوجوں نے روکا' عمرو بن العاص نے انہیں شکست دی اور آگے بڑھ کر بلبیس اور ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ (ان مقامات کی فتح تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰)

فسطاط کا محاصرہ اور فتح فسطاط اس زمانہ میں غیر آباد تھا' لیکن یہاں حکومت مصر کا

ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں مصری فوجیں رہا کرتی تھیں عمرو بن العاصؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا قلعہ نہایت مستحکم تھا اور مصریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی اس لیے عمرو بن العاص نے دارالخلافہ سے مزید امدادی فوجیں مانگ بھیجیں، حضرت عمرؓ نے حضرت زبیر بن عوام اور چند صحابہؓ کو دس ہزار فوجیں دے کر بھیجا، عمرو بن العاص نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا، کامل سات مہینہ تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی آخر میں حضرت زبیرؓ ایک دن ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے بعض اور صحابہ نے ان کا ساتھ دیا فصیل پر پہنچ کر ان لوگوں نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ میں گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ (ان مقامات کی فتح کی تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰) حضرت زبیرؓ نے قلعہ میں اتر کر پھاٹک کھول دیا اور اسلامی فوج داخل ہو گئی یہ صورت دیکھ کر مقوقس فرمانروائے مصر نے صلح کر لی اور مقوقس قیصر روم کے ماتحت تھا قیصر کو اس مصالحت کی خبر ہوئی تو اس نے مقوقس کو لکھ بھیجا کہ اگر تم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی جو تم نے صلح کر لی اور اسی وقت ایک لشکر گراں قسطنطنیہ سے اسکندریہ روانہ کیا۔

اسکندریہ کی تسخیر مقوقس صلح پر قائم رہے، اس لیے اب گویا مسلمانوں کا مقابلہ رومیوں سے تھا، رومی فوجیں اسکندریہ میں تھیں اس لیے ۲۱ھ میں عمرو بن العاصؓ نے فسطاط کی فتح کے بعد اسکندریہ کا رخ کیا، راستہ میں جابجا رومیوں اور ان کے ساتھ قبطیوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے، مقام کریوں میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا، مسلمانوں نے نہایت فاش شکست دی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۷، ۲۲۸) اس کے بعد پھر کسی نے راستہ میں روکنے کی جرات نہ کی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، مقوقس فرمانروائے مصر بذات خود لڑنا نہیں چاہتا تھا، لیکن قیصر روم کے خوف سے نہ علانیہ گذشتہ صلح پر قائم رہ سکتا تھا اور نہ کوئی دوسری صلح کر سکتا تھا اس لیے وہ بظاہر ڈٹا رہا لیکن خفیہ عمروؓ بن العاص سے طے کر لیا کہ وہ اور اس کی قوم اس جنگ میں دل سے شریک نہیں ہے اس لیے قبطیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے چنانچہ قبطی خفیہ مسلمانوں کی مدد بھی کرتے تھے۔ (خطط مقریزی ج اول ص ۲۶۳)

عرصہ تک اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا' مگر کامیابی نہ ہوئی' حضرت عمرؓ کو بڑی تشویش ہوئی تھی انہوں نے عمرو بن العاصؓ کو خط لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے قیام کے اثر سے تم لوگ عیسائیوں کی طرح عیش و عشرت میں پڑ گئے ہو' ورنہ فتح میں اتنی دیر نہ ہوتی' میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کر دو" اس خط پر عمرو بن العاصؓ نے فوج کے سامنے جہاد پر وعظ کہہ کر اسے گرمایا اور عبادہ بن صامت کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ میں اسکندریہ فتح ہو گیا' اسی وقت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوا دی۔ (خطط مقریزی ج اول ص ۳۲ میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے)

متفرق فتوحات اسکندریہ فتح کرنے کے بعد عمرو بن العاصؓ فسطاط واپس آئے اب مصر میں کوئی اہم مقام باقی نہ رہ گیا تھا' لیکن بہت سے چھوٹے چھوٹے مقاموں میں رومی پھیلے ہوئے تھے' فسطاط واپس ہونے کے بعد عمرو بن العاصؓ نے خارجہ بن حذافہ عدی اور عمیر بن وہب جمحی کو ان اضلاع پر مامور کیا' خارجہ نے فیوم' اشمونین' اخمیم' سرلدات وغیرہ سعید مصر کے علاقوں کو مطیع بنایا اور عمیر نے تینس' دمیاط' تونہ' دمیرہ' دقہلہ' شطا وغیرہ اور عقبہ بن عامر جمحی نے مصر کا نشیبی علاقہ فتح کیا اور چند دنوں میں پورا مصر زیر نگین ہو گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان ص ۲۲۳)

طرابلس الغرب کی تسخیر مصر کی تسخیر کے بعد عمروؓ بن العاص نے شمالی افریقہ کا رخ کیا اور سب سے اول برقہ کا محاصرہ کیا' یہاں کے باشندوں نے جزیہ دے کر صلح کر لی' برقہ کے بعد عقبہ بن نافع کو زویلہ بھیجا' یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کر لی۔ (تفصیل کے لیے دیکھو۔ فتوح البلدان ص ۲۳۱،۲۳۲) عمرو بن العاصؓ نے طرابلس الغرب پر فوج کشی کی اور ایک معمولی جنگ کے بعد وہ بھی فتح ہو گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹)

حضرت عمرؓ پر حملہ اور آپ کی شہادت ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے پارسی غلام ابو لولو نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ اس کے آقا اس سے بہت بھاری ٹیکس وصول کرتے ہیں اور اسے کم کرانے کی درخواست کی' آپ نے پوچھا کہ کتنا محصول لیتے ہیں' ابو لولو نے کہا دو درہم روزانہ۔ پوچھا تم کام کیا کرتے ہو' اس نے کہا آہن گری' نجاری اور نقاشی'

فرمایا ان پیشوں کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے' اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا' دوسرے دن فجر کی نماز کے وقت خنجر لے کر مسجد میں آیا' جیسے ہی حضرت عمرؓ نے نماز شروع کی' ابولولو نے دفعتہ" بڑھ کر مسلسل چھ وار کیے حضرت عمرؓ زخمی ہو کر گر پڑے' آپ کی جگہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز تمام کرائی۔ کچھ لوگ ابو لولو کو گرفتار کرنے کے لیے بڑھے' اس نے انہیں بھی زخمی کر دیا' مگر آخر میں پکڑا گیا گرفتار ہوتے ہی اس نے خود کشی کر لی' نماز تمام ہونے کے بعد حضرت عمرؓ اٹھا کر لائے گئے پوچھا میرا قاتل کون تھا' لوگوں نے عرض کیا' فیروز فرمایا الحمدللہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے۔

زخم نہایت کاری تھا' بچنے کی کوئی امید نہ تھی' آپ کو آقائے نامدار کی قربت میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی اس لیے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس حجرہ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے بھیجا' حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لیے محفوظ رکھی تھی' لیکن عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی عبداللہؓ واپس آئے آپ نے پوچھا کیا جواب لائے' عرض کی جو آپ چاہتے تھے فرمایا' سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۱'۱۳)

جانشین اس وقت سب سے اہم مسئلہ آپ کی جانشینی کا تھا اس میں مختلف قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہو چکی تھیں' اس لیے آپ کی وفات سے پہلے صحابہ کرام نے آپ سے جانشین نامزد کرنے کے لیے درخواست کی' آپ کے لیے یہ مسئلہ ہمیشہ سے اہم تھا اور اکثر آپ زندگی میں اس پر غور کیا کرتے تھے۔ لیکن کسی پر نظر نہ جمتی تھی' اپنے معیار سے سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ بعض لوگوں نے آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ کا نام پیش کیا' فرمایا جس کو بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہیں ہے وہ خلافت کا بار کیسے سنبھال سکتا ہے۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۱۵۴) بالآخر لوگوں کے اصرار پر حضرت علیؓ' عثمانؓ' زبیرؓ' طلحہؓ' سعدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف چھ آدمیوں کو جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور جنہیں رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی' نامزد کر کے فرمایا' ان میں جس پر کثرت رائے ہو جائے اسے امیر بنانا اور تاکید کر دی کہ میرے بعد تین دن کے اندر اندر یہ مرحلہ طے ہو جائے اور حضرت صہیبؓ کو حکم دیا کہ میرے دفن سے فراغت کے بعد چھوؤں آدمیوں کو ایک مکان کے اندر بند کر دینا اور جب تک ان میں سے کسی کا انتخاب نہ ہو جائے اس

وقت تک نہ کھولنا' عبداللہ (آپ کے صاحبزادے) مشورہ میں شریک رہیں گے' لیکن امارت سے انہیں کوئی تعلق نہ ہو گا' کثرت رائے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خلافت کا مدعی رہے تو اسے قتل کر دینا۔ (ابن سعد جلد ۳ ق اول ص ۲۴۵ و تاریخ الخلفاء سیوطی ذکر حالات وفات وغیرہ عمرؓ)

آخری وصیتیں نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ مہاجرین' انصار' اعراب' اہل عرب اور ذمیوں کے حقوق کا پورا خیال رکھے اور ان میں سے ہر ایک کے حقوق کی تشریح فرما کر تاکید فرمائی کہ ذمیوں سے جو اقرار ہے اسے پورا کیا جائے' ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۴۶)

قومی امور سے فراغت کے بعد ذاتی معاملات کی طرف متوجہ ہوئے' اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی کہ میرے بعد میرا قرض ادا کرنا' اگر میرے متروکہ مال سے ادا نہ ہو سکے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا' اگر ان سے بھی نہ ہو سکے تو کل قریش سے' قریش کے علاوہ اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔

وفات ان وصیتوں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو شنبہ کے دن اس دنیا کو خیرباد کہا' وصیت کے مطابق حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آقائے نامدارؐ کے پہلو میں سپرد خاک کیے گئے۔ انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی' مدت خلافت ساڑھے دس سال۔

اولاد وفات کے بعد حسب ذیل اولادیں یادگار چھوڑیں' عبداللہؓ' عاصمؓ' عبدالرحمنؓ' زیدؓ' مجیرؓ ان میں تین اول الذکر اولادیں زیادہ نامور ہوئیں' اولاد اناث میں ام المومنین حفصہؓ اور رقیہؓ تھیں آخر عمر میں خاندان نبوت سے شرف انتساب حاصل کرنے کے لیے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ سے چالیس ہزار مہر پر عقد کیا تھا۔

فاروقی کارنامے

فتوحات کی کثرت' محاصل کی فراوانی' انتظامات کی خوبی' جوروظلم کے انسداد' عدل و انصاف اور امن و امان کے قیام' ملک کی خوشحالی اور رعایا کی فارغ البالی وغیرہ تمام اوصاف و کمالات کے لحاظ سے جو کسی حکومت یا فرمانروا کے لیے طغرائے امتیاز ہو سکتے ہیں' دنیا کا کوئی حکمران فاروق اعظمؓ کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔

فتوحات پر تبصرہ آپ کے دس سالہ دور حکومت میں ایران و روم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے اڑ گئے اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور اس احتیاط کے ساتھ کہ ان ساری فتوحات میں ظلم و جور کا ایک واقعہ بھی نہیں پیش آیا۔

فاروقی فتوحات کے مقابلہ میں چنگیزی اور تیموری فتوحات کو پیش کرنا اور یہ کہہ کر اسلامی فتوحات کی اہمیت گھٹانا کہ اس زمانہ میں ایران و روم کی سلطنتیں کمزور پڑ چکی تھیں کس قدر غلط ہے۔

بلاشبہ سکندر' چنگیز اور تیمور نے ایک عالم کو زیر نگین کیا' لیکن اسی کے ساتھ زیر و زبر کر ڈالا وہ صرف جہانگیر تھے' جہاندار نہ تھے' حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جس احتیاط اور جن قوانین کی پابندی کے ساتھ ایران و روم فتح ہوئے اس احتیاط کے ساتھ دنیا کا کوئی حکمران زمین کا ایک چپہ بھی فتح نہیں کر سکا' چنگیز و تیمور وغیرہ طوفان کی طرح ایک عالم پر چھا گئے لیکن جب یہ طوفان تھما تو انسانی لاشوں کے انبار اور تباہ شدہ کھنڈروں کے علاوہ اور کوئی شے نظر نہ آتی تھی' وہ جن جن ملکوں سے گذرے انہیں ویرانہ بنا دیا' اس کے برخلاف عہد فاروقی میں خون ناحق کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پایا' ملکوں کا تباہ کرنا تو بڑی بات ہے' ہری ہری کھیتیوں اور شاداب درختوں تک کو نہ کاٹتے تھے' بوڑھوں بچوں اور عورتوں پر تلوار اٹھانے کی سخت ممانعت تھی' پھر مسلمانوں نے جس ملک میں قدم رکھا' اپنے عدل و انصاف اور حسن اخلاق سے اس کے باشندوں کو ایسا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں ان کے معاون و مددگار بن گئے' انہوں نے قوموں کے دل و دماغ کو مسخر کر

لیا اور بہت سی مفتوح قوموں نے ان کا مذہب بھی قبول کر لیا' اسی کا نتیجہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ملک فتح ہوئے وہ سب کے سب مسلمان' اور آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں' یہ ایک حد تک صحیح ہے کہ ظہور اسلام کے وقت روم اور ایران کی سلطنتوں کی پرانی قوت اور عظمت و شان باقی نہ رہ گئی تھی اور قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ و جلال ختم ہو چکا تھا لیکن اس انحطاط کی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ قوی سلطنتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں تھیں لیکن کیا وہ عرب جیسی بے سروسامان قوم کی ٹکر بھی برداشت نہ کر سکتی تھیں' رومی اور عجمی اپنے دور انحطاط میں بھی عربوں سے فائق تھے' فنون جنگ کی واقفیت' رسد کی فراوانی' آلات جنگ کا تنوع کسی چیز میں عرب ان کے پاسنگ نہ تھے' ان کے پاس معمولی آلات اور لشکر پری کا سامان نہ تھا۔ ایسی حالت میں عربوں سے ٹکرا کر ان کے پرزے اڑ جانا حیرت انگیز واقعہ ہے' حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے ان میں ایسا جوش عزم' استقلال' ہمت' حوصلہ مندی' دلیری' اخلاق' حمیت عدل و انصاف' دیانت و راستبازی پیدا کر دی تھی اور حضرت عمرؓ نے اس میں ایسی جلا دی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

حضرت عمرؓ کا حقیقی کارنامہ فتوحات سے بڑھ کر حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی بنیادوں پر ایسے آئین حکومت مرتب کر دیئے' ایسا عادلانہ نظام قائم کر دیا جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا اور جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس دور ترقی میں بھی پیش نہیں کیا جا سکتا آئندہ سطور میں اسی نظام کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائے گا۔

شوریٰ اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے' حضرت عمرؓ نے اسی بنیاد پر خلافت اسلامیہ کو قائم کیا اس نظام میں کوئی اہم کام بغیر اہل الرائے صحابہؓ کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا۔ (طبری ص ۲۵۷۴) خاص خاص حالات میں عامہ مسلمین کا مشورہ بھی ضروری ہوتا تھا آپ فرمایا کرتے تھے۔ لا خلافۃ الا عن مشورۃ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۹)

حضرت عمرؓ نے اپنی حیثیت صرف ایک متولی اور شیرازہ بندی کی رکھی تھی اور اس کو عملاً متعدد مواقع پر واضح کیا' ایک موقع پر فرمایا کہ "تمہارے مال میں سے مجھ کو صرف اسی قدر حق ہے جس قدر ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر حاجت مند ہوں گا تو صرف کھانے کے بقدر لے لوں گا' میرے اوپر

تمہارے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے' ایک یہ کہ ملک کا خراج نہ بیجا طور پر جمع کیا جائے اور نہ بے جا طور سے صرف ہونے پائے' دوسرے یہ کہ میں تمہارے روزینہ بڑھاؤں' سرحدوں کی حفاظت کروں اور تم کو خطروں میں نہ ڈالوں (کتاب الخراج ص ۶۷)

"ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ "میں تم کو مجبور کروں گا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے اس میں میرا ہاتھ بٹاؤ' میری حیثیت تمہاری جماعت میں صرف ایک فرد کی ہے میں نہیں چاہتا کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو"۔

روزانہ کے پیش آنے والے مسائل کے فیصلہ کے لیے اہل الرائے صحابہ کی مجلس شوریٰ تھی' اس کے ممتاز ارکان یہ ہیں' حضرت علیؓ' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف' حضرت معاذؓ بن جبل' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت زید بن ثابتؓ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۴) اس کے علاوہ مہمات امور کے لیے ممتاز مہاجرین و انصار کی خاص مجلس ہوتی تھی ہر مسلمان کو آزادی رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل تھا' معمولی معمولی مسلمان بر سرعام حضرت عمرؓ کو ٹوک دیتے تھے جس کے واقعات عام طور سے معلوم و مشہور ہیں۔

حضرت عمرؓ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا اس وقت کوئی بڑا نظام حکومت نہ تھا' آپ نے دس سالہ عہد حکومت میں نہایت وسیع نظام قائم کر دیا تمام مفتوحہ ممالک کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا' مکہ' مدینہ' شام' جزیرہ' بصرہ' کوفہ' مصر اور فلسطین' مشرق میں خراسان' آذربائیجان اور فارس کے تین صوبے علیحدہ تھے۔

ہر صوبہ میں حاکم اعلیٰ' میر منشی' دفتر فوج کا میر منشی' کلکٹر' افسر پولیس' خزانچی اور قاضی ہوتے تھے' بعض حالات میں سپہ سالار بھی الگ ہوتا تھا' لیکن عموماً فوج کی سپہ سالاری بھی حاکم عام سے ہی متعلق ہوتی تھی' اضلاع میں صرف کلکٹر' افسر' خزانہ اور قاضی ہوتے تھے۔ (طبری ص ۲۴۳) چنانچہ کوفہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ والی' عثمان بن حنیفؓ کلکٹر' عبداللہ بن خلفؓ میر منشی تھے۔

عہدہ داروں کا انتخاب دوسرا مرحلہ عمال کے انتخاب کا ہے' حضرت عمرؓ اس میں بڑی احتیاط برتتے تھے اس معاملہ میں آپ کی نگاہ ایسی صحیح اور دقیقہ رس تھی کہ جس کام کے لیے جس کو منتخب کر لیتے تھے دوسرا اس کے لیے نہ مل سکتا تھا' اس لیے جو شعبہ جس

سے متعلق ہوتا تھا اسے وہ درجہ کمال تک پہنچا دیتا تھا' عہد فاروق کی فتوحات اور انتظامی ترقیاں اس کی شاہد ہیں' اس جوہر شناسی کے باوجود اہم عہدہ داروں کا انتخاب بھی مشورہ سے کرتے تھے۔

عمال کے اختیارات' فرائض اور ان کا محاسبہ انتخاب سے بھی زیادہ دشوار مسئلہ عمال کے اختیارات اور ان کے احتساب کا ہے اس باب میں حضرت عمرؓ کا یہ اصول تھا کہ ہر عامل کے تقرر کے وقت اس کو ایک پروانہ دیتے تھے جس میں اس کے اختیارات کی تشریح ہوتی تھی جہاں وہ مقرر ہو کر جاتا۔ وہاں یہ پروانہ مجمع عام میں پڑھ کر سنا لیا جاتا تھا۔ (طبری ۲۷۳۷ واسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن یمان) کہ وہ اپنے حدود سے آگے نہ بڑھنے پائے ہر عہدہ دار سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا' باریک کپڑے نہ پہنے گا' چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا' دروازہ پر دربان نہ رکھے گا' اہل حاجت کے لیے دروازہ (کتاب الخراج ۶۶) کھلا رکھے گا' عمال کی روانگی کے وقت ان کے سامان کی ایک فہرست محفوظ کر دی جاتی تھی' واپسی کے وقت جس کے پاس مرقومہ فہرست سے زیادہ مال و اسباب نکلتا تھا اس سے بازپرس کی جاتی تھی اور آدھا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔

(فتوح البلدان ص ۲۲۶)

تمام عمال کو حج کے موقع پر مکہ میں حاضری کا حکم تھا ان کی موجودگی میں اعلان عام کیا جاتا تھا کہ جس شخص کو جس عامل سے شکایت ہو پیش کرے۔ (طبری ص ۲۴۸۰) چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے حضرت عمرؓ اس کا فوراً تدارک فرماتے تھے' حج کے موقع پر تمام ملک کے مسلمان جمع ہوتے تھے اس لیے شکایات معلوم کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا اگر کوئی عامل بلاوجہ کسی پر کوئی زیادتی کرتا تھا تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں اسے سزا دیتے تھے جس کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ (قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں دیکھو کتاب مذکور ص ۶۶) کبھی کبھی عمال کی شکایت پر تحقیقاتی کمیشن مقرر کرتے تھے' عمال کو ترفع' مثلاً عجب و غرور پیدا کرنے والی چیزوں سے روکتے تھے' جس عامل کے بارہ میں سنتے کہ عوام اس کے یہاں بار نہیں پاتے' اسے فوراً موقوف کر دیتے تھے' عیاض بن غنم عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر کمبل کا کرتا پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں (قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات

نقل کیے ہیں دیکھو کتاب مذکور ص ۲۶) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عامل کوفہ نے محل بنوایا جس میں ڈیوڑھی تھی حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی میں آگ لگوا دی اور بہت سے عاملوں کو اس قسم کی سزائیں دیں، عمال کی اخلاقی نگہداشت کا بھی خاص اہتمام تھا۔

صیغہ عدالت ابتداء میں بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کچھ دنوں تک انتظامی اور عدالتی صیغے ایک رہے، لیکن جب پورا انتظام قائم ہو گیا تو قضا کا محکمہ مستقل کر دیا، تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، قاضی مقرر کیے اور قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا، جس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"امابعد، قضاء ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہوں اور معزز آدمی کو رو رعایت کی امید نہ پیدا ہو، جو شخص دعوے کرے، اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم ہے، صلح جائز ہے مگر وہ صلح جس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو غور کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر سکتے ہو، جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو، جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک میعاد مقرر کر دو، اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ، ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصل کرو ان اشخاص کے سوا جنہیں سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جھوٹی گواہی دی ہو، یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں سب مسلمان ثقہ ہیں" (یہ فرمان طبقات الفقہا و بیہقی اور ماوردی بہت سی کتابوں میں ہے) قضاۃ کو ہدایت تھی کہ:

"مقدمات میں اول تو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو اگر قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث کی جانب رجوع کرو اگر اس میں بھی نہ ہو تو اجماع سے ورنہ اجتہاد سے کام لو"۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴)

قضاۃ کی خدمت بہت بڑی ذمہ داری ہے اس لیے حضرت عمرؓ قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس کے لیے انہی بزرگوں کا انتخاب کیا کرتے تھے جن کا علم، تقویٰ، ذہانت اور قوت فیصلہ مسلم تھی، چنانچہ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابتؓ

تھے' کوفہ کے عبداللہ بن مسعودؓ اور قاضی شریح دوسرے مقاموں کے جمیل بن العمر ابو مریمؓ حنفی' سلمان بن ربیعہؓ باہلی' عبدالرحمٰن ربیعہ' عمران بن حصینؓ اور ابو قرہ کندی وغیرہ' یہ وہ بزرگ ہیں جن کی علمی جلالت کا اندازہ رجال کی کتابوں سے ہو سکتا ہے' کبھی مزید احتیاط کے خیال سے امتحان بھی لیتے تھے۔

رشوت کے انسداد کے لیے بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ سلمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم تھی۔ (فتح القدیر حاشیہ ہدایہ ج ۳ ص ۲۴۷)

یہ قاعدہ مقرر کیا کہ دولت مند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی نہیں ہو سکتا اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا اور معزز شخص فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب سے متاثر نہ ہو گا۔ (اخبار القضاۃ محمد بن خلف الوکیع)

ان احتیاطوں کے ساتھ قضات کے اصل مقصد یعنی عدل و انصاف میں مساوات کے لیے عملی کوششیں کیں' قضاۃ کو عدل و مساوات کا سبق دینے کے لیے خود فریق مقدمہ بن کر عدالت میں جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابی بنؓ کعب سے کچھ نزاع ہو گئی' ابیؓ نے زید بن ثابتؓ کے یہاں مقدمہ دائر کیا' حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے' زید نے تعظیم کی' حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ کہہ کر اپنے فریق ابیؓ کے ساتھ بیٹھ گئے زیدؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا' ابیؓ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زیدؓ بن ثابت نے آپ کے رتبہ کا پاس کر کے ابیؓ سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو' حضرت عمرؓ اس ترجیح پر آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں اس وقت تک تم منصب قضاء کے قابل نہیں ہو سکتے (کنزالعمال ج ۳ ص ۱۷۴)

آپ کے ایوان عدالت میں ادنیٰ و اعلیٰ خویش و بیگانہ سب برابر تھے ان میں سے کوئی بھی قانون کی سزا سے نہ بچ سکتا تھا ارکان حکومت کو علی الاعلان سزا دیتے تھے' ایک مرتبہ عہدہ داران حکومت کو حج کے موقع پر طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر پوچھا کہ جس کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے' ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے مجھے سو کوڑے لگائے ہیں' فرمایا اٹھ کر بدلہ لو' عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے انہیں بر سر

عام عمال حکومت کی توہین ناگوار ہوئی' حضرت عمرؓ سے کہا" امیر المومنین! اس طرز عمل سے تمام عمال بددل ہو جائیں گے' فرمایا لیکن میں ایسا ضرور کروں گا۔ اور مستغیث کو حکم دیا "کہ اپنا کام کرو' آخر عمرؓ بن العاص نے مستغیث کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ دو سو دینار لے کر اپنے دعویٰ سے باز آ جائے۔ (کتاب الخراج ص ٦٦)

اپنے بیٹے ابو شحمہ کو شراب پینے کے جرم میں اسی (٨٠) کوڑے مارے' اس کے چند دنوں کے بعد وہ قضاء کر گئے۔ (ابن جوزی نے سیرۃ عمر بن الخطاب یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس کو صحیح نہیں سمجھتے دیکھو کتاب مذکورہ ص ٢٣٦ و مابعد) قدامہؓ بن مظعون کو جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے اسی جرم میں اسی کوڑے لگوائے۔ (ابن سعد تذکرہ قدامہ بن مظعون) اس قبیل کے ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات ہیں لیکن ان کا استقصاء مقصود نہیں ہے۔

پولیس قیام امن کا مدار پولیس پر ہے حضرت عمرؓ نے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا' پولیس کو احداث کہتے تھے' قیام امن کے علاوہ پولیس کے متعلق احتساب کی خدمت بھی تھی۔

جیل خانے عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا رواج نہ تھا' غالباً اسی کی تلافی کے لیے جرائم کی سخت سزائیں مقرر تھیں' حضرت عمرؓ نے جیل خانے قائم کیے مکہ میں صفوان ابن امیہ کا گھر خرید کر اسے جیل خانہ بنایا۔ (مقریزی ج ٢ ص ١٨٧) اس کے علاوہ اضلاع میں بھی جیل خانوں کے نام ملتے ہیں چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا۔ (فتوح البلدان ص ٢٦٨) جیل خانہ قائم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے بعض غیر منصوص سزاؤں میں تبدیلیاں کیں' مثلاً عادی شرابیوں پر حد جاری کرنے کی بجائے قید کی سزا مقرر کی۔

صیغہ محاصل عرب میں چونکہ کوئی منظم حکومت نہ تھی اس لیے وہ خراج و محاصل کے نظم و نسق سے نا آشنا تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس کا نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا' لیکن چونکہ عرب اس سے نامانوس تھے اس لیے ابتداء میں اس کی مخالفت ہوئی' چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے عراق کے بندوبست کی طرف توجہ کی تو امراء فوج نے اس کی مخالفت کی اور ان کی رائے تھی کہ مفتوحہ علاقے فاتحین کو بطور جاگیر کے دے دیئے جائیں حضرت عمرؓ اسے حکومت کی ملک قرار دینا چاہتے تھے اس لیے اس مسئلہ پر بڑا اختلاف رہا' اور بڑے

بحث و مباحثہ کے بعد بالآخر کثرت رائے سے حضرت عمرؓ ہی کی تجویز پر فیصلہ ہوا۔

اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام سے عراق کی پیائش کر کے زمینوں کا بندوبست کرایا اس بندوبست میں زمینداری اور تعلق داری کا سابق نظام بدستور قائم رکھا زمینیں ان کے مالکوں کے قبضہ میں رہنے دی گئیں اور ان کی حیثیت اور پیداوار کے اقسام کے لحاظ سے مختلف شرح مال گذاری تشخیص کر دی گئی اس کی کم سے کم مقدار فی جریب دو درہم اور زیادہ سے زیادہ دس درہم سالانہ تھی' شاہی خاندان کی جاگیروں' آتش کدوں کے اوقاف' لاوارثوں کی زمینوں اور جنگلات کو حکومت کا خالصہ قرار دے کر رفاہ عام کے کاموں کے لیے مخصوص کر دیا گیا' مالگذاری کی تشخیص میں ذمیوں کی رضامندی کا لحاظ رکھا گیا اور زمینوں پر اتنی مال گذاری تشخیص کی گئی کہ اس کے بعد اضافہ کی کافی گنجائش باقی رہے محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب خراج آتا تھا تو ثقہ اشخاص کی شہادت سے اس کا پورا اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ اس میں ظلم و زیادتی کا تو کوئی جب نہیں ہے۔ اس احتیاط اور نرمی کے باوجود عراق کے خراج میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا اور اس کی مقدار آٹھ کروڑ سے بڑھ کر دس کروڑ بیس ہزار درہم ہو گئی۔ (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف اور فتوح البلدان بلاذری وغیرہ میں عراق کے بندوبست کے حالات نہایت مفصل ہیں ہم نے صرف ضروری باتیں لکھی ہیں)

عراق کے علاوہ اور کسی ملک میں کوئی نیا بندوبست نہیں کیا گیا' بلکہ ہر ملک کے قدیم جابرانہ طریقوں کو منسوخ اور انتظامی غلطیوں کی اصلاح کر کے سابق نظام علیٰ حالہ قائم رکھا گیا' مثلاً مصر میں رومیوں کا مقرر کردہ نظام قائم رکھا' لیکن رومی حکومت خراج کے مقرر مقدار کے علاوہ اپنی فوج کے لیے جو رسد لیتی تھی اسے موقوف کر دیا۔

مصر کی پیداوار کا دارومدار نیل پر ہے اس کے مدوجزر کے تناسب سے پیداوار میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے اور چونکہ یہ مدوجزر ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا' اس لیے مصر کی پیداوار کا کوئی دائمی تخمینہ بھی نہیں کیا جا سکتا' اسی لیے' مصر کے محاصل کی کوئی عام اور دائمی شرح معین نہ تھی ہر سال کی پیداوار کا کاشتکاروں اور زمینداروں کے مشورہ سے اندازہ لگا کر ایک مجموعی رقم تشخیص کر دی جاتی تھی اور وہ پرتے سے تمام مواضعات پر پھیلا دی جاتی تھی' نقدی مالگذاری کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ سے زیادہ

نہ تھی اور یہ شرح استمراری تھی یعنی اس میں کبھی اضافہ نہیں ہو سکتا تھا، شام میں قدیم یونانی بندوبست قائم رکھا اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے اور بہت سی اصلاحیں کیں، مصر و شام وغیرہ میں جاگیرداری کا قدیم سسٹم جاری تھا اور ملک کی زمین کا بڑا حصہ خالصہ شاہی ارکان دولت اور افسران فوج کی جاگیر میں تقسیم تھا، ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں بہت کم حصہ تھا اور جس قدر تھا اس کی حیثیت بھی مالکانہ نہ تھی، حضرت عمرؓ نے یہ طریقہ توڑ دیا اور زمینیں ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں دے دیں اور ان کو مسلمانوں کے قبضہ سے بچانے کے لیے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی مسلمان خرید کر بھی زمین حاصل نہیں کر سکتا، مدتوں یہ قانون جاری رہا، عباسی دور میں لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین خریدی تو امام مالکؒ اور نافع بن یزیدؒ وغیرہ ائمہ مذاہب نے اس پر اعتراض کیا۔ (مقریزی ج اول حالات خراج مصر میں اس کی پوری تفصیل ہے ص ۱۵۸ تا ۱۶۲)

ان ممالک کے آباد شدہ عربوں کے لیے زراعت کا پیشہ قانوناً ممنوع کر دیا، ایک عرب نے ایک مرتبہ مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔ (حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۹۳)

زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کے لیے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ملک ہو جائے گی، لیکن لینے کے بعد تین برس کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا اس قانون سے افتادہ زمینیں بہت جلد آباد ہو گئیں۔

محکمہ آبپاشی زراعت کی سیرابی کے لیے نہریں جاری کیں، بند باندھنے، تالاب بنانے، پانی کی تقسیم کے لیے دہانے بنانے، نہروں کی شاخیں نکالنے اور اس قسم کے کاموں کے لیے نہایت وسیع محکمہ قائم کیا، مقریزی کا بیان ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور حکومت کی جانب سے اس کام میں لگے رہتے تھے۔ (حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۷۲) نہروں کے حالات آئندہ آئیں گے۔

اور مختلف قسم کی آمدنیاں خراج کے علاوہ آمدنی کے اور ذرائع حسب ذیل تھے زکوۃ جس میں چاندی، نقد، سکہ، مویشی، تجارتی سامان وغیرہ کی زکوۃ کی آمدنیاں شامل تھیں، خراج غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا اور عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ اور بیسواں حصہ مسلمانوں سے لیا جاتا تھا۔ جزیہ اور مال غنیمت، زکوۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی،

عشور تجارتی ٹیکس تھا اس کو اسلام میں سب سے اول حضرت عمرؓ نے جاری کیا اس کا سبب یہ ہوا کہ جو مسلمان غیر ممالک میں تجارتی سامان لے کر جاتے تھے ان سے وہاں کی حکومتیں دس فیصدی ٹیکس لیتی تھیں، اس لیے حضرت عمرؓ نے بھی بیرونی تاجروں کے سامان تجارت پر اسی قدر ٹیکس مقرر کر دیا، پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمیوں اور مسلمانوں سے بھی یہ ٹیکس لیا جانے لگا، ذمیوں کے لیے پانچ فیصدی تھا اور مسلمانوں کے لیے ڈھائی فیصدی، حضرت عمرؓ کا عہد فتوحات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں نہایت ممتاز ہے اس لیے اس زمانہ میں غنیمت کی بھی بڑی آمدنی ہوئی، جزیہ کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

بیت المال حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں بیت المال قائم ہو گیا تھا، اس کے لیے انہوں نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی، لیکن آپ کا معمول تھا کہ جو آمدنی آتی تھی اس کو ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا تھا اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے اس لیے اس کے معمور ہونے کی نوبت نہیں آتی تھی، حضرت عمرؓ نے جب خلافت کا باقاعدہ نظام قائم کیا تو دوسرے شعبوں کے ساتھ بیت المال کو بھی وسعت دی اور تمام صوبوں اور مرکزی مقامات میں بیت المال قائم کیے اور ان کے لیے وسیع عمارتیں بنوائیں اور ان پر نہایت لائق اور دیانت دار افسر مقرر کیے۔ دارالخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبداللہ بن ارقمؓ تھے، کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، اصفہان کے خالد بن حرث، کوفہ کے بیت المال کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار تھی۔ (طبری حالات آبادی کوفہ)

بیت المال کے مداخل و مخارج کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں آتی تھی، یہاں کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچتی تھی وہ صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال بھیج دی جاتی تھی، حضرت عمرؓ اس کے متعلق عمال کے نام احکام بھیجتے رہتے تھے چنانچہ مصر کے والی عمرو بن العاصؓ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے کہ خزانہ میں جو آمدنی جمع ہوئی ہو اس میں سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری اخراجات سے جو کچھ بچ جائے اس کو میرے پاس بھیج دو۔ (کنزالعمال ج ۳ ص ۱۶۳)

صیغہ فوج حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا، حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں ولید بن ہشام کے مشورہ سے نہایت وسیع اور منظم صیغہ فوج قائم کیا اور قریش و انصار کے نام درج رجسٹر کرا کے باختلاف مدارج ان کی تنخواہیں مقرر کیں، جن کی مقدار

دو سو بیس درہم سالانہ سے لے کر پانچ ہزار سالانہ تھی۔ (کتاب الخراج ص ۲۴ مقریزی جلد اول ص ۹۲ بلاذری ذکر العطار فی خلافۃ عمر بن الخطابؓ)

تنخواہ داروں کی بیوی اور ان کے بچوں کو بھی وظائف ملتے تھے، جن لوگوں کی جتنی تنخواہ مقرر ہوتی تھی، ان کے غلاموں کو بھی اتنی ہی ملتی تھی ان میں دو قسم کے تھے ایک وہ جو ہر وقت جنگی مہمات میں مشغول رہتے تھے یہ گویا باقاعدہ فوج تھی دوسرے وہ جو اپنے گھروں میں رہتے تھے اود ضروریات کے اوقات میں طلب کیے جاتے تھے، انہیں ہم آج کل کی اصطلاح میں رضاکار کہہ سکتے ہیں، لیکن تنخواہیں دونوں کو ملتی تھیں۔

سارے ممالک محروسہ میں فوجی مرکز قائم کیے جنہیں جند کہتے تھے، بلکہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط فوجی ضرورت ہی کے لیے آباد کیے گئے تھے ان مرکزوں میں صیغہ فوج کے حسب ذیل انتظامات تھے۔

(۱) فوجوں کے لیے چھاؤنیاں تھیں اور بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت سازو سامان سے تیار رہتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت فوراً سوار دستہ تیار ہو جائے۔ (طبری ص ۲۵۰۲)

(۲) ہر اصطبل کے متعلق چراگاہیں تھیں، مدینہ کی چراگاہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ (چراگاہوں کی تفصیلی حالات خلاصۃ الوفا میں ہیں) عمدہ نسل کے گھوڑوں کی پرورش کا خاص اہتمام تھا۔

(۳) فوج کے متعلق جملہ کاغذات اور دفتر انہی مقامات پر رہتے تھے۔

(۴) رسد کے ذخیرے یہیں تھے، جہاں سامان رسد جمع کیا جاتا تھا اور یہیں سے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا تھا۔

ان مرکزی مقامات کے علاوہ تمام ممالک محروسہ میں جہاں جہاں ضرورت تھی، بکثرت چھاؤنیاں قائم کیں، خوزستان کے علاقہ میں جگہ جگہ چھاؤنیاں تھیں، عجم میں ایرانی حکومت کی جو پرانی چھاؤنیاں تھیں از سر نو ان کو تعمیر کرایا، جو نیا مقام فتح ہو جاتا تھا وہاں بقدر ضرورت فوج متعین کر دی جاتی (فتوح البلدان ص ۱۳۵ تا ۱۵۷) سرحدی علاقوں اور ساحلی مقامات کی حفاظت کا مستقل اور جداگانہ انتظام کیا، اس صیغہ کے افسر اعلیٰ عبداللہ بن قیس تھے۔ (طبری جلد ۵ ص ۲۵۲۳) ضروری مقامات میں جابجا قلعے بنوائے۔

فوجی بھرتی کو اتنی وسعت دی کہ مہاجرین و انصار سے بڑھتے بڑھتے سارے عرب کو محیط ہو گیا، تقریباً دس لاکھ ہتھیار بند فوج ہر وقت تیار رہتی تھی اور اس میں ہر سال تیس ہزار فوج کا اضافہ ہوتا تھا۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۳۱)

فوج کے دروازے تمام مفتوحہ اقوام کے لیے کھلے ہوئے تھے اس میں عجمی، رومی، یہودی اور ہندوستانی سب شامل تھے۔ جن کا ذکر فتوحات کے حالات میں ملتا ہے۔

سپاہیوں کی تنخواہ کم سے کم دو سو سالانہ سے تین سو تک تھی اور افسروں کی سات ہزار سے دس ہزار تک، فوجیوں کے بچوں کے لیے علیحدہ وظیفے مقرر تھے ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ مہینہ میں خوراک کے لیے ایک من غلہ، بارہ سیر روغن زیتون اور بارہ سیر سرکہ ملتا تھا لیکن پھر بعد میں تو کھانا ملنے لگا تھا۔

ابتداء میں رسد کا انتظام ضرورت کے وقت ہوتا تھا پھر اس کا مستقل محکمہ قائم کیا، جس کا نام اہرار تھا۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۵ تا ۲۱۵) مفتوحہ ممالک سے پہلے غلہ کی صورت میں، پھر نقد کی صورت میں رسد کے لیے ایک مقررہ رقم لی جاتی تھی۔

فوج کی صحت و تندرستی اور آرام و آسائش کا خاص اہتمام تھا، ۱۷ھ میں مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے جب فوج کی تندرستی پر خراب اثر پڑا تو حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ فوجیں موسم بہار میں سرسبز و شاداب مقام پر چلی جایا کریں۔ (طبری ص ۲۴۸۲)

چھاؤنی کے انتخاب میں آب و ہوا کی خوبی کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا، بارکیں وسیع تعمیر کی جاتی تھیں اور ان کے لیے کھلے میدان چھوڑ دیے جاتے تھے، گرم ملکوں پر سردیوں اور سرد ملکوں پر گرمیوں میں فوج کشی ہوتی تھی فوجوں کے لیے شہسواری، تیر اندازی، تیراکی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشق ضروری تھی، ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا آرام کے لیے ملتا تھا، ہر چار مہینہ میں رخصت ملتی تھی۔

فوج کا اسٹاف افسر خزانہ، محاسب، قاضی، مترجم اور طبیب و جراح پر مشتمل تھا۔ (طبری ص ۲۲۲۵) سفر مینا یعنی راستہ صاف کرنے، سڑک بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ چنانچہ مصر میں یہ خدمت قبطیوں نے انجام دی تھی۔

(مقریزی ج اول ص ۱۶۳)

خبر رسانی اور پرچہ نویسی کا نہایت مکمل انتظام تھا' ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس ہوتے تھے' جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچاتے رہتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی فوجیں جس حصہ میں بھی ہوتی تھیں ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھوں میں رہتی تھی اور ان کے بغیر ان کا ایک قدم نہ اٹھ سکتا تھا' ان کے علاوہ شعبہ فوج کی اور بہت سی تفصیلات ہیں' جنہیں طوالت کے خیال سے ہم قلم انداز کرتے ہیں۔

شعبہ تعلیم خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی اشاعت کی' مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے اس لیے اس کی حفاظت' تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا' عہد صدیقی میں آپ ہی کے اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی اپنے زمانہ میں تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کیے اور ان کے لیے تنخواہ دار معلم مقرر کیے۔ (سیرت العمر ابن جوزی) ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

حفاظ قرآن صحابہ کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لیے بھیجا' چنانچہ حضرت عبادہؓ بن صامت' معاذ بن جبلؓ اور ابو درداءؓ شام بھیجے گئے۔

(کنز العمال ج اول ص ۲۸۱ و اسد الغابہ تذکرہ عبادہ بن صامت)

سورۃ بقرہ' نساء' مائدہ' حج اور نور کا جن میں احکام ہیں' یاد کرنا ضروری قرار دیا۔ (کنز العمال ج اول ص ۲۳۱) قرآن پاک صحیح پڑھنے اور اعراب کی تصحیح کے لیے ادب و عربیت کی تعلیم کی تاکید کی۔ (کنز العمال ج اول ص ۲۱۷) جو لوگ لغت کے مالک نہ ہوں انہیں قرآن کی تعلیم دینے کی ممانعت کر دی۔

قرآن کے طلباء کے وظائف مقرر کیے۔ (ازالۃ الخلفاء حصہ دوم ص ۶) ان تدبیروں سے ہزاروں حفاظ قرآن پیدا ہو گئے۔

حدیث کی خدمت کلام اللہ کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے چنانچہ اس کی تلاش حفاظت اور اشاعت کا بھی انتظام کیا' حفاظ حدیث صحابہ کو حدیث کی تعلیم دینے کے لیے مختلف مقامات پر بھیجا' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ' معقل بن یسار' عبداللہ بن معقلؓ اور عمران بن حصینؓ کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور ابو درداء کو شام بھیجا اور امیر معاویہؓ والی شام کو لکھا کہ ان کے علاوہ دوسرے کی احادیث قبول نہ کی جائیں۔

(مسلم باب الاستیذان)

مسائل اور احکام کی حدیثوں کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے آپ کے فرامین میں احادیث بکثرت ملتی ہیں۔

آپ کے زمانہ میں آئے دن نئے نئے مسائل پیش آتے تھے' چنانچہ جب اس قسم کی نئی صورت پیش آتی تھی تو آپ صحابہؓ سے دریافت فرماتے تھے کہ اس کے متعلق انہیں کوئی حدیث نبویؐ معلوم ہے' اس طریقہ نے حدیث کا معتدبہ حصہ جمع ہو گیا اور حدیثوں کی بڑی اشاعت ہوئی۔

اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہؓ عادل ہیں لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ خصائل بشری سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں' اور ایک صحابیؓ سے بھی اس طرح غلطی کا ہونا ممکن ہے جس طرح ایک انسان سے' اسی لیے اشاعت حدیث کے ساتھ وہ روایات کے قبول کرنے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے اور بغیر شہادت کے کسی کی روایت کو قبول نہ کرتے تھے' ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک حدیث بیان کی حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا' ابو موسیٰؓ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کو شہادت میں پیش کیا اس وقت حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ کو چھوڑا اسی طریقہ سے سقط (یعنی حاملہ کو ایسا صدمہ پہنچانا جس سے حمل گر جائے) کے مسئلہ میں مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک حدیث بیان کی' حضرت عمرؓ نے مسلمہ کی شہادت سے اسے تسلیم کیا۔ (ابوداؤد باب دیۃ الجنین) اور اس قبیل کے متعدد واقعات ہیں۔

لوگوں کو کثرت روایت سے روکتے تھے' چنانچہ قرظہ بن کعب کو عراق روانہ کرتے وقت خاص طور سے ہدایت کی کہ تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں قرآن کی آواز گونجتی رہتی ہے تم ان کو قرآن سے ہٹا کر حدیث کی طرف نہ لگا دینا' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' ابو درداءؓ انصاری اور ابو مسعودؓ انصاری کو روایت حدیث سے روک دیا تھا آپ کی اس شدت احتیاط کو دیکھ کر حضرت ابو ہریرہؓ نے حدیثیں روایت کرنا بند یا کم کر دیا تھا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ٦)

ایک بڑی نکتہ سنجی آپ نے یہ فرمائی کہ احادیث کی اہمیت کے اعتبار سے ان کے مراتب کو ملحوظ رکھا' چنانچہ آپ نے ان ہی احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جن کا تعلق

عبادات، معاملات اور اخلاق یعنی اسلام کے عملی نظام سے تھا باقی احادیث کی طرف زیادہ اعتنا نہیں کیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے زمانہ میں گو حدیثیں کم روایت ہوئیں، لیکن جس قدر ہیں وہ آمیزش سے بالکل پاک ہیں۔

فقہ کی خدمت عملی زندگی میں زیادہ تر فقہ سے کام پڑتا ہے خصوصاً فاروقی عہد میں اسلامی تمدن کی ترقی سے صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے اس لیے اس زمانہ میں علم فقہ کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ فقہ کی تکمیل حضرت عمرؓ ہی کے ہاتھوں ہوئی۔

آپ خود لوگوں کو فقہی مسائل بتاتے تھے، خطبوں اور تقریروں میں بیان کرتے تھے، فقہی مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کراتے تھے، اضلاع کے حکام اور افسروں کو فقہی احکام لکھ کر بھیجتے تھے، یہ احکام آج بھی تاریخوں میں موجود ہیں، اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ مذہبی معلم بھی ہوتے تھے، اس لیے حضرت عمرؓ ان کے تقرر میں تفقہ کا خاص لحاظ رکھتے تھے آپ فرماتے تھے کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔ (کتاب الخراج ص ۶۷) عمال اور حکام کے علاوہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لیے تمام ممالک محروسہ میں مستقل فقہاء اور معلم مقرر کیے صرف بصرہ میں دس صاحبوں کو اس کام کے لیے بھیجا تھا۔ (اسد الغابہ ترجمہ عبدالرحمن بن معقل) ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہاء کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں غرض فاروقی عہد میں تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا۔

تعمیر مساجد مذہب کی عملی خدمت کے سلسلہ میں بکثرت مسجدیں تعمیر کرائیں، شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ (مقریزی جلد ۲ ص ۲۴۶ و حسن المحاضرہ ۱۴۳ ج ۲) کوفہ میں ہر ہر قبیلہ کی مسجد علیحدہ تعمیر کرائی، روضۃ الاحباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائیں اور جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ تنخواہ دار امام اور موذن مقرر کیے۔

تبلیغ اسلام بحیثیت خلیفہ رسول کے سب سے مقدم فرض اسلام کی تبلیغ تھا آپ نے اس کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے اور آپ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی لیکن جبر سے نہیں بلکہ اسلام کے محاسن کی تبلیغ کے ذریعہ، آپ جبری اسلام کے خلاف

تھے' ایک مرتبہ اپنے غلام کے سامنے اسلام پیش کیا' اس نے انکار کیا تو انہوں نے لا اکراہ فی الدین کہہ کر چھوڑ دیا۔ (کنزالعمال ج ۵ ص ۴۹) آپ نے تبلیغ اسلام کی مختلف شکلیں اختیار کیں۔

جب کسی ملک پر فوج کشی ہوتی تو افسر فوج کو تاکید تھی کہ وہ پہلے اسلام پیش کرے چنانچہ سعدؓ بن وقاص فاتح ایران کو جو خط لکھا تھا اس میں تھا کہ میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ جنگ سے پہلے اسلام پیش کرو۔

تبلیغ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر مذہب والوں کے سامنے اسلام کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا جائے جسے دیکھ کر وہ خود اسلام کی طرف مائل ہو جائیں حضرت عمرؓ کا اس سلسلہ میں اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیم و ارشاد اور احتساب سے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تصویر بنا دیا تھا جسے دیکھ کر غیر قومیں خود بخود اسلام کی طرف کھنچتی تھیں شام کی فتوحات میں رومیوں کا سفیر جارج اسی اثر سے مسلمان ہوا (طبری ص ۲۰۹۸) مصر کے شہر شطاء کا ایک معزز رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ (مقریزی جلد اول ص ۲۲۶) دمشق کی فتح کے بعد یہاں کا .شب خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔

(معجم البلدان جلد ۷ ص ۱۷۳' ذکر قنطرہ سنان)

اس کے علاوہ فاروقی عہد میں اور مختلف اسباب کی بنا پر بکثرت غیر قومیں مسلمان ہوئیں' افسوس ہے کہ مسلمان مورخین نے اشاعت اسلام کے مستقل حالات نہیں لکھے ہیں صرف ضمناً" جا بجا اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

جلولاء کی فتح کے بعد یہاں کے متعدد بڑے بڑے امراء اور رؤسا نے بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا۔ (فتوح البلدان ص ۲۷۳) قادسیہ کے معرکہ کے بعد ایران کا شاہی رسالہ جس کی تعداد چار ہزار تھی مسلمان ہو گیا یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر سپاہ کئی سو بہادروں کے ساتھ مسلمان ہو گیا' ان کے اسلام سے سیابحہ' زط اور اندغار کی قومیں جو ایرانی فوج میں بھرتی تھیں' مسلمان ہو گئیں۔ (فتوح البلدان ص ۲۸۹) مصر کے قصبہ بلہیب کے کل باشندے مسلمان ہو گئے۔ (فتوح البلدان ص ۳۸۲) دمیاط کی فتح کے بعد بقارہ اور وارادہ سے لے کر عسقلان تک پورے علاقے میں اسلام پھیل گیا۔ (مقریزی جلد اول ص

۲۲۶) شہر فسطاط میں جو حضرت عمرؓ کے عہد میں آباد ہوا مسلمانوں کے کئی محلے تھے' غرض حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

حرم کی توسیع حرم محترم کی عمارت تنگ تھی ۱۷ھ میں اس کی عمارت کو وسیع کیا اور اس کے گرد دیوار کھچوا کر عام آبادی سے ممتاز کیا۔ (مقریزی جلد اول ص ۱۸۴) کعبہ پر نطع کا (جو ایک معمولی کپڑا ہے) غلاف چڑھا کرتا تھا' آپ نے قباطی کا غلاف چڑھایا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا تھا۔ (بخاری باب بنیان الکعبۃ و احکام السلطانیہ ص ۱۵۴)

مسجد نبوی کی توسیع مسجد نبوی کی توسیع کی' ازواج مطہرات کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبویؐ سے متصل جتنے مکانات تھے سب کو خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کر دیا' پہلے مسجد کا طول سو گز تھا اس تعمیر میں بیس کا اضافہ ہوا مسجد کے گوشہ میں علیحدہ ایک چبوترہ بنوا دیا کہ جن لوگوں کو بات چیت کرنا' یا شعر پڑھنا ہو وہ یہاں آ کر باتیں کریں۔

(فتوح البلدان ص ۵۴)

رفاہ عامہ کے کام حکومت کی تنظیم اور مذہبی خدمات کے علاوہ رفاہ عامہ کے بہت سے کام ہوئے زراعت کی سیرابی اور رعایا کی ضرورت کے لیے متعدد نہریں کھدوائیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

نہر ابو موسیٰ بصرہ میں پانی کی بڑی قلت تھی شہر سے چھ میل کی مسافت سے پانی لایا جاتا تھا حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت ابو موسیٰ اشعری نے دجلہ سے نو میل لمبی نہر نکالی جو انہی کے نام سے مشہور ہوئی اس سے گھر گھر پانی کا افراط ہو گیا۔ (خاتمۃ الوخاس ۱۳۲' ۱۳۳)

نہر معقل دوسری نہر معقلؓ کے اہتمام میں تیار ہوئی۔

نہر سعد یہ نہر اہل انبار کی درخواست پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھدوائی تھی' لیکن درمیان میں پہاڑ حائل ہو جانے کی وجہ سے نامکمل رہ گئی اور حجاج بن یوسف کے زمانے میں پوری ہوئی۔

نہر امیر المومنین سب سے بڑی نہر' نہر امیر المومنین تھی ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا اور حضرت عمرؓ نے مصر سے غلہ طلب کیا تو شام اور مصر کا خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ کسی قدر تاخیر سے پہنچا تھا' اس وقت حضرت عمرؓ نے ۹۹ میل لمبی نہر کھدوا کر

نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا اور مصر کے جہازات براہ راست مدینہ کی بندرگاہ تک آنے لگے اس سے مصر کی تجارت کو بھی بڑا فروغ حاصل ہوا۔ (فتوح البلدان ص ۳۶۵ اس نہر کے تفصیلی حالات حسن المحاضرہ اور مقریزی میں ہیں)

(۲) بڑے بڑے شہروں میں مسافروں کی سہولت کے لیے مسافر خانے تعمیر کرائے، تاریخوں میں کوفہ اور مدینہ کے مسافر خانوں کی تفصیل ملتی ہے۔ (فتوح البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ)

(۳) سڑک اور پلوں کی تعمیر کا یہ انتظام تھا کہ عموماً مفتوحہ قوموں کے معاہدہ میں شرط ہوتی تھی کہ وہ پل اور سڑک بنائیں گی، طبری نے ۱۴ھ کے ایک معاہدہ میں یہ فقرہ بھی لکھا ہے کہ کاشتکار سڑک اور پل بنائیں گے اور بازار لگائیں (طبری ص ۲۴۷۰) کتاب الخراج میں بھی اس قسم کا معاہدہ مذکور ہے۔ (کتاب الخراج ص ۸۰)

سیوطی نے لکھا ہے کہ پلوں کی تعمیر، نہروں کی صفائی اور اس قسم کے بعض دوسرے کام بیت المال کے صرف سے انجام پاتے تھے۔ (حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۶۳)

(۴) مکہ اور مدینہ مرکز اسلام تھے، لیکن ان کے راستے نہایت خراب اور ویران تھے، ۱۷ھ میں مکہ سے مدینہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کرائے۔ (طبری ص ۲۵۲۹)

عدل و مساوات اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حکومت کا انتظامی ڈھانچہ تھا اس کی اصل روح رعایا کے ساتھ عدل و مساوات اور اس کی اصلاح و فلاح کی فکر ہے، اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں مشکل سے کسی فرمانروا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے، آپ کے ایوان عدالت میں شاہ و گدا، ادنیٰ و اعلیٰ، خویش و بیگانہ اور مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے۔

غیر قوموں کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل کسی حکومت کے عدل و مساوات کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے اور اس کو اس حکومت میں کیا حقوق حاصل ہیں؟ اس معیار سے فاروقی عہد عدل و انصاف کا نمونہ تھا۔ عرب کی ہمسایہ دو حکومتیں تھیں، روم اور فارس یہی دونوں حکومتیں فاروقی عہد میں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں ان دونوں حکومتوں کا طرز عمل خود اپنی ہم قوم رعایا کے ساتھ غلاموں سے بدتر تھا تو دوسری ماتحت اقوام کا کیا ذکر، لیکن جب یہی قومیں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں تو دفعتہً ان کی حالت بدل گئی اور انہیں ہر طرح کے جائز

حقوق اور جائز آزادی عطا کی گئی۔ کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں جان، مال اور مذہب ان کے سوا اور جتنے حقوق ہیں، وہ سب انہی کے ماتحت میں آتے ہیں، حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ قوموں کے ان بنیادی حقوق کو محفوظ قرار دیا، بیت المقدس کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ جو حقوق دیئے وہ یہ تھے۔

"یہ امان ہے جو خدا کے غلام امیرالمومنین عمر نے اہل ایلیا کو دی، یہ امان جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لیے ہے۔ نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارہ میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

(طبری فتح بیت المقدس)

یہ حقوق صرف ایلیا والوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے جو ان کے عہد ناموں میں موجود ہیں، اہل جرجان کے معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کی جان، مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے ان میں سے کسی شے میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔ (طبری ص ۲۶۵۸) آذربائیجان کے معاہدہ میں ہے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے۔ (طبری ص ۲۶۶۲) موقان کے معاہدہ کے الفاظ بھی یہی ہیں سب معاہدوں کا نقل کرنا طول عمل ہے صرف چند بطور مثال لکھ دیئے گئے۔

حضرت عمرؓ وقتاً "فوقتاً" عمال کو ان کے معاہدوں کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ فاتح شام کو لکھا۔

مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے، اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پوری کرو۔ (کتاب الخراج ص ۸۲)

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو حضرت عمرؓ اس سے قصاص لیتے تھے، ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا تو آپ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا۔ (الدرایہ فی تخریج الہدایہ)

ذمیوں کی املاک کو کوئی نقصان پہنچتا تھا تو اس کا معاوضہ دلاتے تھے۔ ایک مرتبہ فوج

نے شام کے ایک ذمی کی زراعت پامال کر دی حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا (کتاب الخراج ص ۶۸)

اوپر گذر چکا ہے کہ مال گذاری کی تشخیص میں ذمیوں سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا اس کے بعد بھی اس کا خیال رہتا تھا کہ کہیں جمع زیادہ تو نہیں تشخیص ہو گئی۔ (کتاب الخراج) اس کا بڑا اہتمام تھا کہ خراج کی کوئی رقم جبر اور ظلم سے نہ وصول کی جائے' چنانچہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو وہاں کے دس آدمیوں کو طلب کر کے ان سے قسم لیتے تھے کہ مالگذاری کی تحصیل میں سختی تو نہیں کی گئی ہے۔ (کتاب الخراج ص ۶۵)

جزیہ کی بحث اس سلسلہ میں ذمیوں سے جزیہ ایک ٹیکس ایسا ضرور لیا جاتا تھا جو مسلمانوں سے نہ لیا جاتا تھا لیکن یہ ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کا معاوضہ تھا' ذمی جنگی خدمات سے مستثنیٰ تھے اور مسلمان اس کے لیے مجبور تھے' اکثر معاہدوں میں اس کی تصریح ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ٹیکس تھا چنانچہ اہل جرجان سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں "ہمارے ذمہ اس شرط پر تمہاری حفاظت ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہو گا اور اگر ہم تم سے مدد لیں گے تو اس کے بدلہ میں جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔

(طبری ص ۲۶۵۸)

آذر بائیجان کی فتح میں یہ معاہدہ لکھا گیا "جو لوگ کسی سال فوج میں کام کریں گے تو اس سال کا جزیہ ان سے نہ لیا جائے گا۔" (طبری ص ۶۹۰)

چنانچہ جب کبھی ذمیوں سے فوجی خدمت لی جاتی تھی تو ان کا جزیہ چھوڑ دیا جاتا تھا' ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں جب اس قسم کے مواقع پیش آئے تو حضرت عمرؓ نے افسران فوج کو لکھ بھیجا کہ جن ذمی سواروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو ان سے مدد لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔ (طبری ص ۲۴۹۷)

یرموک کے معرکہ کے سلسلہ میں جب مسلمان ذمیوں کی حفاظت سے معذور ہو گئے تو جزیہ کی کل وصول شدہ رقم واپس کر دی گئی' حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار افواج شام اور تمام مفتوحہ اضلاع کے حکام کو لکھ بھیجا کہ جتنا جزیہ وصول ہو چکا ہے سب واپس کر دیا جائے۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۳ و کتاب الخراج ۸۱)

غرض جزیہ خالص حفاظتی ٹیکس تھا اور فوجی مصارف ہی میں صرف کیا جاتا تھا'

مسلمان بھی بعض ایسے ٹیکس دیتے تھے جو ذمیوں کو دینے پڑتے تھے، مثلاً زکوٰۃ کی مقدار جزیہ سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔ پھر جزیہ کی وصولی میں سختی نہ برتی جاتی تھی جہاں کہیں حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہو جاتا آپ سختی سے روکتے تھے۔

شام کے سفر میں کسی مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے، سبب پوچھا معلوم ہوا جزیہ نہیں ادا کیا گیا ہے، پوچھا کیوں؟ معلوم ہوا ناداری کی وجہ سے فرمایا چھوڑ دو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں خدا انہیں قیامت میں عذاب دے گا۔ (کتاب الخراج ص ۷۱)۔

نادار، بے کس اور معذور ذمی جزیہ سے مستثنیٰ تھے اور بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی تھی۔ حیرہ کے فتح کے معاہدہ میں اس کی تصریح ہے کہ۔

> "اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے، یا کوئی آفت آئے، یا دولت مندی کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔ (کتاب الخراج ص ۸۵)

یہ معاہدہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل رہا آپ نے اسے قرآنی استدلال سے اور زیادہ موکد کر دیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ضعیف شخص کو بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا بھیک کیوں مانگتا ہے، اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو اس کے ادا کرنے کا مقدور نہیں، یہ سن کر آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ نقد دے کر داروغہ سے کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے کلام اللہ کی آیت انما الصدقات للفقرا والمساکین میں فقراء سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں، واللہ یہ انصاف نہیں ہے کہ ان لوگوں کی جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔ (کتاب الخراج ص ۷۲)

آپ کو ذمیوں کا اتنا خیال تھا کہ اپنے آخری زمانہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لیے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس میں ذمیوں کے متعلق خاص طور سے یہ تھا کہ۔

"میں ان لوگوں کے حق میں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے، یہ وصیت کرتا

ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے' اسے پورا کیا جائے ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے" (یہ وصیت حدیث کی کئی کتابوں میں ہے)

کسی غیر قوم کے ساتھ دنیا کی کسی حکومت کا اس سے بہتر طرز عمل اور کیا ہو سکتا ہے؟۔

رعایا کی خبر گیری

رعایا کی خبر گیری کا اتنا اہتمام تھا کہ آج اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے باوجود یہ کہ آپ کو مہمات امور سے سابقہ رہتا تھا' لیکن رعایا کے چھوٹے چھوٹے حالات کی جانب سے بھی غفلت نہ ہونے پاتی تھی۔

کبھی کوئی حاجب و دربان نہیں رکھا کہ عام لوگوں کو آپ تک پہنچنے میں وقت نہ ہو روزانہ ہر نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے کہ جس کو جو کچھ کہنا سننا ہو آزادی سے کہہ سکے چنانچہ اہل حاجت اپنی ضروریات بیان کرتے تھے اگر کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ جاتے۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۳۲۰)

باہر سے جو وفود آتے تھے تمام حکام کو طلب کرتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس کو جس عامل کے خلاف شکایت ہو پیش کرے۔

مدینہ اور اس کے اطراف میں خود گھوم پھر کر حالات کا پتہ چلاتے تھے اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

ایک مرتبہ ایک قافلہ آیا اور مدینہ کے باہر اترا' آپ اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لیے تشریف لے گئے' پہرہ دے رہے تھے کہ ایک بچے کے رونے کی آواز سنی پاس جا کر اس کی ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے' تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذرے تو پھر بچے کو روتے پایا' ماں کو ڈانٹا کہ تو بڑی بے رحم ہے' اس نے کہا تم کو اصل واقعہ کی خبر نہیں ہے' خواہ مخواہ مجھے دق کرتے ہو' بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچے دودھ نہ چھوڑیں اس وقت تک بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے اس لیے میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں' اس پر وہ روتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور فرمایا ہائے عمرؓ نے کتنے بچوں کا خون کیا ہو گا اور فوراً منادی کرا دی کہ جس دن سے بچہ پیدا ہوا اسی دن سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔

ایک مرتبہ شب کو گشت کرتے ہوئے تین میل مدینہ سے باہر نکل گئے' دیکھا کہ

ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں پاس جا کر تحقیق کی تو عورت نے بتایا کہ کئی وقتوں سے بچے فاقے سے ہیں ان کو بہلانے کے لیے خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔ یہ سن کر آپ اس وقت مدینہ واپس آئے اور بیت المال سے آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لیں اور اپنے غلام اسلام سے کہا کہ اس کو میری پیٹھ پر لاد دو اسلام نے عرض کیا میں لے چلتا ہوں، فرمایا قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے، غرض کل سامان خود اٹھا کر عورت کے پاس لے گئے اور جب تک عورت نے پکا کر بچوں کو کھلا نہ لیا خود بیٹھے رہے عورت اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئی اور کہا امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمرؓ۔

سفر میں جاتے تو ایک ایک مقام پر ٹھہر کر حالات دریافت کرتے، شام کے سفر میں ایک ضلع میں قیام کر کے لوگوں کی شکائتیں سنیں اور داد رسی کی، اسی سفر کی واپسی کا واقعہ ہے کہ ایک مقام پر ایک خیمہ نظر آیا، قریب گئے تو ایک بڑھیا نظر آئی، اس سے پوچھا عمرؓ کا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے، مجھ کو اس کے یہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا آپ نے فرمایا! اتنی دور کا حال عمرؓ کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے بڑھیا نے جواب دیا اگر حال نہیں معلوم تو خلافت کیوں کرتا ہے یہ سن کر آپ رو پڑے۔

رعایا کی تکلیف پر خواب و خور حرام ہو جاتا تھا۔ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا، تو آپ پر کوہ الم ٹوٹ پڑا، گوشت، مچھلی تمام لذائذ ترک کر دیے، نہایت خشوع و خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ خدایا میری شامت اعمال کے بدلہ میں امت محمدی کو تباہ نہ کر، آپ کے غلام اسلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ میں آپ کو جتنی فکر و پریشانی تھی، اس سے یہ خطرہ تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہو گا تو وہ اسی غم میں ہلاک ہو جائیں گے۔ (یہ تمام واقعات کنزالعمال ج ۲ ص ۳۲۶ ومابعد حالات عمرؓ میں ہیں)۔

قحط کے اثرات کو روکنے کے لیے بیت المال کا کل نقد و جنس صرف کر دیا اور تمام افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ بھیجا جائے چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے شام سے ہزار اونٹ اور عمروؓ بن العاص نے مصر سے بیس جہاز غلہ بھیجا، ایک ایک جہاز میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا اس کے ملاحظہ کے لیے خود بندرگاہ جار پر تشریف لے گئے۔ اور زید بن ثابت کو قحط زدوں کا نقشہ تیار کرنے کا حکم دیا انہوں نے بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار کیے، ہر شخص کو حضرت عمر کی دستخط شدہ ایک چک دی جس کے مطابق غلبہ ملتا تھا۔ (یعقوبی

جلد ۳ ص ۱۷۷) اس کے علاوہ مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس میں بیس اونٹ روزانہ ذبح ہوتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۳)

یہ تو قحط کے زمانہ کا انتظام تھا عام حالات میں بھی حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ رعایا کا کوئی فرد بھوکا نہ رہنے پائے، چنانچہ ملک میں جس قدر معذور و مجبور اور از کار رفتہ آدمی تھے، بلا قید ملت مذہب بیت المال سے سب کے روزینے مقرر تھے غیر مسلم معذوروں کے وظائف اور خبر گیری کا حال اوپر گذر چکا ہے۔

لقطہ یعنی لاوارث بچوں کی پرورش کا انتظام بھی بیت المال سے تھا جن کی مائیں انہیں راستوں پر پھینک جاتی تھیں، ایسے بچوں کے لیے ابتداء میں دو سو درہم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر ان کی عمر بڑھنے کے ساتھ اس میں سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھیں (یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۱) جو یتیم صاحب مال جائیداد ہوتے تھے۔ ان کے مال کی حفاظت اور اسے تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے بڑھانے کا انتظام تھا، غرض عہد فاروقی میں کوئی لاوارث، محتاج، معذور اور از کار رفتہ بھوکا نہ رہنے پاتا تھا، یہ وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہیں مل سکتی۔

مساوات اس دور کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام بے جا امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا اور بلند و پست کو ایک سطح پر کر دیا تھا اس کا عملی نمونہ خود ان کی ذات تھی، امیر المومنین اور رعایا کے حقوق میں کوئی فرق نہ تھا عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اپنے اور رعایا کے درمیان کوئی امتیاز پیدا نہ کریں ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں اس کا لحاظ رکھتے، عمرو بن العاصؓ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنوایا، آپ کو اطلاع ہوئی تو لکھ بھیجا کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اوپر۔ (کنز العمال جلد ۲ حالات عمرؓ)

ایک دفعہ کچھ لوگ مشہور صحابی حضرت ابی بن کعبؓ سے ملنے گئے جب وہ اٹھے تو لوگ تعظیماً ان کے ساتھ ہو گئے اتفاق سے اسی وقت حضرت عمرؓ ادھر آ نکلے، یہ امتیازی شان دیکھ کر ابیؓ کو کوڑا لگایا، انہوں نے حیرت سے پوچھا خیر تو ہے؟ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی تعظیم متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔

(مسند دارمی ص ۷۱، ابن سعد تذکرہ عمرؓ)

شام کا ایک نامور فرمانروا جبلہ ابن ایہم غسانی مسلمان ہو گیا تھا، طواف میں اس کی چادر کا کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے پڑ گیا، جبَلہ نے اسے تھپڑ مارا، اس شخص نے برابر کا جواب دیا جبلہ نے آ کر حضرت عمرؓ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا جبلہ نے پندلہ امارت میں کہا ہم وہ ہیں اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا، لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کا امتیاز نہیں تو میں اس سے باز آتا ہوں لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

غلاموں کو ان کے آقاؤں کے برابر کر دیا ان کے ساتھ کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے عار ہے، غلاموں کے ساتھ عمال کے برتاؤ کی تحقیقات کرتے رہتے تھے ایک عامل کو صرف اس جرم پر معزول کر دیا تھا کہ اس نے غلام کی عیادت نہیں کی تھی۔ (طبری ص ۲۷۷۵) غلاموں کے وظائف ان کے آقاؤں کے برابر مقرر کیے، اس قبیل کے دو چار نہیں سینکڑوں واقعات ہیں جن کی تفصیل کا موقعہ نہیں۔

اس مساوات نے مسلمانوں میں حریت اور آزادی کی وہ روح پھونک دی تھی کہ حضرت عمرؓ کو بر سر عام ٹوک دیتے تھے جس کے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

بیت المال کی حفاظت مسلمانوں کی امانت یعنی بیت المال کی حفاظت کا اتنا انتظام تھا کہ آج شاید اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے بیت المال کا ایک ایک حبہ بے محل صرف نہ ہونے پاتا تھا اس کی ایک ایک امانت کی حفاظت بہ نفس نفیس فرماتے تھے، اس کے ایک ایک اونٹ کو مع حلیہ کے درج رجسٹر کراتے تھے۔

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا حضرت عمرؓ اس کی تلاش میں نکلے عین اسی وقت ایک رئیس احنف بن قیسؓ آپ سے ملنے کے لیے آئے، دیکھا تو حضرت عمرؓ دامن چڑھائے ادھر دوڑ رہے ہیں، احنف کو دیکھ کر فرمایا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے تم جانتے ہو، ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے، ایک شخص نے عرض کیا، امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دے دیجئے وہ

ڈھونڈ لائے گا فرمایا "ای عبد اعبد منی" یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔ (کنزالعمال ج ۲ ص ۳۵۴)

بیت المال میں قیصرو کسریٰ کے خزانے لدے چلے آ رہے تھے' لیکن اس میں آپ کا حصہ صرف بقدر کفاف روزینہ تھا اس کے علاوہ اس سے ادنیٰ فائدہ اٹھانا بھی اپنے لیے حرام سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار پڑے لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا' بیت المال میں شہد موجود تھا بہت معمولی سی چیز تھی لیکن بغیر مسلمانوں سے اجازت لیے ہوئے اسے لینا طبیعت نے گوارا نہ کیا مسجد نبوی میں جا کر مسلمانوں سے کہا اگر آپ لوگ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۹۸)

ایک دفعہ مال غنیمت آیا آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے آ کر عرض کیا امیرالمومنین میرا حق مجھ کو دیجئے میں ذوی القربیٰ میں ہوں حضرت عمرؓ نے جواب دیا جان پدر تیرا حق میرے ذاتی مال میں ہے یہ تو غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا یہ خشک جواب سن کر وہ غریب لوٹ گئیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۵۰)

آپ کو اپنے مرحوم بھائی زیدؓ کی بچی سے والہانہ محبت تھی' ایک دن اس نے بیت المال کے زیورات سے ایک معمولی انگوٹھی اٹھا کر پہن لی' آپ اسے آزردہ نہ کرنا چاہتے تھے' اس لیے پیار کر کے بہلاتے رہے اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر میں ڈال دی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۳۲۸)

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے' طرفین میں خط و کتابت رہتی تھی' ایک دفعہ آپ کی اہلیہ ام کلثوم نے قیصر کی ملکہ کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اس نے جواب میں شیشیوں میں جواہرات بھر کر بھیجے' حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے بیوی سے بلا کر فرمایا "گو عطر تمہارا تھا' لیکن جو قاصد اس کو لے کر گیا تھا وہ سرکاری اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے تھے" یہ کہہ کر جواہرات بیت المال میں داخل کرا دیئے اور بیوی کو ایک دینار معاوضہ دے دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۵۶)

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک دینار نکلا انہوں نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیوں پڑا ہے' حضرت عمرؓ کے ایک بچہ کو

دے دیا حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فوراً بیت المال میں داخل کر دیا اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا تم کو مدینہ میں آل عمر کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا' تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدی کا مطالبہ میری گردن پر رہے۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۵۷)

ایک مرتبہ ایک فربہ اونٹ بازار میں بکتے ہوئے دیکھا' دریافت کرنے پر معلوم ہوا' کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ کا ہے ان سے پوچھا یہ اونٹ کیسا ہے انہوں نے کہا میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا اب فربہ ہو گیا ہے اس لیے بیچتا ہوں' حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لیے تم اتنے ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں خریدا تھا اور زائد قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۵۷)

ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے قرض مانگا' انہوں نے کہا آپ امیر المومنین ہیں' بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں' آپ نے فرمایا میں بیت المال سے نہیں لوں گا' کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو تم لوگ میرے ورثہ سے مطالبہ نہ کرو گے اور یہ بار میرے سر جائے گا اس لیے ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو۔ (ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۱۹۹) اس قبیل کے بکثرت واقعات ہیں)

فضل و کمال ذاتی حیثیت سے حضرت عمرؓ نہایت ذہین طباع' بالغ نظر' مدبر اور صاحب الرائے تھے' جاہلی اوز اسلامی دونوں علوم میں آپ کو یکساں کمال حاصل تھا' فصاحت و بلاغت انشاء و خطابت' شاعری و لسانی' سپہ گری اور بہادری وغیرہ ان تمام اوصاف و کمالات میں جو عرب میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے' آپ کو وافر حصہ ملا تھا' آپ کی بہت سی تقریریں اور تحریریں کتابوں میں محفوظ ہیں جن سے آپ کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاعری کا نہایت بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے' خود بھی شعر کہتے تھے' مگر بہت کم' ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے چند اشعار نقل کیے ہیں لیکن ناقد اور سخن سنج بڑے اعلیٰ درجہ کے تھے۔

ابن رشیق کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے زمانہ کے شعر کے سب سے بڑے نقاد اور

ادا شناس تھے۔ (کتاب العمدہ) مشہور ادیب جاحظ لکھتا ہے کہ عمرؓ اپنے عہد کے سب سے بڑے سخن سنج تھے۔ (کتاب البیان والتبین ج ا ص ۹۷)

عرب کے تمام بڑے بڑے شعراء کا کلام حفظ تھا اور اس پر ناقدانہ رائے رکھتے تھے' امراء القیس نابغہ اور زہیر کو زیادہ پسند کرتے تھے ان کی سخن سنجی کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آپ نے عرب کی شاعری کی بڑی اصلاح کی' عربی شعراء اشعار میں علانیہ عورتوں کے نام لے کر اپنی عشق و محبت کی داستانیں بیان کرتے تھے' کسی شریف آدمی کی ہجو کہہ دینا معمولی بات تھی حضرت عمرؓ نے ان دونوں باتوں کی ممانعت کر دی۔ (اسد الغابہ تذکرہ حمید بن ثور)

آپ کے والد خطاب قریش کے بڑے مشہور نساب تھے یہ فن آپ نے انہی سے سیکھا تھا۔ چنانچہ نسب کے متعلق تمام معلومات اپنے والد ہی کے حوالہ سے بیان کرتے تھے۔ (کتاب البیان والتبین ج ا ص ۸۷)

لکھنے پڑھنے کا ذوق آپ کو ابتداء سے تھا اور آپ اس زمانہ سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب قریش میں صرف سترہ آدمی پڑھے تھے۔ (بلاذری ص ۴۷۷) مسند دارمی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عبرانی زبان سے بھی واقفیت تھی' ایک مرتبہ آپ آنحضرتؐ کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے گئے اور پڑھنا شروع کیا' یہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ (مسند دارمی ص ۶۲)

ذہانت طباعی اور اصابت رائے کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اذان کا طریقہ آپ ہی کی تجویز سے قائم ہوا' متعدد امور میں وحی الٰہی نے آپ کی رائے کی تائید کی چنانچہ اسیران بدر کے ساتھ طرز عمل' ازواج مطہراتؓ کے پردہ' شراب کی حرمت اور مقام ابراہیم کو مصلی بنانے میں قرآن نے آپ کی رائے کی تائید کی۔ (یہ واقعات بخاری کے مختلف ابواب میں ہیں)

ذہانت طباعی نے حضرت عمرؓ کو نہایت نکتہ رس اور دقیقہ سنج بنا دیا تھا' آپ کی نگاہ احکام شریعت کے ایسے باریک نکتوں تک پہنچتی تھی جن پر عام صحابہؓ کی نظر مشکل سے پہنچ سکتی تھی علم اسرار دین کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی۔

قرآن پاک کے احکام و مسائل میں بڑا فکر و تدبر کرتے تھے جو پیچیدہ مسائل حل نہ

ہوتے انہیں رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے کلالہ' کی وراثت کا مسئلہ آپ نے اتنی مرتبہ پوچھا کہ آپؐ نے تنگ آکر فرمایا' کہ اس بارہ میں سورہ نساء کی آخری آیت کافی ہے۔

(تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۵)

اس غور و فکر اور تلاش و جستجو نے آپ میں کلام اللہ کی تفسیر و تاویل اور آیات قرآنی سے استنباط احکام اور استدلال کا فطری ملکہ پیدا کر دیا تھا' حدیثوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں سے بعض اوپر گذر چکی ہیں۔

اگرچہ آپ کا شمار کثیر الروایۃ صحابہ میں نہیں ہے آپ کی مرفوع روایات کی تعداد کل سترہ ہے لیکن حدیث کے علم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا' قلت روایت کا سبب آپ کی شدت احتیاط تھی کلام رسول کو بیرونی آمیزش سے پاک رکھنے کے لیے آپ کے شدت اہتمام کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں ورنہ نفس علم حدیث میں وہ کسی بڑے سے بڑے محدث صحابی سے کم نہ تھے' اپنے زمانہ میں انہوں نے جتنے احکام صادر فرمائے وہ سب حدیث ہی کی سند پر تھے' البتہ احتیاط کی بناء پر ان کو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب نہیں کیا احادیث نبوی کی جو خدمت انہوں نے کی اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند تھا بلکہ فقہ کا فن آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جو اساطین فقہ میں ہیں آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے زمانہ میں ہزاروں نئے مسائل پیش آئے' آپ نے انہیں اپنی قوت اجتہاد سے حل کیا آپ کے فقہی مسائل کی تعداد کئی ہزار ہے جن میں ایک ہزار مہمات مسائل ہیں۔ (اعلام الموقعین ج اول ص ۱۳)

اصول فقہ کا فن آپ ہی کی ایجاد ہے آپ نے تنہا جزئیات کی تدوین نہیں کی بلکہ تفریع و استنباط مسائل کے اصول و ضوابط بنا کر آئندہ آنے والوں کے لیے اجتہاد و فکر کی ایک وسیع شاہراہ قائم کر گئے غرض اپنی فطری ذہانت اور دینی بصیرت سے فقہ کے تمام متعلقات کو ایک مستقل فن بنا دیا آپ کے علمی کمالات کی فہرست بہت طویل ہے لیکن مقصود اختصار ہے اس لیے تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔

سیرت الفاروق عمرؓ فاروق اسلامی تعلیمات کی مجسم تصویر تھے۔

خشیت الٰہی تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے' خدا کا خوف آپ کے رگ و

پے میں ساری تھا' اس کے مواخذہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے' فرماتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا جنتی ہے تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہو گا کہ شاید وہ لیک بد قسمت انسان میں ہی ہوں۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵)

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اٹھا کر فرمایا کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا' کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵)

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا' کیوں ابو موسیٰؓ اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام' ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کے طفیل میں برابر سرابر پر چھوٹ جائیں نہ عذاب ملے نہ ثواب ابو موسیٰؓ نے کہا میں تو اس پر راضی نہیں ہوں ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں اس کے صلہ کی امید رکھتے ہیں فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخذہ چھوٹ جاؤں۔ (بخاری باب ایام الجاہلیۃ)

آیات قرآنی سے تاثر نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے تھے جن میں قیامت کی ہولناکی اور خدا کی عظمت و جلال کا ذکر ہوتا انہیں پڑھ کر زار زار روتے تھے' حدیث کی کتابوں میں ابواب الصلوٰۃ کے تحت میں اس کے بہت سے واقعات ہیں۔

حب رسولؐ ذات نبوی سے والہانہ شیفتگی تھی' جان' مال' اولاد ہر محبوب چیز آنحضرتؐ پر فدا تھی' جب آنحضرتؐ نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر چند دنوں کے لیے علیحدگی اختیار کر لی تھی تو حضرت عمرؓ کاشانہ نبویؐ پر حاضر ہوئے لیکن بار بار اذن طلب کرنے پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو پکار کر عرض کیا خدا کی قسم میں حفصہؓ ام المومنین (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں اگر رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو اس کا سر قلم کر دوں (فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۱)

آنحضرتؐ کی وفات پر غلبہ محبت میں آپ پر جو وارفتگی طاری ہو گئی تھی اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے' آپ کے وصال کے بعد جب عہد مبارک یاد آ جاتا تو روتے روتے بے تاب ہو جاتے تھے شام کے سفر میں جب حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ (فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس)

وصال نبویؐ کے بعد گو عرب کی سرزمین میں سونے چاندی کی گنگا بہنے لگی تھی' لیکن حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کی پرعسرت زندگی کی یاد میں اچھا کھانا نہ کھاتے تھے۔

متعلقین رسالت کالحاظ جناب رسالت مآبؐ کے تمام متعلقین کا پاس ولحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے' جب صحابہؓ کے وظائف مقرر کرنے چاہے تو اکابر صحابہ کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المومنین کے آپ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور آنحضرتؐ کے ساتھ تعلق کے قرب وبعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم' پھر ان میں بھی حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مقدم رکھا اس کے بعد بنی امیہ بن عبد شمس بنی نوفل بن عبد العزیٰ اپنے قبیلہ بنی عدی کو پانچویں نمبر پر رکھا' تنخواہوں کی تعداد میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی نسب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ کی تھیں اگرچہ حضرت حسنینؓ ان میں سے نہ تھے لیکن آنحضرتؐ کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بدری صحابہ کے برابر مقرر کیں رسول اللہؐ کی ازواج مطہرات کے وظیفے بارہ بارہ ہزار مقرر کیے آنحضرتؐ کے غلام زیدؓ کے صاحبزادے اسامہ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے جو بدری صحابہ تھے' زیادہ مقرر کی عبداللہؓ نے عذر کیا تو فرمایا رسول اللہ ﷺ اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے (کتاب الخراج ص ۲۴' ۲۵)

پابندی سنت آنحضرتؐ کی ذات سے اس تعلق کالازمی نتیجہ یہ تھا کہ آپ کسی کام میں سنت نبویؐ سے تجاوز نہ کرتے تھے' عبادت و معاملات کا ذکر نہیں' روزانہ کی زندگی میں اتباع سنت کا پورا اہتمام تھا' عمال کو پابندی سنت کے تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے ایک دفعہ یزید بن ابی سفیانؓ کے ساتھ کھانا کھایا معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ قسم کے کھانے لائے گئے تو ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے اگر تم رسول اللہ ﷺ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادہ مستقیم سے ہٹا دے گا۔

(کنزالعمال ج ۶ ص ۳۵۴)

وسعت کے باوجود اتباع سنت کے خیال سے بڑی تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے' ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے اس لیے آپ کو نرم کپڑوں اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیے حضرت عمرؓ نے جواب دیا جان پدر! تم

رسول اللہ ﷺ کی عسرت کی زندگی بھول گئیں خدا کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو۔ (بخاری باب الزہد)

زہد و قناعت آپ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب زہد و قناعت اور سادگی و تواضع ہے آپ کا زہد اکابر صحابہ میں مسلم تھا' حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ قدامت اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن الخطابؓ پر فضیلت حاصل ہے لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے حکومت کے تخت جلال پر بیٹھ کر جس زہد و قناعت کا نمونہ آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا' اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

آپ کی زندگی کا ایک رخ یہ ہے کہ ایران پر فوجیں بھیج رہے ہیں' قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے' خالدؓ اور امیر معاویہؓ سے باز پرس ہو رہی ہے' فاتح ایران و مصر کے نام فرامین جاری ہو رہے ہیں دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگا ہوا کرتا ہے' سر پر پھٹا ہوا عمامہ پاؤں میں بوسیدہ چپل' اسی حالت میں بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لیے کاندھے پر مشک ہے یا کسی وقت مسجد کے گوشہ میں کام سے تھک کر فرش خاک پر نیند آگئی ہے۔ (دیکھو ابن سعد ج ۲ حالات عمرؓ و کنزالعمال ج ۶ ص ۳۴۵ و مابعد) ابن سعد اور کنزالعمال میں آپ کے زہد کے بہت سے واقعات ہیں۔

سادگی سفر میں بھی خیمہ و خرگاہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا' جہاں منزل ہوتی درخت کے سایہ میں پڑے رہتے۔ (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۸) آپ کی سادگی کی وجہ سے ان لوگوں کو جن کی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈتی تھیں۔ آپ کو پہچاننے میں دقت ہوتی تھی۔

شام کے سفر میں جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المومنین کو ایسی معمولی حالت میں دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا' آپ نے فرمایا خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہ ہمارے لیے کافی ہے۔

احتساب نفس جب کبھی دل میں عجب و غرور کا شائبہ پیدا ہوتا تو فوراً اس کا تدارک کرتے تھے ایک دن خطبہ دیا اور صرف یہ فرمایا' صاحبو! میں ایک زمانہ میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کے لیے پانی بھر دیا کرتا اور وہ اس کے بدلے میں چھوہارے دیتے تھے وہی کھا کر

میں زندگی بسر کرتا تھا' یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کون سی بات تھی آپ نے خود ہی جواب دیا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آگیا تھا۔ یہ اس کی دوا تھی (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۰)

مزاج مزاج فطرۃً تیز و تند واقع ہوا تھا' اسلام سے پہلے تو قہر مجسم تھے' اسلام کے بعد بھی سختی قائم رہی' بات بات پر تلوار بے نیام ہو جاتی تھی لیکن خلافت کا بار پڑنے کے بعد بہت نرم ہو گئے تھے پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ گیا تھا' درحقیقت ان کی درشتی بھی ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی وہ حق کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے ان کی تند مزاجی کے جتنے واقعات ہیں وہ سب حمایت حق کے ہیں ورنہ اپنی ذات کے لیے وہ نہایت متحمل اور بردبار تھے' معاملات ملکی میں لوگ اختلاف کرتے تھے' معمولی معمولی باتوں پر ٹوکتے تھے لیکن آپ کی ابرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل خدا کے بارہ میں نرم ہو جاتا ہے تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہو جاتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

ذریعہ معاش حضرت عمرؓ کا اصل ذریعہ معاش تجارت تھا اسلام کے قبل سے ان کا یہ مشغلہ تھا اور اسلام کے بعد بھی قائم رہا خیبر کی فتح کے بعد آنحضرتؐ نے ان کو ایک قطعہ اراضی ثمغ نامی مرحمت فرمایا تھا اسی نام کی ایک اور زمین ایک یہودی سے لی تھی لیکن یہ دونوں زمینیں انہوں نے کار خیر کے لیے وقف کر دی تھیں۔

خلافت کے بعد بقدر کفاف وظیفہ مقرر ہوا' پھر کبار صحابہ کے وظائف کے ساتھ ان کا بھی پانچ ہزار مقرر ہوا۔

غذا اور لباس لیکن زندگی کے کسی دور میں آپ کی سادگی میں فرق نہ آیا آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے گذارہ کے لیے جو وظیفہ مقرر کیا گیا تھا اس کی تعداد دو درہم روزانہ تھی اسے بھی اس شرط سے قبول کیا تھا کہ جب مالی حالت درست ہو جائے گی تو نہ لیں گے فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے مال میں میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۱۸) آپ کے لباس میں صرف چند جوڑے موٹے کپڑے ہوتے تھے ان میں بھی پیوند پر پیوند لگے ہوتے (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص

۳۴۷) ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے اس بارہ میں گفتگو کی تو فرمایا کہ مسلمانوں کے مال میں سے اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔

ان ہی کپڑوں میں بر سر عام نکلتے تھے حضرت حسنؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے' میں نے شمار کیا تو ان کے تہبند میں بارہ پیوند تھے کبھی کبھی صرف ایک ہی جوڑا رہ جاتا تھا' اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔ (کنزالعمال ج ۶ ص ۳۴۷) ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا' امیرالمومنین خدا نے آپ کو فارغ البال کیا ہے' آپ کے پاس بادشاہوں کے سفراء اور عرب کے وفود آتے ہیں' اس لیے آپ کو اپنی زندگی میں تغیر کرنا چاہیے' فرمایا افسوس تم دونوں امہات المومنین ہو کر دنیا کی ترغیب دیتی ہو' عائشہؓ تم رسول اللہ ﷺ کو بھول گئیں جب کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جسے آپ دن میں بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے' حفصہ تم کو یاد نہیں کہ ایک مرتبہ تم نے فرش کو دہرا بچھا دیا تھا اس کی نرمی کے سبب سے رسول اللہ ﷺ رات بھر سوتے رہے اور جب بلالؓ نے اذان دی اس وقت آنکھ کھلی اور آپ نے فرمایا تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دہرا کر دیا کہ میں صبح تک سوتا رہا مجھے دنیاوی راحت سے کیا علاقہ' تم نے فرش کی نرمی کی وجہ سے مجھے غافل کر دیا (کنزالعمال ج ۶ ص ۳۵۰)

غذا میں عموماً موٹے بے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا' کبھی کبھی گوشت اور اچھی چیز بھی کھا لیتے تھے' کھانے کی سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ کا کھانا دوسرے لوگ بے مشکل کھا سکتے تھے' ایک مرتبہ عتبہ بن فرقد آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے ابلا ہوا گوشت اور سوکھی ہوئی روٹی کے ٹکڑے ان کے حلق سے نہ اترتے تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ عتبہ نے عرض کیا' امیرالمومنین! اگر آپ اپنے کھانے' پینے' پہننے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس سے مسلمانوں کے مال میں کچھ کمی نہ ہو جائے گی فرمایا افسوس تم مجھے دنیاوی عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو۔ (کنزالعمال ج ۶ ص ۳۴۸)

اولیات حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جو نئی باتیں ایجاد کیں مورخین انہیں اولیات سے تعبیر کرتے ہیں' ان کی فہرست یہ ہے۔ (۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کرنا۔ (۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے (۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے (۴) امیر

المومنین کا لقب اختیار کیا (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا (۶) والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں (۷) دفتر مال قائم کیا (۸) پیمائش کا طریقہ جاری کیا (۹) مردم شماری کرائی (۱۰) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی (۱۱) نہریں کھدوائیں (۱۲) شہر آباد کرائے (۱۳) ممالک کو صوبوں میں تقسیم کیا (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا (۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی (۱۶) جیل خانہ قائم کیا (۱۷) درہ کا استعمال کیا (۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا (۲۰) فوجی چھاؤنیاں قائم کیں (۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مخبس کی تمیز قائم کی جو عرب میں نہ تھی (۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے (۲۳) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے چوکیاں اور سرائیں بنوائیں (۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے (۲۵) قاعدہ بنایا کہ اہل عرب غلام نہیں بنائے جاسکتے (۲۶) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے (۲۷) مکاتب قائم کیے (۲۸) معلموں اور مدرسوں کے مشاعرے مقرر کیے (۲۹) حضرت ابوبکرؓ سے باصرار کلام اللہ کی تدوین کرائی (۳۰) قیاس کا اصول قائم کیا (۳۱) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا (۳۲) فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا (۳۳) نماز تراویح جماعت سے قائم کی (۳۴) تین طلاقوں کو اگر ایک ساتھ دی جائیں بائن قرار دیا (۳۵) شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کی (۳۶) تجارت کے گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی (۳۷) بنی تغلب کے عیسائیوں پر جزیہ کی بجائے زکوۃ مقرر کی (۳۸) وقف کا طریقہ ایجاد کیا (۳۹) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا (۴۰) مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کیا (۴۱) اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں (۴۲) مسجدوں میں روشنی کا انتظام کیا (۴۳) ہجو کہنے والے کے لیے تعزیر کی سزا مقرر کی (۴۴) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا (یہ اولیات طبری، تاریخ الخلفاء اور سیرت عمر ابن جوزی میں مذکور ہیں)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(۲۴ھ تا ۳۵ھ مطابق ۶۴۵ھ تا ۶۵۵ھ)

ترجمہ عثمان حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے' آپ کے ساتھ آنحضرتؐ کی دو صاحبزادیوں کی شادی ہوئی تھی' اس لیے آپ "ذوالنورین" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں حضرت عثمانؓ قریش کی مشہور شاخ بنی امیہ سے تھے' پانچویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے بنی امیہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز مقتدر چلا آتا تھا قریش کے خانوادوں میں بنی ہاشم کے سوا کوئی ان کا مقابل نہ تھا' قریش کا مشہور عمدہ عقاب یعنی فوجی نشان کی علمداری اسی میں تھی' حضرت عثمانؓ کے مورث اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے بڑے دبدبہ و شکوہ کے رئیس تھے۔

حضرت عثمانؓ ہجرت نبویؐ کے سینتالیس سال قبل پیدا ہوئے بچپن کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ معاش کا ذریعہ تجارت تھا' اور اس میں اپنی دیانت اور راستبازی سے اتنی ترقی حاصل کر لی تھی کہ قریش کے دولت مند ترین لوگوں میں شمار تھا' اپنی ثروت کی وجہ سے غنی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

آپ کا چونتیسواں سال تھا کہ اسلام کا ظہور ہوا حضرت ابوبکرؓ سے حضرت عثمانؓ کے نہایت گہرے تعلقات و روابط تھے صدیق اکبرؓ کی تبلیغ نے انہیں اسلام کی طرف مائل کر لیا اور وہ آنحضرتؐ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہو گئے۔ (اصابہ ج ۸ تذکرہ سعدی بنت کریز و اسد الغابہ تذکرہ عثمانؓ) آنحضرتؐ نے اپنی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ کا عقد ان کے ساتھ کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کا خاندان یعنی بنو امیہ اسلام اور مسلمانوں کے نہایت سخت دشمن تھے ان کا غصہ غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا' خود حضرت عثمانؓ کے چچا حکم اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے انہوں نے اسلام کے جرم میں بھتیجے کو باندھ کر مارا' تمام اعزہ نے منہ موڑ لیا' کچھ دن تک حضرت عثمانؓ ان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے پھر اذن ہجرت کے بعد اپنی

اہلیہ حضرت رقیہؓ کو لے کر حبشہ چلے گئے اور ہجرت اولی میں اولیت کا شرف حاصل کیا چند سال کے بعد قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر مکہ واپس آئے ان کے اور ساتھی تو پھر حبشہ لوٹ گئے مگر یہ مکہ میں مقیم رہ گئے پھر چند دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے۔ (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۸)

بیئر رومہ کی خریداری حضرت عثمانؓ نہایت دولت مند تھے، ان کی دولت سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا، مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملک میں تھا اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، غریب مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ (استیعاب ج ۲ ص ۴۸۸)

مدینہ آنے کے بعد حضرت عثمانؓ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے، بدر میں حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے آنحضرتؐ نے روک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم کو شرکت کا اجر اور غنیمت میں دونوں کا حصہ ملے گا۔ (بخاری مناقب عثمانؓ) احد میں بھی شریک تھے، رسول اللہ ﷺ کی خبر شہادت نے بہت سے صحابہ کو ایسا از خود رفتہ کر دیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور حضرت عثمانؓ بھی انہی میں تھے ان کو اس کا سخت قلق تھا۔ جب وحی الٰہی نے ان صحابہ کو بری قرار دیا اس وقت آپ کو اطمینان ہوا، غزوہ ذات الرقاع میں مدینہ پر آنحضرتؐ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔ (ابن سعد جلد اول ق ۳ ص ۳۹) غزوہ حدیبیہ میں بھی ہمرکاب تھے، چنانچہ سفارت کی خدمت آپ ہی کے سپرد تھی، جس کے حالات عہد رسالتؐ میں گذر چکے ہیں یہ وہ اعزاز ہے جو آپ کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہیں ہوا۔ غزوہ تبوک کے زمانہ میں عرب میں سخت قحط سالی تھی عین ان حالات میں غزوہ تبوک پیش آیا تمام صاحب مقدرت صحابہ نے جنگی اخراجات کے لیے روپیہ دیا حضرت عثمانؓ نے آدھی یا تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے، اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد بطور سامان رسد کے پیش کیے، حضرت عثمانؓ کی اس خدمت کا آنحضرتؐ پر اتنا اثر ہوا کہ آپ ان کی دی ہوئی اشرفیوں کو اچھالتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۰۳ و ترمذی مناقب عثمان) غرض عثمان غنی کی جان اور ان کی ساری دولت اسلام

کے لیے وقف تھی۔

خلافت اور فتوحات

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور اپنے مفید مشوروں سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے تھے ان کے خدمات اسلامی اور سبقت فی الاسلام کی بناء پر حضرت عمرؓ نے وفات کے وقت ان چھ آدمیوں میں جنہیں آپ نے اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا تھا ایک نام آپ کا بھی تھا حضرت عمرؓ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مقدادؓ نے چھوؤں آدمیوں کو مسور بن مخرمہ کے گھر میں یکجا کیا' مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ انتخاب کی صورت یہ ہے کہ چھ کی تعداد کو کم کر دیا جائے اور جو شخص جسے زیادہ اہل سمجھتا ہو اس کا نام پیش کر دے اس تجویز پر حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام پیش کیا' لیکن آپ نے اپنا نام واپس لے لیا اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کا اور حضرت زبیر نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا' اس تحریک پر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا کہ صرف دو نام رہ گئے ہیں ان دونوں میں سے جو شخص کتاب اللہ' سنت رسول اور سنت شیخین پر عمل کرنے کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی سے فرمایا کہ اگر آپ دونوں حضرات اس کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑیں تو زیادہ مناسب ہے' دونوں راضی ہو گئے' ان سے اجازت لینے کے بعد انہوں نے مسجد نبویؐ میں مسلمانوں کو جمع کر کے ایک موثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی آپ کی بیعت کے بعد حضرت علیؓ نے ہاتھ بڑھایا' آپ کے بیعت کرتے ہی ساری خلقت ٹوٹ پڑی' بیعت عام کے بعد محرم ۲۴ھ میں حضرت عثمانؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ (ابن سعد جلد ۳ ق اول ص ۴۳' ۴۴ یہ واقعات طبقات اور تاریخ کی تمام کتابوں میں ہیں) ابتداء میں کچھ دنوں تک حضرت عثمانؓ نے فاروقی نظام میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا' صرف مغیرہ بن شعبہؓ کو حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق کوفہ کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاصؓ کو مقرر کیا اور تمام عہدیداران حکومت اور افسران فوج کے نام فرامین جاری کیے جن میں

عمال کو رعایا پروری کی ہدایت، جلب زر کی ممانعت، مسلمانوں اور ذمیوں کے حقوق کی حفاظت، افسران فوج کو فوجی نظام کی پابندی، تحصیلداروں کو واجبی محاصل سے زیادہ وصول کرنے کی ممانعت، امانتداری، یتیموں اور ذمیوں کے مال میں انصاف و دیانت کی تاکید تھی، ان ہدایتوں کے علاوہ عوام کے لیے بھی اس فرمان میں مفید ہدایات تھیں۔ (ابن سعد میں یہ پورا فرمان منقول ہے)

پہلا مقدمہ حضرت عثمانؓ کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد آپ کے سامنے سب سے پہلا مقدمہ حضرت عمر کے صاحبزادے عبیداللہؓ کے قصاص کا پیش ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے قاتل ابو لولو نے آپ کو شہید کرنے کے بعد فوراً خود کشی کر لی تھی لیکن بعض واقعات کی بنا پر عبیداللہ بن عمرؓ کو شک تھا کہ ابو لولو کے ساتھ دو آدمی اور جفینہ اور ہرمزان قتل کی سازش میں شریک تھے۔ انہوں نے جوش غضب میں ان کو قتل کر دیا، بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا، آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے رائے دی، کہ قصاص میں قتل کرنا چاہیے، لیکن دوسرے صحابہ نے مخالفت کی کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ کل عمرؓ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو تلوار کے حوالہ کیا جائے، اس اختلاف رائے پر آپ نے قصاص کی سزا کو دیت سے بدل دیا اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کی۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹)

اسکندریہ کی بغاوت مصر کا علاقہ اپنی زرخیزی کی وجہ سے رومی حکومت کا نہایت اہم حصہ تھا اس لیے قیصر کو برابر اس کی واپسی کی فکر لگی ہوئی تھی، اسکندریہ میں رومیوں کی بڑی تعداد آباد تھی حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ۲۵ھ میں قیصر نے انہیں خفیہ بھڑکا کر بغاوت کرا دی اور قسطنطنیہ سے جنگی بیڑا مدد کے لیے بھیجا لیکن عمرو بن العاصؓ نے فوراً پہنچ کر رومیوں کو نہایت فاش شکست دی، قبطی سابق مصالحت پر قائم تھے، انہوں نے اس بغاوت میں حصہ نہ لیا تھا اس لیے رومیوں نے بھاگتے ہوئے انہیں خوب لوٹا، بغاوت فرو ہونے کے بعد یہ لوگ عمرو بن العاصؓ کے پاس فریاد لے کر گئے جہاں تک مل سکا عمرو بن العاصؓ نے ان کا مال واپس کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۳۱) اس کے بعد آئندہ بغاوت کے خطرہ سے حفاظت کے لیے شہر پناہ مسمار کرا دی۔

آرمینیہ اور آذربائیجان کی بغاوت اور بعض فتوحات اسی سنہ میں آذربائیجان

اور آرمینیہ کے علاقے صلح توڑ کر باغی ہو گئے حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ کو بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا انہوں نے فوج کشی کر کے آذربائیجان کو مطیع بنایا اور مسلمان بن ربیعہ باہلی کو آرمینیہ بھیجا ابھی یہ برسرپیکار تھے کہ معلوم ہوا کہ ایشیائے کوچک میں رومیوں نے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے یہ اطلاع پاکر یہ ادھر بڑھے اور راستے میں کئی قلعے فتح کیے۔

دوسری طرف حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کیا یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کرلی' کچھ تو جزیہ دے کر یہیں رہ گئے اور کچھ جلاوطن ہو گئے۔

اسی دوران میں ایشیائے کوچک کے بطریق اعظم نے اسی (۸۰) ہزار فوجیں حبیب کے مقابلہ کے لیے بھیجیں' حبیب نے انہیں شکست دے کر ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور بہت سے علاقوں کو مطیع اور اران اور گرجستھان کے بعض علاقوں کو فتح کیا۔

اسی سنہ میں امیر معاویہ نے ایشیائے کوچک پر فوج کشی کی اور بروسہ تک بڑھتے چلے گئے۔ اور انطاکیہ اور طرطوس کے درمیان جس قدر قلعے تھے سب میں اسلامی نوآبادیاں قائم کردیں۔ (ابن اثیر ص ۳۲' ۳۳ و فتوح البلدان بلاذری ص ۲۰۵' ۲۰۶) اسی سال میں عبداللہ بن ابی سرح والی مصر نے افریقہ پر حملہ کے انتظامات کیے۔

عمرو بن العاصؓ کی معزولی عمرو بن العاصؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مصر کے والی تھے اس کا ایک حصہ جو سعید مصر کہلاتا ہے' عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق تھا' شعبہ خراج میں بھی ابن ابی سرح کے کچھ اختیارات تھے اس دو عملی کی وجہ سے دونوں میں نبھتی نہ تھی اور حضرت عثمانؓ سے ایک دوسرے کی شکایت کرتے تھے' ابن ابی سرحؓ کو شکایت تھی کہ عمروؓ بن العاصؓ نے خراج کی رقم گھٹا دی اور عمرو بن العاصؓ کہتے تھے کہ ابن ابی سرح نے فوجی قوت کمزور کردی مصر کے خراج کی کمی کی شکایت کی جو حضرت عمرؓ کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی' حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ سے اس میں اضافہ کا مطالبہ کیا' انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اونٹنی اس سے زیادہ نہیں دے سکتی۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے ابن ابی سرح کو پورے صوبہ کا والی بنا دیا انہوں نے خراج کی آمدنی میں کافی اضافہ کیا' حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا' عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا ہاں لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

طرابلس کی فتح عبداللہ بن ابی سرح نہایت حوصلہ مند نوجوان تھا' شمالی افریقہ کے

خوش سواد علاقے طرابلس الغرب، تونس، مراکش اور الجزائر مصر کے ہم سرحد اور بالکل سامنے تھے اور ۲۵ھ ہی سے اس پر عبداللہ کی نگاہیں پڑ رہی تھیں اور وہ اسی زمانہ میں اس کا جائزہ لینے کے لیے ایک سرسری چکر لگا آیا تھا، ۲۶ھ میں اس نے باقاعدہ شمالی افریقہ پر فوج کشی کی، اس کے طرابلس الغرب کے حدود میں داخل ہونے کے بعد یہاں کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ میں آیا، دونوں میں عرصہ تک جنگ ہوتی رہی، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، جب زیادہ عرصہ لگ گیا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ مدد کے لیے بھیجا، ان کے بعد بھی کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، آخر میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک دن فوج کا ایک حصہ ایک مقام پر چھوڑ دیا اور ایک حصہ لے کر مقابلہ میں آئے اور دن بھر نہایت شدت کی جنگ ہوتی رہی، آخر میں جب دونوں تھک کر الگ ہو گئے اس وقت وہ فوج جو آرام کر رہی تھی دفعتہً پہنچ کر حملہ آور ہو گئی، طرابلسی بالکل چور ہو چکے تھے اس لیے مزید مقابلہ نہ کر سکے اور جرجیر نے پچیس ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۵) طرابلس کی فتح کے بعد تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ تمام علاقے آسانی کے ساتھ زیر نگیں ہو گئے۔

اسپین پر حملہ شمالی افریقہ کی تسخیر کے بعد بحر روم کا دروازہ کھل گیا، چنانچہ ۲۷ھ میں عبداللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا لیکن اس وقت مستقل فوج کشی کا خیال نہ تھا اس لیے صرف یورپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر لوٹ آئے۔

قبرص کی فتح امیر معاویہؓ عہد فاروقی سے صوبہ دمشق کے والی تھے، حضرت عثمانؓ نے انہیں پورے شام کا والی بنا دیا تھا انہوں نے طرابلس، الشام، عموریہ اور ملطیہ وغیرہ فتح کیے، قبرص پر جو ساحل شام کے قریب ہی نہایت زرخیز اور شاداب جزیرہ ہے فاروقی عہد سے امیر معاویہؓ کی نظر تھی، چنانچہ انہوں نے آپ سے اس پر فوج کشی کی اجازت بھی مانگی تھی، لیکن حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے، اس لیے اجازت نہ دی، حضرت عثمانؓ نے بھی شروع میں احتیاط برتی لیکن جب اس کا یقین ہو گیا کہ بحری جنگ میں کوئی خطرہ نہیں ہے تو اجازت دے دی مگر یہ شرط کر دی کہ جو شخص بخوشی شرکت کرنا چاہے اسے شریک کیا جائے کسی پر جبر نہ کیا جائے، اجازت ملنے کے بعد امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کیا یہاں کے باشندے نہایت نرم خو تھے جنگ و جدال سے گھبراتے تھے، اس لیے انہوں نے سات ہزار

دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ اس صلح میں یہ شرط تھی کہ مسلمان ان کی پوری حفاظت کریں گے اور رومیوں کے مقابلہ کے لیے اہل قبرص مسلمانوں کو اپنے جزیرہ سے گذرنے دیں گے اور رومیوں کے حالات کی مسلمانوں کو خبر کرتے رہا کریں گے۔ کئی سال تک یہ صلح قائم رہی لیکن ۳۲ھ میں اہل قبرص نے مسلمانوں کے خلاف رومیوں کو مدد دی اس لیے امیر معاویہؓ نے دوبارہ فوج کشی کر کے قبرص کو اسلامی مقبوضات میں شامل کر لیا اور مسلمانوں کی یہاں نو آبادی قائم کر دی۔ (فتوح البلدان ص ۱۵۹، ۱۶۰ و ابن اثیر ج ۳ ص ۴۷، ۱۰۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی حکومت سے معزول کر دیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے خلاف چلی آ رہی تھی، لیکن صولت فاروقی کی وجہ سے علانیہ مخالفت کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اس جماعت نے قوت حاصل کر لی، سوئے اتفاق سے اسی زمانہ میں کردوں نے بغاوت کی ابو موسیٰ اشعریؓ نے جہاد پر وعظ کیا اور راہ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے لیکن ابو موسیٰؓ کی مخالف جماعت نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے دیکھیں ہمارا امیر کس شان سے چلتا ہے اگر اس کا قول و فعل مطابق ہے تو ہم بھی اس کے پیچھے پیادہ چلیں گے اتفاق سے حضرت ابو موسیٰؓ جس وقت روانہ ہوئے ان کی سواری میں ایک عمدہ ترکی گھوڑا تھا اور چالیس خچروں پر ان کا سامان بار تھا ایک شخص نے بڑھ کر باگ روک لی اور کہا قول و فعل میں یہ اختلاف اب ہم کو سواری دو اور خود پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرو، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کی یورش دیکھ کر کوڑا مارا، یہ لوگ شکایت لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور ان سے ابو موسیٰ کی معزولی کا مطالبہ کیا ان کے مطالبہ پر حضرت عثمانؓ نے ابو موسیٰؓ کو معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو والی مقرر کیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۴۷)

ایران کی بغاوت اور فارس پر مکمل قبضہ عہد فاروقی کی فتوحات میں گذر چکا ہے کہ ایران کی فتح کے بعد یزدگرد ترکستان بھاگ گیا تھا، اس وقت سے وہ برابر ایران میں بغاوت کرانے کی سازشیں کرتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ۲۹ھ میں فارس اور کرمان سے لے کر خراسان تک سارے

عجم میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔

حضرت عثمانؓ نے فوراً اس کی طرف توجہ کی اور عبیداللہ بن معمر کو فارس کی مہم پر مامور کیا، لیکن وہ ناکام ہو کر مارے گئے اور ان کے قتل ہونے کے بعد عبداللہ بن عامرؓ والی بصرہ نے اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا اٹھایا اور بصرہ سے فارس پہنچا، اہل فارس نے پوری قوت اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن ابن عامر نے انہیں شکست دے کر فارس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

ولید بن عقبہؓ کی معزولی ۳۰ھ میں ایک سازش کے ماتحت جس کی تفصیل آئندہ کسی موقع پر آئے گی، ولید بن عقبہ والی کوفہ معزول کر دیئے گئے اور ان کی جگہ سعید ابن العاص کا تقرر ہوا۔

طبرستان کی فتح اہل طبرستان نے عہد فاروقی میں صلح کر لی تھی، عجم کی بغاوت کے سلسلہ میں انہوں نے بھی صلح توڑ دی تھی، اس لیے ۳۰ھ میں سعید بن العاص نے طبرستان پر فوج کشی کی حضرت امام حسنؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ متعدد صحابہ اس مہم میں شریک ہوئے تھے، سعید بن عامر سیدھے جرجان پہنچے، یہاں کے باشندوں نے دو لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی جرجان کے بعد پورے طبرستان کو فتح کر لیا۔

خراسان سعید کے ساتھ ہی عبداللہ بن عامر خراسان روانہ ہوئے تھے، راستے سے انہوں نے مجاشع بن مسعود سلمی کو کرمان اور ربیع بن زیاد کو سجستان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا اور خود خراسان پہنچے اور اس کے پورے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں، انہوں نے باخرز، جوین، بیہق وغیرہ فتح کیے اور ابن عامر نے خواف، اسفرائن اور ارغیان پر قبضہ کر کے نیشاپور کا محاصرہ کر لیا، ایک مہینہ کے بعد نیشاپور کے مرزبان نے صلح کر لی، نیشاپور پر قبضہ کے بعد خراسان کے اور بڑے بڑے مقامات نساء، سرخس اور ابیورد وغیرہ آسانی کے ساتھ قبضہ میں آ گئے۔

یزدگرد اس زمانہ میں یہیں تھا، بغاوت فرو ہونے کے بعد مایوس ہو کر بھاگا، مسلمان عرصہ تک اس کا تعاقب کرتے رہے، مہینوں وہ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا، آخر میں ایک دہقانی کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کی موت کے بعد ساسانی خاندان اور اسی کے ساتھ اس کی

ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہو گیا۔

طخارستان کی فتح خراسان پر تسلط قائم ہو جانے کے بعد ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان بھیجا' انہیں دیکھ کر طالقان' جوزجان اور فاریاب وغیرہ قرب و جوار کے سارے علاقوں کے باشندے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے امنڈ آئے' لیکن احنف نے بڑی خون ریز جنگ کے بعد ان سب کو شکست دی' کچھ شکست خوردہ فوجوں نے طالقان اور جوزجان میں اجتماع کیا' اس لیے' احنف خود طالقان اور فاریاب کو صلحاً" مطیع کر کے بلخ کی طرف بڑھے اور اقرع بن حابس کو دوسری سمت جوزجان بھیجا' انہوں نے جوزجان پہنچ کر انہیں شکست دے کر جوزجان پر قبضہ کر لیا اسی دوران میں احنف طالقان اور فاریاب صلحاً" مطیع کر کے بلخ کی طرف بڑھے لیکن جیحون نہ پار کر سکے ماوراء النہر کے بعض امراء نے ان کے پاس آ کر اظہار اطاعت کیا اور قیمتی ہدایا پیش کیے۔

کرمان اور سجستان پر قبضہ اوپر گذر چکا ہے کہ ابن عامر نے کرمان اور سجستان کی مہمیں علی الترتیب مجاشع بن مسعودؓ اور ربیع بن زیادؓ کے متعلق تھیں' چنانچہ مجاشع نے اسی سنہ میں کرمان کے شہر سیرجان پر قبضہ کر کے یہاں کی شورش پسند آبادی کو نکال دیا یہاں سے نکل کر یہ لوگ قفص میں جمع ہوئے مجاشع نے قفص جا کر بھی انہیں شکست دی اور کرمان کے علاقہ پر قبضہ ہو گیا۔

دوسری طرف ربیع بن زیاد سجستان کی طرف بڑھے اور چھوٹی چھوٹی آبادیوں کو مطیع کرتے ہوئے سجستان کے صدر مقام زرنج پہنچے' یہاں کے باشندوں نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر قلعہ بند ہو گئے' ربیع نے محاصرہ کر لیا' آخر میں یہاں کے مرزجان نے محاصرہ سے گھبرا کر صلح کر لی اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے' زرنج پر قبضہ کے بعد ربیع ایک سال تک یہاں مقیم رہے پھر اپنا ایک نائب چھوڑ کر ابن عامر کے پاس لوٹ گئے' ان کی واپسی کے بعد زرنج کے باشندے ان کے نائب کو نکال کر پھر باغی ہو گئے اس مرتبہ ابن عامر نے عبدالرحمن بن سمرہ کو بھیجا انہوں نے پہنچتے ہی زرنج کا محاصرہ کر لیا مرزبان نے پھر سپر ڈال کر صلح کر لی۔

کش اور دوار کی فتوحات عبدالرحمنؓ بڑے حوصلہ مند تھے' سجستان کو قابو میں

لانے کے بعد کابل کی سمت فوجیں بڑھادیں اور رنج سے لے کر دوار کے علاقہ تک قبضہ کر لیا، دوار کے باشندے کوہ روز میں جمع ہوئے، عبدالرحمن نے انہیں گھیر لیا ان لوگوں میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے صلح کرلی، اس پہاڑ پر ٹھوس سونے کا ایک بت نصب تھا اس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں، عبدالرحمن نے اس کے ہاتھ کاٹ کر آنکھیں نکال لیں پھر مرزبان کو یہ کہہ کر واپس کردیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی صرف یہ دکھانا تھا کہ بت کچھ نفع و نقصان نہیں پہنچاسکتے۔

غزنہ کی فتح اب زابلستان یعنی غزنہ کا علاقہ سامنے تھا، کوہ روز کے بعد عبدالرحمن نے ادھر کا رخ کیا اور غزنہ سے لے کر کابل تک کا علاقہ فتح کرلیا۔

یہ تمام فتوحات ابن عامر کی امارت کے زمانہ میں ہوئی تھیں، ان کی تکمیل کے بعد وہ ان کے شکرانہ میں حج کو روانہ ہو گئے۔ (تمام حالات طبری اور ابن اثیر اور فتوح البلدان بلاذری سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

سواحل شام پر رومیوں کا حملہ اگرچہ مسلمانوں نے رومیوں کو پیہم شکستیں دے کر ان کی قوت بہت کمزور کردی تھی لیکن ہاتھوں سے نکلے ہوئے ملک کا غم ان کے دل سے نہ بھولتا تھا چنانچہ آخری آزمائش کے لیے ۳۱ھ میں قیصر روم نے پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ سواحل شام پر ہجوم کیا، امیر معاویہؓ اور عبیداللہؓ بن ابی سرح نے نہایت کامیاب مدافعت کی اور رومیوں کو نہایت فاش شکست دی اور وہ باحال تباہ قسطنطنیہ لوٹ گئے۔

متفرق فتوحات ان اہم معرکوں اور فتوحات کے علاوہ عہد عثمانی میں اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اور مہمیں بھی حاصل ہوئیں۔ ۳۲ھ میں امیر معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور ۳۳ھ میں اناطولیہ کے قلعہ حصن المراۃ پر قبضہ کرلیا، ۳۴ھ میں افریقہ میں بڑی زبردست بغاوت ہوئی، لیکن عبداللہ نے پوری مستعدی سے فرو کردی، غرض دس سال کے عرصہ میں اسلامی حکومت کے حدود ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کے صدر دروازہ تک وسیع ہو گئے۔

انقلاب اور حضرت عثمانؓ کی شہادت

دور عثمانی کے ابتدائی پانچ چھ سال نہایت امن و سکون سے گزرے، فتوحات کی وسعت مال غنیمت کی فراوانی، محاصل و خراج کی زیادتی، وظائف کی کثرت اور زراعت و تجارت کی ترقی نے ملک کو فارغ البالی اور عیش و تنعم کے سامانوں سے معمور کردیا، اس کے ساتھ ساتھ اس کے لوازم و نتائج، بغض و حسد اور رشک و روابط کا قدم بھی آیا اور ان اندرونی تغیرات اور بیرونی اسباب نے مل کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسا انقلاب بپا کیا کہ جس نے نظام خلافت کو درہم برہم کردیا، اس انقلاب کے خارجی اسباب حسب ذیل تھے۔

۱۔ کبار صحابہ جو اسلام کے سچے خدمت گار اور شیدائی تھے، اٹھتے جاتے تھے اور ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی تھی، بہت سے بزرگ ضعف پیری کی وجہ سے عملی کاموں میں حصہ لینے کے قابل نہ رہ گئے تھے، ان کی جگہ نئی نسل لے رہی تھی، جن میں ان کے اسلاف کے جیسا خلوص و ولولہ تو کجا مال و دولت کی فراوانی نے ان میں رشک و حسد کا مادہ پیدا کردیا تھا۔

۲۔ حضرت عمرؓ بڑے عاقبت اندیش تھے، انہوں نے اپنے زمانہ میں اکابر قریش کو جن کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا، مدینہ سے باہر نہیں نکلنے دیا، حضرت عثمانؓ نے یہ قید اٹھا دی یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے تو خاندان رسالت کے تعلق سے لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور وہ بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بن گئے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں بھی اپنی جلالت شان کا احساس پیدا ہو گیا اور مفتوحہ اقوام نے ان میں خلافت کے جذبات پیدا کردیے۔

۳۔ اسلام نے جن اقوام و مذاہب کو مغلوب کیا تھا، ان میں مخفی مگر نہایت سخت منتقمانہ جذبات موجود تھے انہوں نے خلافت کو درہم برہم کرنے کے لیے سازش کا نہایت وسیع جال بچھادیا۔

۴۔ قریش اپنے خاندانی اعزاز کی وجہ سے اپنے کو عام عربوں سے بلند سمجھتے تھے انہیں بڑی بڑی جاگیریں ملی تھیں ان کے اس غرور و امتیاز کو وہ قومیں جن کی تلواریں ملکوں

کے فتح کرنے میں برابر کی شریک تھیں' ناپسند کرتی تھیں۔

۵۔ بنی ہاشم خلافت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے ان میں اور بنی امیہ میں قدیم چشمک تھی جو عہد نبویؐ میں دب گئی تھی اس کے بعد پھر ابھر آئی۔

۶۔ حضرت عثمانؓ بڑے نرم خو اور کنبہ پرور تھے' اپنی جیب خاص سے بنی امیہ کی بڑی مدد کرتے تھے اسی کنبہ پروری میں اپنے بہت سے عزیزوں کو جن میں حکومت کی اہلیت نہ تھی یا آپ کو ان کا تجربہ نہ تھا' حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز کر دیا تھا ان کی بے عنوانیوں پر لوگوں کو نکتہ چینی کا موقع مل گیا۔

۷۔ اپنی فطری نرمی کی وجہ سے حضرت عثمانؓ معمولی بے عنوانیوں سے چشم پوشی کر جاتے تھے اس لیے ناتجربہ کار اموی عمال کی بے عنوانیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقع مل گیا' اور قریش کے ان نوجوانوں نے جنہیں آپ سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا تھا برملا نکتہ چینی شروع کر دی اور آپ کی کنبہ پروری کو نہایت بدنما شکل میں مشہور کرنا شروع کر دیا جس کا دوسروں پر نہایت ناگوار اثر پڑا۔

ان حالات کی وجہ سے یہودیوں اور مجوسیوں کو جن کی حکومت اور جن کے مذہبی وقار کو اسلام نے مٹایا تھا' بدلہ لینے کا موقع مل گیا' چنانچہ اس انقلاب کی اصل بانی یہی دونوں قومیں تھیں۔

عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی ان مخالفین میں سب سے بڑا فتنہ انگیز بلکہ دشمن اسلام ایک بظاہر نو مسلم لیکن منافق یہودی عبداللہ بن سبا تھا' اسلام نے سب سے زیادہ صدمہ یہودیوں کے مذہبی وقار کو پہنچایا تھا اس لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے' اور عہد نبویؐ ہی سے اس کی بیخ کنی کے درپے تھے' لیکن عہد فاروقی تک ان کو اس میں کامیابی نہ ہوئی' حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب نظام خلافت میں وہ استواری باقی نہ رہی اور اموی عمال کی بعض بے عنوانیاں اور دوسرے مختلف اسباب کی بنا پر' جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف نکتہ چینی شروع ہوئی' اس وقت عبداللہ بن سبا کو یہودیوں کی پرانی عداوت نکالنے کا موقع مل گیا' یہ بڑا ذہین طباع اور سازشی دماغ رکھتا تھا' چونکہ یہودی مذہب پر قائم رہ کر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا' اس لیے اس نے

اسلام کا لباس پہن کر حضرت عثمانؓ بلکہ در حقیقت اسلام کے خلاف ایک وسیع سازش شروع کر دی۔

بنی امیہ اور بنی ہاشم میں پرانی چشمک چلی آ رہی تھی، گو اسلام نے اس کو دبا دیا تھا، لیکن وہ دلوں سے مٹی نہ تھی، ابن سباء نے سب سے پہلے اسے ابھارا اور محب اہل بیت کے لباس میں ان کی حمایت کے ساتھ ساتھ خلفائے ثلثہ خصوصاً حضرت عثمانؓ اور بنی امیہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے اور ان میں تفریق پیدا کرنے کے لیے ان کے اوصاف و سادہ عقائد میں خرافات شامل کر دیئے، مثلاً رسول اللہؐ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح ایک دن اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے، اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ کے وصی حضرت علیؓ ہیں، رسول اللہ کی وصیت کو پورا نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے ظلم سے خلافت حاصل کی ہے وغیرہ ذالک من الخرافات۔

تفریق کا یہ بیج بونے کے بعد اس نے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کیے۔

(۱) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پر فریب لباس میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا۔

(۲) عثمانی عمال کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنا۔

(۳) حضرت عثمانؓ کی کنبہ پروری کی داستان مشہور کرنا۔

اس سازش کا جال اس نے تمام اسلامی مرکزوں میں بچھا دیا اور ہر جگہ دعاۃ اور خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈہ کیا کہ چند ہی دنوں میں سارے ملک کی فضا خراب ہو گئی (طبری ص ۲۹۴۲)

ابن سبا کی کامیابی کے اسباب جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، مختلف اسباب اور مختلف اغراض کی بنا پر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک جماعت پہلے سے موجود تھی، اسے حضرت عثمانؓ کو نشانہ ملامت بنانے کے لیے ایک بہانہ ملنا چاہیے تھا، اس لیے اس جماعت میں ابن سبا کی دعوت بہت کامیاب ہوئی۔

یہودیوں کے بعد مسلمانوں کے دوسرے دشمن اہل عجم تھے، جن کی حکومت انہوں

نے مٹائی تھی، ان کی فطرت میں شاہ پرستی تھی، ابن سبا اہل بیت کے داعی کے لباس میں تھا، اس لیے سرزمین عجم میں اس کی تحریک کو بڑا فروغ ہوا، گو عجمیوں کا نقطہ نظر اس سے مختلف تھا، ابن سبا کا مقصد مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم کرنا تھا، اور اہل عجم چاہتے تھے کہ اسلامی خلافت ایسے موروثی قالب میں ڈھل جائے کہ ان کی خدمات یعنی حمایت اہل بیت کے صلہ میں ان کو حکومت میں زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل ہو جائیں اس لیے عراق وغیرہ میں ابن سبا کی تحریک زیادہ بار آور ہوئی۔

ان طبقوں کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی اس کے فریب میں اس طرح آ گئے کہ بعض نوجوان عثمانی عمال میں جو عہد سعادت کے فیض تربیت سے محروم تھے، صحابہ کرام کے جیسا اخلاص و تدین نہ تھا، پھر حضرت عثمانؓ میں فاروقی صولت نہ تھی، جس سے بڑے بڑے مدبرین تھراتے تھے۔ بلکہ آپ فطرۃً نہایت نرم خو، حلیم الطبع اور متحمل مزاج تھے، آپ میں عفو و درگزر کا مادہ زیادہ تھا، اس لیے آپ کے عمال سے جو بے عنوانیاں سر زد ہوتی تھیں، گو علم کے بعد آپ ان کا پورا تدارک کرتے تھے، لیکن کبھی کبھی چشم پوشی بھی کر جاتے تھے، دونوں صورتوں میں مخالفین کو بدنام کرنے کا بہر حال موقع مل جاتا تھا، اس لیے بعض مخلص اور خیر خواہ خلافت مگر سادہ مزاج بزرگوں کے دلوں میں بھی شکوک پیدا ہو گئے۔

ابن سبا نے دعاۃ کے ذریعہ اور تحریری پروپیگنڈہ کے علاوہ خود عراق اور مصر وغیرہ میں جا کر خفیہ جماعتیں قائم کیں، سب سے اول ۳۳ھ میں عبداللہ بن عامرؓ والی بصرہ کو اس کی سازش کا علم ہوا، انہوں نے اس کو اپنے یہاں سے نکالا، یہاں سے نکل کر وہ کوفہ پہنچا، کوفہ سے بھی نکالا تو آخر میں مصر کو اپنا مستقر بنایا۔

غرض مذکورہ اسباب کی بنا پر قریب قریب ہر جگہ ابن سبا کے پروپیگنڈہ کا کچھ نہ کچھ اثر پڑا خصوصاً عراق، جس میں مختلف قوموں کی مخلوط آبادی کی وجہ سے شر و فساد کی فطری صلاحیت تھی، اس فتنہ کا مرکز بن گیا، چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں علانیہ حضرت عثمانؓ کے مخالف پیدا ہو گئے۔

کوفہ میں مخالفت کوفہ میں انقلاب پسندوں کو سرغنہ اشتر نخعی، جندب بن کعب، ابن ذی الحبکہ صعصعہ، ابن الکواء، کمیل اور عمیر بن ضابی تھے، ان کا کام حضرت عثمانؓ کو

بدنام کرتا تھا' یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزیوں کرتے تھے' ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزی سے تنگ آ کر سعید بن العاص اور اشراف کوفہ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ کوفہ کو ان کے شر سے بچانے کے لیے انہیں یہاں سے نکال دیا جائے' آپ نے قیام امن کے خیال سے ان لوگوں کو امیر معاویہؓ کے پاس شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہیں' ان کی اصلاح کی کوشش کرو' اگر باز نہ آئیں تو میرے پاس بھیج دو۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۵۳)

حضرت عثمانؓ کے خلاف پہلا عملی اقدام حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال کے خلاف نکتہ چینی تو عرصہ سے شروع ہو گئی تھی' لیکن کسی کو آپ کے خلاف اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی سبائیوں کی قوت مضبوط ہونے کے بعد سب سے اول ۳۴ھ میں کوفہ کے ایک انقلابی یزید بن قیس نے اس کی جرات کی اور سبائیوں کو لے کر حضرت عثمانؓ سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لیے مدینہ چلا' لیکن قعقاع بن عمرو نے پکڑ لیا' گرفتار ہو جانے کے بعد اس نے کہا میں صرف سعید بن العاص والی کا تبادلہ چاہتا ہوں' اس لیے قعقاع نے اسے چھوڑ دیا اور یزید نے خط لکھ کر کوفہ کے سب سے بڑے سرغنہ اشتر نخعی کو بلا لیا' اس کے کوفہ پہنچنے کے بعد یہاں شورش شروع ہو گئی' اشتر نخعی نے سعید بن العاص کے ایک غلام کو قتل کر دیا' سعید نے جب دیکھا کہ مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لیے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انہوں نے خود جا کر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے بجائے ابو موسیٰ اشعریؓ کو چاہتے ہیں' حضرت عثمانؓ امن و امان کے خواہاں تھے اس لیے سعید کو معزول کر کے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو مقرر کر دیا اور اہل کوفہ کو لکھا کہ میں نے سعید کو معزول کر کے جس کو تم چاہتے ہو اس کو مقرر کر دیا' خدا کی قسم میں تم سے اپنی ابرو بچاؤں گا' تمہارے مقابلہ میں صبر سے کام لوں گا اور تمہاری اصلاح میں پوری کوشش کروں گا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۵۷)

عمال سے حضرت عثمانؓ کا مشورہ لیکن مفسدین کی اصل غرض انقلاب برپا کرنا تھا' اور کوفہ بصرہ سارے عراق میں یہی حال تھا' اس لیے کوئی اصلاح کارگر نہ ہو سکتی تھی' جب ہر طرف سے اس قسم کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ عبداللہؓ ابن سعدؓ سعید بن العاصؓ عبداللہ بن عامر اور عمرو بن العاص وغیرہ تمام ذمہ دار لوگوں کو بلا

کران سے موجودہ صورت حال کی اصلاح کے متعلق مشورہ کیا۔

عبداللہ بن عامرؓ نے کہا لوگوں کو جہاد میں لگا دیجئے' اس کی مشغولیت میں ان سب کی توجہ دوسری طرف ہٹ جائے گی۔

سعید بن العاص نے رائے دی کہ شورش چند لوگوں کی وجہ سے ہے. اگر ان کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ خود بکھر جائے گا' امیر معاویہؓ نے کہا کہ ہر حاکم اپنے اپنے صوبہ میں امن و امان کا ذمہ دار قرار دیا جائے' شام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں' عبداللہ بن سعد نے رائے دی کہ یہ سب بندہ زر ہیں' روپیہ دے کر ان کا منہ بند کر دیجئے۔

عمرو بن العاصؓ بولے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے منشاء کے خلاف کام کرتے ہیں عدل و انصاف سے کام لیجئے' یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے' ورنہ پھر ہمت کر کے جو دل میں آئے کیجئے۔

حضرت عثمانؓ نے متعجب ہو کر ان سے پوچھا تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے' عمرو خاموش رہے جب لوگ چلے گئے تو کہا' امیر المومنین میں نے جو کچھ کہا تھا' وہ دراصل میرا خیال نہیں ہے' آپ کی ذات اس سے بلند ہے' یہ میں نے اس مصلحت کی بنا پر کہا تھا' کہ مخالفین پس پردہ ہماری گفتگو کے تجسس میں تھے' اس لیے میں نے یہ باتیں کیں تاکہ وہ لوگ مجھے اپنا ہم خیال سمجھ کر راز دار بنائیں اور مجھے' آپ کو ان کے شر سے بچانے کا موقع ملے۔ (طبری اور ابن اثیر میں اس گفتگو کی پوری تفصیل ہے' طبری ص ۷، ۲۹۴۳ و ۲۹۳۰)

حضرت علیؓ کا مشورہ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے' عثمانی عمال کی بعض بے عنوانیوں کی وجہ سے بعض صحابہؓ کو بھی ان سے شکایات تھیں لیکن ان کا مقصد صرف عمال کی اصلاح تھا' چنانچہ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف زیادہ شورش بڑھی تو صحابہ کرام نے اصلاح کے لیے قدم اٹھایا اور حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری' ابو اسید ساعدی' کعبؓ بن مالک اور حسانؓ بن ثابت نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے پاس صورت حال پر گفتگو کرنے کے لیے بھیجا' انہوں نے جا کر کہا کہ مجھے لوگوں نے آپ کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں' آپ خود کسی چیز سے ناواقف نہیں ہیں' جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں' آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے'

آپؐ کی صحبت اٹھائی ہے، آپؐ کی باتیں سنی ہیں، رسول اللہؐ کے عزیز قریب ہیں، ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے جو ابن ابی قحافہ اور ابن خطابؓ کو بھی حاصل نہیں تھا، کسی امر میں ان کو آپ پر تقدم حاصل نہیں ہے اس لیے آپ ان سے زیادہ عمل بالحق کے مستحق ہیں، اس خوش آئندہ طریقہ سے حضرت علیؓ نے اپنے خیالات پیش کیے۔ اور اصلاح حال کے متعلق مفید مشورے دیئے، حضرت عثمانؓ نے ان کا مناسب جواب دیا۔ اور عام مسلمانوں کے سامنے مسجد میں موجودہ حالات کے متعلق تقریر کی۔ (طبری اور ابن اثیر ص ۲۹۴۳، ۲۹۴۴)

تحقیقاتی کمیشن اس گفتگو کے بعد ۳۵ھ میں اہل مدینہ کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ نے اکابر صحابہؓ کا ایک کمیشن مقرر کیا، کہ وہ ملک کا دورہ اور موجودہ حالات کی تحقیقات کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے، چنانچہ علی الترتیب کوفہ، بصرہ، مصر اور شام کی تحقیقات محمدؓ بن مسلمہ، اسامہؓ بن زید، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ہوئی۔

ان بزرگوں نے یہاں کے اکابر اور عوام سے مل کر حالات کی تحقیقات کی اور حضرت عمار بن یاسرؓ کے علاوہ سب نے بالاتفاق یہ بیان دیا کہ ما انکن ناشینا ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامہم "یعنی ہم نے اور ان مقامات کے سربر آوردہ لوگوں اور عام مسلمانوں نے تحقیقات کی، انہوں نے کوئی قابل اعتراض بات نہیں پائی، حضرت عمار بن یاسرؓ سادہ دل بزرگ تھے وہ سبائیوں کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے، استمالہ قوم بمصر و قد انقطعوا الیہ منہم عبداللہ بن السوداء و خالد بن ملجم وغیرہم "یعنی (سبائی) لوگوں نے مصر میں انہیں پھسلا لیا اور عبداللہ ابن اسوداء اور خالد بن ملجم وغیرہ ان کے ساتھ ہو گئے (طبری اور ابن اثیر ص ۲۹۴۳، ۲۹۴۴)

اعلان عام حضرت عثمانؓ نے تنہا اس تحقیقات پر بس نہیں کیا، بلکہ تمام ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ "میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے متعلق ہوئی ہے، اس وقت سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا ہے اور میرے یا میرے عمال کے پاس جو معاملات پہنچائے جاتے ہیں ان کا تدارک کرتا ہوں، رعایا کے اسی مال میں میرا اور میرے اہل و عیال کا حق ہے، جو اس کے مصارف سے بچ رہے، جس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی

ہو وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے یا صدقہ کردے کہ خدا صدقہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یہ اعلان ایسا موثر تھا کہ سارے مسلمان اسے پڑھ کر رو دیئے' اور حضرت عثمانؓ کے حق میں دعا کی۔ (طبری اور ابن اثیر ص ۲۹۴۳' ۲۹۴۴)

عمال کی طلبی اس اعلان کے ساتھ ہی آپ نے تمام عمال کو حج کے موقع پر طلب کیا' امیر معاویہؓ' عبداللہ بن عامرؓ وغیرہ تمام بڑے بڑے عمال حاضر ہوئے' آپ نے ان سے پوچھا یہ شکایتیں اور افواہیں کیسی سننے میں آتی ہیں؟ خدا کی قسم مجھے خوف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی پوری کرنے والے تم ہی لوگ نہ ہو' ان بزرگوں نے جواب دیا کہ آپ خود ان کی افواہوں کی تحقیقات کرا چکے ہیں اور تحقیق کرنے والوں کا بیان بھی آپ کے سامنے ہو چکا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے کوئی شکایت نہیں پیش کی' یہ تمام افواہیں بے بنیاد ہیں ان کی کوئی اصل نہیں' محض افواہ اور شہرت عام پر مواخذہ کرنا جائز نہیں' حضرت عثمانؓ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے' سعید بن العاصؓ نے کہا کہ یہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے' اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے' عبداللہ بن سعد نے مشورہ دیا کہ جب آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں' تو آپ ان سے بھی ان کے فرائض کا مطالبہ کیجئے۔ امیر معاویہؓ نے کہا میرے رقبہ حکومت میں سب امن و امان ہے' وہاں آپ کو کسی فتنہ کی خبر نہ ملے گی' عمرو بن العاصؓ نے کہا آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں' لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں' عمرؓ سے زیادہ لوگوں کو دیتے ہیں' ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریقہ کو اختیار کیجئے' سختی کے موقع پر سختی کیجئے اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجئے۔

یہ مشورہ سن کر پیکر حلم و عفو نے جواب دیا کہ ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے۔ جس سے وہ آتا ہے' اس امت کے لیے جس حادثہ کا خوف ہے وہ آکر رہے گا' اگر اس کا دروازہ بھی بند کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا' لیکن میں اس کو نرمی سے بند کروں گا' البتہ حدود اللہ میں نرمی نہ برتوں گا' اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کسی کی حجت باقی نہ رہ جائے گی' خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کوتاہی نہیں کی۔ فتنہ کی چکی چلنے والی ہے' اگر عثمانؓ اس حالت میں مرگیا کہ اس نے اس چکی کو حرکت نہیں

دی تو اس کے لیے بشارت ہے، تم لوگ لوگوں میں سکون پیدا کرو ان کے حقوق پورے کرو، خدا کے حقوق میں کسی قسم کی مداہنت نہ کرو۔ (طبری ص ۲۹۴۵، ۲۹۴۶)

غرض آپ نے فتنہ رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن یہ تباہ کن فتنہ شمع خلافت کو بجھا کر رہا، اس حادثہ عظمیٰ کے حالات لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ان اعتراضات پر ایک نظر ڈال لی جائے، جن کی بناء پر حضرت عثمانؓ کو مورد طعن بنایا جاتا ہے۔

مخالفین کے اعتراضات اور اس کی حقیقت حامیان انقلاب کی جانب سے جو اعتراضات حضرت عثمانؓ کے خلاف کیے جاتے تھے وہ یہ ہیں۔

۱۔ کبار صحابہؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا، مثلاً مغیرہ بن شعبہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہؓ بن ارقم اور عمرو بن العاصؓ کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا۔

۲۔ بعض اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔

۳۔ بیت المال کا روپیہ بے جا طور سے صرف کیا گیا اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیں مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دے دیا۔ عبداللہؓ بن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا، عبداللہ بن خالدؓ کو پچاس ہزار دیے۔

۴۔ بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا۔

۵۔ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں کیا۔

۶۔ حدود کے اجراء میں تغافل برتا۔

۷۔ ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلا ڈالے۔

۸۔ بعض نئی بدعتیں جاری کیں، مثلاً سنت رسولؐ اور سنت شیخینؓ کے خلاف منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی۔

۹۔ فرائض میں تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا، حالانکہ شیخین پوری توثیق کے بغیر روایتوں کو قبول نہ کرتے تھے۔

۱۰۔ حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ ﷺ نے جلاوطن کر دیا تھا' دوبارہ مدینہ بلا لیا۔

۱۱۔ مصری وفد کے ساتھ بد عہدی کی۔

یہ وہ اعتراضات ہیں جو حضرت عثمانؓ کے مخالفین کی جانب سے آپ کے اوپر کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض تو بالکل غلط ہیں' بعض میں واقعات کو مسخ کر کے بد نما شکل میں پیش کیا گیا ہے اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہیں' ان کی اصل حقیقت یہ ہے۔

(۱) پہلے اعتراض کے دو حصے ہیں' ایک یہ کہ اکابرؓ صحابہؓ کو معزولی کیا دوسرے یہ کہ ان کی جگہ اپنے خاندان کے نا تجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا' لیکن ان میں سے ایک بات بھی قابل اعتراض نہیں اگر کسی صحابیؓ کی معزولی کے معقول اسباب ہوں تو اس کا معزول کرنا کوئی جرم نہیں' حضرت عمرؓ نے جس کا عدل و تدبر مسلم ہے' خالدؓ سیف اللہ کو معزول کر دیا۔ اور مغیرہؓ بن شعبہ جیسے مدبر کی معزولی کی وصیت کرتے گئے۔

حضرت عثمانؓ نے جن صحابہؓ کو معزول کیا ان کی معزولی کے معقول اسباب موجود تھے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی معزولی کے متعلق حضرت عمرؓ کی وصیت تھی (طبری ص ۲۸۰۳) ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی کا سبب یہ تھا (طبری ص ۲۰۲۸) کہ بصرہ سے معزولی کے چند برسوں کے بعد ان کو کوفہ کا والی بنا دیا۔ (طبری ص ۲۸۳۰) سعدؓ بن ابی وقاص کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک رقم قرض لی تھی' جس کو ادا نہ کر سکے مہتمم بیت المال حضرت ابن مسعودؓ کے تقاضے پر سخت کلامی کی نوبت پہنچ گئی۔ (طبری ص ۲۸۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ضعف پیری کی وجہ سے معزول کیا تھا' جس کی تصریح عزل کے وقت کر دی تھی' پھر ان کی جگہ ایک صحابی ہی حضرت زید بن ثابتؓ کا تقرر کیا' (اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۳۲) عمرو بن العاصؓ کی معزولی کا سبب اوپر گذر چکا ہے' کہ مصر جیسے زرخیز ملک کے خراج کی آمدنی برابر گھٹتی جاتی تھی' حضرت عثمانؓ کے حکم پر بھی عمرو بن العاصؓ نے اضافہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی' در آنحالیکہ اس کی گنجائش موجود تھی' چنانچہ ان کے جانشین عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے چند دنوں میں بڑھا کر دونا کر دیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹) دوسرا الزام عمرو بن العاصؓ پر یہ تھا' کہ انہوں نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں پر بعض ناروا زیادتیاں کی تھیں اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا' حضرت عثمانؓ نے ان کو آزاد کر کے پھر واپس کر دیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹)

اس اعتراض کا دوسرا ٹکڑا کہ صحابہ کی بجائے اپنے نوجوانوں اور ناتجربہ کار اعزہ کو مقرر کیا‘ محض ایک بے معنی مغالطہ ہے‘ عمال کے عزل و نصب کا اصل معیار حکومت و جہانبانی کی صلاحیت ہے اس اعتبار سے حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کا انتخاب کیا وہ ان عہدوں کے لیے موزوں ترین تھے‘ ان کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے اسپین‘ چین اور ہندوستان سے ملا دیئے‘ جن کی تفصیلات اوپر فتوحات میں گزر چکی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ شرف صحابیت بھی ایک بڑا معیار ہے‘ لیکن مذہبی اور سیاسی کسی نقطہ نظر سے بھی عمال کے لیے صحابیت کی شرط ضروری نہیں تھی‘ پھر حضرت عثمانؓ کے عہد میں اکثر اکابر صحابہ عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکے تھے‘ جب کہ ضعف پیری کی وجہ سے وہ کسی بڑی خدمت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لائق نہ رہ گئے تھے‘ پھر یہ بھی صحیح نہیں کہ صحابہ کو معزول کر کے تمام تر نوجوانوں کو مقرر کیا‘ اس کے خلاف مثالیں بھی ہیں‘ مثلاً کوفہ سے سعید بن العاصؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو مقرر کیا‘ جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اس لیے یہ اعتراض کہ اکابر صحابہؓ کے نوجوانوں کا تقرر کیا‘ کسی حیثیت سے بھی قابل توجہ نہیں رہتا۔

(۲) اکابر صحابہؓ سے بدسلوکی کے سلسلہ میں شہرت ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو جلاوطن کر دیا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ زیادتی کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ بند کر دیا۔

پہلا واقعہ بالکل غلط ہے‘ حضرت ابوذر غفاریؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلاوطن نہیں کیا تھا‘ بلکہ وہ خود ایک ویرانہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے‘ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ جائز سرمایہ داری کے بھی خلاف وعظ کہتے پھرتے تھے‘ اس سے بدامنی پھیلنے کا اندیشہ تھا‘ اس لیے امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کو شام سے بلا لیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے امن عام کے خیال سے اپنے پاس بلا لیا۔ اور فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیے۔ آپ کی کفالت میں کروں گا‘ لیکن وہ ایک بے نیاز بزرگ تھے۔ جواب دیا مجھے تمہاری دنیا کی ضرورت نہیں ہے اور خود مدینہ کے قریب ایک ویرانہ ربذہ میں سکونت اختیار کر لی۔

(ابن سعد ج ق اول ص ۱۶۷)

حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں ہوئی' لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے' جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' اس لیے حضرت عثمانؓ نے ان کی فہمائش ضرور کی اور یہ کوئی جرم نہیں ہے' حضرت عمرؓ نے سیاسی مصالح کی بنا پر عمال کو علانیہ سزا دی ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ ضرور بند کیا' لیکن اس کا سبب یہ تھا' کہ حضرت عثمانؓ نے امت کو ایک قرآن پر متحد رکھنے کے لیے عہد صدیقی کے مصحف کے سوا باقی تمام مصاحف ضائع کرا دیئے تھے' عبداللہ بن مسعودؓ کا علیحدہ ایک مصحف تھا' اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ نے ان کا مصحف بھی طلب کیا' لیکن وہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے اس لیے حضرت عثمانؓ کو سختی سے کام لینا پڑا' در حقیقت تمام امت کو ایک قرآن پر متحد کر دینا حضرت عثمانؓ کی ایسی خدمت ہے جس کے احسان سے امت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی ہے' ابن مسعودؓ کا مصحف خواہ انہیں کتنا ہی عزیز کیوں نہ رہا ہو' لیکن جس مصلحت کی بنا پر حضرت عثمانؓ نے اسے طلب کیا تھا اس کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا انکار کرنا قطعاً" نامناسب تھا۔

۳۔ بیت المال میں تصرف کرنے کا الزام بالکل غلط بلکہ مہمل ہے' جس فیاض غنی نے اسلام کے عہد عسرت میں اس کے مصالح کے لیے اپنی بے دریغ دولت لٹائی ہو وہ بیت المال پر کیا نگاہ ڈالتا' حضرت عثمانؓ اپنے عہد خلافت میں بھی بڑے صاحب ثروت تھے' انہیں بیت المال سے فائدہ اٹھانے کی احتیاج ہی نہ تھی' بلکہ خلفاء میں وہی ایک ایسے بزرگ تھے' جو اپنے واجبی مصارف کے لیے بھی بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے۔

اس شہرت کی بنیاد اس غلط فہمی پر ہے کہ حضرت عثمانؓ بڑے صاحب ثروت تھے اور ثروت کے ساتھ خدا نے فیاض بھی بنایا تھا' اس لیے وہ اپنے ذاتی روپیہ سے اپنے غریب اعزہ کی مدد کرتے تھے اسے مخالفین دوسرے رنگ میں مشہور کرتے تھے' اس غلط فہمی کو آپ نے خود ایک تقریر میں دور فرمایا تھا' وہ تقریر یہ ہے:۔

> "لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو دیتا لیتا ہوں' لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے بلکہ میں ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں' جو کچھ میں ان کو دیتا ہوں وہ اپنے ذاتی مال سے "مسلمانوں کا:

مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی دوسرے کے لیے، میں رسول اللہ ﷺ، ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں بھی اپنے ذاتی مال سے ان کو بڑی رقمیں دیتا تھا، حالانکہ اس زمانہ میں بخیل و حریص تھا، اور اب جب کہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں زندگی ختم کے قریب ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں، خدا کی قسم میں نے کسی ملک پر خراج کا کوئی مزید بار نہیں ڈالا، کہ اس قسم کا الزام مجھ پر عائد کیا جائے، جو آمدنی ہوئی وہ انہی لوگوں کی ضرورت و فلاح میں صرف ہوئی، میرے پاس صرف خمس آتا ہے اس میں سے بھی میں کچھ لینا جائز نہیں سمجھتا اسے مسلمان جس مصرف میں مناسب سمجھتے ہیں صرف کرتے ہیں اس میں میرا مشورہ تک نہیں ہوتا، خدا کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف نہیں کیا جاتا، حتیٰ کہ میں کھانا بھی اپنے ذاتی مال سے کھاتا ہوں۔" (طبری ص ۲۹۵۲)

بیت المال میں تصرف کے سلسلہ میں جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں وہ نہایت مسخ شدہ شکل میں ہیں، اصلی شکل میں وہ قابل اعتراض نہیں، مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا کوئی حصہ آپ نے عطا نہیں کیا تھا، بلکہ اس نے پانچ لاکھ میں خریدا تھا۔

(ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۹)

عبداللہ بن ابی سرحؓ کو خمس کا پانچواں حصہ البتہ دیا تھا، لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو آپ نے واپس کرا دیا۔ اس کی شکل بھی یہ تھی کہ عبداللہ بن ابی سرحؓ نے جب طرابلس پر فوج کشی کی تو حضرت عثمانؓ نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے وعدہ فرمایا کہ اگر تم نے یہ مہم سر کی تو تم کو مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا، چنانچہ طرابلس کی فتح کے بعد یہ وعدہ پورا کیا لیکن مسلمانوں کو اس پر اعتراض ہوا، انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا، آپ نے فرمایا اگر تم لوگ رضامند ہو تو رہنے دیا جائے، ورنہ واپس کر دیا جائے، لوگ راضی نہ ہوئے تو آپ نے اسی وقت عبداللہ بن ابی سرحؓ کو واپس کرنے کا حکم لکھ دیا۔ (طبری ص ۲۸۱۵)

عبداللہ بن خالدؓ کو بھی ان کی خدمات کے صلہ میں پچاس ہزار دیئے تھے لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا، تو اسے بھی واپس کرا دیا۔ (طبری ص ۲۹۵۲)

(۳) نقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کرنے کے واقعہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ

بعض چراگاہیں عہد فاروقی سے بیت المال کے مویشی کے لیے مخصوص تھیں، ان کی تصریح خود حضرت عثمانؓ نے ایک بیان میں فرمائی ہے۔

"میں نے انہی چراگاہوں کو مخصوص کر دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھیں، میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا کوئی مویشی نہیں ہیں، حالانکہ خلافت سے پہلے میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور آج دو اونٹوں کے سوا جو حج کے سفر کے لیے رکھ چھوڑے ہیں میرے پاس ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے۔" (طبری ص ۲۹۵۴)

(۵) یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا تدارک نہیں کیا، اس باب میں آپ کے طرز عمل کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، آپ کے علم میں جو بے عنوانی تھی آپ اس کا تدارک فرماتے تھے، چنانچہ انقلاب کے سلسلہ میں جب عمال کے خلاف شکایتیں پہنچیں تو آپ نے ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ "ہر سال حج کے موقع پر اپنے تمام عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا" میں نے آغاز خلافت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا نصب العین بنایا ہے، میرے یا میرے عمال کے پاس جو شکایت پہنچی ہے کہ کچھ لوگوں کو مارا جاتا ہے اور گالی دی جاتی ہے اس خفیہ ضرب و شتم پر مجھ کو افسوس ہے، جس کو اس قسم کی کوئی شکایت ہو وہ میرے پاس حج کے موقع پر پیش کرے اور مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق لے یا معاف کر دے کہ خدا معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (طبری ص ۲۹۴۴)

جب کسی عہدہ دار کے خلاف لوگوں کو شکایت ہوئی اور انہوں نے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فوراً معزول کر دیا، چنانچہ اہل کوفہ کی شکایت پر سعیدؓ بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ صحابی کو مقرر کیا۔

(۶) اجرائے حدود میں تغافل کے دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبیداللہؓ ہرمزان اور جفینہ کے قتل کا قصاص نہیں لیا۔ دوسرے ولید بن عتبہ پر شراب خوری کی حد میں تاخیر کی گئی۔

پہلے واقعہ کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے سامنے عبیداللہؓ کا مقدمہ پیش ہوا۔ تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے قصاص لینے کی رائے

دی لیکن دوسرے بزرگوں نے اختلاف کیا اور کہا یہ مناسب نہیں کہ کل عمرؓ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو قتل کیا جائے' عمروؓ بن العاص نے عرض کیا' امیرالمومنین! اگر آپ عبیداللہؓ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ خدا آپ سے اس کا مواخذہ نہ کرے گا' اس اختلاف رائے پر آپ نے فرمایا کہ چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے میں بحیثیت ولی کے قصاص کو دیت سے بدلے دیتا ہوں اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا فرمائی۔ (طبری ص ۲۸۳۹)

ظاہر ہے کہ اس خاص شکل میں سب سے زیادہ دانش مندانہ فیصلہ یہی ہو سکتا تھا' جو حضرت عثمانؓ نے کیا'۔۔۔۔ ولید بن عقبہؓ کی حد میں تاخیر ضرور ہوئی لیکن غفلت نہیں برتی گئی اس تاخیر کا سبب یہ تھا' کہ پوری شہادت مہیا نہیں ہوئی تھی' شہادت ملنے کے فوراً بعد حد جاری کی گئی۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۲)

(۷) ساتواں اعتراض کہ آپ نے مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف ضائع کر دیئے۔ نہایت لغو اور مہمل ہے' یہ حضرت عثمانؓ کی سب سے بڑی مذہبی خدمت اور امت اسلامیہ پر سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے پوری امت کو ایک قرآن پر متحد کر دیا۔ ورنہ دوسرے اہل کتاب کی طرح ان کا بھی حشر ہوتا۔

(۸) بدعات میں صرف یہ بدعت بیان کی جاتی ہے کہ منیٰ میں خلاف سنت دو رکعت نماز پڑھنے کے بجائے چار رکعات پڑھیں' اس کی وجہ خود حضرت عثمانؓ نے بیان فرما دی تھی کہ جب میں مکہ پہنچا تو یہاں قیام کی نیت کر لی تھی' اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کرے تو اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنی چاہیے۔ (اصابہ تذکرہ حکم بن العاص)

(۹) نویں الزام کے ثبوت میں کوئی واقعہ نہیں پیش کیا جاتا' آپ نے کسی مسئلہ میں متواتر روایات کو چھوڑ کر شاذہ پر عمل نہیں کیا' ممکن ہے کسی اجتہادی مسئلہ میں آپ کی رائے عام رائے سے مختلف رہی ہو' اور یہ کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے۔

(۱۰) حکم بن العاص کو ضرور رسول اللہ ﷺ نے جلا وطن کر دیا تھا' لیکن آخر زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے آپؐ سے اس کے واپس بلانے کی اجازت لے لی تھی۔ جس کا علم عام طور سے لوگوں کو نہ تھا۔

(۱۱) مصریوں کے ساتھ بد عہدی کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

ان الزاموں کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہیں لیکن وہ لائق اعتنا نہیں ان الزاموں کی حقیقت ظاہر ہو جانے کے بعد ناظرین کو انقلاب کے حالات کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

اکابر صحابہؓ سے مشورہ اور جوار رسولؐ کو چھوڑنے سے انکار! اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حج کے موقع پر تمام عمال کو طلب کر کے فتنہ کے انسداد کی آخری کوشش کی تھی، پھر مدینہ آنے کے بعد حضرت علیؓ، طلحہ اور زبیر کو بلا کر ان سے رائے لی، ان بزرگوں نے خیر خواہانہ مشورے دیئے، حضرت عثمانؓ نے ان پر کاربند ہونے کا وعدہ فرمایا اور ان بزرگوں نے بھی اظہار طمانیت کیا۔

امیر معاویہؓ مکہ سے ساتھ آئے تھے، شام واپس جاتے وقت انہوں نے عرض کیا کہ یہاں کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے، آپ میرے ساتھ شام چلے چلئے، وہاں آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ ''خواہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے، لیکن میں جوار رسولؐ نہیں چھوڑ سکتا''۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ پھر آپ کی حفاظت کے لیے وہاں سے فوجیں بھیج دوں؟ فرمایا میں ہمسایگان رسولؐ کو فوج کے مصائب میں مبتلا نہ کروں گا، امیر معاویہؓ نے چلتے چلتے پھر کہا مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے، فرمایا **حسبی اللہ و نعم الوکیل** (ابن اثیر ج ۳ ص ۶۰)

اس جواب کے بعد امیر معاویہؓ مایوس ہو کر تنہا شام واپس گئے۔

مدینہ پر باغیوں کی یورش اور حضرت عثمانؓ پر حملہ اس واقعہ کے بعد ہی مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی، حضرت عثمانؓ ہر وقت فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے ہر اصلاحی صورت کو قبول کرنے کے لیے آمادہ تھے، چنانچہ حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ ''آپ جو کچھ مشورہ دیں میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں، آپ باغیوں کو واپس کر دیجئے، چنانچہ تیس مہاجر و انصار صحابہؓ نے انہیں سمجھا بجھا کر واپس کیا اور حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کر کے اور آئندہ کے متعلق اپنا طرز عمل بتایا، یہ تقریر اتنی موثر تھی کہ سارے سامعین رو دیئے۔ (یہ واقعات طبری ص ۲۹۵۶ تا ۲۹۶۱ سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

دوسری یورش اور خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ لیکن ابھی اس خوش آئند خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی کہ ایک دن دفعۃً "مصر کے باغیوں کا گروہ پہنچ گیا' حضرت محمد بن مسلمہ نے جا کر ان سے واپسی کا سبب پوچھا' انہوں نے کہا ہم کو راستہ میں ایک سرکاری ہرکارہ مصر کی طرف جاتے ہوئے ملا' ہم کو شک ہوا' تلاشی لی' تو اس کے پاس والی مصر کے نام حضرت عثمانؓ کا فرمان ملا' جس میں ہم لوگوں کو قتل کرنے اور مختلف سزائیں دینے کا حکم تھا' اور حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہ کے ہمراہ' حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا' آپ نے بالکل لاعلمی ظاہر فرمائی کہ نہ ایسا حکم میں نے لکھا ہے نہ کسی سے لکھوایا اور نہ اس کے متعلق مجھے کوئی علم ہے' سب نے اس بیان کی تصدیق کی' باغیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ مروان بن حکم کی شرارت ہے' لیکن وہ تو آپ کی معزولی کا بہانہ چاہتے تھے' اس واقعہ سے ان کے گمان کے مطابق ایک سند بھی ان کے ہاتھ آ گئی تھی' چنانچہ انہوں نے کہا کہ "جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین لکھے جائیں ان پر اس کی مہر لگائی جائے اور سرکاری ہرکارہ اسے لے کر جائے اور اس کو خبر تک نہ ہو' ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہے اس لیے آپ خلافت سے دست بردار ہو جایئے' آپ نے جواب دیا۔ "خدا نے مجھے جو خلعت پہنایا ہے اسے میں اپنے ہاتھوں سے نہ اتاروں گا"۔ البتہ جو کچھ ہو چکا ہے اس پر ندامت ہے اور آئندہ اس کی تلافی کے لیے تیار ہوں" (طبری ص ۲۹۹۴) لیکن باغی کوئی معذرت سننے کے لیے تیار نہ ہوئے' انہوں نے کہا۔ "اگر تم خلافت سے دستبردار نہ ہوئے تو ہم تم کو قتل کر کے چھوڑیں گے"۔ اور جو شخص مزاحم ہو گا اس کا مقابلہ بھی کریں گے' حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "میں سر دے دوں گا لیکن خدا کی بخشی ہوئی خلافت کو نہ چھوڑوں گا"۔ تم کو کسی سے مقابلہ اور جنگ کی ضرورت نہیں اس لیے کہ میں کسی کو تم سے لڑنے کی اجازت نہ دوں گا' جو ایسا کرے گا وہ میرے حکم کے خلاف کرے گا' اگر میں جنگ ہی کرنا چاہتا تو میرے حکم پر ہر طرف سے فوجوں کا ہجوم ہو جاتا یا میں خود کسی محفوظ مقام پر چلا جاتا۔ (طبری ص ۲۹۹۶-- ابن اثیر ج ۳ ص ۶۶)

محاصرہ اس مرتبہ پھر حضرت علیؓ نے کسی نہ کسی طرح باغیوں کو ہٹا دیا لیکن ان سب کے سروں پر خون سوار تھا' اس لیے آپ کے واپس جاتے ہی اتنی سختی سے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا کہ باہر سے کوئی چیز اندر نہ جانے پاتی تھی' اس وقت بھی جان نثاروں کی ایک

جماعت آپ کی حفاظت میں سینہ سپر تھی' لیکن آپ نے باصرار سب کو واپس کر دیا' چند نوجوان حضرت امام حسینؓ' ابن عباسؓ' محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ واپس نہ گئے۔

آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کر دیا' حضرت علیؓ اور ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لیے گئے' لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا' ان میں خطا و ثواب کی کوئی تمیز باقی نہ رہ گئی تھی' حرم نبوی' کا بھی ادب و احترام نہ کیا ام حبیبہؓ کی شان میں نا ملائم الفاظ استعمال کیے اور آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا' چند آدمیوں نے آپ کو وہاں سے علیحدہ کیا۔ (طبری ص ۳۰۱۰)

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی تھی' باغیوں پر کسی کا قابو نہ رہ گیا تھا' ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی' صحابہؓ بالکل مجبور و بے بس ہو رہے تھے' یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے' کچھ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا' حضرت علیؓ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے' لیکن آخر میں وہ بھی مجبور ہو گئے تھے' چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب آخری مرتبہ آپ کو بلا بھیجا اور اور آپ نے جانے کا قصد کیا تو آپ کو زبردستی روک لیا گیا' آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا' جو حالت ہے دیکھ لو اور جا کر کہہ دو (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۷)

اتمام حجت کے لیے تقریریں در حقیقت یہ انقلاب انگیز شورش تنہا حضرت عثمانؓ کے خلاف نہیں' بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی وحدت کے خلاف تھی' حضرت عثمانؓ کو مسلمانوں کے لیے اس کے تباہ کن نتائج نظر آ رہے تھے' اس لیے محاصرہ کی حالت میں بھی ان کی شیرازہ بندی کو بار بار بچانے کی کوشش کی' ایک دن قصر خلافت کے اوپر سے تقریر فرمائی۔

> "لوگو! تم میرے قتل کے کیوں درپے ہو' میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہوں خدا کی قسم جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش کی' لیکن بہرحال میں انسان ہوں اس لیے اصابت رائے کے ساتھ لغزشیں بھی ہوئیں"۔
>
> یاد رکھو! بخدا! اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔ (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۷)

یہ تقریر در حقیقت پیشین گوئی تھی' چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے وحدت

اسلامی میں جو رخنہ پیدا ہوا وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔

ایک دن آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہؐ مدینہ تشریف لے گئے تو مسجد بہت تنگ تھی، آپ نے فرمایا اس زمین کے قطع کو کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی اس وقت میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور زمین کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا، آج تم اسی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے روکتے ہو، میں خدا کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا دوسرا کنویں نہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے، اس کو جنت میں اس سے بہتر ملے گا تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا اور آج تم مجھے اسی کنویں کا پانی پینے سے روکتے ہو، کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے ہی جیش عسرت کا پورا سامان کیا تھا۔ سب نے کہا ہاں سچ ہے۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۰، ۷۵، ۷۴)

لیکن کسی پر اس کا اثر نہ ہوا، اس لیے آپ نے پھر ایک دن تقریر فرمائی۔

"میں ان لوگوں کو جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، قسم دے کر پوچھتا ہوں، کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہؐ کوہ حرا پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا، آپ نے ٹھوکر مار کر فرمایا، حرا ٹھہر جا! تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید ہے اور میں آپؐ کے ساتھ تھا، لوگوں نے اس کی تصدیق کی، پھر آپ نے فرمایا، میں ان لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں، جو بیعت رضوان میں موجود تھے کہ جب رسول اللہؐ نے مجھے مشرکین کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تھا تو اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی؟ سب نے کہا ہاں سچ ہے"۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۵۹)

جب آپ نے دیکھا کہ خیرہ چشم کسی طرح آپ کے قتل سے باز نہیں آتے تو آخری تقریر فرمائی۔

"اے لوگو! آخر کس جرم میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے

سنا ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں، اسلام کے بعد جو مسلمان مرتد ہو جائے، یا پاکدامنی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو، یا کسی کو قتل کرے تو قصاص میں قتل کیا جائے گا، اور ان تینوں سے میرا دامن پاک ہے، خدا کی قسم جب سے خدا نے مجھے ہدایت دی میں نے اپنے مذہب کے مقابلہ میں کسی مذہب کو پسند نہیں کیا، نہ زمانہ جاہلیت میں بدکاری کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام کے بعد کسی کو قتل کیا، پھر تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو۔"؟ (مسند احمد بن حنبل ج ا ص ۶۱)

جان نثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لیے اجازت طلبی

جب باغیوں پر کسی افہام و تفہیم کا اثر نہ ہوا اور وہ اپنی خیرہ سری پر اڑے رہے تو ہوا خواہانِ امت نے حاضر ہو کر جان نثاری کی اجازت طلب کی، حضرت زید بن ثابتؓ انصار کی جماعت کو لے کر پہنچے اور عرض کیا کہ انصار دروازہ پر حاضر اجازت کے منتظر ہیں کہ دوبارہ اپنے "انصار اللہ" ہونے کا ثبوت دیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دوں گا۔ (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۸)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عرض کیا، قصر خلافت میں ہم لوگوں کی خاصی تعداد ہے اجازت ہو تو میں جان بازی کے جوہر دکھاؤں، فرمایا خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے لیے خون ریزی نہ کی جائے۔ (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۹)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے عرض کیا کہ آپ امام امت ہیں اور اس حال میں مبتلا ہیں، اس لیے تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمایئے، آپ کے پاس کافی قوت ہے، ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نکلیے اور مقابلہ کیجئے، آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، یا پھر صدر دروازہ کو، جس پر باغیوں کا ہجوم ہے، چھوڑ کر ہم آپ کے لیے عقب سے دروازہ توڑے دیتے ہیں، آپ سواری پر بیٹھ کر نکل جایئے، وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کریں گے، یا پھر شام چلے جایئے، وہاں لوگ وفادار ہیں، اور معاویہؓ موجود ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں مقابلہ نہ کروں گا کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جس کے ہاتھوں آپؐ کی امت کی خون ریزی کا آغاز ہو، مکہ بھی نہ جاؤں گا، کہ یہ خیرہ سر وہاں بھی خون ریزی سے باز نہ آئیں گے اور میں رسول اللہ ﷺ کی اس پیشین گوئی کا مصداق بننا نہیں چاہتا کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا اور اس پر ساری دنیا کا آدھا عذاب ہو گا، شام

کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہؓ بھی وہاں موجود ہیں، لیکن دارالہجرۃ اور جوار رسولؐ کو نہ چھوڑوں گا۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۷)

غرض بہی خواہ امت نے کسی درجہ پر بھی اپنے بچاؤ کے لیے مسلمانوں کی خون ریزی پسند نہ کی بلکہ فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور اسلحہ کو روکے رکھے۔ (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۸)

شہادت کی تیاری جتنا وقت گذرتا جاتا تھا حاجیوں کی واپسی کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ بعض مقاموں سے فوجوں کے آنے کی بھی خبر تھی، اس لیے باغیوں نے جلد سے جلد حضرت عثمانؓ کی شمع حیات بجھا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق حضرت عثمانؓ کو اپنی شہادت کا پورا یقین تھا، اور آپ صبر و استقامت کے ساتھ ہر وقت اس کے منتظر تھے، اس لیے باغیوں کی سرگرمی دیکھ کر آپ نے شہادت کی تیاری شروع کر دی، جمعہ کے دن سے روزہ رکھا ایک پائجامہ جسے آپ نے پہلے کبھی نہیں پہنا تھا، زیب تن کیا (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۷) بیس غلام آزاد کیے اور کلام اللہ کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے، اس وقت تک قصر خلافت کے پھاٹک پر حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، محمد بن مسلمہؓ اور بہت سے صحابہ زادے باغیوں کو روکے ہوئے تھے، کچھ معمولی سا کشت و خون بھی ہوا، جب انہیں اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے پھاٹک میں آگ لگا دی اور کچھ لوگ قصر خلافت کے متصل دوسرے مکانوں کے ذریعہ اوپر چڑھ کر اندر داخل ہو گئے حضرت عثمانؓ تلاوت میں مصروف تھے، لیکن ہمت نہ پا کر لوٹ آئے، اس کے بعد محمد بن ابی بکر جو حضرت عثمانؓ کے بڑے دشمنوں میں سے تھے، بڑھ کر ریش مبارک پکڑ لی اور گستاخانہ کلمات زبان پر لائے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا بھتیجے! "اس کو چھوڑ دو تمہارے والد کبھی ایسا نہ کرتے تھے اگر وہ دیکھتے تو ان کو تمہارا یہ فعل کبھی پسند نہ آتا"۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہ کلمات سن کر محجوب ہو کر لوٹ گئے (طبری ص ۳۰۲۱)

شہادت ان کے بعد ایک غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا اور کلام پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ (طبری ص ۳۰۱۸) ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹھ ماری کہ حضرت عثمانؓ تیورا کر پہلو کے بل گر پڑے، زبان مبارک سے بسم اللہ توکلت

علی اللہ نکلا اور خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہو گیا۔ اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کیے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہؓ سے نہ دیکھا گیا‘ وہ بے تابانہ بچانے کے لیے دوڑیں‘ ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا‘ شہادت کے وقت آپ یہ تلاوت فرما رہے تھے‘ **فسیکفیکھم اللہ و ھوالسمیع العلیم** (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۵۱ و ۵۲)

تجہیز و تکفین یہ حادثہ جمعہ کے دن ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا‘ مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا‘ بد امنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی‘ دو دن تک لاش مبارک بے گور و کفن پڑی رہی‘ دوسرے دن **مسنیچر** کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز و تکفین کی‘ شہادت کی طہارت غسل سے بے نیاز تھی‘ چنانچہ انہی خون آلود کپڑوں میں چار آدمیوں نے جنازہ اٹھایا‘ باختلاف روایت حضرت زبیرؓ بن عوام یا جبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کو سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا (ابن سعد ج ۳ ق اول - و طبری و ابن اثیر وغیرہ) شہادت کے وقت ۸۲ سال کی عمر شریف تھی‘ مدت خلافت چند دن کم بارہ سال۔

صحابہؓ پر اثر حضرت عثمانؓ کی شہادت عظمیٰ معمولی واقعہ نہ تھا‘ آپ کی زندگی میں لوگوں نے آپ پر نکتہ چینیاں بھی کیں اور مخالفتیں بھی ہوئیں‘ لیکن اس حادثہ کے پیش آ جانے کے بعد ہر مسلمان دم بخود‘ صحابہ مضطرب و بے قرار اور مخالفین نادم و پشیمان تھے‘ حضرت علیؓ نے جس وقت یہ خبر سنی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ "خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں‘ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے‘ حضرت سعیدؓ بن زید نے فرمایا "لوگو! اگر تمہاری بد اعمالی کی سزا میں کوہ احد تم پر پھٹ پڑے تو بھی بجا ہے"" حضرت حذیفہؓ نے فرمایا‘ عثمانؓ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہو گیا ہے‘ جسے پہاڑ بھی بند نہیں کر سکتا"۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا۔ "آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا" ثمامہ بن عدی کو معلوم ہوا تو بے اختیار رو کر کہا "آج رسول اللہ (ﷺ) کی جانشینی کا خاتمہ ہو گیا‘ اب بادشاہت کا دور شروع ہو گا"۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی آنکھیں اشکبار تھیں‘ حضرت ابوہریرہؓ حادثہ کا ذکر کر کے

زار و زار روتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ عثمانؓ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک صاف ہو گئے۔

جن لوگوں نے کسی اثر کے ماتحت مخالفت بھی کی تھی وہ بھی منفعل و پشیمان تھے، حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت عثمانؓ کے مخالفین سے کہتے تھے کہ "ہم نے ابن عفانؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی، اور ان سے راضی تھے، تم لوگوں نے ان کو شہید کیوں کیا؟

ایک شخص عبداللہ بن حکیم جو آپ کی زندگی میں آپ کی برائی کر کے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا، شہادت کے بعد اتنا نادم و شرمسار ہوا کہ اس نے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی خلیفہ کے قتل میں معاون نہ ہو گا۔ (یہ تمام اقوال ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۵۶، ۵۷ سے ماخوذ ہیں)

شہادت کے نتائج حضرت عثمانؓ کی شہادت در حقیقت تنہا آپ کی شہادت کا واقعہ نہ تھا، بلکہ وحدت اسلامی کی شکست اور مسلمانوں کے شیرازہ کی برہمی کا حادثہ تھا، اس حادثہ سے مسلمانوں میں جو تفریق پیدا ہوئی وہ تا قیامت نہ مٹے گی اور اس وقت جو تلوار بے نیام ہوئی تھی، وہ ہمیشہ بے نیام رہے گی، مسلمان، شیعہ، سنی، خارجی اور عثمانی فرقوں میں بٹ گئے اور جو متحدہ قوت غیر مسلموں اور اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھی، وہ ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگی، اور عہد صحابہؓ سے جس خانہ جنگی کا آغاز ہوا اس کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔

ازواج و اولاد حضرت عثمانؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان سب سے بہت سی اولادیں ہوئیں، آنحضرت ﷺ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں، حضرت رقیہؓ کے بطن سے ایک صاحبزادے عبداللہ تھے، آپ کی کل اولادوں کی تعداد سترہ اٹھارہ ہے۔

عہد عثمانی پر تبصرہ

حضرت عثمانؓ کو اگرچہ اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع صرف پانچ سال ملا، لیکن اس قلیل مدت میں آپ نے امت اسلامیہ کی بڑی گراں قدر خدمات انجام

دیں، اور بہت سے ممالک زیر نگیں ہوئے، نظام خلافت حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی بہت کم گنجائش تھی، تاہم جو گوشے تشنہ تکمیل رہ گئے تھے ان کی تکمیل ہوئی اور رفاہ عام کے بہت سے کام انجام پائے۔

بغاوتوں کا استیصال اوپر تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ہی ملک کے مختلف گوشوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں، ایران کے متعدد صوبے باغی ہو گئے۔ خراسان، آرمینیہ اور آذربائیجان کے علاقوں نے اطاعت کا جوا اتار پھینکا، مصر و اسکندریہ میں رومیوں نے بغاوت بپا کر دی، قیصر روم اسکندریہ پر چڑھ آیا، غرض ہر طرف خلفشار بپا ہو گیا تھا، حضرت عثمانؓ نے نہایت مستعدی اور سرگرمی سے ان تمام بغاوتوں کا استیصال کیا۔

فتوحات بغاوتوں کے استیصال کے علاوہ آرمینیہ اور آذربائیجان کے غیر مفتوحہ علاقوں ایشیائے کوچک، ترکستان، کابل اور سندھ میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں بحیرہ روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ ہوا اور اسپین پر حملہ ہوا اور اسلامی حکومت کے حدود سندھ اور کابل سے لے کر یورپ کی سرحد تک وسیع ہو گئے۔

نظام خلافت جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، نظام خلافت حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں ترقی کی گنجائش بہت کم تھی، حضرت عثمانؓ نے اس کو علیٰ حالہ قائم رکھا البتہ انتظامی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں بعض تبدیلیاں کیں اور جن شعبوں میں ترقی کی گنجائش تھی ان کو ترقی دی۔

مجلس شوریٰ گو عثمانی دور میں عہد فاروقی کی طرح شوریٰ کا اہتمام نہ رہ گیا تھا، لیکن مہمات امور میں حضرت عثمانؓ اکابر صحابہ اور عمال حکومت سے مشورہ فرماتے تھے، اوپر انقلاب کے حالات میں ملک کی صلاح و فلاح اور فتنہ و فساد کی بیخ کنی کے لیے اکابر صحابہ اور عمال حکومت سے صلاح و مشورہ کے واقعات گذر چکے ہیں۔

بعض تبدیلیاں صوبوں کی تقسیم قریب قریب وہی رہی جو عہد فاروقی میں تھی، البتہ شام کے ملک کو جو کئی صوبوں میں تقسیم تھا، ایک صوبہ بنا دیا گیا، اور امیر معاویہؓ پورے صوبہ کے والی مقرر ہوئے جس سے فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچا، نئے مفتوحہ ملکوں کے نئے

صوبے بنائے گئے۔

عمال کا احتساب اور ان کی نگرانی عثمانی عمال کی بے عنوانیوں اور ان سے احتساب کے سلسلہ میں ایک امر خاص طور سے پیش نظر رکھنے کے لائق ہے، جسے نظر انداز کر دینے سے حضرت عثمانؓ کے طرز حکومت کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اگر اسے ملحوظ رکھا جائے تو بہت سے شکوک و شبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں، وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ فطرۃً" نہایت حلیم الطبع، نرم خو، اور خطاپوش تھے، آپ میں عفو و درگذر کا پہلو غالب تھا اس لیے آپ میں مواخذہ احتساب کی وہ سختی نہ تھی، جو حضرت عمرؓ کا طغرائے امتیاز تھا، آپ بعض ایسے امور سے چشم پوشی فرما جاتے تھے جس پر حضرت عمرؓ بڑے سے بڑے عہدہ دار کو لے ڈالتے تھے، یہ فرق ابوبکرؓ و عمرؓ میں بھی نظر آتا ہے، مثلاً حضرت خالدؓ بن ولید سے عہد صدیقی میں بعض بے عنوانیاں سرزد ہوئیں، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے انہیں نظر انداز کر دیا اور حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار کے باوجود خالد بن ولیدؓ کو معزول نہیں کیا لیکن حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ایک دو مرتبہ کی تنبیہہ کے بعد فوراً معزول کر دیا۔ حضرت عمرؓ عمال کی شان و شوکت کو سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ ان چیزوں سے تعرض نہیں کرتے تھے، اور اس قبیل کے معاملات میں دونوں کے طرز عمل میں فرق تھا جو ان کی افتادِ طبع کا نتیجہ تھا۔

اس طبعی فرق کی وجہ سے گو عہد عثمانی میں عہد فاروقی کے جیسا سخت احتساب نہ رہ گیا تھا، پھر بھی آپ کسی ایسی بے عنوانی کو نظر انداز نہ کرتے تھے، جس سے اصول اسلام، اخلاق عامہ یا حکومت کے نظام پر کوئی اثر پڑتا ہو، جب کسی والی کے خلاف اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی آپ فوراً معزول کر دیتے تھے، چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ کو بیت المال کا قرض نہ ادا کرنے کے الزام میں معزول کر دیا، ولید کو شراب نوشی کے جرم میں عہدہ سے برطرف کر کے حد جاری کی، سعدؓ بن العاص اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو رعایا کی شکایت پر علیحدہ کیا، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

حج کے موقع پر تمام عمال طلب کیے جاتے تھے، اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار کے خلاف کوئی شکایت ہو اسے پیش کرے، چنانچہ شکایتیں سن کر آپ ان کا تدارک فرماتے تھے۔ (طبری ص ۲۹۴۴)

بیت المال کے محاصل و مصارف عثمانی عہد میں بہت سے نئے ملک فتح ہوئے اور خراج کی آمدنی بہت بڑھ گئی اس کے علاوہ آپ کے عمال کے حسن انتظام سے پرانے محاصل میں کافی اضافہ ہوا، چنانچہ مصر کے خراج کی مقدار دونی ہو گئی۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۱۸۹)

آمدنی میں اضافہ کے ساتھ آپ نے لوگوں کے وظائف میں اضافہ فرمایا، جن لوگوں کو رمضان کے مصارف کے لیے نقد ملتا تھا ان کا کھانا بھی مقرر کیا۔ (طبری ص ۲۸۰۴) ان کے علاوہ قومی مصارف اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

صیغہ فوج صیغہ فوج میں بعض تبدیلیاں اور ترقیاں ہوئیں، بعض صوبوں میں انتظامی اور فوجی شعبے، جو اب تک ایک چلے آتے تھے الگ کر دیئے، سپاہیوں کی تنخواہ میں سو سو روپے کا اضافہ ہوا۔ (طبری ص ۲۸۰۴)

نئے مفتوحہ علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں، امیر معاویہؓ نے شام میں بحرہ روم کے ساحل پر انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نو آبادیاں بسا دیں۔

(ابن اثیر ج ۳ ص ۳۳)

فاروقی عہد میں جہاد کے گھوڑوں اور دوسرے مویشی کے لیے متعدد چراگاہیں بنائی گئی تھیں، حضرت عثمانؓ نے ان میں اور اضافہ کیا اور ان کے متعلق چشمے جاری کرائے، یہ چراگاہیں اتنی وسیع تھیں کہ صرف ایک ضریہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ (وفاء الوفا میں چراگاہوں کی تفصیل ہے۔)

بحری فوج اور اسلامی بیڑہ اس سلسلہ میں سب سے نمایاں اور اہم ترقی بحری فوج کا قیام ہے عہد فاروقی میں فارس کی بحری جنگ میں مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف ہو گئے تھے، امیر معاویہؓ نے ان سے بارہا بحر روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت مانگی لیکن فارس کے تلخ تجربہ کے بعد آپ نے اجازت نہ دی، آپ کے بعد امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی، آپ نے بھی پہلے انکار کیا، لیکن پھر ان کے اصرار پر اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ بحری جنگ میں شرکت کے لیے کسی کو مجبور نہ کیا جائے جو اپنی خوشی سے جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۳۶ و فتوح البلدان ذکر فتح قبرس) چنانچہ حصول اجازت کے بعد امیر معاویہؓ نے بحر

روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ کیا' جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے' قبرص کی فتح سے امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح والی افریقہ کے حوصلے بڑھ گئے' اور انہوں نے چند برسوں کے اندر اسلامی بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ وہ اس عہد کے سب سے طاقت ور رومی بیڑے سے بڑھ گیا' چنانچہ ۳۱ھ میں جب قیصر روم نے چھ جہازوں کے ساتھ سواحل شام پر حملہ کیا تو امیر البحر عبداللہ بن ابی سرحؓ نے رومی بیڑے کو نہایت فاش شکست دی' (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۵) بحری بیڑے کے قیام کے بعد بحر روم مسلمانوں کی آماجگاہ بن گیا۔

بنی امیہ تلوار کے دھنی اور بڑے شجاع اور الوالعزم تھے' اس لیے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قدرۃً" فوجی صیغہ کو بڑی ترقی ہوئی' جس کی شاہد ان کے عہد کی فتوحات ہیں' اگر درمیان میں سیاسی انقلاب نہ برپا ہو گیا ہوتا تو عہد عثمانی میں فتوحات کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا۔

رفاہ عام کے کام عثمانی عہد میں رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے۔ خصوصاً تعمیرات میں بڑا اضافہ ہوا' دفاتر کے لیے وسیع عمارتیں تعمیر ہوئیں رعایا کی آسائش کے لیے سڑک' پل اور مسافر خانے بنوائے' کوفہ میں عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک وسیع مہمان خانہ بنوایا (طبری ج ص ۲۸۴۲) مدینہ اور نجد کی راہ میں ایک سرائے تعمیر کرائی اور اس کے متعلق ایک بازار بسایا اور شیریں پانی کا ایک کنواں کھدوایا۔ اس کے علاوہ بیئر سائب' بیئر عامر اور بیئر عریس کئی کنویں کھدوائے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۵۴)

بند مہروز مدینہ خیبر کی سمت سے نشیب میں ہے اس لیے کبھی کبھی یہاں سیلاب آ جاتا تھا' جس سے شہر کو بڑا نقصان پہنچتا تھا' حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلے پر مدری کے قریب بند بندھوایا اور نہر کھدوا کر سیلاب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا' اس سے مدینہ کی آبادی بالکل محفوظ ہو گئی' (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۲۱۷)

مسجد نبویؐ کی تعمیر تعمیرات اور مذہبی خدمات کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کا سب سے روشن کارنامہ مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ہے' حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کی توسیع کرائی تھی' مگر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوئی' تو آپ نے ۲۹ھ میں اس کی دوبارہ تعمیر و توسیع کرائی' عمارت کے لیے چونا اور پتھر بطن نخل

سے منگایا' ساری عمارت میں منقش پتھر استعمال کیے' ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا' حضرت عثمانؓ نے طول میں ۲۰ گز کا اور عرض میں ۳۰ گز کا اضافہ کیا۔ (ابن اثیر ج ۲ ص ۳۹ و یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۱ وفاء الوفاء میں اس کی پوری تفصیل ہے)

مصحف صدیقی کی اشاعت مذہبی خدمات کے سلسلہ میں آپ کا سب سے اہم کارنامہ مسلمانوں کو ایک قرات اور ایک مصحف پر متحدہ کرنا ہے' اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کتابی صورت میں کلام اللہ کی تدوین حضرت ابو بکرؓ ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی' لیکن اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی' کلام اللہ کے بعض الفاظ کا املا اور ان کا تلفظ مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے' چنانچہ مختلف صحابہ املاء اور تلفظ مختلف طریقوں سے کرتے تھے۔ لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ (یعنی بعض الفاظ ایک سے زیادہ طریقوں سے لکھے جا سکتے ہیں اور اسی طریقہ سے اس کا تلفظ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً مالک یوم الدین اور ملک یوم الدین) اس لیے صحابہ میں اس خفیف اختلاف کی کوئی اہمیت نہ تھی' لیکن نو مسلم عجمیوں میں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی' اس کی بڑی اہمیت ہو گئی' ہر مقام کے لوگ اپنی قرات کو صحیح اور دوسرے کی قرات کو غلط سمجھنے لگے' حضرت حذیفہ بن یمانؓ ایک جہاد میں شریک ہوئے انہوں نے اہل عجم کا یہ اختلاف دیکھا تو انہیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں قرآن میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے چنانچہ انہوں نے واپس آ کر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا' امیر المومنین! اگر جلد اس کا تدارک نہ کیا گیا تو عیسائیوں اور رومیوں کی طرح مسلمان بھی خدا کی کتاب میں اختلاف پیدا کر دیں گے' ان کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ نے عہد صدیق کا مدون کیا ہوا نسخہ جو حضرت حفصہؓ کے پاس موجود تھا منگایا اور اس کی نقلیں کرا کے تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں' اس کے علاوہ اور کلام اللہ کے جو نسخے تھے انہیں تلف کرا دیا۔ (بخاری اور فتح الباری ابواب جمع القرآن میں اس کی پوری تفصیل ہے) اس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ایک قرآن پر ہو گیا۔

موذنوں کی تنخواہ مساجد کے لیے تنخواہ دار موذن مقرر کیے (تاریخ الخلفاء ص ۱۶۴)

متفرق واقعات خلیفہ وقت کا ایک اہم فرض مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور ان کی اخلاقی اصلاح و تربیت ہے' حضرت عثمانؓ مدینہ میں اس فرض کو بہ نفس نفیس انجام دیتے تھے'

مسلمانوں کو مذہبی مسائل بتاتے تھے‘ انہیں اس کی عملی تعلیم دیتے تھے‘ جس کے واقعات حدیث کی کتابوں میں ہیں۔

دولت کی فراوانی اور فارغ البالی کی وجہ سے اہل مدینہ میں لہو و لعب کے مشاغل پیدا ہو چلے تھے‘ چنانچہ کبوتر بازی اور غلیل بازی خوشحال لوگوں کا دلچسپ مشغلہ ہو گیا تھا‘ حضرت عثمانؓ نے ان دونوں مشاغل کو روک دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۶۵)

فضل و کمال حضرت عثمانؓ خاص حاشیہ نشینان بساط نبوت میں تھے۔ اس لیے شیخین کی طرح آپ کی ذات بھی علم و عمل کا نمونہ تھی‘ کان ممن جمع بین العلم والعمل (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸) آپ کو ابتداء سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا‘ چنانچہ زمانہ جاہلیت سے آپ نوشت و خواند سے واقف تھے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷)

تحریر میں مہارت کی وجہ سے کتابت وحی کی جلیل القدر خدمت آپ سے متعلق تھی (روضۃ النضرۃ تذکرہ عثمانؓ) تقریر و خطابت میں آپ کو کوئی خاص امتیاز نہ تھا‘ لیکن تحریر دلکش ہوتی تھی‘ آپ کی تحریر کے نمونے تاریخوں میں مذکور ہیں‘ مذہبی علوم میں آپ کا پایہ بلند تھا۔

کلام اللہ کے ساتھ خاص شغف تھا‘ اس کی تعلیم انہوں نے خاص زبان نبوت سے حاصل کی تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۸) ایک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۳) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خود بھی کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۸) اس شوق و ذوق کی وجہ سے کلام اللہ پر آپ کی نظر بہت وسیع ہو گئی تھی۔

احادیث نبویؐ کے بھی ممتاز حافظ وروی جملۃ کثیرۃ من العلم (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸) لیکن کلام رسول میں تغیر و تبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے‘ چنانچہ فرماتے تھے کہ احادیث بیان کرنے میں امر مانع آتا ہے کہ ممکن ہے صحابہؓ کے مقابلہ میں حدیث کو زیادہ محفوظ نہ رکھتا ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف ایسا قول منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا ہے اس کو چاہیے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنانے کے لیے تیار رہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۶۵)

اس خطرہ سے آپ بہت کم روایتیں کرتے تھے‘ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرفوع

روایات کی کل تعداد ۱۴۶ ہے۔

فقہ میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے برابر نہ تھا لیکن آپ بھی مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے، اور دوسرے صحابہ آپ کے اجتہاد سے استفادہ کرتے تھے۔ (بخاری و مسند احمد بن حنبل وغیرہ) آپ کے فقہی اجتہاد کے بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، علم فرائض میں آپ جماعت صحابہ میں ممتاز تھے، عہد صحابہ میں اس فن کے دو بڑے عالم مانے جاتے تھے، حضرت زید ابن ثابتؓ اور حضرت عثمانؓ انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا، شیخینؓ کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کو حل، یہی دونوں حضرات کرتے تھے، اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۷۲)

اخلاق و سیرت حضرت عثمانؓ عہد جاہلیت سے صاحب ثروت تھے، لاکھوں روپے کا تجارتی کاروبار کرتے تھے، لیکن زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن تمول کے برے نتائج سے آلودہ نہ ہوا۔

خشیت الٰہی اور رقت قلب آپ نہایت رقیق القلب تھے، آپ کا دل ہمیشہ خوف الٰہی سے معمور رہتا تھا، جب کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو اتنی رقت طاری ہوتی کہ روتے روتے داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۷۲)

مواخذہ قیامت کا خوف آخرت کے مواخذہ کا اتنا خوف غالب تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر مجھ کو یہ علم ہو کہ مجھے جنت ملے گی یا دوزخ تو میں اس کا فیصلہ ہونے کے مقابلہ میں خاک ہو جانا پسند کروں گا۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۷۲) اس خوف کا اثر آپ کے ہر عمل میں نمایاں تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ساتھ محبت نبویؐ حضرت عثمانؓ کے ساتھ گوناگوں تعلقات اور آپ کی خدمات اسلامی کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کو آپ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اس تعلق کی بنا پر آپ نے دو مرتبہ ان کو شرف مصاہرت سے سرفراز فرمایا اور اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کو آپ کے ساتھ بیاہ دیا لیکن یہ دولت بہت جلد آپ سے چھن گئی، حضرت عثمانؓ کو اس کا بڑا قلق ہوا ان کی پریشانی دیکھ کر آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا، عثمانؓ! کیا حالت ہے؟

عرض کی بابی انت وامی یارسول اللہ، اس سے بڑھ کر مصیبت کیا ہو سکتی ہے کہ ذات نبویؐ سے میرا رشتہ منقطع ہو گیا، یہ سن کر آپؐ نے تسکین خاطر کے لیے دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا عقد ان کے ساتھ کر دیا اور فرمایا اگر میرے سو لڑکیاں ہوتیں اور وہ مرتی جاتیں تو میں برابر یکے بعد دیگرے عثمانؓ کے ساتھ بیاہتا چلا جاتا۔ (کنزالعمال ج ۶ ص ۳۷۵ اس میں دو روایتوں کو یک جا کر دیا گیا ہے)

محبت رسولؐ حضرت عثمانؓ کو بھی ذات رسالت کے ساتھ والہانہ شیفتگی تھی، آپؐ رضا جوئی کے لیے اپنی کل کائنات نثار کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ آنحضرتؐ کی ادنیٰ تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے، ایک مرتبہ اہل بیت نبویؐ پر کئی دن فقرو فاق سے گزر گئے، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو بے چین ہو کر رونے لگے، اور اسی وقت کئی بورے گیہوں، آٹا، کھجور، بکری کا گوشت اور تین سو درہم نقد لے کر جا کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ جب اس قسم کی ضرورت پیش آئے تو عثمانؓ کو یاد فرمای جائے۔ (کنزالعمال ج ۶ ص ۳۷۶)

احترام رسولؐ ذات نبویؐ کا اتنا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرتؐ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی، اسے تا عمر محل نجاست سے مس نہیں کیا۔ (ابن سعد ج ۳ ق ۱ تذکر عثمانؓ)

اتباع سنت و پاس فرمان رسولؐ اس محبت و احترام کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ آپ کی زندگی سر تا پا اتباع سنت میں ڈوبی ہوئی تھی، آپ کا فرمان ہر دم ہر لحظہ پیش نظر رہتا تھا آپ کے اتباع سنت کے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، آپ کے فرمان کا اتنا لحا رکھا کہ جان دے دی لیکن دشمنوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

انفاق فی سبیل اللہ آپ کا طغرائے امتیاز راہ خدا میں فیاضی ہے، جیسا خدا نے آپ کو غنی بنایا تھا ویسے ہی آپ نے اس کی راہ میں بے دریغ دولت لٹائی، اس کے واقعات او گزر چکے ہیں، دو لاکھ اشرفی مالیت کی مستقل جائیداد راہ خدا میں وقف کی تھی۔ (ابن سعد ج ۳ ق ۱ تذکرہ عثمانؓ)

فیاضی آپ طبعاً فیاض و سیر چشم تھے، سینکڑوں بیواؤں، یتیموں اور اپنے غریب اعزہ ک

پرورش کرتے تھے' ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔ (نزہتہ الابرار قلمی) آپ کی غیر معمولی فیاضی ہی کی وجہ سے آپ کے دشمنوں کو آپ کے خلاف غلط واقعات مشہور کرنے کا موقع ملا۔

حیا آپ کا دوسرا امتیازی وصف حیا ہے' آپ طبعاً اتنے باحیا تھے کہ رسول اللہ ﷺ آپ کی حیا کا لحاظ فرماتے تھے' ایک مرتبہ آپ چند صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے اور زانو مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا' آپ نے اسے بند نہ کیا' تھوڑی دیر میں حضرت عثمانؓ تشریف لائے انہیں دیکھ کر آپؐ نے کپڑا برابر کر لیا۔ صحابہؓ نے اس کا سبب پوچھا' فرمایا کہ عثمان کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔ (بخاری مناقب عثمانؓ)

صبر و تحمل تیسرا وصف صبر و تحمل اور عفو و درگزر ہے' آپ حلم و عفو کا پیکر تھے' آپ میں اس وصف کا اتنا غلبہ تھا کہ لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے' اموی عمال کی بے عنوانیاں آپ کے اسی وصف کا نتیجہ تھیں' کسی حالت میں حلم و صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا' آپ کے خلاف کتنا طوفان بپا ہوا' مخالفین نے رو در رو گستاخیاں کیں' لیکن اس پیکر حلم نے سوائے صبر و تحمل کے کوئی جواب نہ دیا' اگر آپ چاہتے تو باغیوں کے خون کی ندیاں بہہ جاتیں' لیکن آپ نے جان دے دی مگر صبر و حلم کے جادہ مستقیم سے نہ ہٹے۔

تواضع آپ کے پاس لونڈی غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن اپنے کاموں کے لیے راحت میں خلل نہ ڈالتے تھے' شب کو تہجد کے وقت کسی غلام کو نہ جگاتے' خود ہی پانی لے کر وضو کر لیتے عرض کیا گیا' آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں' کسی غلام کو جگا لیا کیجئے' فرمایا رات کا وقت ان کے آرام کے لیے ہے۔ (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۳۱)

ذریعہ معاش حضرت عثمانؓ قریش مکہ بلکہ عرب کے دولت مند ترین لوگوں میں تھے' لاکھوں روپیہ کا آپ کا تجارتی کاروبار تھا' اپنی غیر معمولی ثروت کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے۔ نقدی دولت کے علاوہ متعدد علاقے تھے' خیبر میں آنحضرتؐ نے ایک جاگیر عطا فرمائی تھی اس کے علاوہ آپ نے بعض زمینیں خریدی تھیں' آپ کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ زندگی میں لاکھوں صرف کرنے کے بعد بھی شہادت کے وقت علاوہ جائیداد کے پینتیس لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد چھوڑے۔ (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۳)

غذا و لباس آپ شروع سے لے کر آخر تک دولت و ثروت کے گہوارہ میں رہے زندگی کے کسی دور میں بھی عسرت و تنگ دستی سے سابقہ نہ پڑا' اس لیے سخت اور پر محن زندگی کے عادی نہ تھے' آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے' خوش خوراک و خوش لباس تھے' دسترخواں وسیع تھا' لیکن اس میں زیادہ اہتمام نہ تھا' اچھے لباس کے ساتھ معمولی کپڑے بھی پہنتے تھے' کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کل چار پانچ درہم کی تہبند میں مسجد آتے تھے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۶)

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۳۵ھ تا ۴۰ھ مطابق ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء

ترجمہ ابن ابی طالب حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب خلیفہ ہوئے، آپ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے، آپ کے خاندان بنی ہاشم کو کعبہ کی تولیت کی وجہ سے سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی، رسول اللہ ﷺ کے کئی چچا تھے لیکن آپ کو جو تعلق خاطر حضرت علیؓ کے والد ابو طالب کے ساتھ تھا وہ کسی کے ساتھ نہ تھا، ابو طالب اس زمانہ میں جب کہ رسول اللہ ﷺ ہر طرف سے مشرکین مکہ کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے، آپ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے تھے، ان کی بیوی یعنی حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بھی آپ پر بڑی شفقت کرتی تھیں، اس لیے آپ کو ابو طالب اور ان کی اولاد کے ساتھ خاص انس و محبت تھی۔

ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے چچا کا بار ہلکا کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو اپنے دامن پرورش میں لے لیا تھا، اس طرح ابتداء ہی سے حضرت علیؓ نے آغوش نبوت میں پرورش پائی، اسی کا یہ اثر تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اول اول اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے اسی نو عمر لڑکے نے لبیک کہا، چونکہ حضرت علیؓ کو ابتداء ہی سے تربیت صالحہ ملی تھی، اس لیے زمانہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے آپ کا دامن محفوظ رہا۔

قبول اسلام کے بعد حضرت علیؓ وعظ و پند کے جلسوں اور تبلیغ اسلام کے مجمعوں میں ہر وقت آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے، بعثت کے چوتھے سال جب قریبی اعزہ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم نازل ہوا اور آپؐ نے اس کی تعمیل کے لیے کوہ صفا پر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ "اے بنی مطلب! میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے" تو اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی کہ "گو میں عمر میں چھوٹا ہوں

اور میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپ کا معاون و مددگار اور قوت بازو بنوں گا"۔ یہ آواز علیؓ بن ابی طالب کی تھی' آنحضرتؐ نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا' اس کے جواب میں ہر ہر مرتبہ علی ہی کی آواز آئی' اس صلہ میں آپؐ نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ تم میرے وارث اور بھائی ہو"۔ یہ صرف زبانی دعویٰ نہ تھا' عمل کچھ اس سے بڑھ کر بھی تھا' ہجرت کے واقعات میں تم اس کی تفصیل پڑھ چکے ہو۔

مدینہ آنے کے بعد ۲ھ میں آنحضرت نے حضرت علیؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا' اس وقت سے حضرت علیؓ کی مستقل زندگی شروع ہوئی' ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا' حضرت علیؓ نے ان تمام غزوات' بدر' احد' خندق' بنی قریظہ اور حنین وغیرہ میں کارہائے نمایاں دکھائے' جس کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں' متعدد سرایا آپ کی ماتحتی میں بھیجے گئے' جنہیں آپ نے کامیابی کے ساتھ سرانجام پہنچایا۔ آنحضرتؐ کی آخری خدمت یعنی آپؐ کے غسل اور تجہیز و تکفین وغیرہ کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی' غرض شروع سے آخر تک آپ رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد آپ کے ساتھ گوناگوں تعلقات و خصوصیات کی بنا پر حضرت علیؓ قدرۃ" خلافت نبویؐ کے متوقع تھے' اس لیے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب سے آپ کو آزردگی پیدا ہوئی' لیکن پھر بہت جلد دور ہو گئی' اور آپ دونوں خلفاء کے دور میں مجلس شوریٰ کے رکن رہے' حضرت عمرؓ کو خصوصیت کے ساتھ آپ کے مفید مشوروں پر بڑا اعتماد تھا' آپ نے اپنے مشوروں سے خلافت اسلامیہ کو بہت فائدہ پہنچایا' جب تک بس چلا' حضرت عثمانؓ کی حمایت کرتے رہے' ان سب کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

خلافت

بیعت خلافت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی' مدینہ میں شور قیامت بپا تھا' ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے' لیکن خلافت کا انتظام بہرحال ضروری تھا' اس وقت اکابر صحابہ میں ایک حضرت علیؓ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کا

اتفاق ہو سکتا تھا، چنانچہ مہاجرین و انصار، جن میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے، حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں، جسے تم منتخب کرو گے، میں بھی اسے قبول کر لوں گا، ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس منصب کا مستحق نہیں ہے اس لیے آپ کے علاوہ ہم کسی دوسرے کو منتخب ہی نہیں کر سکتے، حضرت علیؓ نے پھر عذر کیا کہ امیر ہونے کے مقابلہ میں مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے، آخر میں لوگوں نے پھر عرض کیا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے غرض مسلمانوں کے اصرار سے مجبور ہو کر اور امت اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کر کے آپ نے قبول فرمایا اور مجمع عام میں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (طبری ص ۳۰۷۶ ابن اثیر ج ۳ ص ۷۴) اس بیعت میں مدینہ کے تمام ممتاز صحابہ شریک تھے۔ (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۰) بیعت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ نے مسند خلافت پر قدم رکھا۔

قاتلین عثمان کی تلاش میں ناکامی اور اس کے نتائج

بیعت خلافت کے بعد حضرت علیؓ کے لیے سب سے اہم مرحلہ اور آپ کا سب سے مقدم فرض حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا تھا، لیکن چند اسباب کی بنا پر اس میں ناکامی ہوئی، حضرت علیؓ کی جانب سے اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی گئی، لیکن دشواری یہ تھی کہ متعین طور سے کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی، حادثہ شہادت کے وقت گھر میں صرف حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ تھیں، وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں گھر میں گھسنے والوں میں وہ صرف محمد بن ابی بکرؓ کو پہچانتی تھیں لیکن وہ حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محجوب ہو کر لوٹ گئے تھے اور قتل میں شریک نہ تھے، ان کے علاوہ نائلہ اور کسی کو نہ پہچانتی تھیں، پھر قاتل جس گروہ سے تعلق رکھتے تھے، حضرت علیؓ کا اس پر کوئی قابو نہ تھا، اس لیے حضرت علیؓ مجبور ہو گئے، لیکن حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت کا دلوں پر اتنا اثر تھا کہ عوام تو عوام بہت سے اکابر صحابہؓ تک صرف قصاص چاہتے تھے اور حضرت علیؓ کی مجبوریوں پر ان کی نظر نہ جاتی تھی، چنانچہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور چند صحابہؓ نے حضرت علیؓ سے جا کر کہا کہ عثمانؓ کے قتل میں جو جماعت شریک ہے اس سے قصاص لینا ضروری ہے، آپ نے فرمایا تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میں اس سے غافل نہیں ہوں، لیکن ایسی

جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا کوئی قابو نہیں ہے۔ (طبری)

بدقسمتی سے قاتل جس جماعت سے تعلق رکھتے تھے اس نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تھی، اس لیے آگے چل کر صحابہؓ کو خود اپنے طور پر اس سے قصاص لینے کا خیال پیدا ہو گیا، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل ہوئی، جس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

امیر معاویہؓ کی معزولی اور ان کی بغاوت حضرت علیؓ کے لیے یہ دشوار مرحلہ تو تھا ہی کہ آپ کی بعض سیاسی فروگذاشتوں سے ایک دوسری نازک صورت پیدا ہو گئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ عثمانی عہد کے اکثر عمال خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ والی شام کے سخت خلاف تھے، اس لیے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے ان سب کو معزول کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کے عاقبت اندیش خیر خواہوں نے اس کی مخالفت کی، مغیرہ بن شعبہؓ نے جو سیاست و تدبر میں امیر معاویہؓ کے ہم پایہ تھے غرض علیؓ سے عرض کی کہ ابھی آپ معاویہؓ اور دوسرے عثمانی عمال کو ان کے عہدوں سے نہ ہٹایئے، جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لیں، اس وقت جو دل میں آئے کیجئے گا، لیکن حضرت علیؓ نے نہایت سختی سے انکار کیا، حضرت ابن عباسؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے بھی سمجھایا کہ ابھی معاویہؓ کو معزول نہ کیجئے، اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے تو پھر انہیں اس کی پرواہ نہ ہو گی کہ کون خلیفہ ہے، لیکن اگر وہ معزول کر دیئے گئے، تو عثمانؓ کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور سارے شام و عراق کو آپ کے خلاف کر دیں گے لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ بھی قبول نہ فرمایا (ابن اثیر ج ۳ ص ۷۷ و اخبار الطوال ص ۱۵۱) اور ۳۶ھ میں تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے عمال مقرر کیے، اسی سلسلہ میں شام پر سہیل بن حنیف کا تقرر ہوا اور وہ شام روانہ ہو گئے۔

امیر معاویہؓ خود بڑے مدبر تھے، پھر بیس بائیس برس سے شام کے والی چلے آ رہے تھے، یہاں ان کا بڑا اثر تھا، انہیں معزول کرنا آسان نہ تھا، چنانچہ انہوں نے سہیل بن حنیفؓ کو شام کی حدود میں نہ داخل ہونے دیا اور شام کی سرحد تبوک ہی سے واپس کر دیا۔

(طبری ص ۳۰۸۳، ۳۰۸۴)

امیر معاویہؓ کو معزول کرنے کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ان کے پاس بیعت کے لیے علیحدہ ایک خط لکھا تھا، اس وقت بڑے بڑے صحابہؓ حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت

خصوصاً آپ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنے سے سخت متاثر تھے' امیر معاویہؓ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ سے حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیراہن اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگا کر دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرا دیں' اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے' لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و زار روتے تھے۔

امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے قاصد کو روک لیا تھا' یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا اور اس کے ہمراہ اپنا قاصد ایک سادہ لفافہ دے کر حضرت علیؓ کے پاس بھیجا' آپ نے اسے کھولا تو کچھ نہ تھا آپ کو حالات کا کچھ اندازہ ہو چلا تھا' قاصد سے پوچھا شام میں کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ عثمانؓ کے پیراہن پر رو رہے ہیں اور قصاص لینے کا عہد کر چکے ہیں' اس وقت حضرت علیؓ کے سامنے حقیقت واضح ہوئی' آپ نے فرمایا خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔ (طبری ص ۳۰۹۱)

امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں اب حضرت علیؓ کو واقعات کا پورا اندازہ ہو گیا اور آپ نے امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں بے نیام ہونے والی تھیں اس لیے اکثر صحابہؓ اس کی شرکت کے بارہ میں متردد تھے' بہتوں نے اس کی مخالفت کی یا کم از کم غیر جانبدار رہے' چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ' عبداللہ ابن عمرؓ اور محمد بن مسلمہؓ وغیرہ نے کسی کا ساتھ نہیں دیا' حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ مجھے تم لوگوں کی جانب سے ناپسندیدہ خبریں ملی ہیں' کیا واقعہ ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا اگر اس جنگ میں آپ میری شرکت چاہتے ہیں تو ایسی تلوار عنایت کیجئے جو کافر و مسلم میں امتیاز کرے۔" حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ آپ ایسی چیز میں شرکت کے لیے مجھ کو مجبور نہ کیجئے جس کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا حضرت محمد بن مسلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار کو مشرکوں کے مقابلہ میں استعمال کروں' اور جب مسلمانوں سے جنگ کا وقت آئے تو اس کو کوہ احد کے پتھر پر پٹک کر توڑ دوں' چنانچہ کل میں نے اس کو توڑ دیا' حضرت اسامہؓ بن زید نے فرمایا کہ مجھے اس میں شرکت سے معاف رکھا جائے' میں نے عہد کیا ہے کہ کلمہ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہ کروں گا۔ (اخبار الطوال ص ۱۵۲) حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے' غرض بہت سے محتاط

صحابہؓ نے اس میں شرکت سے احتراز کیا' تاہم بعضوں نے اپنی خدمات بھی پیش کیں۔

اصلاح و قصاص کے لیے حضرت عائشہؓ کی آمادگی ابھی حضرت علیؓ امیر معاویہؓ سے مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ دوسری طرف اس سے بھی زیادہ سخت اور نازک صورت حال پیدا ہو گئی۔

حضرت عائشہؓ ہر سال حج کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں' چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ میں ہی تھیں' یہیں آپؓ کو واقعہ شہادت کی اطلاع اور اس کے بعد پیہم مدینہ میں بدامنی کی خبریں ملیں' مکہ سے واپسی میں راستہ میں آپ کے ایک قریبی عزیز نے اطلاع دی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے' حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور مدینہ میں بدامنی بپا ہے۔ (طبری ص ۳۰۹۸)

یہ اطلاع پا کر آپؓ مکہ لوٹ گئیں' اس کے بعد ہی حضرت طلحہؓ و زبیرؓ پہنچ گئے انہوں نے بیان کیا کہ "ہم لوگ بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں بھاگے چلے آ رہے ہیں' مدینہ میں لوگ حیران و سرگرداں ہیں' ان کا حال یہ ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ باطل سے گریز کر سکتے ہیں اور نہ ان میں اپنی حفاظت کی طاقت ہے۔ (طبری ۳۰۹۹)

یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون بے گناہی کے قصاص اور فتنہ و فساد کی اصلاح کی دعوت دی۔ آپ کے واپس آنے کی خبر سن کر بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے' آپ نے ان کے سامنے ایک مختصر تقریر کی۔

> "لوگو! مختلف ملکوں کے عوام' اجنبیوں اور اہل مدینہ کے غلاموں نے چند معمولی باتوں پر اس شخص (حضرت عثمانؓ) مظلوم کو شہید کر دیا' ان کے پاس اس فعل کی کوئی حجت نہ تھی' انہوں نے سرکشی کر کے حرام خون بہایا' بلد حرام اور شہر حرام کو حلال کیا' ناجائز طریقہ سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا' خدا کی قسم عثمانؓ کی ایک انگلی ان جیسے سارے روئے زمین کے عوام سے بڑھ کر ہے۔
>
> میں اس لیے واپس آئی ہوں کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیئے گئے اس شور و غوغا اور فتنہ فساد کی اصلاح اس طرح نہ ہو گی' عثمانؓ کے خون کا قصاص لے کر اسلام کو معزز کرو۔ (طبری ص ۳۰۹۷' ۳۰۹۸ ملخصاً"

ام المومنینؓ کی زبان سے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں

مسلمان سرفروشی کے لیے آمادہ ہو گئے، سب سے پہلے عبداللہ بن عامر حضرمیؓ والی مکہ نے اس دعوت کا جواب دیا، اموی خاندان کے وہ تمام افراد جو مکہ بھاگ آئے تھے، ساتھ ہو گئے، ایک رئیس یعلیٰ بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کیے، عبداللہ بن عامرؓ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس دعوت میں شریک ہونا چاہئے اور اس کے پاس سواری اور زاد راہ کا سامان نہ ہو، اس کو پورا سامان دیا جائے گا، چنانچہ چھ سو سواریوں اور ان کے پورے اخراجات کا انتظام کیا، حرمین کے ایک ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا اور شرفاء کی مجموعی تعداد تین ہزار ہو گئی، ان کے علاوہ تمام امہات المومنینؓ ساتھ چلنے کے لیے آمادہ ہو گئیں۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۹۰)

اس تیاری کے بعد حضرت علیؓ کی رائے تھی کہ اصل مقصد مدینہ کے حالات کی اصلاح ہے اور سبائی جماعت اور قاتلین عثمانؓ کا گروہ بھی وہیں ہے، اس لیے سیدھے مدینہ چلنا چاہیے، کچھ لوگوں کا مشورہ شام چلنے کا تھا، لیکن آخر میں بصرہ جانے کی رائے قرار پائی، مدینہ جانے میں امہات المومنین بھی ساتھ دینے کے لیے آمادہ تھیں، لیکن بصرہ کا ارادہ ہونے کے بعد انہوں نے ارادہ ترک کر دیا، صرف حضرت حفصہؓ نے یہاں بھی ساتھ دینا چاہا، لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روک دیا۔

درحقیقت مسلمانوں کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ میں بے نیام ہونے والی تھیں اس لیے محتاط بزرگ اس میں شرکت پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو شرکت کی جب دعوت دی گئی تو انہوں نے انکار کیا اور کہا میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں جو وہ کریں گے ان کی تقلید کروں گا، یہ مسئلہ ایسا نازک تھا کہ محتاط لوگ بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے، ایک طرف ام المومنینؓ تھیں، مظلوم اور شہید خلیفہ کے خون بے گناہی کی دعوت تھی، دوسری طرف خلیفہ وقت حضرت علی المرتضیٰؓ تھے۔

بصرہ کی روانگی غرض صفر ۳۵ھ میں حضرت عائشہؓ مدینہ سے روانہ ہو گئیں، رخصت ہوتے وقت مسلمان اس نازک گھڑی پر زار و زار روتے تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں کہ "اس دن مسلمان اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے"۔ اور اس دن کا نام ہی "یوم النخیب" یعنی یوم گریہ پڑ گیا۔ (طبری ۳۱۴)

جس وقت حضرت عائشہؓ مدینہ سے نکلی ہیں' چپ و راست مسلمانوں کا ہجوم تھا' (اخبار الطوال ص ۱۵۳) جیسا کہ عموماً ایسے مواقع پر ہوا کرتا ہے' اس ہجوم میں مخلص مسلمانوں کے ساتھ بہت سے مفسدین بھی شامل ہو گئے تھے' جن کا کام جنگ کی آگ بھڑکانا تھا۔

راستہ میں حواب کے چشمہ پر قافلہ پہنچا تو حضرت عائشہؓ نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں' پوچھا یہ کونسا چشمہ ہے؟ معلوم ہوا حواب' یہ سن کر فرمایا مجھے یہیں سے واپس کر دو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "تم ان میں سے نہ ہونا جن پر حواب کے کتے بھونکیں گے لیکن چالیس آدمیوں نے قسم کھا کر شہادت دی کہ یہ حواب کا چشمہ نہیں ہے اس وقت حضرت عائشہؓ آگے بڑھیں۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۰)

بصرہ کے قریب پہنچیں تو عثمان بن حنیفؓ نے جو حضرت علیؓ کی جانب سے بصرہ کا حاکم تھا' عمران بن حصین اور ابوالاسود دولی کو تحقیق حال کے لیے بھیجا' انہوں نے حاضر ہو کر والی بصرہ کی جانب سے آنے کا سبب دریافت کیا' ان کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے یہ تقریر فرمائی۔

> "خدا کی قسم میرے رتبہ کے لوگ اپنے ارادہ کو نہیں چھپاتے اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے کوئی حال چھپاتی ہے' واقعہ یہ ہے کہ عوام اور جھگڑالو لوگوں نے حرم رسول (مدینہ) پر حملہ کیا اور اس میں فتنہ و فساد برپا کر کے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دے کر اپنے کو خدا اور رسول اللہ ﷺ کی لعنت کا مستحق بنا لیا' انہوں نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا' معصوم خون بہایا' اس مال کو لوٹا' جو ان کے لیے حرام تھا' مقدس شہر اور مقدس مہینہ کی بے حرمتی کی' لوگوں کی آبرو ریزی کی' مسلمانوں کو مارا' ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے' جو ان کے رکھنے کے روادار نہ تھے انہوں نے نقصان پہنچایا' مسلمانوں میں نہ ان سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ وہ ان سے محفوظ ہیں' میں مسلمانوں کو لے کر اس لیے نکلی ہوں کہ لوگوں کو بتاؤں کہ ان سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے خدا فرماتا ہے **لا خیر فی کثیر من نجواھم الامن امر بصدقة اومعروف او اصلاح بین الناس** (لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے مگر یہ کہ خیرات اور عام نیکی کا حکم دیں اور لوگوں کے درمیان اصلاح کریں) ہم اصلاح کے لیے اٹھے ہیں جس کا خدا اور رسول نے ہر

چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے یہ ہے ہمارا وہ نیک مقصد جس پر تم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تم کو روکنا چاہتے ہیں"۔ (طبری ص ۳۱۱۶)

یہ جواب سن کر عثمان بن حنیفؓ کے ایک قاصد عمران بن حصینؓ ان جھگڑوں سے الگ ہو کر گھر بیٹھ گئے' اور عثمان نے بزور حضرت عائشہؓ کو روکنے کا ارادہ کیا بعض لوگوں نے سمجھایا کہ تمہارے اس طرز عمل سے ایسی نازک صورت پیدا ہو جائے گی کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی' جب تک علیؓ نہ آ جائیں اس وقت تک نرمی اور صلح و آشتی سے کام لینا چاہیے' لیکن عثمان نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے کر مقابلہ کے لیے نکلا' حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی مقابلہ کے لیے بڑھے اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے پھر ایک تقریر کی۔

"لوگ عثمانؓ پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے عہدداروں کی برائیاں بیان کرتے تھے اور مدینہ آ کر ہم سے شکایتیں بیان کر کے مشورہ چاہتے تھے' ہم ان شکایتوں پر غور کرتے' تو عثمانؓ کو نیکوکار' پرہیزگار اور راست باز اور شکایت کرنے والوں کو گنہگار' غدار اور جھوٹا پاتے تھے' ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ' جب ان کی تعداد اور قوت بڑھ گئی تو عثمانؓ کے گھر میں گھس گئے اور بغیر کسی سبب اور عذر کے معصوم خون بہایا' قابل عزت شہر کی بے حرمتی کی۔

خبردار ہو جاؤ کہ جو کام تمہیں کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا سزا ہے' وہ عثمانؓ کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجراء ہے۔ خدا فرماتا ہے الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب یدعون الی کتاب اللہ (یعنی کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے' جن کو کتاب اللہ کا حصہ دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کی جانب ان کو دعوت دی جاتی ہے"۔ (طبری ص ۳۱۱۹ و ابن اثیر ج ۳ ص ۸۳)

سامعین کے دلوں پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ خود عثمان بن حنیفؓ کی فوج کے ایک حصہ نے یہ کہہ کر ام المومنین سچ فرماتی ہیں' اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۲۱۲)

لیکن عثمانؓ اس وقت بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آیا اور حضرت علیؓ کے آنے سے پہلے جنگ ہو گئی' عثمان شکست کھا کر گرفتار ہوا' پھر حضرت عائشہؓ کے حکم سے رہا کر دیا گیا' عثمان کے شکست کھانے کے بعد اس کی جماعت کے بہت سے سبائی اور قاتلین عثمان کی جماعت

کے آدمی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے اس سے بصرہ میں ایک جماعت عائشہؓ کے خلاف ہو گئی۔

(اس جنگ کی تفصیلات طویل ہیں ہم نے صرف نتیجہ لکھ دیا ہے)

حضرت علیؓ کی تیاریاں

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ آپ کو حضرت عائشہؓ کے قصاص عثمانؓ کی دعوت اور آپ کے بصرہ جانے کی خبر ملی، یہ اطلاع پا کر آپ نے امیر معاویہؓ کے مقابلہ کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا۔

حضرت علیؓ کے لیے بھی یہ مسئلہ نہایت نازک تھا، اگر وہ خاموش رہتے تھے تو نظام خلافت پر اثر پڑتا تھا، اور نکلتے تھے تو ام المومنینؓ کا مقابلہ تھا، لیکن قیام نظم کے لیے نکلنا ناگزیر تھا، پھر آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ کچھ مفسد بھی ہوا خواہی کے پردہ میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہو گئے ہیں، اس لیے ان کے شر کو دبانے کے لیے آپ کو چار و ناچار مقابلہ کا عزم کرنا پڑا، لیکن جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہو گا آخر تک آپ صلح و آشتی کے خواہاں رہے، حضرت عائشہؓ کی بھی یہی کوشش تھی لیکن فتنہ پرستوں نے کامیاب نہ ہونے دیا۔

محتاط صحابہؓ کی روش

حضرت عائشہؓ کی طرح حضرت علیؓ کے لیے بھی یہ دشواری تھی کہ اکثر محتاط اہل مدینہ اور اکابر صحابہؓ اس خانہ جنگی کے خلاف تھے اور کم از کم خود اس میں شرکت کرنا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ جس وقت آپ نے بصرہ جانے کا عزم کیا تو اہل مدینہ نے اس میں شرکت سے اپنا پہلو بچایا۔ فاشتد الامر علی اهل المدينة فتثاقلوا (طبری ص ۳۰۶۳) یعنی اہل مدینہ کے لیے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انہوں نے پہلو بچایا۔

حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ میرا ساتھ دو، انہوں نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ کو دے چکے تھے کہ میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں جو وہ کریں گے وہی میں بھی کروں گا، اہل مدینہ کہتے تھے کہ یہ مسئلہ مشتبہ ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا، جب تک بالکل واضح نہ ہو جائے ہم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ (طبری ص ۳۰۹۳)

مدینہ سے روانگی

تاہم کچھ انصار اور چند بدری صحابہؓ نے ساتھ دیا اور حضرت علیؓ ربیع الاول ۳۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے، حضرت عبداللہ بن سلامؓ صحابی کو خبر ہوئی تو

انہوں نے حاضر ہو کر آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا امیر المومنین! آپ مدینہ سے نہ نکلئے اگر اس وقت نکلے تو خدا کی قسم پھر آپ یہاں واپس نہ آئیں گے اور مدینہ سے مرکز حکومت نکل جائے گا' لیکن اب صورت حال ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ ان کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ (طبری ص ۳۱۰۶)

مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت علیؓ کے ساتھ سات سو آدمی تھے' جن میں زیادہ تعداد اہل کوفہ اور بصرہ کی تھی' لیکن راستہ میں برابر لوگ ساتھ ہوتے گئے۔

کوفہ اور بصرہ کی مدد ذی قار پہنچ کر آپ نے منزل کی اور کوفہ اور بصرہ سے مدد کے لیے دعاۃ بھیجے اور اہل کوفہ کو لکھا کہ ہمارا مقصد اصلاح ہے' ہم چاہتے ہیں کہ اس امت میں پھر قوت و وحدت پیدا ہو جائے۔ (طبری ص ۳۱۴۰)

حضرت امام حسنؓ' عمار بن یاسر اور ہاشم بن عتبہ وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ وعظ و پند کے ذریعہ لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے ہیں' کہ لوگو! میرا کہنا مانو' تم عرب کی بیخ و بنیاد بن جاؤ کہ مظلوم تمہارا سہارا پکڑیں اور خوف زدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں' لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو پہچانا نہیں جاتا' جب گزر جاتا ہے تب اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے' معلوم نہیں کہ اس فتنہ کا سرچشمہ کہاں سے پھوٹتا ہے' اپنی تلواروں کو نیام میں کر لو' نیزوں کے پھل اتار ڈالو' کمانوں کی تانت کاٹ دو' لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا اس میں پڑ جانے والے سے بہتر ہے۔

ان کے اس وعظ کا بڑا اثر پڑ رہا تھا اس لیے حضرت حسنؓ نے انہیں مسجد سے نکال دیا' اور خود لوگوں کو تقریر کر کے حضرت علیؓ کی امداد پر آمادہ کیا' آپ کی تقریر پر دس ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا (اخبار الطوال ص ۱۵۴)

حضرت عائشہؓ سے مصالحت کوفہ کے روسا میں ایک بزرگ قعقاع بن عمرو صحابیؓ اور خیر خواہ امت تھے' حضرت علیؓ نے انہیں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس مفاہمت کی گفتگو کے لیے بھیجا' انہوں نے بصرہ جا کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں عرض کیا' اماں جان! آپ کس غرض سے یہاں تشریف لائی ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا بیٹا! لوگوں میں اصلاح کے لیے قعقاع نے کہا تو ذرا طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلا لیجئے کہ وہ بھی میری اور آپ کی گفتگو سن لیں

یہ دونوں بزرگ بلا کر آئے' قعقاع نے ان سے کہا کہ میں نے ام المومنین سے دریافت کیا کہ وہ کس غرض سے تشریف لائی ہیں' انہوں نے فرمایا اصلاح کے لیے' اب آپ دونوں کیا کہتے ہیں' ام المومنین کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں یا مخالفت؟ انہوں نے کہا تعمیل' قعقاع نے کہا تو پھر بتائیے اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟ اگر وہ ہم کو معلوم ہو جائے تو ضرور اصلاح کریں گے اور اگر ہمیں نہ معلوم ہو سکا تو کبھی اصلاح نہ ہو سکے گی' حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے جواب دیا' قاتلین عثمانؓ کا قصاص' اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو قرآن کو چھوڑ دیا گیا' اور اسے لیا گیا تو قرآن کو زندہ کیا گیا۔

اس کے جواب میں قعقاع نے کہا کہ آپ لوگ بصرہ کے قاتلین عثمان کو قتل کر چکے' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہزار بصریوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا' پھر جب آپ لوگوں نے حرقوص بن زبیر کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو یہی چھ ہزار آدمی مزاحم ہوئے اور آپ لوگ حرقوص کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے گویا جس قصاص کا دعویٰ ہے اس کو خود چھوڑ چکے' اگر آپ لوگوں نے جنگ کا خیال ترک نہ کیا تو وہی لوگ جو آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں آپ کے خلاف لڑیں گے۔

غرض قعقاع نے حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ کو جنگ سے روکنے کی پوری کوشش کی' ان کی باتیں سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "پھر تمہاری کیا رائے ہے" انہوں نے کہا میرے نزدیک تو بہتر طریقہ امن و سکون ہے' جب حالات سکون پذیر ہو جائیں گے تو قاتلین عثمانؓ کو بھی پریشانی ہو گی اور ان سے قصاص بھی لیا جائے گا' اس کی صورت یہ ہے کہ آپ لوگ بیعت کر لیجئے کہ یہ امت کے لیے فال نیک اور رحمت ہے اور قصاص کی بھی یہی صورت ہے اور اگر اپنی ضد پر قائم رہے تو نہ تو امن و امان قائم ہو گا اور نہ قصاص لیا جا سکے گا' جس طرح آپ لوگ ہمیشہ امت کے لیے امن و عافیت کی کنجی تھے' ویسے ہی اب بھی بنیے' ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمائش میں مبتلا نہ کیجئے' کہ آزمائش دونوں کو برباد کر دے گی' یہ ایک آدمی یا چند آدمی یا ایک جماعت کے قتل کا معاملہ نہیں' بلکہ ساری امت کا سوال ہے'

قعقاع کی یہ تقریر اتنی موثر اور معقول تھی کہ حضرت عائشہؓ' طلحہؓ اور زبیرؓ تینوں نے اسے پسند کیا اور فرمایا تم بالکل بجا کہتے ہو' علیؓ کے پاس جا کر ان کی بھی رائے لو' اگر وہ بھی

تمہارے ہم خیال ہوں تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔

قعقاعؓ نے واپس ہو کر حضرت علیؓ کو یہ مژدہ سنایا آپ سن کر بہت مسرور ہوئے‘ اور مخلص مسلمانوں کی بڑی جماعت مصالحت کے لیے تیار ہو گئی اور قعقاع نے مسلمانوں کے سامنے تقریر کی اور ان سے کہا اب معاملات روباصلاح ہو گئے ہیں اس لیے میں کل لوٹ جاؤں گا‘ تم لوگ بھی واپس جاؤ‘ لیکن جن لوگوں نے عثمانؓ کے خون میں کسی قسم کی شرکت کی ہے انہیں نہ ہم سے کوئی توقع رکھنی چاہیے اور نہ ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔

(طبری میں یہ واقعات زیادہ تفصیل سے ہیں ہم نے صرف ضروری حصے نقل کیے ہیں)

سبائیوں کی فتنہ انگیزی یہ رنگ دیکھ کر وہ لوگ‘ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ بپا کیا تھا اور دوسرا فتنہ ابھارنا چاہتے تھے‘ سخت مضطرب ہوئے۔ چنانچہ ان کے چند سرغنہ اشترنخعی‘ ابن السوداء خالد بن ملجم‘ ملبا بن ہیثم‘ شریح بن ابی اوفی وغیرہ۔ سبائی جماعت کے افراد نے باہم مشورہ کیا‘ اشترنخعی نے کہا کہ علی مدعیان قصاص سے‘ کتاب اللہ سے زیادہ واقف اور اس پر عامل بھی ہیں‘ یعنی وہ یقیناً خون عثمانؓ کا قصاص لیں گے‘ طلحہؓ و زبیرؓ کی رائے ہم لوگوں کے بارہ میں کھلی ہوئی ہے‘ لیکن علی کی رائے اب تک نہیں معلوم‘ اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہم لوگوں کی خیر نہیں‘ ہم میں سے کسی کی جان نہ بچے گی‘ اس لیے بہتر یہی ہے کہ سب مل کر علیؓ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے‘ طبری کے یہ الفاظ ہیں۔

وان یصلحوا مع علی فعلی و ماننا فھلمو نتثارب علی علی فنلحقہ بعثمان (طبری ص ۳۱۶۴) لیکن اس رائے سے لوگوں نے اختلاف کیا اور دوسرے ارکان نے مختلف رائیں دیں‘ کسی پر اتفاق نہ ہوا‘ آخر میں ابن السودا نے کہا کہ علیؓ‘ طلحہؓ اور زبیرؓ کو مزید غور و فکر کا موقع ہی نہ دو اور مصالحت کی تکمیل سے پہلے فوج کے عوام کو ملا کر جنگ چھیڑ دو‘ جب ایک مرتبہ شعلہ بھڑک جائے گا تو پھر علیؓ اپنے بچاؤ کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گے‘ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ (طبری ص ۳۱۶۵)

مخالفین صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کی مصالحانہ روش

سبائیوں کے علاوہ بھی دونوں طرف کچھ لوگ تھے جو جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے‘ ان کی کوششیں الگ جاری تھیں‘ حضرت علیؓ اس وقت ذی قار میں تھے اور بصرہ آنے کا قصد

کر رہے تھے، کہ ایک شخص ابوالجرباء نے حضرت زبیرؓ کو مشورہ دیا کہ اس وقت جنگی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قبل اس کے، علیؓ اپنی فوج سے ملیں ایک ہزار آدمی انہیں روکنے کے لیے بھیج دینے چاہئیں حضرت طلحہؓ نے فرمایا جنگ کے یہ ہتھکنڈے میں بھی جانتا ہوں، لیکن انہوں نے ہم کو مصالحت کی دعوت دی ہے، پھر یہ ایک نئی صورت حال ہے جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہیں ہے اس لیے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، جو فریق بغیر کسی معقول سبب کے اقدام کرے گا، قیامت کے دن وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہو گا، ابھی مصالحت کی گفتگو ہو چکی ہے اور امید ہے کہ اس کی صورت پیدا ہو جائے گی، ہم سب کو صبر کے ساتھ اس خوش آئندہ وقت کا انتظار کرنا چاہیے، ایک دوسرے شخص صبرہ ابن یشمان نے حضرت طلحہؓ کو بھی اس قسم کا شرانگیز مشورہ دیا اس کو بھی آپ نے ویسا ہی جواب دیا۔ (طبری ص ۳۱۶۶)

حضرت علیؓ کی فوج کے چنگ جو بھی پیش دستی کے لیے بے چین تھے، چنانچہ کوفیوں کی جماعت نے جنگ کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا کہ "ہم کو اصلاح اور آگ بجھانے کی کوشش کرنی چاہیے، وہ لوگ مصالحت پر آمادہ ہیں ممکن ہے خدا ہمارے ہی ذریعہ جنگ ختم کر کے اس کا شیرازہ مجتمع کر دے"۔

اس پر اعور بن بنان منقری نے کہا، اگر وہ پیام صلح کا جواب نہ دیں، تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس وقت ہم ان کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کریں گے جو وہ ہمارے ساتھ کریں گے، اعور نے کہا اگر وہ لوگ ہمیں نہ چھوڑیں، حضرت علیؓ نے فرمایا تو ہم بھی مدافعت کریں گے۔ ابو سلامہ دولانی نے کہا اگر ان لوگوں کے دعوے قصاص میں اخلاص اور حسن نیت ہو تو کیا وہ خدا کے نزدیک قابل قبول ہو گا، فرمایا کیوں نہیں، ابو سلامہ نے کہا تو اس کی تاخیر میں آپ کے لیے کیا حجت ہے، فرمایا جس چیز میں کچھ پتہ نہ چلتا ہو اس میں وہ پہلو اختیار کرنا چاہیے جو زیادہ وسیع ہو اور اس کا فائدہ زیادہ عام ہو، ابو سلامہ نے کہا کل جب ہم اور وہ مقابل ہوں گے تو دونوں کا انجام کیا ہو گا؟ فرمایا دونوں میں سے جو بھی خالصتاً" للہ صاف دلی کے ساتھ قتل ہو گا، وہ جنت میں جائے گا۔ (طبری ص ۳۱۶۷)

اپنی جماعت کو پرامن رکھنے کے لیے ایک دن آپ نے تقریر فرمائی کہ ان لوگوں (حضرت طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو، پیش آنے

والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو، اور پیش دستی سے بچو، آج جو شخص جنگ کی ابتداء کرے گا کل خدا کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا۔ (طبری ص ۳۱۶۸)

غرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے، چنانچہ احنف بن قیس چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیحدہ ہو گئے۔

صلح کا انعقاد اب حضرت علیؓ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے، آپ کے آنے کے بعد آپ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی اور مختلف فیہ مسائل پر بحث و مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے، مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں پر مسرور و مطمئن واپس گئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ سوئے۔ (طبری ص ۳۱۸۰)

سبائیوں کی فتنہ انگیزی سبائیوں کے لیے یہ صلح بڑی شاق تھی اور وہ برابر اندر اندر فتنہ انگیزی میں مصروف تھے انہوں نے دیکھا کہ اگر یہ شب بخیر گزر گئی تو صبح کو صلح کا عام اعلان ہو جائے گا اور لوگ اپنا اپنا راستہ لیں گے، اس لیے انہوں نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے، دونوں فریق کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے، چنانچہ یہ لوگ راتوں رات پھیل گئے اور اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا (طبری ص ۳۱۸۲) اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ بپا ہو گیا۔

اس غیر متوقع حملہ نے دونوں کو گھبرا دیا، کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا واقعہ ہے، تاہم حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش کی، حضرت علیؓ پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو "رک جاؤ" حضرت عائشہؓ فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کے لیے پہنچیں، لیکن اس ہنگامہ میں کون کسی کی سنتا، اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی، اس لیے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بد عہدی کی۔ غرض صبح ہوتے ہوتے رات کا دل آویز خواب پریشان ہو گیا اور امن و صلح کے بجائے فوج کی قیادت پر مجبور ہو گئے، فریقین اپنی اپنی فوجیں لے کر صف آراء ہو گئے، اور خون ریز جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت زبیرؓ کی علیحدگی اور شہادت عین ہنگامہ کار زار میں حضرت علیؓ کی نظر

حضرت زبیرؓ پر پڑی، انہوں نے ان سے کہا، ابو عبداللہ تم کو یاد ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک دن تم سے پوچھا کہ تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا، ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑو گے، حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہاں مجھے یاد آگیا۔ (مستدرک حاکم ج ۳ فضائل زبیر)

آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی یاد آنے کے بعد حضرت زبیرؓ نے فوراً لوٹ جانے کا قصد کر لیا اور اپنے صاحبزادے عبداللہ سے جو اس جنگ میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمایت میں پیش پیش تھے، فرمایا کہ اس جنگ کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکا، اور علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلا دی ہے جو میرے ذہن سے اتر گئی تھی، اس لیے اب میں واپس جاتا ہوں تم بھی لوٹ چلو، لیکن انہوں نے انکار کیا اور حضرت زبیرؓ تنہا لوٹ گئے۔

(اخبار الطوال ص ۱۵۷).

واپسی میں ایک سبائی عمرو بن جرموز آپ کے ساتھ ہو گیا، وادی سباع میں نماز کا وقت آگیا تھا، حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہر گئے، ابن جرموز نے بھی اقتداء کی جیسے ہی آپ سجدہ میں گئے ابن جرموز نے ایسا وار کیا کہ ایک ہی وار میں آپ شہید ہو گئے، آپ کو شہید کرنے کے بعد اپنی کار گذاری دکھانے کے لیے آپ کا سر، گھوڑا اور زرہ کو لے کر خوش خوش حضرت علیؓ کے پاس پہنچا، آپ نے فرمایا ابن صفیہ کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو، اور حضرت زبیرؓ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کی تلوار ہے جس نے اس کے ذریعہ بارہا رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور سے حزن و ملال کے آثار دور کیے، یہ سن کر ابن جرموز بولا کیا میری جاں نثاری کا یہی صلہ ہے کہ میں تو آپ کے دشمنوں کا خاتمہ کروں اور آپ مجھے دوزخ کی بشارت دیں!۔

حضرت طلحہؓ کی شہادت حضرت زبیرؓ کو واپس جاتے دیکھ کر حضرت طلحہؓ نے واپسی کا قصد کر لیا تھا، مروان بن حکم نے دیکھا کہ اگر یہ بھی چلے گئے تو لڑائی کا رنگ ہی بدل جائے گا چنانچہ اس نے ایسا تیر مارا کہ ایک ہی تیر میں آپ کا کام تمام ہو گیا۔

(اخبار الطوال ص ۱۵۸ و طبری)

ام المومنینؓ کے اونٹ کے گرد جاں نثاروں کی جانبازی لیکن ان دونوں بزرگوں کے بعد بھی لڑائی کا زور ختم نہ ہوا فریقین نے نہایت پامردی سے ساتھ ایک

دوسرے کا مقابلہ کیا حضرت عائشہؓ فوج کے درمیان اونٹ پر بیٹھی ہوئی جان نثاروں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی' تیروں کی کثرت سے محمل ساہی بن گیا تھا' جاں نثاروں نے جانبازی کا حق ادا کر دیا' قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار میں لے لیا' اس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار بنی ضبہ نے جانیں فدا کیں (اخبار الطوال ص ۱۵۷) اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا لیکن جان نثاروں نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا' جیسے ہی ایک گرتا تھا فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا' اس طریقہ سے چالیس آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۲)

جنگ کا خاتمہ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا اس وقت تک یہ خون ریزی بند نہیں ہو سکتی' اس لیے انہوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے اس حکم پر چند آدمی بڑھے اور ایک شخص امین بن ضبہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیئے وہ بلبلا کر بیٹھ گیا اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی۔ (طبری میں جنگ جمل کی تفصیلات بہت طویل ہیں انہیں غیر ضروری سمجھ کر صرف نتیجہ لکھ دیا گیا ہے)

حضرت علیؓ نے اعلان کرا دیا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے نہ' کسی زخمی کو پامال کیا جائے' نہ کسی کا مال لوٹا جائے' جو شخص ہتھیار ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کرے وہ مامون ہے۔ (اخبار الطوال ص ۱۶۱ و یعقوبی ج ۳ ص ۲۱۳) یہ اعلان ہوتے ہی آپ کی فوج نے ہاتھ روک لیے' بعض آدمیوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا' امیر المومنین جب ان کا مال ہمارے لیے جائز نہیں تو پھر ان سے جنگ کیسے جائز ہوئی' فرمایا کسی مسلمان کو نہ قیدی بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کے مال کو غنیمت' ہاں جن اسلحہ سے جنگ کی ہے ان پر قبضہ کر سکتے ہو' تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو اور جس بات کو نہیں جانتے اسے چھوڑ دو۔

(اخبار الطوال ص ۱۶۱)

حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حضرت علیؓ کی حاضری اختتام جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے فوراً حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد ابن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ ام المومنینؓ کو زخم چشم تو نہیں پہنچا' اور انہیں لے کر عبداللہ بن خلف خزاعی کے محل میں ٹھہرائیں۔ (اخبار الطوال ص ۱۶۲)

اس کے بعد خود مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے اور پوچھا اماں مزاج کیسا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اچھی ہوں' حضرت علیؓ نے فرمایا خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے' اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے۔ (طبری ۳۲۲۰)

چند دن حضرت عائشہؓ کے آرام کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے محمد ابن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ وہ عزت و احترام کے ساتھ آپ کو مکہ پہنچادیں اور سواری' زاد راہ' نقد و جنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپ کی خدمت میں پیش کیا' حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں میں سے جن لوگوں نے ساتھ جانا چاہا انہیں اجازت دی' بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ہمرکاب کیا اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔

رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہؓ نے لوگوں سے فرمایا' میرے بچو! یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہیے' میرے اور علیؓ کے درمیان جو ساس داماد میں کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہے اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی' وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد پر حضرت علیؓ نے فرمایا' ام المومنینؓ سچ فرماتی ہیں' خدا کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی' وہ دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے نبیؐ کی حرم ہیں۔

اس خوش آئند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے' حضرت علیؓ نے چند میل تک خود مشایعت کی' اس کے بعد حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بھیجا۔ (طبری ص ۳۲۳۱ و ابن اثیر ج ۳) اور حضرت عائشہؓ مکہ سے ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں۔

جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہو گا کہ اس جنگ کی تمہید غلط اطلاعات اور غلط فہمی سے شروع ہوئی' آغاز سبائیوں کی فتنہ انگیزی سے ہوا' اور خاتمہ فریقین کی صفائی قلب پر۔ دونوں بزرگوں کی نیت نیک تھی' حضرت عائشہؓ کو تا عمر اس کی ندامت رہی' جب اس کا تذکرہ آتا تھا تو زار و زار رونے لگتی تھیں اور فرماتیں کہ کاش آج سے بیس برس پہلے دنیا سے اٹھ گئی ہوتی۔ (مسند احمد حنبل)

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں یہ الفاظ حضرت علیؓ کی زبان سے نقل کیے

ہیں۔ (ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۸۳)

کوفہ کا دارالخلافہ قرار پانا جنگ جمل کے اختتام کے بعد رجب ۳۶ھ میں حضرت علیؓ کوفہ واپس تشریف لائے اور مدینہ کے بجائے اس کو مرکز خلافت قرار دیا، اس تبدیلی کا سبب یہ تھا، کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حرم نبویؐ کی بڑی توہین ہوئی، اس لیے آئندہ اس کو شر و فتن سے بچانے کے لیے آپ نے سیاسی مرکز یہاں سے ہٹا دینا مناسب سمجھا، دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے حامیوں کی بڑی تعداد عراق میں تھی، اس لیے سیاسی حیثیت سے کوفہ آپ کے لیے زیادہ اہم تھا۔

اس تبدیلی سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ سیاسی انقلابات کے مذموم نتائج سے محفوظ ہو گیا اور اس کے بعد جو سیاسی ہنگامے ہوئے، ان کا مرکز عراق رہا، اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت اور مرکزیت جاتی رہی، اور حضرت علیؓ مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور پڑ گئے، جس کے نتائج ان کے لیے بھی کچھ مفید ثابت نہیں ہوئے۔

عمال کا تقرر کوفہ آنے کے بعد حضرت علیؓ نے نئے سرے سے ملک کا نظم و نسق قائم کیا، سہل بن حنیف کو مدینہ کا حاکم بنایا، قیس بن سعد کو مصر کی ولایت پر مامور کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ پر مقرر کیا، اشعث بن قیس کو آذربائیجان کی ولایت پر برقرار رکھا، یزید ابن قیس ارحی کو مدائن پر، عمرو بن ابی سلمہ کو بحرین پر، معقلہ بن ہبیرہ کو اردشیر خرہ پر، منذر بن جارود کو اصطخر پر، زیاد بن ابیہ کو فارس پر، قدامہ بن عجلان کو کسکر کے علاقہ پر، عدی بن حاتم کو بہرہ سیر پر، ارحی بن کاس کو سیستان کے علاقہ پر، خلید بن کاس کو خراسان کے صوبہ پر، اشتر نخعی کو نصیبین، دارالجیرد، سنجار، آمد، میافارقین، ہیت، عانات اور شام کے مقبوضات پر مامور کیا، امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے انہیں روکا، انہوں نے مقابلہ کیا، امیر معاویہؓ نے عبدالرحمن بن خالد کو مدد کے لیے بھیجا، اشتر موصل لوٹ آئے اور امیر معاویہؓ کے عمال کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔ (عمال کی تفصیل اخبار الطوال اور یعقوبی سے لی گئی ہے)

امیر معاویہؓ کو بیعت کی دعوت اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی اور آپ سے مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے۔ درمیان میں

جنگ جمل پیش آ جانے کی وجہ سے حضرت علیؓ ان کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے' اس سے فراغت کے بعد آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو خط دے کر معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ۔

> "جن لوگوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' انہوں نے میری بیعت کر لی ہے اس کے بعد کسی کے لیے چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے' خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین و انصار کو ہے' ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کرے گا اس سے بزور لی جائے گی' مہاجرین و انصار کی طرح تم بھی بیعت کر لو' عافیت و سلامتی اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ' قاتلین عثمانؓ کو بت آڑ بنا چکے بیعت کے بعد باقاعدہ مقدمہ پیش کرو' میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا (اخبار الطوال ص ۱۶۷)

اس وقت امیر معاویہؓ چند در چند مشکلات میں گھرے ہوئے تھے' محمد بن حذیفہ جو ان کے شدید مخالفین میں تھے' قید خانہ سے نکل بھاگے تھے' رومی علیحدہ سواحل شام پر حملہ کے لیے فوجیں جمع کر رہے تھے' اسی درمیان میں حضرت علیؓ کا یہ تہدیدی خط پہنچا' امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا' انہوں نے کہا محمد بن حذیفہ کا فرار کچھ زیادہ اہم نہیں ہے' انہیں تلاش کراؤ' اگر مل جائیں تو فبہا' ورنہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' قیصر روم کے قیدیوں کو چھوڑ کر اس سے صلح کر لو اس شرط پر وہ فوراً آمادہ ہو جائے گا' علیؓ بن ابی طالب کا معاملہ البتہ اہم ہے' مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے۔ امیر معاویہؓ نے کہا' انہوں نے عثمانؓ کے قتل میں اعانت کی ہے اور فتنہ برپا کر کے امت میں پھوٹ ڈالی ہے' عمرو بن العاصؓ نے کہا کچھ بھی ہو لیکن تم کو ان کے مقابلہ میں سبقت اسلام اور قرابت نبویؐ کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں خواہ مخواہ تمہاری کامیابی میں کیوں مدد کروں' معاویہؓ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو' عمرو بن العاصؓ بولے' مصر کی حکومت' معاویہؓ نے کہا مصر بھی تو عراق سے کم نہیں ہے' عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا' لیکن یہ مطالبہ اس وقت ہے جب ساری دنیائے اسلام تمہارے زیر نگیں ہو گی۔

عمروؓ بن العاص سارے عرب میں تدبر و سیاست میں فرد تھے' اس لیے امیر معاویہؓ ہر قیمت پر ان کے تدبر سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے' چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد ان سے مصر

کی حکومت دینے کا تحریری وعدہ کر لیا۔ (اخبار الطوال ص ۱۶۸)

شام میں حضرت علیؓ کے خلاف پروپیگنڈہ

اس وعدہ کے بعد عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ بغیر کسی معقول سبب اور بنیاد کے علیؓ جیسے شخص کی مخالفت میں بڑے خطرات ہیں' اس لیے پہلے عمائد شام کو اس کا یقین دلاؤ کہ عثمانؓ کے قتل میں علیؓ کی شرکت تھی' شام کے سب سے با اثر آدمی شرحبیل بن سمط کندی ہیں' پہلے ان کے دل میں یہ بات بٹھاؤ' پھر ان کے ذریعہ سے آسانی کے ساتھ اس کی اشاعت ہو جائے گی' چنانچہ امیر معاویہؓ نے ان کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کر کے شرحبیل کو یقین دلا دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں علیؓ کا ہاتھ بھی شامل تھا' شرحبیل کو اس کا اتنا یقین ہو گیا کہ انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ اگر تم نے علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تو تم کو ہم شام سے نکال دیں گے' امیر نے جواب دیا میں تو آپ کا متبع ہوں۔ آپ کی مخالفت کیوں کرنے لگا۔

شرحبیل کو ہم خیال بنانے کے بعد امیر معاویہؓ نے ان سے کہا کہ یہ مسئلہ بغیر رائے عامہ کے ہموار کیے ہوئے حل نہیں ہو سکتا' آپ شام کا دورہ کر کے اس کی تبلیغ کیجئے' چنانچہ شرحبیل نے شام کے تمام شہروں کا دورہ کر کے یہاں کے عمائد و اعیان سے کہا کہ علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کر کے پورے ملک پر قبضہ کر لیا ہے صرف تمہارا ملک باقی رہ گیا ہے' وہ شمشیر بکف یہاں بھی آئیں گے' معاویہؓ سے زیادہ ان کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہے' اس لیے خلیفہ مظلوم کے قصاص میں ان کا ساتھ دو' شرحبیلؓ کے اس دورہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کا پورا ملک حضرت علیؓ کے مقابلہ کے لیے امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گیا۔
(اخبار الطوال ص ۱۷۰)

دوسری طرف حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی بیوی نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی' جن کو امیر معاویہؓ نے جامع دمشق میں آویزاں کرا دیا تھا' نمائش برابر جاری رہی' حضرت علیؓ کے خلاف شامی فوجوں کے جذبات بھڑکانے کے لیے انہیں دمشق طلب کیا گیا' یہ منظر ایسا درد انگیز تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا' لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و زار روتے تھے۔ چنانچہ فوج سے لے کر امراء و عوام تک سب کے جذبات بھڑک اٹھے اور اہل شام نے قسم کھائی کہ جب تک خلیفہ مظلوم کے خون کا بدلہ نہ لیں گے اس وقت تک نہ بستر پر سوئیں گے اور نہ اپنی

بیویوں کے پاس جائیں گے۔ (طبری ص ۳۲۵۵)

حضرت علیؓ کو حالات کی اطلاع امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے قاصد جریر بن عبداللہ بجلیؓ کو اس وقت تک روکے رکھا تھا' یہ تمام حالات مشاہدہ کرانے کے بعد انہیں واپس کیا انہوں نے جا کر بیان کیا کہ سارا شام معاویہؓ کے ساتھ ہے' وہ لوگ عثمانؓ کے پیراہن پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے اور ان کے قاتلوں کو پناہ دی ہے' اور یہ عہد کیا ہے کہ یا اپنی جان دے دیں گے یا جان لے کر رہیں گے۔

(طبری ص ۳۲۵۵)

حضرت علیؓ کی تیاریاں اور مصالحت کی کوششیں حضرت علیؓ پوری طرح امیر معاویہؓ کے ساتھ مصالحت کے لیے آمادہ تھے صرف ان کے آخری جواب کا انتظار تھا' جریر بن عبداللہ بجلیؓ کی واپسی کے بعد آپؑ کے لیے جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا' چنانچہ اس کے انتظامات شروع کر دیئے۔

یہ دیکھ کر کہ ابھی جنگ جمل کا بہا ہوا خون بھی خشک نہ ہونے پایا تھا کہ پھر مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہونے والی ہیں' بعض مخلص اور خیر خواہ امت مسلمانوں نے اسے روکنے کی تدبیریں کیں اور شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے' اور ان سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم علیؓ بن ابی طالب سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہو' تم کو سبقت اسلام کا شرف حاصل نہیں ہے' پھر کس بنیاد پر تم کو ان کی برابری کا دعویٰ ہے' امیر معاویہؓ نے جواب دیا' میں فضیلت میں ان کی برابری کا مدعی نہیں ہوتا' آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے ان لوگوں نے کہا ہاں' امیر معاویہؓ نے کہا بس ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے' ہم ان کی خلافت تسلیم کریں گے' ابو مسلم خولانی نے کہا تم اسے لکھ کر دے دو میں علیؓ کے پاس لے کر جاؤں گا' چنانچہ امیر معاویہؓ نے یہ خط لکھا۔

> ''امابعد! خلیفہ عثمانؓ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کیے گئے تم ان کے گھر کا شور و غل سنتے رہے اور اپنے قول و عمل سے نہ روکا' میں سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کیے ہوتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا' دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمانؓ کو پناہ دی اور وہ اس وقت

تمہارے قوت بازو' تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے مشیر کار ہیں' ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمانؓ کے خون سے برات کرتے ہو' اگر تم اس میں سچے ہو تو قاتلوں کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کر دو' ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لیے تیار ہیں' اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہے خدائے واحد کی قسم ہم لوگ بحر و بر سے عثمانؓ کے قاتلوں کو تلاش کر کے قتل کریں گے یا خود جان دے دیں گے"۔

ابو مسلم یہ خط لے کر کوفہ گئے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ آپ خلیفہ ہیں' اگر آپ اس کے حقوق پورے کریں تو خدا کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے پسند نہیں کرتے۔ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے' ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالہ کیجئے' آپ ہمارے امیر ہیں' اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا تو ہم آپ کے مددگار رہیں گے اور آپ کے لیے بھی دلیل اور معقول عذر ہو جائے گا۔

یہ مطالبہ سن کر حضرت علیؓ نے ابو مسلم کو ٹھہرا لیا اور فرمایا کل اس کا جواب دوں گا دوسرے دن ابو مسلم جامع کوفہ میں آپ سے ملے' یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے ہیں کہ "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں"۔ یہ رنگ دیکھ کر ابو مسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے انہیں میرے آنے کا سبب معلوم ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے' حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے ہرچند اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی' لیکن قاتلوں کا حوالہ کرنا میرے امکان ہی میں نہ تھا' اور امیر معاویہؓ کے خط کا یہ جواب دیا کہ۔

"عثمانؓ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں' میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہو گیا' مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلین عثمان کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو' اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے' وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا"۔

اور عمروؓ بن العاص کو لکھا۔

"دنیا کی حرص چھوڑ کر اپنے طرز عمل سے باز آؤ' معاویہؓ کی غلط روی میں ان کا ساتھ دے کر اپنے اعمال برباد نہ کرو"۔ (اخبار الطوال ص ۱۷۳، ۱۷۴) میں یہ حالات کسی قدر تفصیل سے

ہیں ہم نے خلاصہ لکھا ہے)

حضرت علیؓ کی روانگی لیکن ان خطوط کا کوئی نتیجہ نہ نکلا' امیر معاویہؓ اپنی ضد پر اڑے رہے اس لیے حضرت علیؓ کو چار و ناچار مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا اور آپ حضرت ابو مسعودؓ انصاری کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا کر ذی الحجہ ۳۶ھ میں اسی ہزار فوج کے ساتھ شام کی طرف بڑھے' اس فوج میں عام مسلمانوں کے علاوہ ستر بدری صحابہ' سات سو بیعت رضوان کے جان نثار اور چار سو عام مہاجر و انصار صحابی تھے' (یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۸) فرات کو عبور کرنے کے بعد زیاد بن نضر اور شریح ابن ہانی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔

عراقی اور شامی مقدمتہ الجیش کا سامنا امیر معاویہؓ پہلے سے جنگ کے لیے نکل چکے تھے ان کا مقدمہ الجیش حالات کا پتہ چلانے کے لیے ابوالاعور سلمی کی قیادت میں آگے آگے تھا' دوسری طرف زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی آ رہے تھے' سور روم میں دونوں کا سامنا ہوا۔ حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اشتر نخعی کو زیاد کی کمک کے لیے بھیجا' ابوالاعور لوٹ گیا اور امیر معاویہؓ کو عراقی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع دی۔

صفین میں شامیوں کی مورچہ بندی یہ اطلاع پانے کے بعد امیر معاویہؓ نے آگے بڑھ کر صفین کے میدان میں فرات کے ساحل پر فوجیں اتار دیں اور تمام مناسب اور اہم جگہوں پر قبضہ کر کے مورچہ قائم کر دیا اور ابوالاعور کو دس ہزار فوج کے ساتھ فرات کے چشمہ پر متعین کر دیا کہ عراقی فوجیں پانی تک نہ پہنچنے پائیں۔

حضرت علیؓ کا ورود اور پانی کے لیے کشمکش اس دوران میں حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے اور شامی فوجوں کے قریب ہی فوجیں اتار دیں' شامیوں نے پہلے سے اہم مقاموں پر قبضہ کر کے پانی پر پہرہ لگا دیا تھا' اس لیے حضرت علیؓ کی فوج کو پانی کے لیے بڑی دشواری پیش آئی' آپ نے پہلے زبانی پیام بھیجا کہ پانی کی بندش مناسب نہیں ہے لیکن شامی پانی دینے کے لیے آمادہ نہ ہوئے' آخر میں مجبور ہو کر حضرت علیؓ کو بزور پانی لانے کا حکم دینا پڑا' چنانچہ عراقی فوج کا ایک دستہ چشمہ پر پہنچا' ابوالاعور نے روکنا چاہا دونوں میں مقابلہ ہوا' عراقی دستہ نے شکست دے کر چشمہ پر قبضہ کر لیا لیکن حضرت علیؓ نے شامیوں کا پانی بند

نہیں کیا' بلکہ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ پانی لے کر لوٹ آئیں (طبری ص ۳۲۶۹) اس واقعہ کے بعد فریقین میں اتنا ارتباط بڑھ گیا کہ وہ بے خوف و خطر آپس میں ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے لشکر گاہ میں آنے جانے لگے' اور معلوم ہوتا تھا کہ صلح ہو جائے گی۔

میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش دونوں فوجوں میں غوغا پسند عوام کے علاوہ بہت سے مخلص خیر خواہ امت' علماء صلحا اور حفاظ قرآن بھی تھے۔ ان کی کوششوں سے تین مہینہ تک جنگ رکی رہی' اس درمیان میں بارہا فریقین نے جنگ چھیڑنے کا ارادہ کیا' لیکن یہ لوگ درمیان میں پڑ کر روک دیتے تھے' التوائے جنگ کے ساتھ ساتھ صلح کے لیے خط و کتابت بھی ہو رہی تھی' لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی کوششوں کا ہو چکا تھا۔

(اخبار الطوال ص ۱۸۰ و ۱۸۱ میں اس کی تفصیلات ہیں)

جنگ کا آغاز جمادی الاول ۳۷ھ سے باقاعدہ جنگ چھڑ گئی جس کا سلسلہ آخری جمادی الثانی تک قائم رہا' لیکن کوئی بڑی خون ریز جنگ نہ ہوئی' بلکہ ایک دستہ میدان میں آتا تھا اور صبح و شام معمولی جھڑپ ہو جاتی تھی' رجب کا مہینہ شروع ہوتے ہی شہر حرم کی حرمت میں جنگ روک دی گئی۔

مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی التوائے جنگ کے بعد خیر خواہان امت نے پھر صلح کی کوششیں شروع کر دیں کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو' چنانچہ ابو درداءؓ اور حضرت ابو امامہؓ باہلی امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں' پھر تم ان سے کیوں جنگ کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا عثمانؓ کے خون ناحق کے لیے' ابو امامہؓ نے کہا کیا علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے؟ امیر معاویہؓ نے جواب دیا' اگر قتل نہیں کیا تو قاتلوں کو پناہ دی ہے' اگر وہ انہیں ہمارے حوالہ کر دیں تو میں سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا"۔

ان دونوں بزرگوں نے واپس جا کر حضرت علیؓ کو معاویہؓ کا مطالبہ سنایا' اسے سن کر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل

ہیں' یہ رنگ دیکھ کر دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے' اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا۔ (اخبار الطوال ص ۱۸۰' ۱۸۲)

خونریز لڑائیوں کا سلسلہ غرض صلح کی جتنی کوششیں ہوئیں سب ناکام رہیں اور شہر حرام کے ختم ہوتے ہی فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان میں اترے اور خونریز جنگ شروع ہو گئی' جس کا سلسلہ کئی مہینے تک جاری رہا' ان کی تفصیلات بہت طویل ہیں اور انہیں لکھنا بیکار ہے' مختصر یہ کہ فریقین کے درمیان کم و بیش نوے معرکے ہوئے ان میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے۔ (ابوالفداء ج ۱ ص ۱۷۵) ہزاروں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہو گئے' درمیان میں مردوں کی تجہیز و تکفین کے لیے ایک ایک دو دو دن جنگ ملتوی ہوتی رہتی تھی۔

لیلتہ الحریر کی فیصلہ کن جنگ ان تمام لڑائیوں میں فریقین نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا' دونوں کا پلہ قریب قریب برابر تھا' لیلتہ الحریر کا آخری معرکہ بڑا خون ریز تھا' اس میں رات دن مسلسل جنگ ہوتی رہی' میدان جنگ میں کشتوں کے انبار لگ گئے' اور ہر طرف خون کی ندیاں بہہ نکلیں' دوسرے دن صبح کو مردوں کی تجہیز و تکفین کے لیے جنگ ملتوی ہو گئی' اس سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ نے پھر تیاریاں شروع کر دیں۔

اس معرکہ سے پہلے کی لڑائیوں میں فریقین کا پلہ برابر رہا تھا' لیکن لیلتہ الحریر کے خونریز معرکہ میں شامی کمزور پڑ گئے تھے اور عراقی بھی مسلسل جنگ سے گھبرا گئے تھے' اور دونوں فریق کے عاقبت اندیش لوگوں کو نظر آ رہا تھا کہ اگر یہ خونریز جنگ قائم رہی تو مسلمانوں کی قوت تباہ ہو جائے گی اور ان میں غیر مسلموں کے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہے گی' چنانچہ امیر معاویہؓ نے کہا کہ اگر یہ جنگ قائم رہی تو رومی شام سے ہمارے اہل و عیال کو قید کر لیں گے اور فارس کے دہقان عراقیوں کے بال بچوں کو پکڑ لے جائیں گے۔

(اخبار الطوال ص ۲۰۱)

علوی فوج کے ایک مدبر سردار اشعث بن قیس کندی نے بھی یہ خطرہ محسوس کیا اور اپنی جماعت سے کہا کہ گذشتہ خونریز جنگ کے بعد اگر آئندہ پھر جنگ ہوئی تو عرب تباہ ہو جائے گا اور ہماری عظمت و حرمت اٹھ جائے گی۔

لیکن حضرت علیؓ کو اس کا پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ اب شامی کوئی دم میں میدان چھوڑنا چاہتے ہیں' اس لیے لیلتہ الحریر کی صبح کو اپنی فوج کے سامنے ایک پر جوش تقریر کی اور کہا لوگو! اب جنگ آخری حد کو پہنچ چکی ہے تمہارا حریف آخری سانسیں لے رہا ہے' فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

عمرو بن العاصؓ کی ایک تدبیر اور علوی فوج میں اختلاف امیر معاویہؓ کو بھی اپنی فوجی حالت کا اندازہ ہو چکا تھا انہوں نے عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کیا' انہوں نے کہا ایسے وقت کے لیے میں نے پہلے سے یہ تدبیر سوچ رکھی تھی' کہ ہم لوگ قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دیں' اس کے قبول اور انکار دونوں صورتوں میں علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ (طبری ص ۳۳۲۹ و اخبار الطوال ص ۲۲۱)

چنانچہ دوسرے دن جب شامی میدان میں آئے تو دمشق کے مصحف اعظم کو پانچ شامی آگے آگے نیزے پر اٹھائے تھے' اس کے پیچھے ہزاروں قرآن نیزوں پر بلند تھے' فضل بن ادہم' شریح جذامی اور ورقاء بن معمر نے پکار کر علوی فوج سے کہا! معشر عرب! خدارا اپنی عورتوں اور بچوں کو فارس اور روم سے بچاؤ۔ (اخبار الطوال ص ۲۰۲) اگر شامی ختم ہو گئے تو رومیوں سے شام کی حفاظت کون کرے گا اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو اہل عجم سے عراق کو کون بچائے گا۔ (طبری ص ۳۳۲۹) آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لیں' اس کا فیصلہ ہم دونوں کے لیے واجب التسلیم ہو۔

یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی' حضرت علیؓ اور ان کی فوج کے بعض دوسرے عاقبت اندیش افسروں نے مخالفت کی' حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "یہ محض فریب ہے"۔ لیکن ایک بڑی جماعت پر یہ جادو چل گیا' اس نے کہا کہ شامیوں کو اسی کتاب کا پابند بنانے کے لیے تو ہم ان سے لڑ رہے تھے' اب جب کہ وہ خود ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں تو ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے' بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ اگر آپ نے قرآن کو ماننے سے انکار کیا تو ہم آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں گے۔

(طبری ص ۳۳۳۰)

دوسری طرف امیر معاویہؓ نے اعلان کرا دیا کہ جنگ بہت طویل ہو گئی ہے' ہم میں سے ہر فریق اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل پر تصور کرتا ہے اس جھگڑے کو چکانے کے

لیے ہم نے قرآن کو حکم ماننے کی دعوت دی ہے اگر اسے وہ لوگ قبول کریں گے تو فبہا' ورنہ پھر ہماری حجت تمام ہو چکی۔ اس اعلان کے ساتھ حضرت علیؓ کو بھی لکھا کہ "اس خونریزی کا مواخذہ میرے اور تمہارے سر ہے اب میں تم کو اس کے بند کرنے' الفت و محبت قائم کرنے اور بغض و عناد کو بھلا دینے کی دعوت دیتا ہوں"۔ (اخبار الطوال ص ۲۰۴)

تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب

حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ انکار کی صورت میں خود ان کی فوج میں پھوٹ پڑ رہی ہے تو چار و ناچار تحکیم کے لیے آمادہ ہو گئے اور جنگ روک دی' آپ کے بعض ہوا خواہوں پر جنگ کا التوا سخت شاق تھا' ان میں اور قرآن کی تحکیم پر اصرار کرنے والوں میں سخت گفتگو ہو گئی' اور قریب تھا کہ عراقی فوج میں آپس ہی میں تلواریں نکل آئیں لیکن حضرت علیؓ نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ (طبری ۳۳۳۲)

التوائے جنگ کے بعد طے پایا کہ دونوں فریق کی جانب سے ایک حکم مقرر کیا جائے یہ دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو اور جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے حکم اس کے خلاف دوسرے کو مدد دیں۔

اس قرارداد کے بعد شامیوں نے عمرو بن العاصؓ کو اپنا حکم بنایا' حضرت علی کی جماعت میں سے ان لوگوں نے جو تحکیم کی حمایت میں تھے اپنی جانب سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کیا حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا' آپ نے فرمایا مجھ کو ان پر اعتماد نہیں ہے وہ ہماری مخالفت کر چکے ہیں' لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتے تھے' ان کے فہم و تدبیر پر بھی ہمیں بھروسہ نہیں ہے۔ اس لیے ان کے بجائے ابن عباسؓ کو حکم بنایا جائے' لیکن جن لوگوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کیا تھا' اس تجویز پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ وہ آپ کے خاص عزیز ہیں' حکم غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیے' حضرت علیؓ نے فرمایا تو پھر اشتر نخعی کو بنایا جائے' اشعث بن قیس نے کہا کہ انہی نے یہ آگ بھڑکائی ہے' اس لیے وہ کس طرح حکم ہو سکتے ہیں' حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بن جائے گا تو چار و ناچار ابو موسیٰ اشعریؓ پر راضی ہو گئے۔ (طبری ۳۳۳۲ و اخبار الطوال ص ۲۲۵)

عمرو بن العاصؓ امیر معاویہؓ کے ساتھ ہی تھے' حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ خانہ جنگی سے بچنے کے لیے نواح شام میں گوشہ نشین ہو گئے تھے' وہاں سے بلا کر لائے گئے' وہ بڑے سادہ دل بزرگ تھے اس لیے حضرت علیؓ کے بعض مشیروں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ابو موسیٰ

اشعریؓ اس کام کے نہیں ہیں اس لیے کسی دوسرے کو منتخب کیجئے' آپ نے فرمایا لوگ ان کے علاوہ کسی دوسرے پر راضی نہ ہوں گے۔

تحکیم کا عہد نامہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے آنے کے بعد تحکیم کا معاہدہ لکھا گیا' کتابت شروع ہوئی تھی کہ حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین لکھنے پر امیر معاویہؓ کو یہ اعتراض ہوا کہ اگر ہم انہیں امیر المومنین ہی مانتے تو پھر ان سے جنگ کیوں کرتے"۔؟ حضرت علیؓ کے بعض حامیوں کو اس پر اصرار تھا' آپ نے فرمایا یہ تو سنت نبویؐ ہے' حدیبیہ کے معاہدہ میں "رسول اللہ" کے لفظ پر مشرکین کو اسی قسم کا اعتراض ہوا تھا تو آپؐ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دیا تھا' اس لیے امیر المومنین کو کاٹ کر علی بن ابی طالب لکھا جائے' چنانچہ امیر المومنین کا لفظ کاٹ دیا اور ایک طویل عہد نامہ مرتب ہوا' جس کا خلاصہ یہ ہے۔

> "علیؓ اور ان کی جماعت نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو' اور معاویہؓ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاص کو حکم مقرر کیا ہے' یہ دونوں کسی فریق کی رو رعایت کے بغیر امت کی خیر خواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق جو فیصلہ کر دیں گے وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو گا اور جو فریق اس کے ماننے سے انکار کرے گا حکم اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کو مدد دیں گے' لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے خلاف ہو یا کسی فریق کی جنبہ داری پائی جائے تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہے اس وقت ہر فریق اپنا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہو گا' فیصلہ کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رہے گی اور کامل امن و امان قائم رکھا جائے گا' اگر فیصلہ کے اعلان سے قبل دونوں امیروں اور حکموں میں سے کوئی امیر یا حکم مر جائے تو اس کی جماعت کو اس کی جگہ دوسرے امیر اور حکم کے انتخاب کا حق حاصل ہو گا' دونوں حکموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا' رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہو نا چاہیے' لیکن اگر حکم اس میں کچھ تاخیر کرنا مناسب سمجھیں تو اس مدت میں توسیع کر سکتے ہیں' اگر مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو از سر نو جنگ شروع کرنے کا اختیار ہو گا۔ (یہ عہد نامہ طبری اور اخبار الطوال سے ملخصاً ماخوذ ہے)

اس عہد نامہ پر فریقین کے تمام لوگوں کے دستخط ہو گئے' اور عراق کی سرحد پر دومتہ

الجندل کا مقام فیصلہ کے اعلان کے لیے مقرر ہوا تکمیل کے بعد معاہدہ کا مضمون دونوں فریق کی فوجوں میں مشتہر کر دیا گیا' اسے سن کر حضرت علیؓ کی فوج کا ایک حصہ خلاف ہو گیا' جس نے بعد میں خارجی فرقہ کی شکل اختیار کر لی' اس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

حکمین کی گفتگو معاہدہ کی کتابت کے بعد دونوں کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی' عمرو بن العاصؓ بڑے مدبر اور دانشمند تھے انہوں نے پہلے ہی سے تعظیم و تکریم کے ذریعہ ابو موسیٰ اشعریؓ پر اثر ڈالنا شروع کر دیا' خود خاموش رہتے' ہر معاملہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہتے کہ آپ میرے بزرگ اور رسول اللہ ﷺ کے مقتدر صحابی ہیں پہلے آپ اپنا خیال ظاہر فرمائیے' بہر حال دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو موسیٰ اشعریؓ۔ ابن العاصؓ! ہم کیوں نہ ایسے شخص کو منتخب کریں جس میں خدا کی خوشنودی اور امت کی فلاح دونوں باتیں حاصل ہوں۔

عمرو بن العاصؓ۔ کس کو؟

ابو موسیٰ اشعریؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ کو جن کا دامن ان ہنگاموں سے بالکل پاک ہے۔

عمرو بن العاصؓ۔ امیر معاویہؓ پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟

ابو موسیٰ اشعریؓ۔ معاویہؓ کا کیا رتبہ ہے' وہ کس طرح اس کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

عمرو بن العاصؓ۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے' ان کے بعد معاویہؓ ان کے گھر کے متولی اور ان کے قصاص کے دعویدار ہیں۔

ابو موسیٰ اشعریؓ۔ ہاں یہ صحیح ہے۔

عمرو بن العاصؓ۔ اگر لوگوں کو ان پر یہ اعتراض ہو کہ وہ قدامت اسلام کے شرف سے محروم ہیں تو اس کے جواب میں آپ کے پاس قرآن کی یہ دلیل موجود ہے۔

من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا (جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو' ہم نے اس کے ولی کو قصاص کا حق دیا ہے)

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور ام المومنین ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں۔

ابو موسیٰ اشعریؓ۔ ابن العاصؓ خدا سے ڈرو' اگر یہی شرف ہے اور استحقاق خلافت کے لیے اسی قسم کے شرف کافی ہو سکتے ہیں تو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سلاطین یمن کی اولاد میں ابرہہ بن صباح ہوتا' جن کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی' یہ

کوئی شرف نہیں ہے' خلافت صاحب فضل اور اہل دین کا حق ہے' پھر شرف میں علیؓ اور معاویہؓ کا کیا مقابلہ؟ اگر میں سب سے افضل و اشرف قریشی کے حق میں فیصلہ کرنے والا ہوتا تو علیؓ کے حق میں کرتا' تمہارا یہ کہنا معاویہؓ قصاص عثمانؓ کے ولی ہیں' تو اس کا حق سب سے زیادہ عثمانؓ کے لڑکے عمرو کو ہے' مہاجرین اولین کے مقابلہ میں کسی طرح معاویہؓ کو خلیفہ نہیں بنا سکتا' ہاں اگر تم چاہو تو عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنا کر عمرؓ بن الخطاب کا نام زندہ کر دیں۔

عمرو بن العاصؓ۔ تو پھر میرے لڑکے عبداللہ میں کیا خرابی ہے اس کے علم و فضل اور شرف و مناقب سے آپ واقف ہیں۔

ابو موسیٰ اشعریؓ۔ بے شک تمہارا لڑکا صالح اور اہل ہے' لیکن اس فتنہ میں شرکت سے اس کا دامن داغدار ہو گیا ہے' آؤ طیب بن طیب عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنا دیں۔

عمرو بن العاصؓ۔ خلیفہ اس شخص کو ہونا چاہیے جو ایک ڈاڑھ سے خود کھائے اور دوسری سے دوسروں کو کھلائے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ۔ ابن العاص! آپس میں خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد مسلمانوں نے یہ معاملہ ہمارے سپرد کیا ہے' اب ان کو دوبارہ اس فتنہ میں نہ ڈالو۔

عمرو بن العاصؓ۔ پھر آپ کیا کہتے ہیں؟

ابو موسیٰ اشعریؓ۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ان دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو نئے سرے سے انتخاب کا حق دیا جائے۔

عمرو بن العاصؓ۔ مجھے اس سے اتفاق ہے' امت کی بھلائی اسی میں ہے۔ (اس گفتگو میں طبری اور اخبار الطوال کے بیانات میں بعض جزوی اختلاف ہیں' ہم نے دونوں کے بیانات جمع کرنے کی کوشش کی ہے)

فیصلہ کا اعلان اس قرار داد کے بعد دونوں حکم فیصلہ کے لیے دومۃ الجندل آئے دونوں فریق نے چند سو آدمی اپنے اپنے حکم کے ساتھ کر دیے تھے' یہ فیصلہ امت کی قسمت کا فیصلہ تھا' اس لیے ہزاروں مسلمان اور بہت سے اکابر صحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مغیرہ بن شعبہؓ اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ جو اس جنگ میں غیر جانبدار تھے' فیصلہ سننے کے لیے آئے۔

بعض عاقبت اندیش اور سمجھ دار لوگوں کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی سادہ دلی اور عمرو بن العاصؓ کی ہوش مندی سے خطرہ تھا' کہ عمرو بن العاصؓ اس پر قائم نہ رہیں گے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اس خطرہ سے آگاہ کیا کہ اگر آپ دونوں کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہوں' تو اس کے اعلان میں خود پیش قدمی نہ کیجئے گا' بلکہ عمرو بن العاصؓ سے اعلان کرائیے گا' وہ چالاک آدمی ہیں مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے اعلان کیا تو عمرو بن العاصؓ دھوکہ دے جائیں گے' لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اپنی سادگی کی بنا پر سب کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے' فرمایا یہ نہیں ہو سکتا' ہم دونوں ایک فیصلہ پر متفق ہو چکے ہیں۔ (اخبار الطوال ص ۲۱۴)

غرض مقررہ تاریخ پر دونوں۔ حکموں نے جامع مسجد میں فیصلہ سنایا' ہزاروں مسلمان اس کے اشتیاق میں جمع تھے' حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا' پہلے تم سناؤ' انہوں نے کہا آپ فضل و منقبت میں مجھ سے افضل ہیں' آپ کے ہوتے ہوئے میں اس کی جرات نہیں کر سکتا' حضرت ابوموسیٰؓ پر یہ جادو چل گیا' چنانچہ انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان کیا۔

"امابعد! لوگو ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا' اس امت کے اتفاق و اتحاد اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے' عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کر لیں' اس لیے میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں' آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ"۔

ان کے بعد عمروؓ بن العاص نے اپنا فیصلہ سنایا۔

امابعد۔ لوگو! ابوموسیٰؓ کا فیصلہ آپ لوگوں نے سن لیا انہوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں' لیکن میں اپنے آدمی معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں' وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں اس لیے ان کی قائم مقامی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔"

یہ فیصلہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ چلائے کہ یہ غداری ہے' اب تیر کمان سے چھوٹ چکا تھا اور اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی۔

اس فیصلہ سے قدرۃً "حضرت علیؓ کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہو گئی' شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ پر کوڑے برسانا شروع کر دیئے لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا دیا' شامی ابو موسیٰ اشعریؓ کی تلاش میں تھے' وہ یہ رنگ دیکھ کر مکہ نکل گئے۔

اس فیصلہ کے بعد امیر معاویہؓ کے حامیوں نے انہیں باضابطہ خلیفہ تسلیم کر لیا۔

(اخبار الطوال ص ۲۱۳ و طبری)

خوارج کی سرکشی یہ فیصلہ ایسا نامنصفانہ تھا کہ اسے کوئی حق پسند تسلیم نہیں کر سکتا تھا' اس لیے فیصلہ کے اعلان کے بعد حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں' ابھی اس میں مشغول تھے' کہ خارجیوں نے عراق میں اتنی شورش اور بدامنی پھیلائی کہ آپ کو امیر معاویہؓ کے مقابلہ کا ارادہ ملتوی کر کے پہلے ادھر متوجہ ہونا پڑا۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ شروع میں حضرت علیؓ نے تحکیم کی تجویز کی مخالفت کی تھی' لیکن پھر اپنی ہی فوج کے آدمیوں کی ضد سے اس کے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے' مگر پھر تحکیم کی تجویز طے ہو جانے کے بعد آپ ہی کے حامیوں میں سے ایک جماعت اس کے خلاف ہو گئی اور تحکیم کو کفر قرار دیا' یہی جماعت بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئی' اس زمانہ میں دو آدمیوں زرعہ بن برج الطائی اور حرقوص بن زہیر سعدی نے حضرت علیؓ سے کہا کہ خدا کے علاوہ کسی انسان کو حکم نہیں بنایا جا سکتا' آپ اس غلطی سے توبہ کیجئے' اور ہمارے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیجئے' لیکن تحکیم کا عہد نامہ لکھا جا چکا تھا' اس سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے خود اس کی مخالفت کی تھی' لیکن تم ہی لوگوں نے مجھے مجبور کیا' اب عہد نامہ لکھ چکا ہوں اس کو نہیں توڑ سکتا' خدا فرماتا ہے کہ "جو عہد کرو اسے پورا کرو"۔ خوارج نے ان کو بہت مجبور کیا لیکن آپ آمادہ نہ ہوئے' آخر میں انہوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم خدا کے لیے آپ سے لڑیں گے' آپ نے فرمایا تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی۔

(اخبار الطوال ص ۲۲۹ و ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۳)

یہ واقعہ تحکیم کے قبل کا ہے' اس وقت سے خارجی فرقہ کی بنیاد پڑ گئی تھی' فیصلہ کے اعلان کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھوں پر بیعت کر کے حضرت

علیؓ کی عملی مخالفت شروع کر دی، اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں انسان کو حکم بنانا کفر ہے اور حکم اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں، اور ان سے جہاد فرض ہے، ان عقائد کی اشاعت کر کے کوفہ، بصرہ، مدائن اور عراق کے دوسرے شہروں میں ایک معتدبہ جماعت اپنی ہم خیال بنا لی اور خفیہ کے خوارج خفیہ نہروان روانہ ہو گئے اور دوسرے شہروں کے خوارج کو اس کی اطلاع دے دی۔

مدائن کے والی سعید بن مسعود کو ان کی نقل و حرکت کی اطلاع ہو گئی، انہوں نے تعاقب کیا، کرخ میں دونوں کا سامنا ہوا؟ سعید کے ساتھیوں نے کہا کہ ان کے بارہ میں امیر المومنین کا کوئی حکم نہیں اس لیے اس وقت ان سے مزاحمت نہ کیجئے، پہلے امیر المومنین سے لکھ کر دریافت کر لیجئے، اس مشورہ پر سعید نے اُن کا راستہ چھوڑ دیا۔

نہروان میں اجتماع کوفہ سے نکلنے کے قبل ان لوگوں نے بصرہ وغیرہ کے خارجیوں کو نہروان میں اجتماع کی خبر دے دی تھی، چنانچہ بصرہ سے پانچ سو کی جماعت روانہ ہوئی یہاں کے والی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے ابوالاسود دولی کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا انہوں نے تستر میں انہیں پکڑ لیا۔ لیکن رات ہو چکی تھی اس لیے خارجی نکل گئے اور نہروان میں اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ راستہ میں انہیں جو مسلمان ملتا تھا، اس سے سوال کرتے تھے کہ حکمین کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے اگر وہ برات ظاہر کرتا تو چھوڑ دیتے ورنہ قتل کر دیتے۔(اخبار الطوال ص ۲۱۶)

خوارج کو دعوت اتحاد یہ وہ زمانہ تھا، جب حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے، یہ حالات سن کر آپ نے خوارج کو خط لکھا۔

> "ہم نے جن آدمیوں کو حکم بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے نفس کی پیروی کر کے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے اس لیے ہم نے اس فیصلے سے برات ظاہر کی اور آپ پھر پہلی حالت پر آ گئے، (یعنی جنگ) ہم اپنے اور تمہارے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے جا رہے ہیں، خدا تم پر رحم کرے، تم بھی ہمارا ساتھ دو، ہم اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک خدا کوئی فیصلہ نہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"۔

خوارج نے اس خط کا یہ جواب دیا۔

> "تم کو اس فیصلہ پر خدا کے لیے نہیں بلکہ اپنے نفس کے خاطر رہی ہے، اگر تم تحکیم

کے ماننے کی غلطی پر اپنے کفر کا اقرار کر کے توبہ کرو تو ہم تمہارے سوال پر غور کرنے کے لیے تیار ہیں اور اگر نہیں کرتے تو ہم تم سے لڑیں گے خدا خیانت کرنے والوں کی چال کی ہدایت نہیں کرتا"۔ (اخبار الطوال ص ۲۲۰)

اس جواب کے بعد بھی آپ نے تیاریاں جاری رکھیں اور صوبوں کے عمال کو اپنی اپنی فوجیں لے کر آنے کا حکم دیا، آپ کے فرمان پر اسی ہزار فوجیں جمع ہو گئیں۔

لیکن اس درمیان میں خارجیوں کی فتنہ انگیزی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی، کسی مسلمان کی جان ان کے ہاتھ سے محفوظ نہ تھی، جو شخص ان کے خیالات کی تائید نہ کرتا اسے بے دریغ قتل کر دیتے۔ چنانچہ ایک صحابی عبداللہ بن خبابؓ کو اسی جرم میں شہید کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بے دردی سے قتل کر دیا۔ قبیلہ طے کی کئی عورتوں کو مار ڈالا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۶) ان کی یہ فتنہ انگیزی دیکھ کر لوگوں نے حضرت علیؓ سے عرض کیا، امیرالمومنین آپ اس فتنہ انگیزی کے لیے خارجیوں کو آزاد چھوڑ کر کہاں کا قصد فرما رہے ہیں؟ آپ کی عدم موجودگی میں یہ اور دلیر ہو جائیں گے، پہلے ان کی سرکوبی کیجئے اور انہیں مطیع بنا کر مسلمانوں کو ان کے مظالم سے بچائیے، اس کے بعد شام کا قصد فرمائیے گا۔

اتمام حجت خارجی یہاں پہلے سے جمع تھے، حضرت علیؓ کے پہنچتے ہی صف آرائی شروع ہو گئی، جنگ چھڑنے سے پہلے آپ نے خارجیوں کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ

"تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کر دو، تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے، شاید خدا تم کو راہ راست پر لے آئے۔" ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم سب نے قتل کیا ہے اور ہم تمہارا اور ان دونوں کا خون مباح سمجھتے ہیں۔ (اخبار الطوال ص ۲۲۰)

اس جواب کے بعد آپ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور قیسؓ بن سعد انصاری کو سمجھانے کے لیے بھیجا، ان دونوں بزرگوں نے ہر چند راہ راست پر لانے کی کوشش کی، لیکن خوارج برابر اپنی ضد پر قائم رہے، آخر میں آپ خود اتمام حجت کے لیے تشریف لے گئے، اور ان کے سامنے تقریر کی۔

"اے وہ گروہ جسے محض خدا نے پیدا کیا ہے اور خواہش نفس نے اسے قبول حق سے

روکا ہے تم لوگ شبہ اور غلطی میں مبتلا ہو، میں تم کو اس سے متنبہ کرنا چاہتا ہوں تا کہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ کہ خدا کے سامنے تمہارے لیے کوئی دلیل باقی نہ رہے، کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے سرپنچوں سے یہ شرط لی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے، میں نے تم کو اسی وقت آگاہ کر دیا تھا، کہ تحکیم کی تجویز محض فریب ہے، لیکن تم ہی نے اس کے قبول کرنے پر اصرار کیا، میں نے اسی شرط پر اسے منظور کیا تھا کہ دونوں حکم اس چیز کو زندہ کریں گے، جسے قرآن نے زندہ کیا ہے اور اس کو ختم کریں گے جس کو قرآن نے ختم کیا ہے، لیکن حکموں نے خواہش نفس پر عمل کر کے کتاب و سنت کی مخالفت کی، اس لیے ہم نے ان کے فیصلہ کو رد کر دیا، اب ہم پھر پچھلی حالت پر لوٹ آئے۔

خوارج نے اس کا یہ جواب دیا۔

"جب ہم نے حکم کی تجویز قبول کی تھی، اس وقت کافر ہو گئے تھے، اب ہم نے توبہ کر لی ہے اگر تم بھی ہماری طرح توبہ کر لو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ورنہ پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"حضرت علیؓ نے فرمایا، اگر میں کفر کا اقرار کر لوں تو گمراہی میں مبتلا ہوں گا، مناسب صورت یہ ہے کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس گفتگو کے لیے بھیجو اگر وہ مجھے قائل کر دے تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کر لوں گا، اور اگر وہ قائل ہو جائے تو تم کو خدا سے ڈرنا چاہیے۔ (اخبار الطوال ص ۲۲۱، ۲۲۲)

اس تجویز پر خارجیوں نے عبداللہ بن الکواء کو گفتگو کے لیے بھیجا، دونوں میں مباحثہ ہوا لیکن خوارج اپنی رائے سے بالکل ہٹنا نہ چاہتے تھے، اس لیے کوئی نتیجہ نہ نکلا اور حضرت علیؓ کو مجبور ہو کر مقابلہ میں آنا پڑا۔

تاہم آغاز جنگ سے پہلے ایک مرتبہ پھر حضرت ابو ایوبؓ انصاری کو امان کا علم دے کر اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس علم کے نیچے آ جائے یا لوٹ جائے یا خارجیوں کا ساتھ چھوڑ دے وہ مامون ہے، اس اعلان پر ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے پاس علیؓ سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے لوٹ چلنا چاہیے۔ اور اس وقت تک حصہ نہ لینا چاہیے، جب تک ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کر

لینے میں سے کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں' چنانچہ وہ پانچ سو آدمیوں کو لے کر لوٹ گیا' ایک اور جماعت کوفہ واپس چلی گئی' ایک ہزار حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے آ گئے' اور عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ بہت تھوڑی تعداد رہ گئی۔

جنگ اور خوارج کی شکست اس وقت بھی حضرت علیؓ نے اپنے آدمیوں کو جنگ کی ابتداء کرنے سے روکے رکھا تا آنکہ خود خارجیوں نے لا حکم الا اللہ کا نعرہ لگا کر اس زور سے حملہ کر دیا کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت علیؓ کا پیدل دستہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور خارجی علوی فوج کے میمنہ اور میسرہ پر ٹوٹ پڑے اور اس شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ ان کے اعضا کٹ کر الگ ہو جاتے تھے' لیکن اس حالت میں بھی وہ لڑتے رہتے تھے' ایک خارجی شریح بن ابی اوفیٰ کا ایک پاؤں کٹ گیا' وہ اس حالت میں لڑتا رہا۔

حضرت علیؓ کی فوج نے بھی پوری شجاعت سے مقابلہ کیا بالآخر ایک خون ریز جنگ کے بعد خوارج کو نہایت فاش شکست ہوئی اور وہ ایک ایک کر کے مارے گئے۔

شام کا قصد اور علوی فوج کی کمزوری خارجیوں کی مہم سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لیے ابھارا کہ "خدا نے تم کو ایک دشمن کے مقابلہ میں کامیاب کیا ہے اب یہیں سے اپنے دوسرے دشمن کے مقابلہ میں روانہ ہو جاؤ"۔ لیکن اس وقت ہمت پست ہو رہی تھی' اشعث بن قیس کندی نے عرض کیا' امیر المومنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے' تلواریں کند ہو گئیں' نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں اس لیے اس وقت گھر لوٹ چلیے تاکہ ہم دشمن کے مقابلہ کے لیے اچھی طرح تیاری کر لیں' ان کے اس عذر پر حضرت علیؓ نے کوچ کا حکم دیا' مقام نخیلہ میں فوج نے منزل کی' یہاں سے لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کا راستہ لینا شروع کیا اور آپ کے ہمراہ کل ایک ہزار آدمی رہ گئے' یہ صورت دیکھ کر حضرت علیؓ کوفہ لوٹ آئے۔

(ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۹)

مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ عثمانی عمال کو معزول کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے مصر کی ولایت پر حضرت قیس بن سعد کو جو ایک مقتدر صحابی تھے' مقرر کیا تھا' یہ بڑے مدبر اور مصلحت شناس تھے' انہوں نے بڑی ہوشیاری سے مصریوں سے حضرت علیؓ کی بیعت لے لی

تھی، صرف ایک مقام خربتا کے باشندوں نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے زیادہ متاثر تھے بیعت نہیں کی، قیس نے انہیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہلا دیا کہ ہم تم کو بیعت پر مجبور نہیں کرتے اور تمہاری ہر خدمت کے لیے آمادہ ہیں، ان کی اس پالیسی کا یہ اثر ہوا کہ گو اہل خربتا نے بیعت نہیں کی لیکن خراج دینے میں کوئی تامل نہیں کیا، یہ واقعہ جنگ جمل کے پہلے کا ہے۔

قیس بن سعدؓ عرب کے نامور مدبر تھے اس لیے امیر معاویہؓ جب حضرت علیؓ کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے تو عمرو بن العاصؓ کی طرح انہیں بھی ملانا چاہا، چنانچہ ان کو خط لکھا کہ "تم بھی قاتلین عثمانؓ کے ساتھ ہو، اگر ان کا ساتھ چھوڑ کر طالبین قصاص کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ تو ہم تمہارا ہر حکم ماننے کے لیے تیار ہیں اور تمہاری زندگی بھر عراق کی حکومت تمہارے لیے مخصوص رہے گی، حجاز کی حکومت پر تم کو اختیار ہو گا، جس کو چاہنا حاکم بنانا، اس کے علاوہ اور جو تم چاہو میں سب پورا کرنے کے لیے تیار ہوں، اگر تم کو یہ منظور ہے تو اپنی رائے لکھو"۔

اس وقت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی کشمکش کا آغاز تھا، ملک کی حالت مذبذب تھی، اس لیے قیس نے گول مول جواب دیا، امیر معاویہ بڑے جہاندیدہ تھے وہ سمجھ گئے، انہوں نے لکھا کہ۔

"تم نے ایسا جواب دیا ہے، اس سے نہ تم کو دوست ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ تمہاری طرف سے اطمینان رکھا جائے، اور نہ دشمن یقین کیا جا سکتا ہے کہ تم سے مقابلہ کیا جائے، میرے جیسا شخص تمہارے فریب میں نہیں آ سکتا، میرے پاس کافی قوت ہے" قیس بن سعدؓ نے اس کا نہایت سخت جواب دیا کہ "مجھ کو تمہاری عقل پر حیرت ہے، تم مجھ کو ایک مستحق خلافت، حق گو، حق پرست سب سے زیادہ ہدایت یاب اور رسول اللہ (ﷺ) کے قریب عزیز کے مقابلہ میں ایک چھوٹے گم کردہ راہ اور رسول اللہ (ﷺ) سے بعید شخص کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو، تم مجھے اپنی قوت کی دھمکی دیتے ہو، یاد رکھو کہ تم کو خود اپنے لالے پڑ جائیں گے"۔

قیسؓ کا حضرت علیؓ کے ساتھ رہنا امیر معاویہؓ کے مصالح کے بالکل خلاف تھا، ان کی موجودگی میں مصر ان کے قبضہ میں نہیں آ سکتا تھا، انہوں نے جب دیکھا کہ قیس طمع اور

خوف سے ان کے دام میں آنے والے نہیں تو مشہور کرنا شروع کر دیا کہ قیس ہمارے خاص آدمی ہیں اور شامیوں کو منع کر دیا کہ ان کو برا بھلا نہ کہو‘ وہ ہمارے ساتھ ہیں‘ خفیہ ان کی خیر خواہی کے خطوط ہمارے پاس آتے رہتے ہیں‘ دیکھو ہمارے ہم خیال خرتبا والوں کے ساتھ ان کا سلوک کتنا بہتر ہے ان کے روزینے اور عطیے جاری ہیں‘ اس شہرت کے ساتھ اپنے نام قیس کا ایک فرضی خط بھی سنا دیا‘ جس میں حضرت عثمانؓ کے قصاص کی دعوت پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا‘ شام کے علوی جاسوسوں نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن جعفرؓ بن ابی طالب کو اس کی اطلاع دی‘ انہوں نے حضرت علیؓ کو پہنچا دیا‘ آپ کو اس کے یقین کرنے میں تامل ہوا‘ لیکن ان دونوں نوجوانوں نے قیسؓ کی معزولی پر اصرار کیا‘ اسی دوران میں قیس بن سعد کا ایک خط پہنچا اس میں انہوں نے اہل خرتبا کی حالت اور ان کے ساتھ اپنے طرز عمل کی اطلاع دی تھی‘ اس سے گویا محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن جعفر کو قیس کے خلاف ایک دلیل ہاتھ آ گئی انہوں نے حضرت علیؓ کو مجبور کر کے قیس کے نام اہل خرتبا سے جنگ کرنے کا فرمان لکھا دیا‘ قیس نے جواب میں لکھا کہ --- "آپ ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دے رہے ہیں جو اب تک غیر جانبدار ہیں‘ جہاں ان کو چھیڑا گیا‘ وہ آپ کے دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے‘ میرا مشورہ قبول کیجئے‘ ان سے تعرض نہ فرمائیے۔"

لیکن حضرت علیؓ کی رائے پر دونوں نوجوان غالب آ گئے تھے‘ محمد بن جعفرؓ نے حضرت علیؓ کو مجبور کر کے محمد بن ابی بکرؓ کو مصر بھجوا دیا۔ قیس بن سعدؓ کو یہ فطرۃ" ناگوار ہوا‘ انہوں نے محمد بن ابی بکرؓ سے پوچھا‘ امیر المومنین نے مصر کی حکومت میں کسی اور کو بھی شریک کر دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں‘ حکومت آپ ہی کے ہاتھوں میں رہے گی‘ لیکن ظاہر ہے کہ یہ دو عملی نہیں چل سکتی‘ خصوصاً جب کہ ابن ابی بکر قیسؓ کی پالیسی کے خلاف تھے‘ اس لیے قیس مستعفی ہو کر مدینہ چلے گئے۔ (یہ تمام حالات ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰۷ و ۱۰۸ سے ماخوذ ہیں)

محمد بن ابی بکرؓ بالکل ناتجربہ کار تھے‘ جوانی کا جوش تھا‘ پالیسی سے کام لینے کی بجائے خرتبا والوں پر فوج کشی کر دی‘ یہ لوگ بڑے شجاع اور بہادر تھے‘ محمد بن ابی بکرؓ کو فاش شکست ہوئی‘ ان کی اس ناتجربہ کاری سے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ پہلے ایک مقام کے لوگ حضرت علیؓ کے خلاف تھے‘ محمد بن ابی بکرؓ کے اس طرز عمل نے اور لوگوں کو بھی مخالف بنا

دیا اور معاویہ بن خدیج کندی نے جو مصر کے ایک مقتدر رئیس تھے، علانیہ قصاص عثمانؓ کی دعوت شروع کر دی، اس طرح مصر کی فضا مسموم ہو گئی (طبری ص ۳۳۹۱، ۳۳۹۲)

حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اشتر نخعی کو ان کی مدد کے لیے بھیجا، لیکن امیر معاویہؓ کے اشارہ سے راستہ ہی میں ان کا کام تمام کر دیا گیا۔

اشتر نخعی کو ختم کرانے کے بعد امیر معاویہؓ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے مصر پر فوج کشی کے بارہ میں خط و کتابت کی انہوں نے لکھا تم فوراً آؤ، ہم سب تمہارے منتظر ہیں۔ تم کو ضرور کامیابی ہو گی، یہ جواب آنے کے بعد امیر معاویہؓ نے لوگوں کے مشورہ سے عمرو بن العاصؓ کو چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا، یہاں کا عثمانی گروہ سرحد پر ان سے مل گیا، انہوں نے محمد بن ابی بکرؓ کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمہارے خلاف ہو چکے ہیں اور تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، اگر جنگ کی نوبت آئی تو وہ تم کو ہمارے حوالہ کر دیں گے، اس لیے میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم مصر چھوڑ دو میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تم کو کوئی نقصان پہنچے۔ (طبری ص ۳۴۰۱)

محمد بن ابی بکرؓ نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھجوا دیا، وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا، محمد بن ابی بکرؓ چار ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لیے نکلے، مقدمتہ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر کے ہاتھوں میں تھی یہ بڑے شجاع و بہادر تھے بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ شامیوں کا مقابلہ کیا، جو دستہ آگے بڑھتا تھا اسے پسپا کر دیتے تھے، یہ رنگ دیکھ کر عمرو بن العاصؓ نے معاویہؓ بن خدیج کو اشارہ کیا، انہوں نے کنانہ کو گھیر لیا اور ہر طرف سے شامی ان پر ٹوٹ پڑے، کنانہ نے گھوڑے سے اتر کر لڑنا شروع کر دیا، لیکن تنہا ایک شخص کا ایک جم غفیر سے مقابلہ کرنا مشکل تھا، آخر کار وہ لڑتے لڑتے مارے گئے۔ کنانہ مصری فوج کے قوت بازو تھے ان کے قتل ہوتے ہی مصریوں نے میدان چھوڑ دیا، محمد بن ابی بکرؓ روپوش ہو گئے، لیکن معاویہؓ بن خدیج نے ڈھونڈ نکالا اور عمرو بن العاصؓ نے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرا دیا (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۳) اور مصر پر ۳۸ھ میں ان کا قبضہ ہو گیا۔ امیر معاویہؓ نے وعدہ کے مطابق عمرو بن العاصؓ کو مصر کا والی بنا دیا۔

حضرت علیؓ کے مقبوضات پر امیر معاویہ کی پیش قدمی اور اس کے نتائج

امیر معاویہؓ کے قبضہ میں صرف شام و مصر تھے، ان کے علاوہ سارا عرب و عجم حضرت علیؓ

کے زیر نگین تھا' اس لیے مصر پر قبضہ کے بعد امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے دوسرے متبوضات کی طرف قدم بڑھایا' اس کی تفصیل بیان کرنا محض تطویل ہے' مختصر حالات یہ ہیں۔

سب سے اول ۳۹ھ میں نعمان بن بشر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا یہاں کے علوی حاکم مالک بن کعب نے شکست دی۔

اسی سنہ میں سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار و مدائن روانہ کیا وہ ہیت ہوتے ہوئے انبار پہنچے اور یہاں کی محافظ سپاہ کے افسر اشرف بن حسان البکری کو قتل کر کے انبار میں جو کچھ ملا لوٹ لیا۔ حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے سعید بن قیس کو سفیان بن عوف کے تعاقب میں روانہ کیا' مگر وہ جا چکے تھے۔

عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو اہل بادیہ سے صدقہ وصول کرنے کے لیے تیماء روانہ کیا' وہ یہ فرض انجام دیتے ہوئے مکہ اور مدینہ پہنچے' حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے مسیب بن بخیہ فزاری کو مقابلہ کے لیے بھیجا' تیماء میں دونوں کا مقابلہ ہوا' عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے' کچھ شامی بھاگ نکلے' مسیب نے قلعہ کا محاصرہ کر کے آگ لگا دی' لیکن پھر عبداللہ کے پناہ مانگنے پر چھوڑ دیا اور وہ باقی ماندہ ساتھیوں کو لے کر لوٹ گئے۔

اسی سنہ میں معاویہؓ نے ضحاک بن قیس کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ واقوصہ کے نشیبی علاقہ میں حضرت علیؓ کے باجگذار اعراب پر تاخت کرنے کے لیے بھیجا یہ ثعلبیہ پر تاخت کرتے ہوئے قطقطانہ پہنچے' حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حجر بن عدی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا' تدمر میں دونوں کا سامنا ہوا' حجر نے ان کے انیس آدمیوں کو قتل کیا اور شامی رات کی تاریکی میں نکل گئے۔

ذی الحجہ ۳۹ھ میں معاویہؓ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر مکہ سے حضرت علیؓ کے عامل کو نکالنے اور وہاں کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کے لیے بھیجا' یہاں کے علوی حاکم قثم بن عباس کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اہل مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لیے ابھارا۔ لیکن شیبہ بن عثمان کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا' اس لیے قثم نے حضرت علیؓ کو اطلاع دے کر مکہ چھوڑ دینا چاہا' لیکن حضرت ابو سعید خدریؓ نے روکا' اس دوران میں شامی پہنچ گئے' لیکن کسی سے تعرض نہیں کیا' قثم حضرت علیؓ کو اطلاع دے چکے تھے' وہاں

سے ریان بن ضمرہ اور ابوالطفیلؓ فوجیں لے کر مقابلہ کے لیے پہنچے لیکن ابن شجرہ نے خود ہی اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن و امان میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے' اس سے البتہ جنگ کریں گے جو ہم سے لڑے گا' اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے درخواست کی کہ میں حرم میں تفریق پسند نہیں کرتا' میرے اور قثم کے علاوہ کسی ایسے تیسرے آدمی کو امام بنا دیجئے جس پر سب کا اتفاق ہو' یہ تجویز معقول تھی' اس لیے حضرت ابو سعید خدریؓ نے قثم سے کہا' وہ الگ ہو گئے اور لوگوں نے شیبہ بن عثمان کو امیر بنایا' چنانچہ ۳۵ھ کا حج ان ہی کی امارت میں ادا ہوا' اختتام حج کے بعد ابن شجرہ واپس گئے۔

اسی سنہ میں امیر معاویہؓ نے عبدالرحمٰن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ بھیجا' یہاں کے حاکم شبیب بن عامر نصیبین میں تھے' انہوں نے کمیل بن زیاد کو اطلاع دی وہ چھ سو سواروں کا دستہ لے کر مدد کو پہنچے اور عبدالرحمٰن کو نہایت سخت شکست دی' شامیوں کی بڑی تعداد کام آئی اور ان کا کل سامان کمیل کے قبضہ میں آیا' اس کے بعد شبیب بھی پہنچ گئے' اس وقت شامی شکست کھا کر واپس جا چکے تھے' شبیب نے بعلبک تک ان کا تعاقب کرایا' امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً حبیب بن مسلمہ کو شبیب کے مقابلہ کے لیے بھیجا لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے شبیب واپس ہو چکے تھے۔

اسی سنہ میں زبیرؓ بن مکحول کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا' حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنی جانب سے عبداللہ اشجعیؓ کو کلب اور بکر بن وائل سے صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا' ان میں اور زبیر میں جنگ ہوئی' جعفر کام آئے۔

دومتہ الجندل کے باشندے غیر جانبدار تھے' انہوں نے اب تک حضرت علیؓ اور معاویہؓ کسی کی بیعت نہ کی تھی' امیر معاویہؓ نے مسلم بن عقبہ کو ان سے بیعت کے لیے بھیجا' لیکن یہ لوگ آمادہ نہ ہوئے' حضرت علیؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے مالک بن کعب کو اپنی بیعت کے لیے بھیجا' ان میں اور مسلم بن عقبہ میں جنگ ہوئی مسلم شکست کھا کر لوٹ گئے' اس کے بعد مالک نے بیعت لینی چاہی دومتہ الجندل والوں نے کہا کہ جب تک کسی ایک شخص پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے گا اس وقت تک ہم کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے' اس جواب پر مالک نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور لوٹ آئے۔

ابھی تک حجاز' جس کی بیعت و حکومت پر خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا' حضرت علیؓ کے قبضہ

میں تھا، ۴۰ھ میں امیر معاویہؓ نے مشہور جفاکار بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا، وہ سیدھا مدینہ پہنچا، یہاں کے علوی، والی حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے حرم نبوی کے احترام کے خیال سے مزاحمت مناسب نہ سمجھی اور مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے، بسر بن ارطاۃ نے مدینہ میں داخل ہو کر تقریر کی۔ "ہمارے شیخ (حضرت عثمانؓ) جن سے ہم نے بیعت کا عہد کیا تھا، کہاں ہیں؟ اگر میں معاویہؓ سے عہد نہ کر چکا ہوتا تو خدا کی قسم یہاں ایک بالغ کو بھی زندہ نہ چھوڑتا، جب تک تم لوگ جعفر بن عبداللہ کو میرے حوالے نہ کرو گے اس وقت تک امان کے دروازے تمہارے لیے بند ہیں، جابر نے یہ اعلان سنا تو وہ چھپ کر حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے اور عرض کیا اگر معاویہؓ کی بیعت کرتا ہوں تو گمراہی کی بیعت ہے اور اگر نہیں کرتا تو جان سے ہاتھ دھوتا ہوں انہوں نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا، ان کے ارشاد پر جابر نے بیعت کر لی، اس کے بعد بسر اہل مدینہ کے دلوں میں ہیبت بٹھانے کے لیے چند گھروں کو مسمار کرا کے مکہ پہنچا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس خوف سے مدینہ چھوڑ دیا، بسر نے بزور اہل مکہ سے بیعت لی، ان سے بیعت لینے کے بعد یمن روانہ ہو گیا۔ یہاں کے علوی والی حضرت عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے، بسر نے یمن پہنچ کر عبدالمدان اور اس کے لڑکے اور عبیداللہ ابن عباسؓ کے دو صغیر السن بچوں کو قتل کیا، یہ مظالم ڈھانے کے بعد شام واپس ہوا۔

حضرت علیؓ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب ابن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا، بسر اس وقت نجران میں تھا، علوی فوج کی آمد کی خبر سن کر بھاگ نکلا، جاریہ اور وہب، بسر کی جماعت کے چند آدمیوں کو قتل کر کے مکہ پہنچے اور اہل مکہ سے حضرت علیؓ کی بیعت لے کر اہل مدینہ سے حضرت حسنؓ کی بیعت لی اور چند دن مدینہ میں ٹھہر کر کوفہ واپس گئے۔ (یہ حالات طبری ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں)

فریقین میں مصالحت اس مسلسل خانہ جنگی، خون ریزی اور بد امنی سے گھبرا کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے ۴۰ھ میں صلح کر لی، اس صلح کی رو سے حجاز و عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علیؓ کے پاس رہا اور شام لور مصر و مغرب کا حصہ امیر معاویہؓ کے حق میں آیا۔

فتوحات حضرت علیؓ کا پورا زمانہ خانہ جنگیوں میں گزرا' تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ کو ایک دن کے لیے بھی اندرونی جھگڑوں سے فرصت نہ ملی' اس لیے بیرونی فتوحات کی جانب توجہ کرنے کا آپ کو موقع ہی نہ ملا' تاہم سیستان اور کابل میں بعض فتوحات حاصل ہوئیں ۳۸ھ میں بحری راستہ سے کہ کوہ کن پر حملہ ہوا۔

(فتوح البلدان بلاذری)

بغاوتوں کا استیصال مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سرزمین عجم میں جا بجا بغاوتیں بپا ہو گئی تھیں' کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے تھے' بعض اور علاقوں میں بھی بغاوت کے آثار تھے' حضرت علیؓ نے اندرونی دشواریوں کے باوجود زیاد بن ابیہ کو مامور کیا' اس نے بغاوت فرو کر کے باغی علاقوں کو قابو میں کیا۔

حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کے معرکہ میں خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا' اس لیے اس جماعت کے تین آدمیوں عبدالرحمٰن بن ملجم' برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر نے باہم مشورہ کیا کہ نہروان کے مقتولین کے بعد زندگی بیکار ہے' معاویہؓ اور علیؓ دونوں میں سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہیں' ان کی خانہ جنگی کی وجہ سے خلق اللہ مصیبت میں مبتلا ہے' بغیر انہیں ختم کیے ہوئے امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا' چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو' برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ کو اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاصؓ کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا' ابن ملجم نے اپنے کام میں ایک اور شخص شیب بن بجرہ اشجعی کو بھی شریک کر لیا اور تینوں نے ایک ہی دن رمضان ۴۰ھ کو نماز فجر کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا' اتفاق سے عمرو بن العاصؓ کے بجائے اس دن ایک اور شخص نماز پڑھانے کے لیے آیا تھا' ان کے دھوکے میں وہ مارا گیا' امیر معاویہؓ پر اوچھا وار لگا' اس لیے وہ علاج معالجہ سے بچ گئے' ابن ملجم اور شیب ابن بجرہ دونوں حضرت علیؓ کی گذرگاہ پر چھپ رہے' جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لیے نکلے تو دونوں نے حملہ کر دیا' حضرت علیؓ کو کاری زخم آیا' آپ نے آواز دی لوگ دوڑ پڑے' شیب تو نکل گیا لیکن ابن ملجم گرفتار ہو گیا' حضرت علیؓ کی بجائے جعدہ بن ہبیرہ نے نماز پڑھائی' نماز کے بعد ابن ملجم حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا' اس سے

چند سوالات کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اسے آرام سے رکھا جائے۔ (ابن سعد ج ۳ ق ۲۴) اور لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا تو خدا کے حکم کے مطابق اس کو قصاص میں قتل کر دینا' اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کروں گا اور اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ میرے ایک خون کہ بدلہ میں مسلمانوں کا خون نہ بہانا' صرف میرا قاتل قتل کیا جائے' حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ اگر میں مر جاؤں تو ایک ضرب کے بدلہ میں قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا اور مثلہ نہ کرنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ (طبری ص ۳۴۶۱' ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۶)

خنجر زہر آلود تھا' اس لیے بہت جلد سمیت بدن میں پھیل گئی اور حالت خراب ہونے لگی' حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور محمد بن حنیفہؓ کو بلایا اور باہم اتحاد و اتفاق اور دین و دنیا میں خیر و برکت کی وصیتیں فرمائیں' آپ کی زندگی سے مایوسی تھی اس لیے جندب بن عبداللہ نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ فرمایا میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو۔

(طبری ص ۳۴۶۱)

زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰ رمضان شب یک شنبہ ۴۰ھ کو انتقال فرمایا' حضرت حسنؓ و حسینؓ نے غسل دیا' حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور رشد و ہدایت کے اس آفتاب عالمتاب کو کوفہ کے عزی نامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا' انتقال کے وقت بروایت صحیح تریسٹھ سال کی عمر تھی' مدت خلافت ۴ سال ۹ مہینے۔

ازواج و اولاد حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ الزہراؓ کے انتقال کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان سے بکثرت اولادیں ہوئیں' حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما و محسنؓ تھے' محسنؓ کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا' اور صاجزادیوں میں زینبؓ اور ام کلثومؓ تھیں' ام کلثومؓ کا عقد حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوا تھا' خولہ کے بطن سے محمد بن علیؓ تھے' جو محمد بن حنفیہؓ کے نام سے مشہور ہیں' حضرت حسینؓ کے بعد یہ بڑے نامور فرزند تھے' ان کے علاوہ اور بہت سی اولادیں تھیں' جن کا نہ کوئی کارنامہ ہے اور نہ انہوں نے کوئی خاص شہرت حاصل کی ہے۔

عہد مرتضویؓ پر ایک نظر

حضرت علیؓ کا پورا عہد خلافت خانہ جنگی اور اندرونی جھگڑوں میں بسر ہوا، ایک دن کے لیے بھی آپ کو ملکی نظم و نسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی، اس لیے تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشروؤں کے مقابلہ میں ناکام رہا، اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا، جن میں آپ کو منصب خلافت ملا تھا اور جو بعد میں پیش آتے رہے، ایسے مخالف حالات میں بڑے سے بڑا مدبر فرمانروا بھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا، اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا، وہ بھی کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا۔

ان حالات کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ ان کے اسباب پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض اسباب تو وہی تھے، جنہوں نے عثمانی خلافت کا نظام درہم برہم کیا تھا، اور بعض نئے تھے، اس کا اندازہ عہد صدیقی کے ابتدائی حالات کے موازنہ سے زیادہ صحیح ہو گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے جس وقت تخت خلافت پر قدم رکھا اس وقت سارا عرب پر آشوب ہو رہا تھا بہت سے قبیلے مرتد ہو گئے تھے، بعضوں نے اسلام کے رکن اعظم زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، جھوٹے مدعیان نبوت علیحدہ انقلاب پر آمادہ تھے، غرض عرب کی اندرونی حالت سخت تشویش ناک تھی۔

لیکن ان حالات کے مقابلہ کا پورا سامان موجود تھا، عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے مسلمانوں میں اسلامی روح زندہ تھی، سب کے سب ایک غرض اور ایک مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے متحد تھے، ان میں کوئی اختلاف نہ پیدا ہوا تھا، حصول مقصد کے وسائل پر اختلاف رائے ہوتا تھا لیکن اصل مقصد پر سب متفق تھے، گو خلیفہ حضرت ابوبکرؓ تھے، لیکن خلافت کا نظام ان صاحب تدبیر و سیاست صحابہؓ کے مشورہ سے چلتا تھا جنہوں نے شجر اسلام کو اپنے خون سے سینچا تھا، اس لیے ان کی عزیز ترین متاع اسلام تھا، ذاتی حیثیت سے حضرت ابوبکرؓ کا تحمل آپ کی نرمی اور تواضع و انکساری لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا اور

خلافت کے رکن رکین، حضرت کا دبدبہ و شکوہ کسی کو جادہ اعتدال سے ہٹنے نہ دیتا تھا۔

ان سب سے بڑھ کر عربوں میں غیر عنصر کی آمیزش نہ ہوئی تھی، یعنی وہ قومیں جنہوں نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرا مسلمان نہ ہوئی تھیں اور جو قلیل تعداد مسلمان بھی ہوئی تھی اس نے مسلمانوں میں اتنا اعتماد نہ پیدا کیا تھا۔ کہ ان کے نظام شوریٰ میں دخیل ہو سکے، پھر صحابہؓ کے اتحاد و اتفاق اور صولت فاروقیؓ کے مقابلہ میں مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کی ہمت نہ ہوئی اور نہ کامیاب ہو سکتی تھی، اسلامی فوجوں میں غیر قوموں کا عنصر شامل نہ تھا، جدید الاسلام عربوں تک کی باگ جو غیر اقوام کے مقابلہ میں متحد تھے، اکابر صحابہ کے ہاتھوں میں رہتی تھی اس لیے کسی پہلو سے غیر قوموں کو دخل اندازی کا موقع ہی نہ ملتا تھا، اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے بہت جلد مخالف حالات پر قابو حاصل کر لیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ تک یہ خصوصیات قائم رہیں، اس لیے اس زمانہ تک نظام خلافت کو جنبش نہ ہونے پائی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے مٹنے لگیں، جس کے نتائج انقلاب کی شکل میں ظاہر ہوئے اور حضرت علیؓ کے دور میں قریب قریب سب ختم ہو گئیں۔

عہد رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضمحل ہو چکی تھی، بہت سے اکابر صحابہؓ جو خلافت کے رکن اعظم تھے، اٹھ چکے تھے، اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی، جس میں اپنے اسلاف کا سا اخلاص اور سچا جوش و ولولہ نہ تھا، ان کے اغراض بالکل مختلف تھے، متعدد اکابر صحابہ کو حالات نے حضرت علیؓ سے جدا کر دیا تھا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ میں تھے، آپ سے الگ ہو گئے تھے، حضرت علیؓ کے ساتھ جو بزرگوار تھے، ان کا دین و تقویٰ مسلم، لیکن ان میں بہت کم صاحب و تدبیر و سیاست تھے، پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلے میں حضرت علیؓ صاحب تدبیر و سیاست بزرگوں کا مشورہ تک نہ قبول کرتے تھے، مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت ابن عباس نے آپ کو آغاز خلافت میں مشورہ دیا کہ بغیر بیعت لیے ہوئے امیر معاویہؓ کو معزول نہ کیجئے، ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیں گے، لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا، جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں ظاہر ہوا، قیس بن سعدؓ جیسے مدبر کو محض نوجوانوں کے ورغلانے سے مصر سے ہٹا دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھوں سے نکل گیا، تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے اپنے خلاف بنا لیا، آپ کے حاشیہ

نشینوں اور مشیروں میں صحابہؓ کے ساتھ نوجوان نسل، جدید الاسلام عرب اور نو مسلم عجمی بھی تھے، جن کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی تڑپ نہ تھی، بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لیے ساتھ تھے۔

آپ میں نہ حضرت ابوبکرؓ جیسا تحمل اور تواضع تھا، جو مخالفین کو بھی اپنا بنا لیتا تھا، اور نہ حضرت عمرؓ جیسا دبدبہ و شکوہ تھا، جس سے بڑے بڑے لوگ تھراتے تھے، حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو طلب کرتے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، لیکن وہی معاویہؓ آپ کے خلاف اٹھ کر انقلاب عظیم برپا کر دیتے ہیں آپ میں خود اعتمادی بہت تھی جو رائے قائم کر لیتے تھے، پھر اس میں کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے تھے، جس سے بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نو مسلم عجمی تھے جو محبت اہل بیت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے، جنہیں حضرت علیؓ کیا اسلام سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی، بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لیے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے، ان ہی لوگوں نے اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یک جہتی کا خاتمہ کیا، حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے مسلمانوں میں خانہ جنگی کا دروازہ کھولا، پھر حضرت علیؓ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی، اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جمل اور صفین کے واقعات پیش نہ آتے، یہی لوگ تھے، جنہوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کے باوجود آپ کو تحکیم جیسی پر فریب تجویز قبول کرنے پر مجبور کیا پھر پھر، پیپ پھر خود ہی اس کے خلاف ہو گئے، اور حضرت علیؓ کے خلاف محاذ جنگ قائم کیا، پھر انہی میں سے وہ لوگ تھے جنہوں نے امیر معاویہ کے مقابلہ میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، غرض کسی موقع پر بھی انہوں نے وفاداری کا ثبوت نہ دیا۔

ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ میں آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے، گو یہ صداقت کا بڑا درجہ ہے اور اگر ان دونوں میں تصادم نہ ہو تو ایک فرمانروا کے لیے مصلحت وقت کا لحاظ ضروری ہے، لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں مصلحت وقت کو نظر انداز فرما دیتے تھے۔ مثلاً عمال عثمانی کی معزولی، خصوصاً امیر معاویہ کی برطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی، لیکن آپ نے تخت نشین ہونے کے ساتھ

یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا، جو کل آپ کے خلاف ہو گئے۔

آپ جس تقویٰ، دین داری اور عدل کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے حالات کے تغیر سے لوگوں میں اسے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی، ایک طرف آپ تھے کہ نازک سے نازک حالات میں بھی حق و صداقت کے جادہ سے نہ ہٹتے تھے اور بیت المال کا ایک حبہ بھی بے جا نہ صرف ہونے دیتے تھے، دوسری طرف آپ کے حریف امیر معاویہؓ اپنی کامیابی کے لیے جائز و ناجائز وسیلہ اختیار کرتے تھے، اور اپنے حامیوں کے لیے خزانہ کا منہ کھول دیتے تھے۔

آپ بیت المال کی کوڑی کوڑی کا حساب لیتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے اعزہ خاص تک آپ سے کبیدہ خاطر ہو جاتے تھے، اور امیر معاویہؓ داد و دہش مخالفین تک کا منہ بند کر دیتی تھی، ــــ ان تمام باتوں پر مستزاد یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا مقابلہ مرتدوں، منکرین زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیان نبوت سے تھا، جن کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کا بچہ بچہ متحد تھا، اور حضرت علیؓ کا ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ اور امیر معاویہؓ سے تھا، خصوصاً ام المومنین کا معاملہ نہایت نازک تھا، جس میں بڑے بڑے صحابہ متردد ہو گئے تھے ہو امیر معاویہؓ کی آپ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ تھی، پھر بھی وہ ایک معزز صحابیؓ اور عرب کے نامور مدبر تھے، اور غلط ہی سہی لیکن عوام کو بھڑکانے کے لیے خون عثمانؓ کے انتقام کا ایک ذریعہ ان کے ہاتھ آ گیا تھا، حضرت علیؓ نے ان مخالف حالات کا جتنا بھی مقابلہ کیا اور جس حد تک بھی نظام خلافت کو قائم رکھ کر اس کی اصلاح کی وہ دوسرے سے ممکن نہ تھا، اس پر آشوب دور میں آپ نے بغاوتیں بھی فرو کیں اور فتوحات میں بھی کچھ نہ کچھ اضافہ فرمایا۔

نظام خلافت کی اصلاح ان سب سے بڑھ کر نظام خلافت کی اصلاح ہے، حضرت عثمانؓ کے آخری دور میں اموی نوجوانوں کے غلبہ سے خلافت کا نظام خلافت راشدہ کی شاہراہ سے ہٹ چلا تھا، حضرت علیؓ نے دوبارہ اسے صراط مستقیم پر لانے کی کوشش کی گو مخالف حالات نے آپ کو اس کا پورا موقع نہ دیا، تاہم جہاں تک آپ کے بس میں تھا، آپ نے دوبارہ شیخینؓ کے دور کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔

عثمانی دور میں جو بے عنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں انہیں دور کر کے عہد فاروقی کے نظم و

نسق کو علی حالہ قائم رکھا، اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی، نجران کے یہودیوں نے، جنہیں حضرت عمرؓ نے حجاز سے نجران جلا وطن کر دیا تھا، دوبارہ حجاز میں بسنے کی درخواست کی، آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا، عمرؓ سے زیادہ کون صاحبُ الرائے ہو سکتا ہے، (کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف) صوبوں کی تقسیم وہی رہی البتہ عمال سب بدل دیئے تھے، اور دار الخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا۔

فوج حضرت علیؓ "فطرۃً" سپاہی اور میدان جنگ کے مرد تھے اس لیے فوج کی جانب خاص طور سے آپ کی توجہ رہی، صفین کے معرکہ میں اسی ہزار فوج آپ کے ہمراہ تھی، گو مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے آپ کو فوجی نظام کو ترقی دینے کا موقعہ نہ ملا، تاہم آپ نے حسب ضرورت چھاؤنیاں قائم کیں اور قلعے تعمیر کرائے، اصطخر کا حصین زیادہ آپ ہی کے دور میں تعمیر ہوا تھا۔ (طبری ص ۳۴۵۰)

صیغہ مال آپ نے صیغہ مال میں بھی بعض ایسی اصلاحات کیں جن سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا، آپ کے دور سے پہلے جنگلات سے کوئی مالی فائدہ نہیں حاصل کیا جاتا تھا، آپ نے انہیں قابل محصول قرار دیا، چنانچہ صحرائے برس سے چار ہزار سالانہ آمدنی ہوتی تھی (کتاب الخراج ص ۶۹) اس کے علاوہ اور جنگل بھی تھے۔

بعض چیزوں پر سے محصول اٹھا دیا، عہد رسالت میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب اس کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی تو آپ نے اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی، لیکن حضرت علیؓ نے اسے منسوخ کر دیا۔ (کتاب الخراج ص ۶۹)

عمال کی اخلاقی نگرانی عہد فاروقی کی طرح آپ کو عمال کی اخلاقی نگرانی میں بڑا اہتمام تھا، وقتاً" فوقتاً" ان کو قیام عدل اور رعایا کے ساتھ لطف و شفقت کے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ان کے اعمال و افعال کا احتساب فرماتے تھے ان کے طرز حکومت کی تحقیقات کراتے تھے اور ان کی غلط روی کا تدارک فرماتے تھے۔

منذر بن جارود والی اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کرتے تھے۔ اور فرائض منصبی میں غفلت برتتے تھے، انہیں لکھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر و شکار میں نکل جاتے ہو اور کتوں

سے کھیلتے ہو، اگر یہ صحیح ہے تو میں تم کو اس کا بدلہ دوں گا، تمہارے گھر کا جاہل بھی تم سے بہتر ہے چنانچہ انہیں طلب کر کے معزول کر دیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۰)

ایک اور عامل کے متعلق مختلف شکایتیں موصول ہوئیں اسے بڑا طویل خط لکھا، جس کا ضروری اقتباس یہ ہے:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہو، بخورات اور روغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو، تمہارے دستر خوان پر الوان نعمت ہوتے ہیں، منبر پر تم صدیقین کا وعظ کہتے ہو اور خلوت میں اہل اباحت کا عمل ہے، اگر یہ شکایتیں صحیح ہیں تو تم نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا اور مجھے تادیب پر مجبور کیا، تم بیواؤں اور یتیموں سے حاصل کیے ہوئے مال سے عیش و تنعم میں ڈوب کر خدا سے صالحین کے اجر کی توقع کس طرح رکھتے ہو گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرو اور خدا کے حقوق ادا کرو۔

(یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۸)

تحریری باز پرس کے علاوہ کمیشن مقرر کر کے عمال کے طرز عمل کی تحقیقات کراتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ کعب بن مالک انصاریؓ کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور فرمایا اور یہ ہدایت کی:

"تم چند آدمیوں کو ساتھ لے کر عراق جاؤ اور ہر ہر ضلع میں جا کر وہاں کے عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر نظر ڈالو"۔ (کتاب الخراج ص ۹)

خراج کی آمدنی کا احتساب عمال سے محاصل و خراج کی آمدنی کا نہایت سختی کے ساتھ احتساب کرتے تھے، مقررہ وقت سے اگر زیادہ تاخیر ہو جاتی تو فہمائشی احکام جاری کرتے، ایک مرتبہ یزید بن قیس ارحبی نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی تو آپ نے لکھا:

"تم نے خراج کے بھیجنے میں تاخیر کی، اس تاخیر کا سبب مجھے نہیں معلوم ہوا، لیکن میں تم کو خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس سے ڈراتا ہوں کہ ایسا کام نہ کرو، جس سے تمہارا اجر برباد اور تمہارا جہاد باطل ہو جائے خدا سے ڈرو اور اپنے نفس کو حرام مال سے پاک رکھو اور مجھ کو اس کا موقع نہ دو کہ تم سے مواخذہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں، مسلمانوں کو معزز کرو، لیکن اہل معاہدہ پر زیادتی نہ ہو، خدا نے تم کو جو

کچھ دیا ہے اس کو حصول آخرت کا ذریعہ بناؤ اور دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کرو"۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۸)

ایک اور عامل نعمان بن عجلان کو جو بحرین کا خراج لے کر کہیں چل دیئے تھے لکھا:
"جس نے امانت میں خیانت کی اور اپنے نفس اور اپنے دین کو نہ بچایا اس نے دنیا میں بھی اپنے کو نقصان پہنچایا اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے زیادہ تلخ' اس سے زیادہ بد بختانہ اور اس سے زیادہ دیرپا ہے' اللہ کا خوف کرو تم صالح خاندان سے ہو' اس لیے خوش گمانی کا موقع دو' مجھ کو جو خبر ملی ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس سے توبہ کرو اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو' خراج ادا کر دو۔" (یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۱)

بیت المال کی حفاظت بیت المال کی حفاظت میں حضرت عمرؓ ہی کی طرح اہتمام تھا' اوپر جو واقعات لکھے گئے' وہ بھی در حقیقت مسلمانوں کی امانت ہی کی حفاظت کے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی' حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو واپس کرنے کے لیے لکھا' انہوں نے انکار کیا' ان کے انکار پر حضرت علیؓ نے فہمائش کرا کے واپس کرا دیا۔ اور اس کے متعلق مفید نصیحتیں فرمائیں۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۲)

اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر بیت المال کی معمولی چیز بھی صرف نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے' اس میں شہد اور چربی بھی تھی' حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ نے مانگ بھیجا' عمرو بن سلمہ نے ایک پپا شہد اور ایک پپا چربی بھیج دی' دوسرے دن حضرت علیؓ نے شمار کیا تو دو پپے کم تھے' عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ پوچھا' انہوں نے بتا دیا' آپ نے اسی وقت دونوں پپے منگا لیے اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا' اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کر دی۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۹۰)

آنحضرت ﷺ کے غلام ابو رافع بیت المال کے نگران تھے' انہوں نے اس کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا' حضرت علیؓ نے دیکھ کر پہچان لیا' پوچھا یہ موتی کہاں سے آیا' میں اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کر دوں گا' ابو رافع نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا' حضرت علیؓ نے فرمایا تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو' جب فاطمہؓ کے

ساتھ میری شادی ہوئی تھی تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی' جس پر رات کو سوتا تھا' اور دن کو اس پر مویشی کو چارہ دیتا تھا۔ ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا۔

(ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۹)

ذمیوں کے ساتھ نرمی ذمیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھتے تھے' عمال کو ان کے ساتھ نرمی' حسن سلوک کی ہدایت فرماتے تھے' ذمیوں کو ایک عامل عمرو بن مسلمہ' جس کی درشت مزاجی کی شکایت تھی' حضرت علیؓ نے ان کو لکھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے علاقہ کے ذمی دہقانوں کو تمہاری درشت مزاجی کی شکایت ہے' اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے' تم کو سختی اور نرمی دونوں سے کام لینا چاہیے' لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے اور نرمی نقصان کی حد تک' ان پر جو مطالبہ ہو اسے وصول کیا کرو' لیکن ان کے خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو"۔

(یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۹)

ذمیوں کی آبپاشی کی ایک نہر پٹ گئی تھی' اس کے عامل قرظہ بن کعب انصاریؓ کو لکھا۔

"تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے جس کا بنانا مسلمانوں کا فرض ہے تم اسے دیکھ کر درست کرا کے آباد کر دو۔ میری عمر کی قسم مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائیں' یا عاجز و درماندہ ہو جائیں' یا ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں"۔

(یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۰)

اہل عجم کے ساتھ اس لطف و کرم کا برتاؤ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔

عدل و مساوات آپ کے ایوان عدالت میں بلا امتیاز مذہب و ملت' خویش و بیگانہ' امیر و غریب سب برابر تھے' اگر خود آپ کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تھے تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا' اور اگر ثبوت نہ ہوتا تو مقدمہ آپ کے خلاف فیصل ہوتا' ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی' حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی زرہ ہے' قاضی

نے حضرت علیؓ سے پوچھا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے آپ نے فرمایا نہیں' قاضی شریحؒ نے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا' اس فیصلہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا' اور کہا یہ تو انبیاء کے جیسا انصاف ہے' کہ امیرالمومنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیرالمومنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔(ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۰)

بازار کی نگرانی بازار کی نگرانی اور نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال خود کرتے تھے' درہ لے کر بازار نکل جاتے اور بیچنے والوں کو حسن معاملات اور ناپ تول میں ایمان داری کی ہدایت فرماتے۔(ابن سعد ج ۳ ص ۱۸)

فضل و کمال حضرت علیؓ نے بچپن سے دامن نبوت میں پرورش اور تعلیم و تربیت پائی' جوانی میں شرف مصاہرت سے سرفراز ہوئے اور وصل نبوی تک دامن دولت سے وابستہ رہے ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ آپ میں تحصیل علم و کسب کمال کی فطری صلاحیت اور اس کا ذوق' اس لیے مکتب نبوت سے جو فیض آپ کو پہنچا وہ کم اور صحابہؓ کے حصہ میں آیا' قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ' جملہ دینی علوم کا دریا تھے' آپ کی جلالت علمی پر سب کا اتفاق ہے کان من العلوم بالمحل العالی (تہذیب الاسماء نووی ص ۳۴۵) حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو خود حبرالامۃ تھے' فرماتے تھے کہ علم کے دس حصوں میں سے خدا نے علیؓ کو نو حصے عطا فرمائے تھے' اور دسویں میں بھی آپ شریک تھے' (تہذیب الاسماء نووی ص ۳۴۶) زبان نبوت سے آپ کو "انا مدینۃ العلم و علی بابھا" کی سند ملی۔(یہ روایت صحاح کی ہے گو بعض محدثین اسے ضعیف مانتے ہیں)

کلام الٰہی سے آپ کو خاص شغف تھا' اس کے حافظ تھے اور اس کی تعلیم آپ نے زبان وحی و الہام سے حاصل کی تھی' کلام اللہ پر آپ کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کسی آیت کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے مخفی نہ تھا' آپ فرماتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارہ میں' کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی' (ابن سعد ج ۳ ق ۲ ص ۱۰۱)

فہم قرآن اور اس سے احکام و مسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا' تفسیر کی کتابیں اور احادیث کے ابواب تفسیر آپ کی روایتوں سے معمور ہیں جنہیں نقل کرنے کا یہ موقع نہیں' تفسیر میں حبرالامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ نے آیتوں اور سورتوں کی نزولی ترتیب پر کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا (ابن سعد ج ۳ ق ۲ ص ۱۰۱) ابن ندیم نے فہرست میں اس ترتیب کی تفصیل دی ہے۔ (فہرست ابن ندیم ص ۳۰)

آپ کو ذات نبویؐ کے ساتھ گوناگوں خصوصیات کی بنا پر سماع حدیث کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ پھر وصال نبویؐ کے بعد ۳۰ سال تک تعلیم و ارشاد کی مسند پر جلوہ گر رہے اس لیے حفظ حدیث اور روایت حدیث دونوں لحاظ سے آپ جماعت صحابہ میں نہایت ممتاز تھے' آپ کی مرویات کی تعداد پانچ سو چھیاسی ہے' گو کثیر الروایتہ صحابہ کی مرویات کے مقابلہ میں یہ تعداد کم ہے' لیکن یہ آپ کی احتیاط کا نتیجہ ہے' آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے صحابہ میں جن بزرگوں نے احادیث نبوی قلم بند کیں ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے' چنانچہ آپ نے فقہی احکام کی احادیث کا ایک ایک مجموعہ مرتب کیا تھا' جس کا نام صحیفہ تھا۔ (بخاری کتاب العلم)

کلام اللہ اور احادیث نبویؐ میں وسعت علم کے ساتھ آپ میں اسی درجہ کی ذہانت' طباعی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی تھی' آپ کی ذہانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں' اصول کلیات سے فروعی اور جزوی احکام و مسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا' اس لیے فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا' اور جماعت صحابہ میں آپ کو امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا' اکابر صحابہ فقہی مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے' امام نووی لکھتے ہیں کہ اکابر صحابہ کا آپ سے سوالات کرنا اور مشکل مسائل میں آپ کے فتوئی اور اقوال کی طرف رجوع کرنا مشہور واقعات ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۶)

حضرت عمرؓ جو خود مجتہد اور امام فقہ تھے' حضرت علیؓ سے استفادہ کرتے تھے' آپ کے حریف امیر معاویہؓ کو بھی آپ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا' غرض آپ کی ذات فقہ میں صحابہ کرام کا مرجع تھی' فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' جن کے فتاوئی پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے' آپ کے فیض یافتہ تھے۔

فقہی کمال کا ایک اور پہلو قضا یعنی فصل مقدمات ہے' اس میں جماعت صحابہ میں آپ کا کوئی مقابل نہ تھا' آنحضرت (ﷺ) نے آپ کو "اقضاھم علی" (صحابہ میں سب سے بڑے قاضی ہیں) کی سند عطا فرمائی تھی' اور قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے'

چنانچہ اہل یمن کے قبول اسلام کے بعد آپ کو وہاں کا قاضی بنا کر بھیجا اور رخصت کرتے وقت فصل مقدمات کے متعلق اصول تلقین فرمائے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۴۳)

"فرائض یعنی تقسیم میراث کے فن میں آپ مدینہ کے ممتاز علماء میں تھے"۔

شیخینؓ کے زمانہ میں اہم مقدمات میں آپ کا مشورہ شریک ہوتا تھا' آپ کی اصابت رائے سے قضا میں بڑی مدد ملتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک پاگل زانیہ پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا' حضرت علیؓ نے روک دیا کہ مجنون حد شرعی سے مستثنٰی ہے۔ (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۱۸ و ۳۱)

مختلف قسم کے مقدمات میں آپ کے فیصلے کتابوں میں محفوظ ہیں' جن سے آپ کی ذہانت طباعی اور انتقال ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے۔

تصوف کا سرچشمہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے' صوفیہ کے تمام بڑے بڑے سلاسل حضرت حسن بصریؒ کے واسطہ سے آپ ہی پر منتہی ہوتے ہیں' گو محدثین کے نزدیک حسن بصریؒ کا حضرت علیؓ سے لقاء ثابت نہیں ہے لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے' شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصریؒ کو قابتہ" حضرت علیؓ سے نسبت ہے' محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے' لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ اہل تصوف کی تائید کی ہے"۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ "صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصریؒ نے حضرت علیؓ سے فیض پایا تھا (ازالۃ الخفاء ص ۱۷۳) خلافت سے پہلے آپ کو تصوف میں بہت انہماک تھا' پھر خلافت کے بعد اس کی مصروفیتوں کی وجہ سے اس فن کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہ ملا۔

آپ فصحائے عرب میں تھے' آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت اور زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ اور اس کا معیار ہیں' شریف رضی نے نہج البلاغہ کے نام سے آپ کے خطبات جمع کیے ہیں' گو ان سب کا انتساب آپ کی جانب صحیح نہیں ہے تاہم ان میں بہت سے آپ کے خطبات ہیں' ان کے علاوہ طبری' اخبار الطوال' مسعودی اور یعقوبی وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں آپ کے بہت سے خطبات محفوظ ہیں' جو عربی ادب کے نصاب کی حیثیت

رکھتے ہیں۔

گو اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا' لیکن حضرت علیؓ تحریر میں پوری مہارت رکھتے تھے' چنانچہ جو صحابہ آنحضرت ﷺ کے فرامین لکھتے تھے ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے' حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا' آپ کے خطوط اور تحریریں ادب و انشاء کا دلکش نمونہ ہیں۔

شاعری کا نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے' ایک پورا دیوان آپ کی جانب سے منسوب ہے جو عام طور سے بازاروں میں ملتا ہے' لیکن وہ شاعری کے لحاظ سے اتنا پست ہے کہ کسی عربی شاعر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا' چہ جائیکہ حضرت علیؓ لیکن اس حد تک صحیح ہے کہ آپ کو شاعری سے ذوق تھا' حدیث کی کتابوں میں آپ کی زبان سے بعض اشعار منقول ہیں چنانچہ معرکہ خیبر کا رجز بخاری میں ہے (بخاری غزوہ خیبر) مستدرک نے حضرت فاطمہؓ کے مرثیہ کے چند اشعار نقل کیے ہیں' (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۶۳) ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے چند اشعار لکھے ہیں۔ (کتاب العمدہ ابن رشیق ص ۱۴)

فن نحو کی بنیاد آپ ہی نے رکھی' سب سے اول اپنے اصحاب میں سے ایک شخص ابوالاسود دولی کو چند اصول تلقین فرمائے تھے' انہوں نے ایک مرتبہ کسی عجمی کو کلام مجید غلط پڑھتے سنا تو اس کی تصحیح کے لیے نحو کی ضرورت محسوس ہوئی' چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں نحو کے چند موٹے موٹے قواعد مرتب کیے۔ (فہرست ابن ندیم ص ۶۶) غرض آپ کو مذہبی علوم اور اس کے عہد کے تمام مروجہ فنون میں کمال حاصل تھا۔

سیرۃ المرتضیٰؓ حضرت علیؓ فطرۃً سلیم تھے' آنحضرت ﷺ کے آغوش میں تربیت پائی تھی' اس لیے آپ کی ذات خلق نبویؐ کا پیکر اور تعلیمات اسلامی کی تصویر تھی۔

زہد آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے نمایاں زہد و تقویٰ ہے آپ کی پوری زندگی اس طرح زہد و ورع میں ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کر کے دکھانا مشکل ہے آپ کی زندگی کا ہر پہلو زہد ہی کا مظہر تھا' زہد کے بارہ میں آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ دنیا مردار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے اسے کتوں کی صحبت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ (نووی ج ۱ ص ۳۳۶)

آپ پر غربت اور امارت کے مختلف دور گزرے لیکن کسی دور میں مزخرفات دنیاوی کی جانب آنکھ نہیں اٹھائی' ابتدائی چند برسوں کے بعد ہی آپ کو عیش و راحت کے سامان میسر آ گئے تھے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں آپ کی آمدنی اتنی ہو گئی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ اس کی زکوۃ ہوتی تھی' لیکن اس زمانہ میں بھی فاقوں کی نوبت آ جاتی تھی۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۳۵)

معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ (تہذیب الاسماء ص ۳۴۶) حضرت فاطمہؓ اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائی تھیں' اس پر تا عمر کوئی اضافہ نہ ہو سکا' آپ کے سازو سامان میں ایک مینڈھے کی کھال تھی' جو بستر کا کام دیتی تھی' (کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۹) اور اوڑھنے کے لیے ایک مختصر سی چادر تھی کہ اگر سر چھپاتے تھے تو پاؤں کھل جاتا تھا' اور پاؤں ڈھانکتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا۔

کوئی ملازم نہ تھا' گھر کا سارا کام حضرت فاطمہؓ اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں' چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے' کئی کئی دن تک گھر میں چولہا نہ جلتا تھا' ایک مرتبہ کئی فاقوں کی نوبت آ گئی بھوک کی حالت میں مزدوری کی تلاش میں نکلے اور اطراف مدینہ میں ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجوریں حاصل کیں۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۳۵) ایک مرتبہ گھر میں کچھ نہ تھا' اپنی تلوار بیچ کر خورد و نوش کا سامان کیا۔ (کنز العمال ص ۴۰۹)

عبادت و ریاضت عبادت و ریاضت آپ کا مشغلہ تھا' زبیر بن سعید قریشی کا بیان ہے کہ بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی عبادت گزار نہ تھا۔ (مستدرک ج ۳ ص ۱۰۸) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ (علیؓ) قائم اللیل اور صائم النہار تھے' بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کلام اللہ کی اس آیت محمد رسول اللہ والذین معہ الایۃ میں رکعا سجدا سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ (ترمذی کتاب المناقب علیؓ) آپ کی عبادت و ریاضت کے واقعات اتنے مشہور ہیں کہ ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ انفاق فی سبیل اللہ آپ کا امتیازی وصف تھا' چالیس ہزار سالانہ زکوۃ کے بقدر آمدنی رکھنے کے باوجود پر عسرت زندگی آپ کے انفاق ہی کا نتیجہ تھی' آپ کے در سے کبھی کوئی سائل ناکام واپس نہیں گیا' قوت لایموت تک سائلوں کو دے دیتے تھے اور خود فاقہ سے سو رہتے تھے' کلام اللہ کی یہ آیت و یطعمون الطعام علی حبہ

مسکینا و یتیما و اسیراہ اسی قسم کے ایک واقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ (ابن جریر تفسیر آیت مذکور)

امانت و دیانت آپ امین امت تھے' جس دیانت کے ساتھ آپ مسلمانوں کی امانت بیت المال کی حفاظت کرتے تھے' اس کے بعض واقعات اوپر گذر چکے ہیں' ہر طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے' لیکن اپنے حق سے زیادہ ایک حبہ بیت المال سے لینا حرام سمجھتے تھے' ایک مرتبہ تیز سردی میں ایک معمولی چادر اوڑھے تھے' بدن کانپ رہا تھا' ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے' آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں' فرمایا میں تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا' اگر میں اپنے حصہ سے زیادہ لوں تو دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہو گی یہ چادر میں مدینہ سے لایا تھا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۹)

آپ کی یہ تکلیفیں دیکھ کر ایک مرتبہ آپ کے غلام قنبر نے بیت المال کے مال سے آپ کے لیے سونے چاندی کے کچھ برتن علیحدہ کر لیے اور آپ سے عرض کیا کہ بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے' لیکن آپ کچھ باقی نہیں چھوڑتے' اس لیے میں نے آپ کے لیے ایک چیز چھپالی ہے' فرمایا وہ کیا؟ قنبر نے عرض کیا چل کر ملاحظہ فرمالیجئے' آپ نے جا کر دیکھا تو سونے اور چاندی کے برتن تھے' انہیں دیکھ کر فرمایا' تیری ماں تجھ کو روئے تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ میں دھکیلنا چاہتا تھا' اور اسی وقت کل برتن تول تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے' (کنز العمال ج ۶ ص ۴۹) اس قبیل کے بہتیرے واقعات ہیں۔

شجاعت شجاعت و شہامت آپ کا خاص وصف تھا' غزوات میں آپ کی شجاعت کے بہت سے واقعات گذر چکے ہیں' آپ کی زندگی شروع سے آخر تک شجاعانہ کارناموں سے معمور ہے اس لیے واقعات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

سادگی آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی' جاہ و حشم کا کیا ذکر' تکلیف کا معمولی شائبہ تک نہ تھا اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے' حتی کہ جوتا تک خود ہی گانٹھ لیتے تھے۔

زمانہ خلافت میں تنہا بازاروں میں گھومتے پھرتے' بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے'

کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد کرتے اور تاجروں اور دوکانداروں کو یہ آیت تلک الدار الاخرۃ نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض و لا فسادا سنا کر فرماتے کہ یہ آیت عادل، متواضع اور صاحب قدرت والوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ (کنزالعمال ج ۲ ص ۴۹)

لباس وغذا غذا بہت معمولی اور لباس نہایت سادہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ عبداللہ زریر نامی ایک شخص آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے کھانا بہت سادہ اور معمولی تھا، ابن زریر نے عرض کیا، امیرالمومنین آپ کو پرند کے گوشت کا شوق نہیں ہے، فرمایا خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال سے صرف دو پیالیوں کا حق ہے ایک خود کھائے اور ایک اپنے اہل و عیال کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے۔ (کنزالعمال ج ۲ ص ۴۹) نفیس غذاؤں سے احتراز فرماتے تھے، ایک مرتبہ فالودہ کا پیالہ پیش کیا گیا، فرمایا کتنا خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے، لیکن میں نفس کو ایسی غذاؤں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا، جس کا وہ عادی نہیں ہے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۸)

سیرۃ المرتضیٰؓ پر ایک جامع تبصرہ امیر معاویہؓ کے استفسار پر حضرت علیؓ کے ایک حاشیہ نشین ضرار صدائی نے آپ کے حسب ذیل اوصاف بیان کیے تھے، جو آپ کی سیرت پر ایک جامع تبصرہ ہے —— "وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے فیصلہ کن بات کہتے تھے عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا، اور حکمت ٹپکتی تھی، دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے وحشت کرتے تھے، رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے انس رکھتے تھے، عبرت پذیر اور بہت غور و فکر کرنے والے تھے چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے، ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے، جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اس کا جواب دیتے تھے باوجود یہ کہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے لیکن ہم ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کر سکتے تھے، وہ دینداروں کی تعظیم کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے، ان کے سامنے طاقتور باطل میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا، بعض مواقع پر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گذر رہی ہے ستارے جھلملا رہے ہیں وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مارگزیدہ کی طرح بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں "اے دنیا! کسی اور کو فریب دے، تو مجھ سے

لگاوٹ کر رہی ہے' میری مشتاق ہے' افسوس! افسوس! میں نے تجھے تین طلاقیں دیں' تیری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے ہائے ہائے سفر طویل' راستہ وحشت ناک اور زاد سفر تھوڑا ہے۔ (کنز العمال ص ۲۱۰) یہ اوصاف سن کر امیر معاویہؓ رو دیئے اور کہا خدا ابوالحسن (علیؓ) پر رحم کرے' بخدا وہ ایسے ہی تھے۔ (روضۃ النضرہ ج ۲ ص ۲۱۲)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ

(۴۰ھ تا ۴۱ھ مطابق ۶۶۱ تا ۶۶۲ء)

حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن ؓ آپ کے جانشین ہوئے۔

ترجمہ حسن ؓ حسن نام' ابو محمد کنیت' ریحانتہ النبی ؐ لقب' حضرت حسن ؓ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمتہ الزہرا ؓ کے بطن سے تھے' رمضان ۳ ھ میں پیدا ہوئے' حضرت فاطمہ ؓ کے سوا آنحضرت ﷺ کی کل اولادیں آپ ﷺ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی تھیں اس لیے آپ فاطمہ ؓ اور ان کی اولاد سے بڑی محبت فرماتے تھے' حسن صورتاً" نانا سے بہت مشابہ تھے' آٹھ سال تک نانا کے دامن محبت میں پرورش پائی' سن رشد کو پہنچنے کے بعد کسی میدان میں آپ کا قدم پیچھے نہ رہا۔ حضرت عثمان ؓ کی مدافعت میں زخمی ہوئے' جنگ جمل و صفین میں اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ تھے۔

خلافت اوپر حضرت علی ؓ کے حالات میں گذر چکا ہے کہ دم آخر آپ سے لوگوں نے حضرت حسن ؓ کی جانشینی کے بارہ میں پوچھا تھا' آپ نے جواب دیا کہ "میں نہ حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں' تم لوگ اسے زیادہ بہتر سمجھتے ہو' گو آپ نے جمہور مسلمانوں کے حق انتخاب کا لحاظ کر کے حضرت حسن ؓ کو نامزد نہیں فرمایا اور جانشینی کے مسئلہ کو عام مسلمانوں پر چھوڑ دیا لیکن اوصاف و کمالات کے لحاظ سے حضرت حسن ؓ جناب امیر ؓ کے خلف الصدق تھے' اس لیے وابستگان دامن مرتضوی کی نظر اور کسی جانب نہیں اٹھ سکتی تھی' چنانچہ حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے قیس بن سعد انصاری ؓ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا میں کتاب اللہ اور سنت رسول اور محلین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کافی اور تمام شرائط پر حاوی ہے۔ (طبری ج ۷ ص ۲)

قیس بن سعد ؓ کی بیعت کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ میں

حضرت حسنؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

پہلی تقریر تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ نے خطبہ دیا۔

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے، رسول اللہ ﷺ لڑائیوں میں اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجتے تھے، وہ کسی جنگ میں ناکام نہ لوٹا، میکائیل و جبرائیل چپ و راست اس کے جلو میں ہوتے تھے، اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے، سونے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا۔ یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لیے جمع کیے تھے"۔ (ابن سعد ج ۳ ق ا ترجمہ علیؓ)

امیر معاویہؓ کا جارحانہ اقدام حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہی سے حضرت امیر معاویہؓ والی شام کے دل میں عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی اس لیے انہوں نے جنگ بھی کی لیکن حضرت علیؓ کی زندگی میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی، حضرت حسنؓ بڑے نرم خو، متحمل مزاج، صلح جو اور امن پسند تھے، جنگ و جدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی، امیر معاویہؓ کو اس کا اندازہ تھا اس لیے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کو اپنی دیرینہ تمنا پوری کرنے کا موقع ملا، چنانچہ انہوں نے فوراً عراق پر فوج کشی کر دی اور ان کا مقدمۃ الجیش عبیداللہ بن عامر کی قیادت میں عین التمر سے ہوتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۳)

مقابلہ کے لیے حضرت حسنؓ کی روانگی اور عراقی فوج کی غداری حضرت امام حسنؓ کو شاہی فوج کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ نے قیس بن سعد انصاریؓ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے آگے بھیج دیا اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوئے، طبری کا بیان ہے کہ عراقی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ قیس بن سعدؓ قتل کر دیئے گئے، یہ خبر اڑتے ہی عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، لوگوں نے حضرت حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور جس فرش پر آپ بیٹھے تھے اسے چھین لیا، فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ مصالحت کے لیے آمادہ ہو گئے۔ (طبری ج ۷، ص ۱)

دینوری کا بیان ہے کہ ساباط پہنچ کر آپ کو اپنی فوج کی کمزوری اور جنگ سے پہلو تہی

کا اندازہ ہوا اس لیے آپ وہیں رک گئے، اور فوج کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی!

"لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا، اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں، جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں، میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں، امید ہے کہ اسے مسترد نہ کرو گے، جس اتحاد و یک جہتی کو تم ناپسند کرتے ہو، وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے، جسے تم چاہتے ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور کمزوری دکھا رہے ہیں، اس لیے میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا۔"

یہ خیالات سن کر لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، خارجیوں کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی، اس نے کہا حسنؓ بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے، ان میں سے کچھ آدمیوں نے آپ کا مصلی اور کپڑے چھین لیے، ان کا نرغہ دیکھ کر آپ گھوڑے پر سوار ہو گئے، اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی، انہوں نے دوڑ کر خارجیوں کو ہٹا دیا اور آپ ساباط سے مدائن روانہ ہو گئے، راستہ میں ایک خارجہ جراح بن قبیصہ نے جو آپ کی تاک میں چھپا ہوا تھا، لپک کر حملہ کر دیا، آپ کی ران میں زخم آیا، خارجی کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا، اور حضرت حسنؓ مدائن میں داخل ہو گئے، اور زخم بھرنے تک یہاں ہی مقیم رہے۔

زخم اچھا ہونے کے بعد دوبارہ فوج کے مقابلہ کے لیے جو عبید اللہ بن عامر کی ماتحتی میں مدائن کے قریب پڑی ہوئی تھی نکلے اس میدان میں امیر معاویہؓ بھی فوجیں لے کر انبار پہنچ گئے تھے، یہاں قیس بن سعد انصاریؓ پہلے سے موجود تھے اب گویا دو مورچے الگ الگ تھے، حضرت حسنؓ عبید اللہ بن عامر کے مقابلہ میں اور قیس بن سعد امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں۔ گو تاریخوں میں اس کی تصریح نہیں لیکن واقعات و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عراقی فوج میں امیر معاویہؓ کا مخفی اثر کام کر رہا تھا، اور اس کا ایک حصہ ان کے افسوں کا شکار ہو چکا تھا، چنانچہ جب شامیوں کے مقابلہ کا موقع آیا، عراقیوں نے غداری کا ثبوت دیا، ایک واقعہ اوپر گذر چکا ہے، دوسرا یہ ہے کہ جب حضرت حسنؓ عبید اللہ بن عامر کے مقابلہ میں آئے تو اس نے عراقی فوج میں اعلان کر دیا کہ میں جنگ کرنا نہیں چاہتا، میری حیثیت تو معاویہؓ کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور وہ خود انبار پہنچ چکے ہیں، ابو محمد (حضرت حسنؓ) کو سلام کے بعد میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ خدا کے لیے اپنے اور اپنی جماعت کے حال پر رحم

کریں۔"

یہ پیام سن کر عراقیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا' حضرت حسنؓ نے یہ حال دیکھا تو جنگ کا خیال ترک کر کے مدائن چلے گئے' آپ کے واپس آنے کے بعد عبیداللہ بن عامر نے محاصرہ کر لیا۔ (یہ واقعات اخبار الطوال میں ص ۲۳۰ و ۲۳۲ سے ماخوذ ہیں)

مصالحت اور دست برداری اس میں شبہ نہیں کہ حضرت حسنؓ کے ساتھ جو فوج تھی' اس نے ہر موقع پر غداری کی' لیکن قیس بن سعدؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں جمے ہوئے تھے اور ان کے ماتحت بارہ ہزار سپاہ کٹنے مرنے کے لیے تیار' ابو عریق کا بیان ہے کہ شامیوں کے لیے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا' جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر ہوئی تو شدت غم سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ جائے گی۔ (استیعاب ج ۱ ص ۳۳ و مستدرک حاکم ج ۳ ترجمہ حسنؓ)

آپ کی ہمراہی فوج کے علاوہ چالیس ہزار کوفی آپ کے ایک اشارے پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے۔ (ابن عساکر ج ۲ ص ۲۱۹) خود حضرت حسنؓ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے' جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۰)

لیکن جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہوگا' آپ مسلمانوں کے خون کی قیمت پر خلافت خریدنا نہیں چاہتے تھے' حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آ رہی تھیں' ملک کا امن و امان اٹھ گیا تھا' اس لیے چند شرائط پر آپ امیر معاویہؓ کے حق میں دست برداری کے لیے آمادہ ہو گئے' اور امیر معاویہؓ کے پاس اپنی شرطیں لکھ کر بھیج دیں۔

شرائط صلح مختلف تاریخوں میں شرائط کی دفعات و تفصیلات میں اختلاف ہے۔ دینوری کا بیان اس باب میں زیادہ مستند ہے اور قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے' اس کے بیان کے مطابق مصالحت کی دفعات یہ تھیں۔

(۱) کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے۔

(۲) بلا استثناء سب کو امان دی جائے۔

(۳) اہل عراق کی بد زبانیوں کو انگیز کیا جائے۔

(۴) دار الجبرہ کا پورا خراج حضرت حسنؓ کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

(۵) امام حسینؓ کو دو لاکھ سالانہ دیئے جائیں

(۶) وظائف میں بنو ہاشم کو بنو امیہ پر ترجیح دی جائے۔

امیر معاویہؓ نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں اور اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر اس پر مہر کر کے اکابر شام کی شہادتیں لکھوا کر عبید اللہ بن عامر کے ذریعہ امام حسنؓ کے پاس بھجوا دیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۱)

طبری نے دو روایتیں نقل کی ہیں، پہلی مستند روایت یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے تین شرطیں پیش کیں (۱) کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دے دیا جائے گا۔

(۲) دار الجبرہ کا خراج آپ کے لیے مخصوص کر دیا جائے گا۔

(۳) حضرت علیؓ پر اس طرح بر سر عام سب و شتم نہ کیا جائے کہ حضرت حسنؓ کے کانوں تک پہنچے۔ امیر معاویہؓ نے یہ تینوں شرطیں منظور کر لیں۔ (طبری ج ۷، ص ۲)

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے جو شرطیں لکھ کر بھیجی تھیں ان کے پہنچنے سے قبل ہی، امیر معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ پر مہر کر کے آپ کے پاس بھیج دیا تھا کہ آپ جو شرطیں چاہیں لکھ دیں سب منظور کی جائیں گی، حضرت حسنؓ کو یہ کاغذ ملا تو آپ نے پہلی شرطوں کی دوگنی شرطیں لکھ بھیجیں لیکن امیر معاویہؓ نے انہیں نہیں مانا، اور دست برداری کے بعد کوئی شرط پوری نہیں کی، لیکن یہ بالکل غلط واقعہ ہے، تمام مورخین کا ایفائے عہد پر اتفاق ہے، بلکہ امیر معاویہؓ شرائط کے علاوہ وقتاً" فوقتاً" اور بھی سلوک کرتے رہتے تھے۔

بعض کتابوں میں ایک شرط یہ بھی ملتی ہے کہ "امیر معاویہؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوں گے"۔ لیکن یہ محض گھڑی ہوئی ہے، طبری، یعقوبی، مسعودی، ابن اثیر، کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ آئندہ واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، یہ روایت محض حضرت حسنؓ کے زہر خورانی کے واقعہ کو جس کی تفصیل آئندہ آئے گی، حضرت امیر معاویہؓ کے سر تھوپنے کے لیے گھڑی گئی ہے۔

حضرت حسنؓ کا انتقال امیر معاویہؓ کی زندگی میں کئی برس پہلے ہوا تھا اور زہر کے اثر سے ہوا تھا، اگر یہ شرط مان لی جائے تو زہر خورانی کی نسبت امیر معاویہؓ کی جانب قرین قیاس

ہو جاتی ہے لیکن اگر یہ شرط ہوئی ہوتی تو آئندہ کسی موقعہ پر جو بارہا پیش آئے، کسی کی زبان سے سنی جاتی، لیکن کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا، یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ وغیرہ نے یہ دلیل تو دی کہ یہ طریقہ خلفائے راشدین کے طریقہ کے خلاف ہے، یا قیصر و کسریٰ کی سنت ہے، یہ کسی نے نہیں کہا کہ تمہارے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ تھے، اس لیے اب ان کی اولاد کو ہونا چاہیے، خود حضرت حسینؓ نے اپنے استحقاق اور یزید کی مخالفت میں بہت سی دلیلیں دیں لیکن کسی موقع پر اس شرط کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ یزید کی مخالفت کی یہ بھی ایک دلیل ہو سکتی تھی، بہر حال اس شرط کی تاریخی اور عقلی حیثیت سے کوئی اصل نہیں۔

شرائط کی زبانی تصدیق شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے قیس بن سعد انصاری کو جو امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں تھے، صلح کی اطلاع دے کر انہیں مدائن واپس آنے کا حکم دیا، انہوں نے فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا اب صرف دو صورتیں ہیں، یا بغیر امام کے جنگ جاری رکھیں یا امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کر لیں، یہ فوج بڑی سر فروش تھی، لیکن اس وقت حضرت حسنؓ کے حکم کے خلاف لڑنا مناسب نہ سمجھا، اور جنگ روک کر قیس مدائن چلے آئے اور حضرت حسنؓ کوفہ واپس ہو گئے، آپ کے کوفہ جانے کے بعد امیر معاویہؓ نے یہاں آکر شرائط کی زبانی تصدیق بھی کر دی۔ (اخبار الطوال ص ۲۲۱، ۲۲۲)

مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد امیر معاویہؓ کے دست راست حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان کو مشورہ دیا کہ حسنؓ سے مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان کرا دو تاکہ لوگ خود ان کی زبان سے سن لیں، امیر معاویہؓ کو معلوم تھا، کہ حضرت حسنؓ اپنی خوشی سے دست بردار ہوئے ہیں اور ان کی جانب سے آئندہ کوئی خطرہ نہیں ہے اس لیے انہیں یہ پسند نہیں تھا، مگر عمرو بن العاصؓ کے اصرار پر مجبور ہو کر انہوں نے حضرت حسنؓ سے دست برداری کے اعلان کی درخواست کی، آپ کو کیا عذر ہو سکتا تھا، آپ نے ان الفاظ میں اعلان فرمایا:

> "امابعد، لوگو! خدا نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے. تمہاری خونریزی کرائی، دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ، اور عجز میں سب سے بڑا عجز، بداعمالیاں ہیں، یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے یا وہ

اس کے واقعی حق دار ہیں یا میں ہوں' دونوں صورتوں میں محمد ﷺ کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خون ریزی سے بچنے کے لیے اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔ پھر معاویہؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' یہ خلافت تمہارے لیے چند روزہ سرمایہ ہے۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ بولے بس کیجئے اور عمرو بن العاصؓ سے کہا' تمہارا مقصد حاصل ہو گیا' تم یہی سنوانا چاہتے تھے"۔ (استیعاب واسد الغابہ ترجمہ حسنؓ)

مدینہ کا قیام اس خاتم الفتن دستبرداری کے بعد آپ کوفہ چھوڑ کر مدینتہ الرسولﷺ لوٹ گئے اور تا عمر اپنے جد امجد کے جوار میں بسر کر دی' آپ کی مدت خلافت چھ مہینے سے لے کر سات مہینہ تک ہے آپ کی تخت نشینی کا زمانہ تو رمضان ۴۰ھ متعین ہے لیکن دستبرداری کے زمانہ میں اختلاف ہے' صحیح ہے کہ آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے' اس لحاظ سے آپ کی مدت خلافت چھ ماہ بنتی ہے۔

قیس بن سعدؓ اور امیر معاویہؓ میں مصالحت قیس بن سعد انصاریؓ امیر معاویہؓ کے بڑے مخالف اور حضرت علیؓ کے پر جوش حامیوں میں تھے' یہ عرب کے نامور مدبر تھے اس لیے امیر معاویہؓ شروع سے ان کو ملانے کی کوشش میں تھے' مگر کامیاب نہ ہوئے' جب تک قیس مصر کے حاکم رہے اس وقت تک وہاں امیر معاویہؓ کا زور نہ چل سکا' ان کے ہٹتے ہی مصر ہاتھوں سے نکل گیا' اس کی تفصیل اوپر حضرت علیؓ کے حالات میں گذر چکی ہے' حضرت علیؓ کے بعد قیس اسی طرح حضرت حسنؓ کے وفادار رہے' عراقی فوج کی قیادت ان ہی کے ہاتھوں میں تھی' حضرت حسنؓ کے حکم سے مجبور ہو کر وہ معاویہؓ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن لوٹ تو آئے تھے' لیکن ان کی امارت کسی طرح تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے' ایک جماعت بھی امیر معاویہؓ سے لڑنے کے لیے ان کے ساتھ ہو گئی تھی' اس لیے امیر معاویہؓ کو ان کے ملانے کی بڑی فکر تھی' اور وہ ہر قیمت پر ان سے صلح کے خواہش مند تھے' عمرو بن العاصؓ نے ان سے کہا بھی کہ قیس سے مصالحت کی کوشش نہ کرو' بزور قوت ان کو مطیع بناؤ' انہوں نے جواب دیا کہ ہم آسانی کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے' جب تک شامیوں کی ایک بڑی تعداد کو بھینٹ نہ چڑھا دیں' جب تک ان سے لڑنا ناگزیر نہ ہو جائے گا' اس وقت میں ان سے نہ لڑوں گا' آخر میں امیر معاویہؓ نے ان کے پاس بھی مہر شدہ سادہ کاغذ بھیجا کہ وہ جو شرائط چاہیں لکھ دیں سب منظور کیے جائیں گے' حضرت حسنؓ

دستبردار ہو ہی چکے تھے' قیس بے سہارا کب تک لڑتے' اس لیے آخر میں انہوں نے بھی چند شرائط پر صلح کرلی' امیر معاویہؓ نے ان کی تمام شرطیں منظور کرلیں اور ان کی راہ میں کوئی کانٹا باقی نہ رہ گیا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۳)

مصلحت کے اثرات و نتائج حضرت حسنؓ کی مصالحت کے نتائج ملک و ملت کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے مسلمانوں کی خون ریزی کا سلسلہ جو مدتوں سے چلا آ رہا تھا' بند ہو گیا' ملک میں امن و سکون پیدا ہوا اور جو طاقت خانہ جنگی میں پارہ پارہ ہو رہی تھی' وہ پھر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی' اور بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح و ترقی کا سلسلہ شروع ہو گیا' اس لیے اس سنہ کو "عام الجماعۃ" یعنی اتفاق و اتحاد کا سال کہتے ہیں۔ لیکن شیعان علیؓ کی جانب سے حضرت حسنؓ کو بڑی سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا' وہ آپ کو مذل المومنین (مسلمانوں کو رسوا کرنے والے) مسود وجوہ المومنین (مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے) "عار المسلمین" ننگ مسلمین کے القابات سے یاد کرتے تھے' آپ نے نہایت صبر و سکون کے ساتھ ان تمام گستاخیوں کو برداشت کیا لیکن کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔

وفات دستبرداری کے ۹ سال بعد ۵۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا' آپ کی موت کے سبب کے متعلق مشہور بیان یہی ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا' بعض روایتوں میں ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارہ سے دیا گیا تھا' لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے' یہ امیر کے مخالفین کا پروپیگنڈا ہے' ہم نے سیر الصحابہ کے چھٹے حصہ میں مفصل بحث کی ہے لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی تھی' زہر نہایت قاتل تھا' اس لیے زہر کھاتے ہی صاحب فراش اور زندگی سے مایوس ہو گئے' حضرت امام حسینؓ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا' آپ نے زہر دینے والے کا نام پوچھا' فرمایا نام پوچھ کر کیا کرو گے' عرض کیا قتل کروں گا' فرمایا اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے۔ اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔

آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی' حضرت عائشہؓ سے اس کی اجازت مانگ بھیجی' آپ نے نہایت مسرت سے مرحمت فرمائی' حضرت حسنؓ نے احتیاطاً پھر وصیت کر دی کہ میرے بعد دوبارہ اجازت لینا' ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے

دے دی ہو' اگر اس وقت بھی وہ اجازت دے دیں تو روضہ نبوی میں دفن کرنا' مجھ کو خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے' اگر یہ صورت پیش آئے تو روضہ نبویؐ میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گور غریباں میں دفن کر دینا۔ (استیعاب ج ۱ ص ۱۳۵ و مروج الذہب ج ۲ ص ۸۰) زہر کھانے کے تیسرے دن باختلاف روایت ۵۰ھ یا ۴۹ھ میں انتقال فرمایا۔

جنازہ پر جھگڑا وفات کے بعد وصیت کے مطابق حضرت امام حسینؓ نے دوبارہ حضرت عائشہؓ سے اجازت چاہی' آپ نے اسی فراخ دلی سے مرحمت فرمائی' لیکن بنی امیہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا' مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا حسنؓ کسی طرح روضہ نبویؐ میں دفن نہیں کیے جا سکتے' ان لوگوں نے عثمانؓ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسنؓ کو دفن کرنا چاہتے ہیں' یہ نہیں ہو سکتا' حضرت حسینؓ بزور دفن کرنے پر آمادہ ہو گئے اور قریب تھا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تلواریں چل جائیں کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ پہنچ گئے اور چلائے کہ "یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہؐ کو نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے"۔ پھر حضرت حسینؓ کو حضرت حسنؓ کی وصیت یاد دلائی' کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا' اس یاد دھانی پر حضرت حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا' سعید بن العاص والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اقلیم صلح و مسالمت کے تاجدار اور حلم و بردباری کے پیکر کو اس کی ماں حضرت فاطمہؓ زہرا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ (استیعاب و اسد الغابہ ترجمہ حسن بن علیؓ)

ماتم حضرت حسنؓ اپنے خلق عظیم کی بنا پر اتنے محبوب و مقبول تھے کہ ان کی وفات پر سارے مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی' بازار بند ہو گئے' گلیوں میں سناٹا چھا گیا' بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا' حضرت ابوہریرہؓ مسجد نبویؐ میں فریاد و فغاں کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ "لوگو! آج خوب رو لو رسول اللہ ﷺ کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۹)

جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ مدینہ میں اس کی مثال نہ ملتی تھی' ایک شریک جنازہ کا بیان ہے کہ اگر سوئی پھینکی جاتی تو کثرت اژدحام سے زمین پر نہ گر سکتی تھی۔

(تہذیب الکمال ص ۸۹)

حلیہ حضرت امام حسنؓ صورت اور سیرت دونوں میں ذات نبویؐ کی تصویر تھے۔

ازواج و اولاد آپ نے بکثرت شادیاں کیں، عام روایتوں کے مطابق تو آپ کی بیویوں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے، لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کے حبالہ عقد میں بہت سی عورتیں آئیں، ان سے آٹھ لڑکے تھے، حسن، زید، عمر، ابوبکر، قاسم، عبدالرحمن، طلحہ، عبیداللہ۔

حضرت حسنؓ کا عظیم الشان کارنامہ دنیا کے تمام حکمرانوں کے کارنامے حکومت کے استحکام فتوحات کی وسعت اور فوجوں کی کثرت کے معیار سے جانچے جاتے ہیں، اس معیار کو ذرا اور اونچا اور موجودہ مذاق کے مطابق کر دیا جائے تو ملک و قوم کی اصلاح و ترقی اس کا پیمانہ ہو جائے گا، اس سے زیادہ کوئی معیار نہیں لیکن حسنؓ نے دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کیا، آپ نے نہ حکومت کی بنیاد مضبوط کی، نہ ممالک فتح کیے، نہ فوج و خزانہ جمع کیا، بلکہ ان تمام چیزوں اور ایک ایسی عظیم الشان حکومت کو جس کا ایک سرا سندھ تھا اور دوسرا جبرالٹر مسلمانوں کے خون سے بچنے اور امت کی صلاح و فلاح کے لیے چھوڑ دیا، یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے تاریخ پیش کر سکتی ہے، حکومت کے بقاء و تحفظ اور اس کی توسیع کے لیے تو دنیا کا ہر فرمانروا جنگ کرتا ہے بلکہ قصر حکومت کی تعمیر ہی جنگ کی ہولناکی اور انسانی خون سے ہوتی ہے اپنی قوم کے چند انسانوں کے خون سے بچنے کے لیے تخت حکومت کو چھوڑ دینا تاریخ کے نادر واقعات میں سے ہے۔

ظاہری حالات سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر حکومت چھوڑی واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ہوا خواہوں میں سے ہر شخص دست برداری کے خلاف تھا، چنانچہ جس وقت آپ نے دست برداری کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت حسینؓ نے عرض کیا، خدارا معاویہؓ کی تصدیق کر کے والد کو قبر میں نہ جھٹلایئے، آپ نے فرمایا تم خاموش رہو، میں معاملات کو تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۱)

اس چند ہزار سپاہ کے سوا جس نے کسی مخفی اثر کے تحت میں غداری کی تھی، باقی سارا عراق آپ کے ساتھ تھا، عرب کے نامور مدبر قیسؓ بن سعد انصاری آپ کے مقدمتہ الجیش کی کمان کر رہے تھے اور آخر تک امیر معاویہؓ کے مقابلہ سے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے، ان

کے علاوہ چالیس ہزار آدمی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے۔ (ابن عساکر ج ۳ ص ۲۱۹) بلکہ سارا عرب آپ کے ساتھ تھا اور صلح و جنگ میں آپ کے حکم کے تابع تھا۔ (مستدرک ج ۳ ص ۱۷۰)

لیکن مسلمانوں کی پچھلی خونی تاریخ آپ کی نگاہوں کے سامنے تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے خانہ جنگی اور خون ریزی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ کسی طرح بند ہونے میں نہ آتا تھا، مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی ملک میں بد امنی بپا تھی، آپ نے دیکھا کہ تخت حکومت کی قیمت میں آپ کو بھی ہزاروں مسلمانوں کی جان ادا کرنا پڑے گی، یہ سودا آپ کے لیے بہت گراں تھا، آپ کے نزدیک مسلمانوں کا خون خلافت و حکومت سے زیادہ عزیز تھا، اس لیے امت کی بھلائی کے لیے آپ نے اس عظیم الشان منصب کو چھوڑ دیا۔

سب سے پہلی مرتبہ آپ نے جب اپنے عزیز خاص حضرت جعفر طیارؓ کے صاحبزادے سے دست برداری کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا سبب یہ بتایا کہ "میں نے ایک رائے قائم کی ہے امید ہے کہ تم بھی اس کی تائید کرو گے، ملک میں فتنہ و فساد برابر بڑھتا جاتا ہے، خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں، عزیز کو عزیز کا پاس نہیں، قطع رحم کی گرم بازاری ہے، راستے خطرناک ہو رہے ہیں سرحدیں بیکار ہو گئی ہیں اس لیے میں خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ چلا جانا چاہتا ہوں۔ (ابن عساکر ج ۳ ص ۲۲۱، ۲۲۲)

ایک موقع پر جب کہ بعض لوگوں نے آپ کو خواہش خلافت سے متہم کیا تھا، آپ نے فرمایا "عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے، جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے، لیکن میں نے خالصتاً" للہ اور مسلمانوں کے خون سے بچنے کے لیے خلافت چھوڑ دی"۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۷۰)

جو لوگ اس دست برداری کے خلاف تھے، وہ طرح طرح کے خطابات سے آپ کو یاد کرتے۔ "مذلل المومنین" مسلمانوں کو رسوا کرنے والے، آپ کا لقب ہو گیا تھا، آپ جواب میں فرماتے "میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا، البتہ ملک کی ہوس میں مسلمانوں کی خون ریزی پسند نہیں کی"۔ (استیعاب و مستدرک، تذکرہ حسنؓ)

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' اور وہ سات مہینہ حجاز' یمن' عراق اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے' اس کے بعد معاویہؓ ان کے مقابلہ کے لیے اٹھے"۔ حضرت حسنؓ بھی نکلے' جب دونوں کا سامنا ہوا تو حضرت حسنؓ کو اس کا اندازہ ہوا کہ جب تک مسلمانوں کی بڑی تعداد کام نہ آ جائے گی اس وقت تک کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے اس لیے چند شرائط پر وہ امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی اس پیش گوئی کی تصدیق ہو گئی کہ میرا یہ لڑکا سردار ہے خدا اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائے گا۔ (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۵۹)

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا شروع ہی سے جنگ کا ارادہ نہ تھا' طبری کا بیان ہے کہ آپ کا ارادہ جنگ کا تھا ہی نہیں بلکہ شروع سے آپ نے قصد کر لیا تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آئی تو امیر معاویہؓ سے اپنا گزارہ مقرر کرا کے ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جائیں گے۔ (طبری ج ۷ ص ۱)

فضل و کمال حضرت حسنؓ حضرت علیؓ جیسے مجمع العلم کے فرزند تھے' اور اسی گہوارہ علم میں آپ نے پرورش پائی تھی' اس لیے آپ کو بھی اپنے اسلاف کی علمی وراثت سے حصہ ملا تھا۔

حدیث میں آپ کی روایات کی تعداد کل تیرہ ہے جن میں سے اکثر حضرت علیؓ سے مروی ہیں' آپ کے زمرہ رواۃ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام بھی ہے' فقہ میں آپ کو اتنا درک تھا کہ مدینہ کی صاحب علم و افتاء جماعت کے ایک رکن تھے (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲) خطابت میں آپ کو کوئی امتیازی کمال حاصل نہ تھا' آپ کی طبیعت کی مناسبت سے آپ کے خطبات' متانت سنجیدگی اور پند موعظت کی کتب ہوتے تھے' جس کے بعض نمونے اوپر گذر چکے ہیں' شاعری سے ذوق تھا' ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

فضائل اخلاق مکارم اخلاق میں آپ خلق رسول' کا نمونہ تھے۔

استغنا و بے نیازی آپ کے فضائل اخلاق میں استغناء و بے نیازی سرفہرست ہے۔ خلافت جیسے جلیل القدر منصب سے دست بردار ہو کر استغناء و بے نیازی کا جو بلند نمونہ

آپ نے پیش کیا وہ تاریخ میں بے مثل ہے۔

حلم آپ کا دوسرا امتیازی وصف ضبط و تحمل ہے آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور درشت کلمہ سے آلودہ نہ ہوئی، انتہائی غصہ کی حالت میں بھی کسی کے متعلق "رغف انفہ" (اس کی ناک خاک آلود ہو) سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۹)

دست برداری کے بعد مخالفین آپ کے رو در رو "مسلمانوں کے رسوا کرنے والے" اور ننگ مسلمین کہتے تھے، آپ صرف اس قدر جواب دیتے کہ میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا، البتہ حکومت کے لیے ان کی خون ریزی پسند نہیں کی۔

مروان بر سر عام منبر پر حضرت علیؓ کو برا بھلا کہتا تھا، حضرت حسنؓ سن کر پی جاتے تھے، اور کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۸۹) ایک مرتبہ دونوں میں گفتگو ہو رہی تھی، مروان نے آپ کی شان میں نہایت درشت کلمات استعمال کیے آپ سن کر خاموش ہو گئے، (تاریخ الخلفاء ص ۱۸۹) آپ کے اس ضبط و تحمل کا مروان جیسے شخص پر بھی اتنا اثر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد روتا تھا، حضرت حسینؓ نے اس سے فرمایا، اب روتے ہو؟ ان کی زندگی میں تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا مروان نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا، میں نے جو کچھ کیا، اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا۔ (ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۹)

عبادت خدا کی عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی، امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے، اس نے آپ کے یہ معمولات بتائے۔ "فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر رہتے ہیں، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں، دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنین کے سلام کو جاتے ہیں اور گھر ہوتے ہوئے پھر مسجد آ جاتے ہیں (ابن عساکر ج ۴ ص ۲۰۶)

سواریوں کے ہوتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے ہیں، متعدد حج پاپیادہ کیے، فرماتے کہ مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پیادہ نہ گیا ہوں۔

(تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۵۸)

اصلاح عقائد دین کی بنیاد عقائد کی صحت پر ہے، اسی زمانہ سے اہل بیت کی غلط محبت کے دعویداروں نے اہل بیت کے نام سے مذہب میں خرافات داخل کرنا شروع کر دیے

تھے جب آپ کو اس قسم کے فاسد عقاید کی اطلاع ہوتی تو آپ اس کی تردید فرماتے تھے' شیعان علیؓ کی ایک جماعت کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی اور قیامت سے پہلے وہ زندہ ہو جائیں گے' حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا یہ لوگ جھوٹے ہیں' ایسے لوگ ہرگز شیعہ نہیں ہو سکتے' اگر ہم کو اس کا یقین ہوتا کہ علیؓ عنقریب ظاہر ہوں گے تو ہم نہ ان کی میراث تقسیم کرتے اور نہ ان کی بیویوں کا عقد ثانی ہونے دیتے۔ (طبقات ابن سعد تذکرہ علی بن حسینؓ)

فیاضی و شیر چشمی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کا خاندانی وصف تھا' آپ بھی اپنی دولت خدا کی راہ میں بڑی دریا دلی سے صرف کرتے تھے' عمر میں تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا آدھا خدا کی راہ میں تقسیم کر دیا اور تنصیف میں اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی دے دیا۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳)

آپ کے دوست و دشمن دونوں آپ کی فیاضی سے یکساں متمتع ہوتے تھے' ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے ایک دشمن کے پاس زاد راہ سواری نہ تھی' اس نے اہل مدینہ سے سوال کیا' لوگوں نے حضرت حسنؓ کا پتہ دیا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے دونوں چیزوں کا انتظام کر دیا بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ اپنے اور اپنے والد کے دشمن کے ساتھ سلوک کرتے ہیں؟ فرمایا کیا ان سے اپنی آبرو نہ بچاؤں (ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۴) اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں ہیں۔

اہل حاجت کی حاجت برآری حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کو نفل عبادت پر ترجیح دیتے تھے' ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے' ایک حاجت مند آپ کے پاس آیا' آپ نے اعتکاف کے دائرہ سے نکل کر اس کی ضرورت پوری کر دی' اور فرمایا میرے نزدیک کسی بھائی کی حاجت پوری کرنا ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔

(ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۳)

تاریخ اسلام حصہ دوم

بنی امیہ

خلافت راشدہ کے بعد خاندان بنی امیہ کی حکومت قائم ہوئی، اس کے قیام کے حالات اس کتاب کے پہلے حصہ میں گزر چکے ہیں، اس جلد میں اس حکومت کی تاریخ ہو گی۔

خاندان بنی امیہ قبیلہ قریش کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں، بنی ہاشم، بنی امیہ، بنی نوفل، بنی عبددار، بنی اسد، بنی تیم، بنی مخزوم، بنی عدی، بنی جمح اور بنی سہم، یہ دسوں شاخیں نسبی اعزاز میں قریب قریب برابر تھیں، ان سب میں قریش کے نظام اجتماعی کا کوئی نہ کوئی عہدہ تھا۔

لیکن بنی ہاشم اور بنی امیہ دنیاوی وجاہت اور عظمت و شان میں ان سب میں ممتاز تھے، بنی ہاشم تولیت کعبہ کی وجہ سے سارے عرب میں معزز اور محترم سمجھے جاتے تھے، اور بنو امیہ کو امارت اور کثرت تعداد کی بناپر عظمت و شان حاصل تھی۔

ان دونوں شاخوں کی بنیاد عبد مناف سے پڑتی ہے، یہ قصی کی اولاد میں بڑے نامور تھے، ان کے متعدد اولادیں تھیں، جن میں ہاشم اور عبد شمس بڑے نامور تھے، انہی سے یہ دونوں خاندان چلے۔ بنی امیہ کے مورث اعلیٰ امیہ عبد شمس کے لڑکے تھے، بنی عبد مناف کی عظمت انہی دونوں سے وابستہ تھی۔

ابتداء میں قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ بنی مخزوم میں تھا، لیکن عبد شمس کے زمانے سے یہ منصب بنی امیہ میں منتقل ہو گیا تھا، اور پھر ان کی نسل میں اس کا سلسلہ چلا، عکاظ، فجار اول، فجار دوم اور ذات نکیف کی لڑائیوں میں جو زمانہ جاہلیت میں قریش اور دوسرے

خاندانوں کے درمیان ہوئیں عبد شمس کے پوتے حرب بن امیہ سپہ سالار تھے۔

(عقد الفرید ج ۲ ص ۳۱)

حرب کے بعد ان کے لڑکے ابو سفیان اس عہدہ پر سرفراز ہوئے‘ ظہور اسلام کے زمانہ میں یہی سپہ سالار تھے‘ قریش اور مسلمانوں کی پہلی جنگ بدر میں ابوسفیان قریش کے کاروان تجارت کے ساتھ گئے ہوئے تھے اس لیے ان کے بجائے عتبہ بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض انجام دیئے تھے‘ اس کے بعد احد اور غزوہ احزاب وغیرہ میں ابو سفیان حسب معمول اس عہدہ پر تھے۔ (تاریخ مکہ ازرقی ج اول ص ۶۶)

ابو سفیان کی اسلام دشمنی کا ایک سبب ان کے عہدہ کی ذمہ داری بھی تھی مسلمانوں کے علاوہ اگر کسی اور جماعت سے قریش کا مقابلہ ہوتا تو ان کے مقابلہ میں بھی ابو سفیان کی یہی سرگرمی ہوتی۔ قریش کے اور خانوادوں کی طرح بنی امیہ بھی تجارت پیشہ تھے ان کا بڑا وسیع کاروبار تھا‘ مصر و شام تک ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی‘ ہرقل فرمانروائے مصر کے نام جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کا خط لکھا تھا‘ اس زمانہ میں ابو سفیان تجارت کے سلسلہ میں مصر میں موجود تھے۔ چنانچہ ہرقل نے آنحضرت ﷺ کے متعلق انہی سے تحقیقات کی تھی۔ (بخاری کے مختلف ابواب میں اس کی پوری تفصیل ہے)

تجارت کے شغل کی وجہ سے بنی امیہ بڑے صاحب ثروت تھے‘ اور ان کی ثروت قومی کاموں میں صرف ہوتی تھی‘ جنگ فجار کی صلح میں حرب بن امیہ نے مقتولین کی دیت اپنے پاس سے ادا کی تھی‘ اس میں انہیں اتنی زیر باری ہوئی کہ اپنے لڑکے ابو سفیان کو رہن رکھنا پڑا۔ (ابن اثیر ج ۱ ص ۲۱۷)

دو ممتاز اور برابر کے خاندانوں کی طرح بنی امیہ اور بنی ہاشم میں بھی چشمک تھی‘ مگر ظہور اسلام کے قبل تک چونکہ دونوں کی دنیاوی وجاہت و اعزاز میں کوئی بڑا فرق نہ تھا‘ اس لیے یہ چشمک ہلکی تھی‘ لیکن جب خدا نے بنی ہاشم کو نبوت کے شرف سے نوازا اور بنو امیہ کے مقابلہ میں ان کا پلہ بھاری ہو گیا تو بنی امیہ کی چشمک تیز ہو گئی‘ اور چونکہ فوج کی سرداری بنی امیہ میں تھی اس لیے ان کی مخالفت زیادہ نمایاں ہوئی‘ ورنہ بنو امیہ کو بنی ہاشم یا آنحضرت ﷺ کے ساتھ کوئی خاندانی منافرت نہ تھا‘ البتہ وہ عام سرداران قریش کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔

تاہم دونوں خاندانوں میں باہم جو قدیم رشتہ داریاں اور عزیزانہ تعلقات تھے، وہ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں قائم رہے، خود آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ ابو العاصؓ ابن ربیع اموی کو بیاہی ہوئی تھیں، حضرت عثمانؓ کے ساتھ یکے بعد دیگرے آپؐ کی دو صاحبزادیاں منسوب ہوئیں، خود ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔ ابو سفیان مسلمانوں کے سب سے بڑے مخالف تھے، لیکن حضرت عباسؓ سے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے، فتح مکہ کے بعد حضرت عباسؓ ہی نے انہیں لے جا کر عفو تقصیر کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا بلکہ ابو سفیان کی حمایت میں، ان میں اور حضرت عمرؓ میں جھڑپ بھی ہو گئی تھی، بنی امیہ میں حضرت عثمانؓ بھی تھے جن کی ساری دولت اسلام کے دور عسرت میں اس کی خدمت کے لیے وقف تھی، البتہ یہ ضرور ہے کہ بنی امیہ کے اکثر ارکان اسلام کے غلبہ تک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رہے۔

فتح مکہ کے بعد جب کفار قریش کا زور ٹوٹا، اس وقت قریش کے اکثر خانوادوں کی طرح بنی امیہ نے بھی اسلام قبول کیا، حضرت عباسؓ نے ابو سفیان کو لے جا کر بارگاہ نبوی میں پیش کیا انہوں نے اسلام قبول کیا، ان کے دماغ میں ریاست کی بو تھی اور فخر پسند آدمی تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کا اعزاز بڑھانے کے لیے ان کے گھر کو بیت الامن قرار دیا، کہ جو شخص ان کے گھر میں چلا جائے وہ مامون ہے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۶) ان کے بیٹے معاویہؓ کو کاتب وحی بنایا، ابو سفیان کی تالیف قلب کے لیے ان کو حنین کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ عطا فرمائے۔

فتح مکہ کے بعد اموی خاندان کے ایک رکن عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا عامل مقرر کیا، اور فرمایا عتاب تم کو معلوم ہے کن لوگوں کا میں نے تم کو عامل بنایا ہے؟ اہل اللہ کا، اگر مکہ والوں کے لیے تم سے زیادہ موزوں آدمی نظر آتا تو اس کو بناتا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس خاندان کے اعزاز کا خیال رکھا چنانچہ شام کی فوج کشی میں ابو سفیان کے بیٹے یزید کو فوج کے ایک حصہ کا سردار بنایا، ان لوگوں نے بھی تلافی مافات کی پوری کوشش کی اور گذشتہ لغزشوں کا حق ادا کر دیا، شام کے جملہ میں ابو سفیان کا پورا گھرانہ، وہ خود، ان کے دونوں بیٹے یزیدؓ و معاویہؓ ان کی بیوی ہندہ تک شریک تھیں، وہ میدان جنگ میں مسلمانوں کو ابھارتی تھیں، (اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۵۸) شام

کی لڑائیوں میں آل ابی سفیان نے بڑے کارنامے دکھلائے۔

دمشق کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے یزیدؓ کو یہاں کا حاکم بنایا' چند ہی دنوں کے بعد عمواس کے تاریخی طاعون میں ان کا انتقال ہو گیا' تو ان کی جگہ ان کے بھائی معاویہؓ کو مقرر کیا' حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں ان کو پورے صوبہ شام کا والی بنایا' ان دونوں زمانوں خصوصاً عہد عثمانی میں امیر معاویہؓ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے' اس کے حالات جلد اول میں گزر چکے ہیں۔

غرض بنی امیہ کا گھرانہ ہر دور میں نہایت ممتاز تھا' حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جس طرح امیر معاویہؓ کو خلافت ملی' اس کی تفصیل اس کتاب کے پہلے حصہ میں گذر چکی ہے' اس کا اجمالی ذکر اس کتاب میں بھی آئے گا۔

بنی امیہ کی حکومت قریب قریب ایک صدی تک رہی اور اس میں بارہ فرمانروا ہوئے' ذیل کے شجرہ سے ان کا نقشہ معلوم ہو گا۔

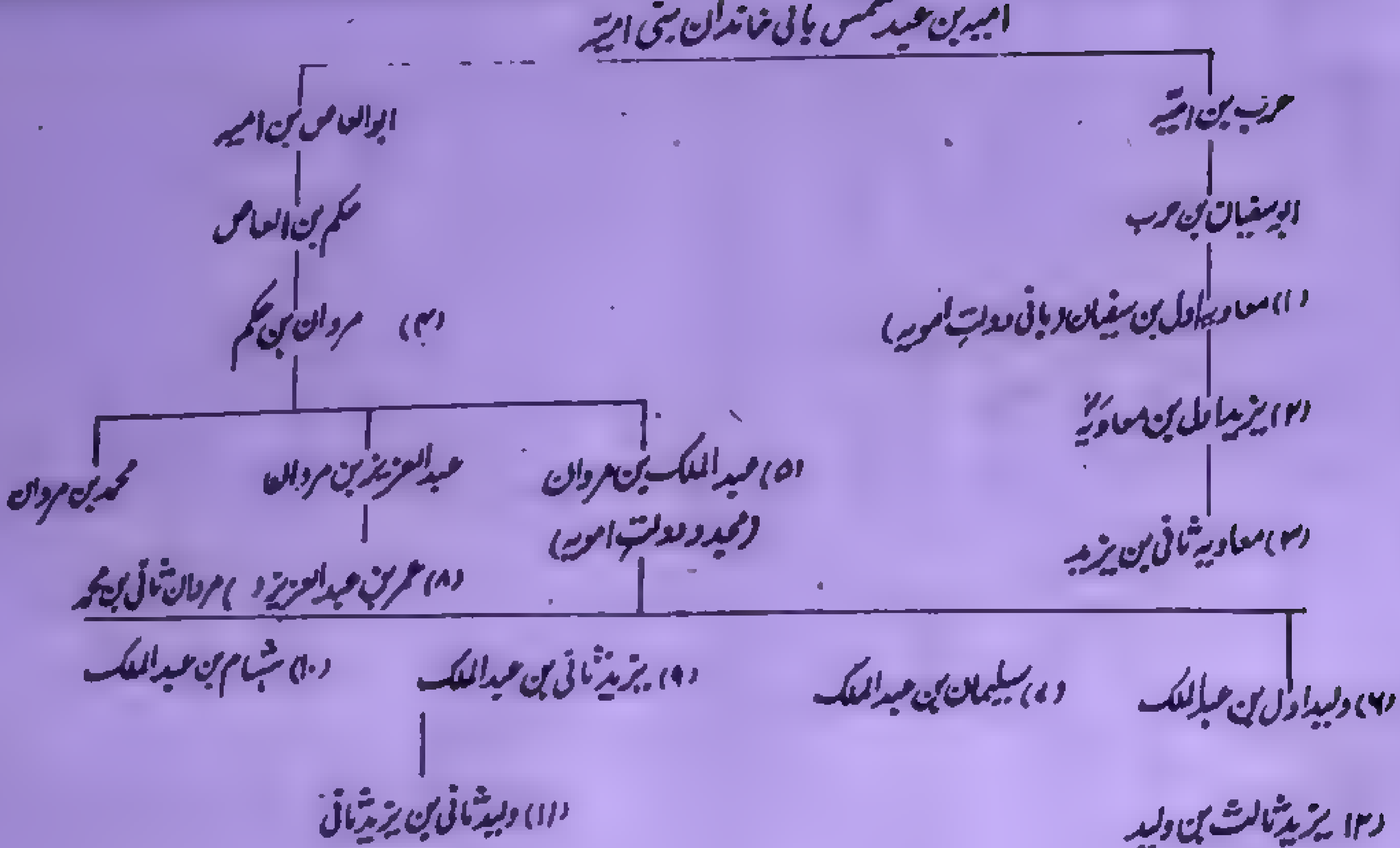
امیہ بن عبد شمس بانی خاندان بنی امیہ
حرب بن امیہ
ابوسفیان بن حرب
(۱) معاویہ اول بن سفیان (بانی دولت امویہ)
(۲) یزید اول بن معاویہ
(۳) معاویہ ثانی بن یزید
ابوالعاص بن امیہ
حکم بن العاص
(۴) مروان بن حکم
(۵) عبدالملک بن مروان (مجدد دولت امویہ)
عبدالعزیز بن مروان
محمد بن مروان
(۸) عمر بن عبدالعزیز
(۱۴) مروان ثانی بن محمد
(۶) ولید اول بن عبدالملک
(۷) سلیمان بن عبدالملک
(۹) یزید ثانی بن عبدالملک
(۱۰) ہشام بن عبدالملک
(۱۱) ولید ثانی بن یزید ثانی
(۱۲) یزید ثالث بن ولید

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (بانی دولت امویہ)

(۴۱ھ تا ۵۹ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۶۷۹ء)

ترجمہ معاویہؓ حضرت معاویہؓ ابو سفیان بن حرب کے بیٹے تھے' ان کا نسب پانچویں پشت عبد مناف پر رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے' نسب نامہ یہ ہے'

معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ابن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اموی قریشی۔

ظہور اسلام کے زمانہ میں امیر معاویہؓ کے والد ابو سفیان سپہ سالاری کے عہدہ پر تھے' اس لیے کفار مکہ اور مسلمانوں کی لڑائیوں میں وہ پیش پیش رہتے تھے' لیکن معاویہؓ کا نام اس سلسلہ میں کہیں نظر نہیں آتا غالباً اس کا سبب ان کی کم سنی تھی' فتح مکہ میں اپنے والد کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے یہ حیات نبویؐ کا آخری زمانہ تھا' اس لیے امیر معاویہؓ کو زیادہ صحبت و خدمت کا موقع نہ مل سکا البتہ کتابت وحی کی خدمت انجام دیتے تھے۔

ان کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقیؓ سے ہوتا ہے' شام کی فوج کشی میں ان کا پورا گمر شریک تھا' ان کے بھائی یزیدؓ بن ابی سفیانؓ فوج کے ایک حصے کے افسر تھے' ان کے ساتھ امیر معاویہؓ کو بھی کارنامے دکھانے کا موقع ملا' اور بعض موقع پر انہوں نے فوج کی قیادت کے فرائض بھی انجام دیے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳)

صیدا' عرقہ اور بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی مہم میں یزید کی ماتحتی میں مقدمتہ الجیش کی کمان معاویہؓ کے ہاتھوں میں تھی' عرقہ تمام تر انہی کی کوششوں سے فتح ہوا' (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۳) ساحلی علاقہ کے بہت سے قلعے فتح کیے' قیساریہ کا معرکہ جس میں اسی ہزار رومی مارے گئے تھے انہی نے سر کیا تھا' (طبری ص ۲۳۹۷)

۱۸ھ میں جب ان کے بھائی یزیدؓ کا انتقال ہو گیا' اس وقت حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ معاویہ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں ان کو پورے شام کا والی بنا دیا۔ اس دور میں انہوں نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے' جس کی تفصیل اس کتاب کے پہلے حصہ میں گزر چکی ہے اس لیے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں' مختصر یہ کہ

اپنے دور امارت میں معاویہؓ نے شام کے تمام سرحدی علاقوں کو فتح کر کے اس کو رومیوں کے حملہ سے محفوظ کر دیا۔ طرابلس الشام انہی کے دور میں فتح ہوا، عموریہ پر فوج کشی ہوئی، ملطیہ پر قبضہ ہوا، حضرت عثمانؓ کی اجازت سے بحری بیڑا قائم کر کے جزیرہ قبرص فتح کیا، یہ بیڑا اس دور کے عظیم الشان بیڑوں میں تھا، پہلے رومیوں کے بحری حملوں کا مسلمانوں کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اس بیڑے سے مسلمانوں کی بحری طاقت بھی مضبوط ہو گئی۔

(فتوح البلدان ص ۴۰)

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کے خون کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھے، حضرت علیؓ سے مقابلہ ہوا، دونوں میں مدتوں جنگ جاری رہی، آخر میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاص حکم قرار پائے، ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا، لیکن عمرو بن العاصؓ نے حضرت علیؓ کو تو معزول کر دیا لیکن امیر معاویہؓ کو برقرار رکھا، حضرت علیؓ نے اس نا منصفانہ فیصلہ کو نہ مانا اور پھر امیر معاویہؓ سے لڑنے کے لیے آمادہ ہوئے لیکن آپ کی فوج نے ساتھ نہ دیا، اور امیر معاویہؓ شام کے آزاد حکمران ہو گئے، اس کے بعد حضرت علیؓ کی شہادت تک امیر معاویہؓ شام اور مغرب کے اور حضرت علیؓ ایران اور عراق وغیرہ مشرقی ملکوں کے حکمران رہے۔

حضرت علیؓ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ جانشین ہوئے ان کی تخت نشینی کے بعد امیر معاویہؓ نے عراق پر فوج کشی کر دی، حضرت امام حسنؓ مقابلہ کے لیے نکلے، لیکن عراقیوں نے کمزوری دکھائی، امام حسنؓ بڑے نرم خو، حلیم و بردبار تھے، جنگ و جدال اور خون ریزی سے ان کو طبعی نفرت تھی، انہوں نے دیکھا کہ بغیر ہزاروں مسلمانوں کا خون بہے ان کی خلافت قائم نہیں رہ سکتی، اس لیے امیر معاویہؓ سے اپنا گذارہ مقرر کرا کے ان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ ان سب کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

خلافت

حضرت امام حسنؓ کی دستبرداری کے بعد ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ سارے عالم اسلام کے خلیفہ ہو گئے، انہوں نے اپنے زمانہ میں تمام اندرونی و بیرونی مخالف طاقتوں کا قلع قمع کیا اسلامی حکومت کا رقبہ بڑھایا اور اس کو مختلف حیثیتوں سے ترقی دی، ان کے زمانہ میں مسلمانوں میں تین سیاسی پارٹیاں تھیں۔

شیعان علیؓ یہ خلافت کو صرف اہل بیت کا حق سمجھتے تھے اور حضرت علیؓ کے حامی اور امیر معاویہؓ کے سخت مخالف تھے، لیکن حضرت امام حسنؓ کی دست برداری کے بعد ان کی ہمت پست ہو چکی تھی، اس لیے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں زیادہ تر خاموش رہے، اگر کہیں کسی معمولی سازش کا پتہ چلا تو فوراً اس کا تدارک ہو گیا، کوئی شورش و انقلاب کی صورت نہ پیدا ہونے پائی۔

شیعان بنی امیہ یہ گروہ بنی امیہ کا حامی تھا۔

خارجی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو گمراہ اور ان کے حامیوں کو مباح الدم سمجھتے تھے۔ یہ اپنے عقاید میں بڑے پختہ اور بڑے بہادر اور جانباز تھے۔

خارجیوں کی شورش یہ تیسرا گروہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بڑے زور شور سے اٹھا اور ۴۱ھ میں ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل نے کوفہ کے قریب علم بغاوت بلند کیا، امیر معاویہؓ نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں، فروہ نے انہیں شکست دی، امیر معاویہؓ کا گمان تھا کہ اس میں اہل کوفہ کا بھی ہاتھ ہے اس لیے انہوں نے ان کو بھی لکھ بھیجا کہ

"اس کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے اگر تم لوگ فروہ کو گرفتار کر کے حوالہ نہ کرو گے تو اس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑے گا"۔

اس حکم پر اہل کوفہ نے اسے گرفتار کر لیا، اس کی گرفتاری کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن ابی الجوساء کو سردار بنا لیا، کوفیوں نے اسے بھی قتل کر دیا، اس کے قتل کے بعد جوثرہ بن وداع نے اس کی جگہ لی۔ امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن عوف کو مقابلہ کے لیے

بھیجا، جوثرہ مارا گیا لیکن خارجیوں کی جانبازی میں کوئی فرق نہ آیا، ایک سردار مارا جاتا تو فوراً دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا، اس طرح ان کی شورش کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔

خارجیوں کا زور دیکھ کر امیر معاویہؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کو جو بڑے آزمودہ کار اور نامور مدبر تھے، خارجیوں کی طاقت توڑنے کے لیے کوفہ کا والی مقرر کیا، ان کے آنے کے بعد بھی کچھ دنوں تک خوارج کی شورش قائم رہی، اور شبیب بن بجرہ، معین بن عبداللہ، ابی مریم اور ابی لیلیٰ وغیرہ اٹھے لیکن مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک سال کے اندر ان کا زور توڑ دیا۔

کچھ دنوں تک امن رہا، ۴۳ھ میں ایک خارجی سردار مستورد بن علقمہ نے خفیہ سازش کی یکم شوال ۴۳ھ کو جب لوگ نماز عید کے لیے جائیں تو دفعتہً حملہ کر دیا جائے، مغیرہ بن شعبہؓ کو اس کی خبر مل گئی انہوں نے فوراً اس کا تدارک کیا اور جس گھر میں یہ سازش ہو رہی تھی، اس کا محاصرہ کرا لیا، مستورد تو نکل گیا اور اس کی جماعت کے چند آدمی گرفتار کر کے قید کر دیے گئے۔۔۔۔ مغیرہ بن شعبہ طبعاً خون ریزی پسند نہ کرتے تھے اور آخری درجہ پر تلوار اٹھاتے تھے، چنانچہ انہوں نے اہل کوفہ کو جمع کر کے حسب ذیل تقریر کی۔

> "لوگو! میں ہمیشہ تمہارے لیے عافیت پسند کرتا ہوں اور تکلیفوں اور مصیبتوں کو تم سے روکتا ہوں، مجھ کو خطرہ ہے کہ میرے اس طرز عمل سے احمق لوگ بد آموز نہ ہو جائیں، البتہ اچھے اور حلیم لوگوں سے اس کی امید نہیں ہے، خدا کی قسم مجھے ڈر ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ، بھلے اور ناکردہ گناہ لوگوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں، اس سے پہلے کہ تم پر کوئی عام مصیبت آئے اپنے احمقوں کو روکو، مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ نفاق اور مخالفت کا بیج بو رہے ہیں، خدا کی قسم وہ لوگ عرب کے جس قبیلہ سے ہوں گے میں ان کو ہلاک کر ڈالوں گا اور ان کو ان کے بعد والوں کے لیے عذاب کا نمونہ بناؤں گا"۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۰)

ان کی اس ایک تقریر پر ایک سردار معقل بن قیس نے کہا، آپ ایسے لوگوں کا ہم کو پتہ بتایئے اگر وہ ہماری جماعت سے ہیں تو آپ اطمینان رکھیں، ہم خود اس کا تدارک کر لیں گے اور اگر ہم میں سے نہیں ہیں تو ہم ان کے قبائل کو حکم دیں گے کہ وہ اپنے ناعاقبت اندیش لوگوں کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر کریں، مغیرہ نے جواب دیا کہ مجھے

ان لوگوں کا نام نہیں معلوم' معقل نے کہا تو پھر ہر قبیلہ کا سردار اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لے اور میں اپنے قبیلہ کا ذمہ لیتا ہوں' یہ تجویز معقول تھی' اس لیے مغیرہ نے سرداران قبائل کو طلب کر کے ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے ذمہ دار ہو' ورنہ اس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑے گا' اس دھمکی پر قبائل کے سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے کے ناعاقبت اندیش لوگوں کی روک تھام شروع کر دی۔

یہ صورت دیکھ کر مستورد اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر اپنے اتباع کے ساتھ نکل گیا' مغیرہؓ نے اس کے مقابلہ کے لیے معقل کی ماتحتی میں فوجیں روانہ کیں' ان میں اور مستورد میں بڑے بڑے معرکے ہوئے ان سب میں خارجی غالب رہے اور آخر میں معقل اور مسورد دونوں نے ایک دوسرے کا خاتمہ کر دیا۔ ان معرکوں میں خارجیوں کی بڑی تعداد کام میں آئی' مستورد کے قتل کے بعد بڑی حد تک خارجیوں کا زور ٹوٹ گیا۔

زیاد بن ابی سفیانؓ امیر معاویہؓ نے عرب کے تمام نامور مدبروں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا' صرف زیاد جو ابو سفیان کا لڑکا کہا جاتا تھا' حضرت علیؓ کے حامیوں میں رہ گیا تھا' یہ امیر معاویہؓ کا سخت مخالف تھا' اور حضرت علیؓ کے زمانہ سے فارس کا والی چلا آ رہا تھا' اس نے امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم نہ کی تھی' وہ اسے ہر طرح ملانے کی کوشش کر چکے تھے مگر کامیاب نہ ہوئے تھے آخر میں مغیرہ بن شعبہ نے اس کو حسن تدبیر سے امیر معاویہؓ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا اور ۴۳ھ میں وہ اس کے پاس چلا آیا اور فارس کی آمدنی اور خرچ کا جو حساب و کتاب پیش کیا' امیر معاویہؓ نے اسے مان لیا اور اسے مغیرہ کی مدد کے لیے کوفہ بھیج دیا' پھر ۴۴ھ میں بعض شہادتوں کی بنا پر کہ ابو سفیان نے زمانہ جاہلیت میں اس کی ماں کے ساتھ نکاح کیا تھا' اسے اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کر لیا' عام خیال یہ ہے کہ یہ محض امیر معاویہؓ کی پولٹیکل تدبیر تھی' ورنہ در حقیقت وہ ابو سفیان کا لڑکا نہ تھا' بہر حال زیاد کے ملنے سے امیر معاویہؓ کو ایک اور مدبر کی حمایت حاصل ہو گئی۔

بصرہ کی ولایت عراق کا پورا خطہ شورش پسند واقع ہوا تھا' کوفہ کی حالت تو مغیرہ بن شعبہؓ نے درست کر لی تھی لیکن بصرہ کی حالت نہایت خراب تھی' یہاں کے والی عبداللہ بن عامر اتنے نرم خو اور حلیم الطبع تھے کہ مفسدوں پر بھی سختی نہ کرتے تھے' زیاد نے انہیں تلوار اٹھانے کا مشورہ دیا انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے کو بگاڑ کر کسی کی اصلاح کرنا پسند

نہیں کرتا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ کی حالت روز بروز بگڑتی گئی' اہل بصرہ نے امیر معاویہؓ سے یہاں کی بدامنی اور ابن عامر کی کمزوری کی شکایت کی انہوں نے ان کو معزول کر کے حارث بن عبداللہ ازدی کو ان کی جگہ مقرر کیا' لیکن بصرہ کی حالت درست کرنے کے لیے کسی سخت گیر والی کی ضرورت تھی اس لیے چار مہینہ کے بعد ۴۵ھ میں زیاد کا تقرر ہوا' اس نے آنے کے ساتھ جامع بصرہ میں ایک شعلہ بار تقریر کی' یہ تقریر زور بیان اور شکوہ الفاظ کے اعتبار سے عربی زبان کی بہترین تقریروں میں شمار کی جاتی ہے اور تاریخوں میں خطبہ بتراء کے نام سے مشہور ہے' اس کے آخر میں اس نے کہا۔

> "میرے اور قوم کے درمیان جو کینہ تھا' وہ آج میں نے اپنے پیروں کے نیچے دبا دیا میں کسی سے محض دشمنی کی بنا پر مواخذہ نہ کروں گا اور نہ کسی کی پردہ داری کروں گا' تا آنکہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب نہ ہو جائے' بے نقاب ہونے کے بعد بھی میں اس سے چشم پوشی کروں گا' تم میں سے جو محسن ہو اس کو اپنے احسان میں زیادتی کرنی چاہیے اور جو برا ہو اسے اپنی برائیوں سے باز آنا چاہیے' خدا تم لوگوں پر رحم کرے' تم لوگ اطاعت و فرمانبرداری سے میری مدد کرو۔" (اخبار الطوال ص ۲۲۳)

زبانی فہمائش کے ساتھ اس نے پولیس کا زبردست انتظام کیا' جو راتوں کو گشت لگا کر نگرانی کرتی تھی' لوگوں کو رات گئے گھر سے نکلنے کی ممانعت کر دی' مقررہ وقت کے بعد جو شخص باہر نظر آتا' وہ قتل کر دیا جاتا' اس سختی سے بصرہ کی حالت جلد درست ہو گئی۔

کوفہ کی ولایت ۵۰ھ میں مغیرہ بن شعبہؓ کا انتقال ہو گیا اس کے انتقال کے بعد امیر معاویہ نے کوفہ کی ولایت بھی زیاد سے متعلق کر دی' زیاد پہلا شخص ہے' جو کوفہ اور بصرہ دونوں شہروں کا حاکم ہوا' چھ چھ مہینہ وہ ہر مقام پر رہتا تھا' کوفہ آنے کے بعد اس نے بصرہ کی طرح جامع کوفہ میں بھی اپنے آئندہ طرز عمل کے متعلق ایک تقریر کی' اہل کوفہ نے اس پر کنکریاں پھینکیں' اس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیئے' اور چار چار آدمیوں کو بلوا کر ان سے قسم لے کر پوچھتا کہ کس نے کنکریاں پھینکیں تھیں' جو قسم کھا کر برات ظاہر کرتا اسے چھوڑ دیتا' اور جو قسم نہ کھاتا اسے قید کر دیتا' ایسے تیس آدمی نکلے' زیاد نے ان کے ہاتھ کٹوا دیئے۔

حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کا قتل کوفہ کے ایک صحابی حجر بن عدیؓ

حضرت علیؓ کے بڑے فدائیوں میں تھے‘ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد حضرت امام حسنؓ کے ویسے ہی جاں نثار رہے‘ آپ کی دستبرداری سے حجر بن عدیؓ کو بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ اور انہوں نے حضرت امام حسن و حسینؓ کو امیر معاویہؓ کے مقابلہ پر ابھارا لیکن یہ حضرات آمادہ نہ ہوئے۔ (اخبار الطوال ص ۳۳۳‘۳۳۴)

امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں بر سر منبر حضرت علیؓ پر سب و شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے‘ مغیرہ بن شعبہؓ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے‘ لیکن امیر معاویہؓ کی تقلید میں وہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے‘ حجر بن عدیؓ اور ان کی جماعت کو قدرۃ" اس سے تکلیف پہنچتی تھی‘ اس کے جواب میں وہ مغیرہؓ اور امیر معاویہؓ کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے‘ اس پر مغیرہؓ باز پرس نہ کرتے تھے۔ (یعقوبی ج ۱ ص ۲۷۳ و ابو الفداء ج اول ۱۸۶)

ایک مرتبہ حسب معمول مغیرہ بن شعبہؓ جناب امیر کو برا بھلا کہہ رہے تھے‘ اس پر حجر بن عدیؓ نے کنکریاں پھینکیں‘ زبانی بھی نا ملائم الفاظ کہے اور لوگ بھی ان کے ہم نوا ہو گئے‘ مغیرہ بالکل خاموش رہے اور پانچ ہزار درہم دے کر حجرؓ کو راضی کیا۔

(اخبار الطوال ص ۲۳۶ و ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۷)

مغیرہ بن شعبہؓ کے بعد زیاد کے زمانہ میں بھی یہ رسم جاری رہی اور اس کے ساتھ حجر کا جوابی طرز عمل بھی قائم رہا‘ زیاد نے شروع میں انہیں سمجھا دیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی مدح اور معاویہؓ کی مذمت کا طریقہ چھوڑ دیں لیکن حجرؓ نے نہ سنا‘ وہ شیعان علیؓ کے سرغنہ اور راہنما بھی تھے‘ زیاد کو اطلاع ملی کہ حجرؓ اور ان کی جماعت امیر معاویہؓ اور زیاد کی برائیں اور ان کے خلاف سازش کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو ان کے خلاف ابھارتے ہیں۔

(یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۴)

اتفاق سے اسی زمانہ میں زیاد کو بصرہ جانے کی ضرورت پیش آئی‘ وہ کوفہ میں عمرو بن الحریث کو اپنا قائم مقام بنا گیا‘ اس نے حسب معمول حضرت علیؓ پر سب و شتم کیا‘ حجرؓ نے اس پر بھی کنکریاں پھینکیں‘ عمرو بن الحریث خاموش رہا اور زیاد کو اس واقعہ کی اطلاع بھیج دی‘ وہ فوراً کوفہ واپس آیا اور حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے امیر معاویہؓ کے پاس بجھوا دیا اور ان کو لکھا کہ یہ لوگ فتنہ کی بنیاد ہیں‘ جب تک قتل نہ کیے جائیں گے فتنہ کی

جڑ باقی رہے گی' چند آدمیوں نے حجر بن عدیؓ کے خلاف شہادت دی' اس لیے امیر معاویہؓ نے انہیں اور ان کے چند ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۲۷)

حضرت حجر بن عدیؓ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اس لیے ان کے قتل کا بہت برا اثر پڑا' حضرت عائشہؓ نے ان کی گرفتاری کی خبر سننے کے بعد ہی امیر معاویہؓ کے پاس ان کی سفارش کے لیے آدمی دوڑائے تھے' لیکن وہ اس وقت پہنچے جب حجرؓ قتل کیے جا چکے تھے' حضرت عائشہؓ کو سخت صدمہ ہوا' چنانچہ امیر معاویہؓ جب اس سال حج کے لیے گئے' اور حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان سے فرمایا' معاویہؓ! تم کو حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے قتل پر خدا کا خوف نہیں آیا' معاویہؓ نے عرض کیا انہیں ان لوگوں نے قتل کیا جنہوں نے ان کے خلاف شہادت دی تھی۔ (استیعاب ج ۱ ص ۱۲۶)

بغاوتوں کا استیصال امیر معاویہؓ کے زمانہ میں اندرونی شورش کے ساتھ ساتھ متعدد مفتوحہ علاقوں میں بھی بغاوت پھیلی' ۴۱ھ میں بلخ' ہرات' بوشنج اور باذغیس کے باشندے باغی ہو گئے' مشرقی ولایت کے صوبہ دار عبداللہ بن عامر نے قیس بن ہیثم کو خراسان کا والی مقرر کر کے بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا' یہ سیدھے بلخ پہنچے اور یہاں کے آتش کدہ کو مسمار کر کے اہل بلخ کو مطیع بنایا' اور عبداللہ بن حازم نے ہرات' بوشنج اور باذغیس کے علاقوں کو قابو میں کیا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۶)

۴۳ھ میں کابل کا علاقہ باغی ہو گیا' عبدالرحمٰن بن سمرہ اس کو فرو کرنے کے لیے مامور ہوئے یہ باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل پہنچے اور شہر کا محاصرہ اور سنگ باری کر کے شہر پناہ کی دیواریں شق کر دیں' کابلیوں نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا' مسلمان انہیں شکست دے کر شہر میں داخل ہو گئے' یعقوبی کا بیان ہے کہ خود شہر پناہ کے دربان نے پھاٹک کھول دیئے تھے' (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۷ و یعقوبی ج ۲ ص ۲۵۸) کابل پر قبضہ کے بعد مسلمانوں نے بست کو لیا' پھر رزان کی طرف بڑھے' اہل رزان نے خود شہر خالی کر دیا اور بغیر جنگ کے اس پر قبضہ ہو گیا' اس کے بعد طخارستان کی طرف بڑھے' یہاں کے باشندوں نے بھی سپر ڈال دی اور مسلمان رنج پر قبضہ کرتے ہوئے غزنہ پہنچے' غزنویوں نے جم کر مقابلہ کیا انہیں بھی شکست ہوئی اور پورے باغی علاقہ پر دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۴)

۴۷ھ میں اہل غور نے بغاوت کی' اسے حکم بن عمرو غفاری نے فرو کیا' غرض جہاں

جہاں بغاوت کے آثار نظر آئے فوراً اس کا تدارک کیا گیا' اور مفتوحہ ملکوں کا ایک چپہ بھی ہاتھ سے نہ نکلنے پایا۔

فتوحات امیر معاویہؓ خود بڑے تجربہ کار افسر تھے' حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں انہوں نے بڑی فتوحات حاصل کی تھیں' ان کا پورا خاندان جنگ آزما تھا' اس لیے ان کے عہد میں فتوحات میں کافی اضافہ ہوا۔

سندھ کی فتوحات سندھ میں مسلمانوں کا قدم خلافت راشدہ ہی میں پہنچ چکا تھا' امیر معاویہؓ کے زمانہ میں دو سمتوں سے ہندوستان پر فوج کشی ہوئی' ایک قدیم راستہ سندھ سے دوسرے خیبر کی راہ سے عربی مورخوں نے ان دونوں کو باہم اس قدر مخلوط کر دیا ہے' پھر اس زمانہ کا جغرافیہ اور قدیم نام اتنے بدل گئے ہیں کہ آج ان دونوں کو علیحدہ کر کے دکھانا مشکل ہے۔

خیبر کے راستہ سے سب سے اول ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے فوج کشی کی اور کابل کو طے کر کے ہندوستان کی سرزمین میں قدم رکھا' سرحدی علاقہ کے باشندوں نے مزاحمت کی مہلب انہیں شکست دیتے ہوئے قیقان (قلات) کی طرف بڑھے' یہاں چند ترک سواروں کا مقابلہ ہوا' یہ سب مارے گئے' اور مہلب مال غنیمت لے کر لوٹ گئے۔

مہلب کے بعد عبداللہ بن عامر نے عبداللہ بن سوار عبدی کو سرحدی علاقہ کا حاکم بنایا' انہوں نے بھی قیقان پر حملہ کیا' اور یہاں کے گھوڑے مال غنیمت میں حاصل کر کے امیر معاویہؓ کی خدمت میں پیش کیے' تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر واپس آئے' اس مرتبہ جنگ میں کام آگئے' ان کے بعد نسان بن ابی سنان ہذلی کا تقرر ہوا' انہوں نے مکران کے صوبہ کو جو باغی ہو گیا تھا' دوبارہ فتح کر کے یہاں نظام حکومت قائم کیا' پھر ان کی جگہ راشد بن عمرو ازدی مقرر ہوئے' انہوں نے بھی' قیقان پر حملہ کیا اور کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی تھی' کہ مید قوم کے مقابلہ میں کام آگئے' اور ان کے بعد پھر نسان بن سلمہ آئے' یہ بڑے مدبر اور منتظم تھے' انہوں نے دو سال میں متعدد فتوحات حاصل کیں اور آخر بدھا کے معرکہ میں مارے گئے۔

ان کے بعد زیاد کا لڑکا عباد ان کا قائم مقام ہوا' یہ سیستان کے راستے سے سنارود سے رود کے کنارے کنارے ہند مند (ہلمند) ہوتا ہوا کش پہنچا اور رود کو عبور کر کے قندھار پر

حملہ آور ہوا، اہل قندھار نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، بہت سے مسلمان شہید ہوئے، لیکن فتح انہی کے ہاتھ میں رہی اور قندھار پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

قندھار کی فتح کے بعد زیاد نے منذر بن جارود کو سندھ کا حاکم بنا کر بھیجا انہوں نے بوقان اور قیقان کے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں، اسی دوران میں قصدار کے باشندے باغی ہو گئے، منذر نے انہیں قابو میں کر لیا، ان کے بعد حری بن حری باہلی آئے انہوں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں اور یہ سلسلہ برابر قائم رہا۔ (یہ تمام حالات فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۹، ۴۴۰ اور بعض چچ نامہ سے ماخوذ ہیں)

ترکستان کی فتوحات ۵۴ھ میں عبیداللہ بن زیاد خراسان کا والی مقرر ہوا یہ بڑا حوصلہ مند تھا، اس نے ترکستان کی سرزمین کو جولانگاہ بنایا اور سعد پر فوج کشی کی اور بخارئی کے کوہستانی علاقہ کو عبور کر کے رامنی، نصف اور بیکند فتح کیے۔

(ابن اثیر ج ۳ ص ۱۹۷ و طبری ص ۱۶۹)

۵۵ھ میں عبیداللہ بن زیاد کی جگہ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے سعید والی مقرر ہوئے انہوں نے عبیداللہ کی مہم کو جاری رکھا اور جیحون کو پار کر کے آگے بڑھے، اس زمانہ میں یہاں ایک خاتون قبق حکمران تھی، اس نے صلح کر لی، لیکن عام باشندوں نے یہ صلح منظور نہیں کی اور ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں مقابلہ کے لیے نکلے ان کی تیاری دیکھ کر قبق خاتون نے بھی صلح توڑ دی، بخارئی میں فریقین کا سامنا ہو گیا، لیکن سعدیوں میں باہم پھوٹ پڑ گئی، ایک بہادر ترکی غلام اپنی جماعت لے کر الگ ہو گیا اس سے ترک کمزور پڑ گئے، قبق خاتون نے بھی صلح دوبارہ کر لی اور بغیر کسی جنگ کے مسلمان بخارئی میں داخل ہو گئے۔

بخارئی کے بعد سمرقند کا رخ کیا، اس مہم میں قبق خاتون نے مسلمانوں کو ہر طرح کی امداد پہنچائی اور انہوں نے سمرقند کا محاصرہ کر لیا، تین دن تک اہل شہر پر زور مدافعت کرتے رہے تیر بازی کا مقابلہ تھا، سعید بن العاص، اور مہلب بن ابی صفرہ کی ایک ایک آنکھ ضائع ہوئی، اہل شہر بھی بہت زخمی ہوئے، لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا مسلمان نہایت ہمت و استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ سمرقندیوں کو جب اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمان فتح کیے بغیر نہ ٹلیں گے اور بزور شمشیر قبضہ ہونے میں زیادہ کشت و خون ہو گا تو اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ سات لاکھ سالانہ خراج دیں گے اور مسلمان شہر کے ایک دروازے سے داخل ہو کر

دوسرے دروازہ سے نکل جائیں گے مسلمانوں نے نقض عہد کے خطرہ سے عمائد شہر کے چند لڑکے بطور یرغمال لیے، اس صلح کے بعد مسلمان ترمذ پہنچے، یہاں کے باشندوں نے بغیر جنگ کے صلح کر لی۔ (بلاذری ص ۴۱۷، طبری کا بیان اس سے مختلف ہے)

شمالی افریقہ کی فتوحات خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں شمالی افریقہ کا کافی حصہ فتح ہو چکا تھا، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں اس میں بڑا اضافہ ہوا، اور یہاں مسلمانوں کی قوت بہت مضبوط ہو گئی۔

۴۱ھ میں عقبہ بن نافع نے فوج کشی کی اور لواتہ اور زنانہ تک پہنچ گئے، یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی، پھر ۴۲ھ میں انہوں نے غدامس پر قبضہ کیا۔ ۴۳ھ میں سوڈان کے بعض حصے فتح کیے۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۶۷)

اسی زمانہ میں ۴۱ھ میں معاویہ بن خدیج نے افریقہ کے ایک بڑے اور خوبصورت ساحلی شہر بنزرت کو فتح کیا اور رویفع بن ثابت انصاریؓ نے جزیرہ جربہ پر قبضہ کر لیا۔

(الونس ص ۲۵)

۴۵ھ میں معاویہ بن خدیج نے دوبارہ بڑے اہتمام سے فوج کشی کی عبداللہ بن عمرؓ ابن زبیرؓ اور عبدالملک وغیرہ صحابہ اور اکابر قریش ساتھ تھے، ابن زبیرؓ نے سوسہ اور عبدالملک نے جلولا فتح کیا۔ (الونس ص ۲۵ جلولا نام کا عراق میں بھی ایک مقام ہے جہاں عہد فاروقی میں بڑا زبردست معرکہ ہوا تھا)

افریقہ کے بربری بڑے باغی اور سرکش تھے، جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی اس وقت تک وہ مطیع رہتے، جیسے ہی آزاد ہوتے فوراً باغی ہو جاتے، اس لیے امیر معاویہؓ نے ۵۰ھ میں عقبہ بن نافع کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا، انہوں نے دس ہزار عرب فوج اور بہت سے نومسلم بربریوں کو ساتھ لے کر باغی علاقہ میں گھس کر باغیوں کا قلع قمع کر دیا اور آئندہ ان کے انسداد کے لیے شہر قیروان بسایا، اور یہاں مسلمان آباد کر کے فوجی چھاؤنی قائم کی۔ (الونس ص ۲۵ و بلاذری ص ۲۳۶) اس سے افریقہ میں بغاوت کا خطرہ بہت کم ہو گیا۔

رومیوں سے معرکے مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف قسطنطنیہ کی رومی حکومت تھی، ان کا زیادہ مقابلہ اسی سے رہتا تھا، مصر و شام کے ساحلی علاقے اس کی بحری زد میں

تھے اسی کی روک کے لیے امیر معاویہ ؓ نے بحری بیڑا قائم کیا تھا، اپنے زمانہ میں رومیوں کے حملہ سے بچاؤ کے لیے انہوں نے بڑے انتظامات کیے، بحری بیڑے کے ساتھ ایک مستقل گرمائی فوج قائم کی جو صرف رومیوں سے برسرپیکار رہتی تھی، کوئی سال بحری جنگ سے خالی نہ جاتا تھا، عبداللہ بن قیس حارثی جنادہ بن امیہ، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، بسر بن ابی ارطاط، مالک بن ہبیرہ، فضالہ بن عبید اور یزید بن شجرہ وغیرہ مختلف سنوں میں بحری معرکوں میں مشغول رہے لیکن ان میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے۔ (ابن اثیر کے مختلف سنوں میں ان معرکوں کا ذکر ہے۔)

قسطنطنیہ پر حملہ البتہ قسطنطنیہ پر حملہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے قسطنطنیہ اس زمانہ میں مشرقی یورپ کا قلب تھا، ۴۹ھ میں امیر معاویہ ؓ نے بڑے اہتمام سے اس پر فوج کشی کی اور سفیان بن عوف ازدی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے قسطنطنیہ کے فاتحین کو بشارت دی تھی، اس لیے بہت سے ممتاز صحابہ میزبان رسول ؐ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ، عبداللہ بن عمر ؓ اور عبداللہ بن عباس وغیرہ اس جہاد میں شریک ہوئے اور اسلامی بیڑا بحر روم کی موجوں سے کھیلتا ہوا باسفورس میں داخل ہوا، قسطنطنیہ مشرقی کلیسا کا مرکز تھا اس لیے رومیوں نے مدافعت میں پوری طاقت صرف کر دی، مسلمانوں نے بھی جوش جہاد میں بڑا پر زور مقابلہ کیا، دونوں میں کئی خونریز معرکے ہوئے، مسلمانوں کا شوق شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا، کہ ایک مجاہد عبدالعزیز بن زرارہ کلبی شہادت کی تمنا میں بار بار آگے بڑھتے تھے، لیکن ان کی آرزو پوری نہ ہوتی تھی، آخر میں بے محابا دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے، رومیوں نے نیزوں سے چھید کر شہید کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۲)

قسطنطنیہ کی فصیل بہت اونچی اور سنگین تھی، رومی اس کے اوپر سے آگ برسا رہے تھے، اور مسلمان نشیب میں تھے، اس لیے انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑا اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد وہ ناکام لوٹ آئے، اس محاصرہ کے دوران میں حضرت ابو ایوب انصاری ؓ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے، یزید ابن معاویہ ؓ نے ان سے پوچھا اگر کوئی وصیت ہو تو فرمائیے، پوری کی جائے گی، فرمایا جہاں تک ہو سکے دشمن کی سرزمین میں لے جا کر دفن کرنا چنانچہ انتقال کے بعد آپ کی نعش قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے لے جا کر دفن کر دی گئی۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۲)

اور مسلمانوں نے رومیوں سے کہلا دیا کہ اگر تم نے لاش کی کوئی بے حرمتی کی تو پھر اسلامی سلطنت کے حدود میں کبھی ناقوس نہ بج سکے گا۔ (استیعاب ج ۲ ص ۶۳۸) قسطنطنیہ کی فتح کے بعد ترکان عثمانی نے آپ کے مزار پر مقبرہ اور اس سے متعلق مسجد بنوائی، جو آج تک زیارت گاہ خلائق ہے، خلفاء کی رسم تاج پوشی اسی مسجد میں ادا کی جاتی تھی۔

روڈس کی فتح شام کے ساحلی علاقہ کو رومیوں کے حملہ سے محفوظ کرنے کے لیے امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ ہی کے زمانہ میں بحیرہ روم کے جزائر پر قبضہ شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ جزیرہ قبرص اسی زمانہ میں فتح کیا تھا، اپنے زمانہ میں ایک دوسرے جزیرہ روڈس کی طرف قدم بڑھایا، یہ اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب میں نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے، یہاں ہر قسم کے میووں کی پیداوار ہے۔ ۵۲ھ میں جنادہ بن امیہ نے اس کو فتح کیا اور یہاں مسلمانوں کی آبادی قائم کی، اسی زمانہ میں سسلی پر حملہ ہوا مگر فتح نہ ہو سکا۔ (استیعاب ج ۲ ص ۶۳۸)

ارواڈ کی فتح اس کے دو سال بعد ۵۴ھ میں جزیرہ ارواڈ پر قبضہ ہوا، کریٹ پر بھی جنادہ نے حملہ کیا تھا، مگر فتح نہ ہو سکا۔ اور عباسیوں کے زمانہ میں اس پر قبضہ ہوا۔

یزید کی ولی عہدی مغیرہ بن شعبہؓ نے امیر معاویہؓ کی خیر خواہی میں خلافت کا سلسلہ ان کی نسل میں منتقل کر دینا چاہا، چنانچہ یزید کو ادھر توجہ دلائی، یزید نے امیر معاویہؓ سے اس کا تذکرہ کیا، یہ ان کے دل کی بات تھی، لیکن اسے وہ ناممکن العمل سمجھ کر زبان سے نہ کر سکتے تھے، مغیرہؓ کی اس تجویز پر اس کا موقع مل گیا چنانچہ مغیرہؓ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا انہوں نے کہا! "عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے مسلمانوں میں جو اختلاف اور خون ریزی قائم ہے، وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے اس لیے میری رائے میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر کے اسے جانشین بنا دینا چاہیے، تاکہ جب آپ کا وقت آئے تو مسلمانوں کے لیے ایک سہارا اور جانشین موجود رہے اور ان میں خون ریزی اور فتنہ فساد برپا نہ ہو"۔

گو یہ امیر کی آرزو تھی لیکن اس کی مشکلات کا انہیں پورا اندازہ تھا، چنانچہ انہوں نے مغیرہؓ سے پوچھا، اس مہم کو انجام کون دے گا؟ اس وقت سیاسی حیثیت سے کوفہ و بصرہ اور مذہبی حیثیت سے حجاز کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، بصرہ کو زیاد ہموار کرے گا، اور حجاز کی

ذمہ داری مروان بن حکم کے متعلق کی جائے۔

کوفہ میں مغیرہ بن شعبہؓ کا بڑا اثر تھا' اور یہاں بنی امیہ کے حامیوں کی بھی ایک جماعت موجود تھی' اس لیے مغیرہؓ نے کوفہ جا کر یہاں کے چند معززین کا ایک وفد شام بھجوایا' انہوں نے امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی۔

زیاد گو امیر معاویہؓ کا قوت بازو تھا' اور اس کی سخت گیری کے سامنے یہ کوئی مشکل مسئلہ نہ تھا' لیکن اس معاملہ میں اسے بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا' اس نے اپنے معتمد علیہ عبید بن کعب کو بلا کر اسے امیر کا حکم سنایا اور کہا کہ وہ اس معاملہ میں لوگوں کی مخالفت سے بھی ڈرتے ہیں اور یزید کی ولی عہدی بھی چاہتے ہیں' یہ اسلام کا معاملہ اور بڑی ذمہ داری کا کام ہے' یزید جیسا لاابالی ہے ظاہر ہے' اس لیے تم جا کر امیر المومنین کو یزید کے مشاغل سے آگاہ کرو اور انہیں سمجھاؤ کہ اس میں جلد بازی سے کام نہ لیں' عبید نے کہا امیر المومنین کو یزید کی جانب سے بد دل کرنا مناسب نہیں ہے میں جا کر خود یزید کو سمجھاتا ہوں کہ وہ اپنے مشاغل چھوڑ دے کہ لوگوں کو گرفت اور مخالفت کا موقع نہ ملے' زیاد نے بھی اس رائے کو پسند کیا' چنانچہ عبید نے جا کر یزید کو سمجھایا' اس کے سمجھانے سے اس نے بہت سی قابل اعتراض باتیں چھوڑ دیں۔

کوفہ اور بصرہ سے زیادہ اہم معاملہ حجاز کا تھا' یہاں ایسے متعدد بزرگ موجود تھے جو یزید کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور اس کے مدعی ہو سکتے تھے اور جن کی جانب سے اس تجویز کی مخالفت کا خطرہ تھا' اس لیے اس کی ذمہ داری امیر نے مروان کے سپرد کر دی اور اس کو لکھا۔

> "اب میں ضعیف ہو گیا ہوں' میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں' معلوم نہیں کب وقت آ جائے مجھے خوف ہے کہ میرے بعد امت میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین بنا جاؤں اس معاملہ میں تمہارا مشورہ ضروری ہے اس کو اہل مدینہ کے سامنے پیش کرو' اور وہ جو جواب دیں وہ مجھے لکھو"۔

میں کسی جانشین کا نام نہیں لکھا تھا، بلکہ محض جانشینی کی مجمل تجویز تھی، مروان نے اسی کے متعلق رائے لی اس حد تک یہ تجویز نامناسب نہ تھی اس لیے سب نے اس سے اتفاق کیا، مروان نے امیر معلویہؓ کو اس کی اطلاع دی، اس کے بعد انہوں نے دوسرا حکم جانشین کے اعلان کا بھیجا، اس میں مروان نے یزید کے نام کا اعلان کیا، یہ سنتے ہی لوگوں نے اختلاف کیا، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اٹھ کر کہا تم اور معلویہ دونوں غلط کہتے ہو، اس سے امت کی بھلائی مقصود نہیں ہے بلکہ خلافت کو ہرقل کی شہنشاہی بنانا چاہتے ہو کہ ایک ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل اس کا جانشین ہو۔

ایک روایت یہ ہے کہ مروان نے یہ کہا تھا کہ "امیرالمومنین چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح یزید کو نامزد کر جائیں۔" عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اس کے جواب میں کہا یہ ابی بکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے، ان دونوں نے اپنے لڑکوں کو ولی عہد نہیں بنایا، بلکہ اپنے خاندان والوں کو اس سے دور رکھا، یہ حالات مروان نے امیر معلویہؓ کو لکھ بھیجے۔

اس درمیان میں مدینہ، بصرہ اور مختلف مقاموں کے وفود شام پہنچ چکے تھے، امیر معاویہؓ نے پہلے مدینہ کے ایک بزرگ محمد بن عمرو بن حزمؓ سے گفتگو کی انہوں نے کہا، ہر راعی اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے اس لیے جسے آپ امت کا راعی بناتے ہیں اس پر خوب غور کر لیجیے۔"

مدینہ کے وفد کے بعد بصرہ کے رئیس الوفد احنف بن قیس سے جو بڑے مدبر اور با اثر رئیس تھے، رائے طلب کی انہوں نے جواب دیا، اگر ہم سچ کہتے ہیں تو آپ کا ڈر ہے اور جھوٹ بولتے ہیں تو خدا کا خوف ہے، آپ یزید کے شب و روز کے مشاغل اس کے ظاہری اور پوشیدہ حالات سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں، اگر اس کے بعد بھی اس کو امت محمدیؐ کے لیے آپ بہتر سمجھتے ہیں تو پھر اس میں صلاح و مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر ایسا نہیں سمجھتے تو خود دوسرے عالم کو جاتے ہوئے اس کو دنیا کا توشہ نہ دیجیے۔ ورنہ یوں تو آپ کا جو حکم ہو ہمارا کام اس کا سننا اور بجا لانا ہے۔

لیکن امیر معلویہؓ یزید کی ولی عہدی طے کر چکے تھے، یہ محض رسمی کاروائی تھی، اس لیے آخر میں کچھ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور کچھ کو لطف و کرم سے ہموار کر لیا اور عراق و

شام کے باشندوں نے یزید کی بیعت کر لی۔ (یہ تمام واقعات طبری اور ابن اثیر سے ماخوذ ہیں)

لیکن اصل معاملہ حجاز کا تھا، کہ مہاجرین و انصار کے باقیات اور صحابہؓ زاویے یہیں تھے، اس لیے امیر معاویہؓ نے خود مکہ اور مدینہ کا سفر کیا، اس وقت یہاں پانچ بزرگ ایسے تھے، جن کی جانب سے امیر معاویہؓ کو مخالفت کا خطرہ تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، امام حسینؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ۔

امیر معاویہؓ نے ان سب سے الگ الگ مل کر ہر ایک سے کہا کہ تم پانچوں آدمیوں کے علاوہ سب نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی ہے اور تم ان چاروں کی رہبری کر رہے ہو، ان میں عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے علاوہ ہر ایک نے جواب دیا کہ میں کسی کی رہبری نہیں کر رہا ہوں، آپ چاروں آدمیوں سے کہئے، اگر وہ لوگ بیعت کر لیں تو مجھے بھی کوئی عذر نہیں ہو گا، اس طرح گویا چار آدمیوں سے الگ الگ بیعت کا وعدہ لے لیا۔ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے البتہ تلخ گفتگو ہو گئی۔ (طبری ج ۷ ص ۵۶۵۷)

یہ طبری کی روایت ہے، ابن اثیر کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ کی آمد کی خبر سن کر پانچوں آدمی مدینہ سے مکہ چلے گئے، امیر معاویہؓ بھی وہاں پہنچے اور ان سب کو لطف و مدارات اور حسن خلق سے مائل کرنے کی کوشش کی، ان لوگوں نے فردا" فردا" گفتگو کرنے کی بجائے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو جو سب سے زیادہ تجربہ کار اور گویا تھے، اپنا نمائندہ بنایا، امیر نے ان سب سے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ، میرا جو طرز عمل ہے اور جتنی صلہ رحمی کرتا ہوں اور تمہاری جس قدر باتیں انگیز کرتا ہوں، وہ سب تم کو معلوم ہے، یزید تمہارا بھائی اور ابن عم ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اسے صرف خلیفہ کا لقب دے دو باقی حکومت کا پورا انتظام: عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل و وصولی اور اس کا صرف تمہارے ہاتھوں میں رہے گا۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ انتخاب خلیفہ کی تین نظیریں ہیں، یا تو رسول اللہ ﷺ کی طرح کسی کو نامزد نہ کیجئے، مسلمان جسے پسند کریں گے منتخب کر لیں گے، یا ابوبکرؓ کی طرح کسی کو نامزد کیجئے، جس سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو، یا عمرؓ کی طرح چند آدمیوں میں سے ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دیجئے، اس کے علاوہ کوئی چوتھا طریقہ ہم نہیں قبول کر سکتے۔

امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ آسانی کے ساتھ بیعت کرنے والے نہیں ہیں تو انہیں دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے کوئی مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا، اور باہر نکل کر مسلمانوں میں اعلان کر دیا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سربرآوردہ اور ان کے بہترین لوگ ہیں، بغیر ان کے مشورہ کے کوئی کام انجام نہ دیا جائے گا انہوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے اس لیے آپ لوگ بھی بیعت کر لیجئے، اہل مدینہ انہی بزرگوں کے فیصلہ کے منتظر تھے اس لیے اس اعلان پر سب نے بیعت کر لی، امیر معاویہؓ کی واپسی کے بعد لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا، لیکن پھر کسی نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۰، ۲۲۱)

علالت ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، عمر کی اٹھتر منزلیں طے کر چکے تھے، زندگی کی کوئی امید نہ تھی، اس وقت یزید دمشق میں موجود نہ تھا، اس لیے اس کو آئندہ خطرات و طرز عمل کے متعلق یہ وصیت نامہ لکھوایا۔

> "جان پدر! میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لیے راستہ صاف کر دیا ہے، دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں تمہارے آگے جھکا دی ہیں اور تمہارے لیے ایک بڑا خزانہ جمع کر دیا ہے، میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اہل حجاز کے حقوق کا ہمیشہ لحاظ رکھنا کہ وہ تمہاری اصل و بنیاد ہیں، جو حجازی تمہارے پاس آئے اس سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا، اس کی عزت کرنا اس پر احسان کرنا اور جو نہ آئے اس کی خبر گیری کرتے رہنا، اہل عراق کی ہر خواہش پوری کرنا اور اگر وہ روزانہ عاملوں کا تبادلہ چاہیں تو روزانہ کر دینا کہ عمال کا تبادلہ تلواروں کے بے نیام ہونے سے بہتر ہے۔ شامیوں کو اپنا مشیر بنانا ان کا خیال ہر حال میں مد نظر رکھنا، جب تمہارا کوئی دشمن تمہارے مقابلہ میں آئے تو ان سے مدد لینا، لیکن کامیاب ہونے کے بعد فوراً واپس بلا لینا، ورنہ دوسرے مقام پر زیادہ ٹھہرنے سے ان کے اخلاق بدل جائیں گے۔ سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے، اس میں حسینؓ بن علی، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ کوئی حریف نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے کوئی خطرہ نہیں، انہیں زہد و عبادت کے علاوہ کسی اور چیز سے واسطہ نہیں ہے، عام مسلمانوں کی بیعت کے بعد انہیں بھی کوئی عذر نہ ہو گا، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ میں کوئی ذاتی حوصلہ و ہمت نہیں ہے جو ان کے ساتھی کریں گے وہ اس کی پیروی

کر لیں گے البتہ حسینؓ بن علیؓ کی جانب سے خطرہ ہے' اہل عراق انہیں تمہارے مقابلہ میں لا کر چھوڑ دیں گے' جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں گے اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا کہ وہ قرابت دار بڑے حق دار اور رسول اللہ ﷺ کے عزیز ہیں البتہ جو شخص لومڑی کی طرح کلوے دے کر شیر کی طرح حملہ کرے گا' وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے' اگر وہ صلح کر لیں تو فبہا' ورنہ قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ان کے ٹکڑے اڑا دینا۔" (یہ وصیت طبری اور الفخری کے بیان کا خلاصہ ہے' طبری ج ۵ ص ۱۹۶' ۱۹۷' والفخری ص ۱۰۲)

اپنے متعلق وصیتیں اس وصیت نامہ کی تکمیل کے بعد اہل خاندان سے کہا۔ "خدا کا خوف کرتے رہنا کہ خوف کرنے والوں کو خدا مصائب سے بچاتا ہے' جو خدا سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں' پھر اپنے ذاتی مال میں سے آدھا مال بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ (طبری ج ۷ ص ۲۰۲) تجہیز و تکفین کے متعلق یہ وصیت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو ایک کرتہ عنایت فرمایا تھا۔ اس کو اسی دن کے لیے میں نے محفوظ رکھا تھا' آپ کے موئے مبارک اور ناخن شیشہ میں محفوظ ہیں' اس کرتہ میں مجھے کفنانا اور ناخن اور موئے مبارک کو آنکھ اور منہ میں رکھ دینا' شاید خدا اس کے طفیل میں اس کی برکت سے مغفرت فرما دے۔ (طبری ج ۷ ص ۲۰۲)

ان وصیتوں کے بعد رجب ۶۰ھ میں انتقال کیا' وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین ہوئی۔ ضحاک بن قیس نے نماز جنازہ پڑھائی اور عرب کے اس مدبر اعظم کو دمشق کی سر زمین میں سپرد خاک کیا گیا' انتقال کے وقت اٹھتر سال کی عمر تھی' مدت خلافت ۱۹ سال چند مہینے۔ (استیعاب ج ۱ ص ۲۶۲)

ازواج و اولاد امیر معاویہؓ نے متعدد شادیاں کیں' دو بیویوں سے اولادیں ہوئیں' ایک بیوی میسون بنت بحدل کے بطن سے یزید اور ایک بچی تھی اور فاختہ بنت قرظہ کے بطن سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن۔ عبدالرحمٰن کا انتقال غالباً بچپن ہی میں ہو گیا تھا عبداللہ امیرؓ کی وفات کے وقت زندہ تھا' مگر اس میں کوئی مادہ نہ تھا۔

نظام خلافت اور امیرؓ کے کارنامے

امیر معاویہؓ کے زمانہ میں نظام خلافت میں سب سے بڑا انقلاب یہ ہوا کہ خلافت اسلامیہ موروثی و شخصی حکومت کے قالب میں آگئی جس سے اس کی اصل روح بدل گئی، لیکن اس کا ظاہری ڈھانچہ وہی رہا جو خلافت راشدہ کے زمانہ میں تھا، بلکہ امیر معاویہؓ نے اس کو مختلف حیثیتوں سے اور زیادہ ترقی دی، مسلسل خانہ جنگی سے نظام خلافت میں جو برہمی پیدا ہو رہی تھی اسے از سر نو قائم کیا، اندرونی اور بیرونی طاقتوں کا خاتمہ کر کے امن و سکون پیدا کیا، بغاوتیں فرو کیں، نئے ملک فتح کیے، تمدنی ضروریات کے مطابق بہت سے نئے شعبے قائم کیے اور اپنے بعد ایک وسیع اور طاقتور حکومت چھوڑ گئے۔

امیر کے مشیر کار امیر معاویہؓ کی حکومت شخصی تھی، اس میں خلافت راشدہ کی طرح مہاجرین و انصار کی مجلس شوریٰ نہ تھی، لیکن اس عہد کے عرب کے اکثر نامور مدبر مثلاً عمروؓ بن العاص، مغیرہؓ ابن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان امیر کے خاص مشیروں میں تھے اور کوئی اہم کام بغیر ان کے مشورے کے انجام نہ پاتا تھا، امیر معاویہؓ کی کامیابیاں ان کی ذاتی تدبیر و سیاست کے علاوہ ان مدبرین کی صلاح و مشورہ کا بھی نتیجہ تھیں۔

صوبے اور ان کا نظام امیر معاویہؓ کے زمانہ میں صوبوں کی تقسیم اور اس کا نظام وہی رہا جو فاروقی میں تھا، مغرب کے نئے مفتوحہ علاقے مصر کے اور مشرق کے، خراسان کے ماتحت تھے اور ان کے نظام میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا۔

فوج فوج کی سپہ سالاری کئی پشتوں سے بنی امیہ میں چلی آرہی تھی اس لیے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں صیغہ فوج میں نمایاں ترقی ہوئی، بری فوج کا نظام حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں کسی مزید ترمیم و اضافہ کی ضرورت نہ تھی، جن پہلوؤں سے ترقی کی گنجائش تھی اسے ترقی ہوئی، تفصیل آگے آئے گی۔

بحری فوج لیکن بحری فوج میں نمایاں ترقی ہوئی، بحری فوج امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ ہی کے زمانہ میں قائم کر دی تھی، اور اس کو اتنی ترقی دی تھی کہ اسی زمانہ میں پانچ سو

جہازوں کے بیڑے کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا تھا' خود ان کے زمانہ میں بحری بیڑا اتنا طاقتور ہو گیا تھا کہ بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا' جس کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں۔

امیر البحر بحری فوج کی سپہ سالاری کا علیحدہ مستقل عہدہ قائم کیا' چنانچہ جنادہ بن ابی امیہ اور عبداللہ بن قیس حارثی اس عہدہ پر ممتاز تھے' عبداللہ نے پچاس بحری معرکے سر کیے' اور جنادہ یزید کے زمانہ تک بحری لڑائیوں میں مصروف رہے۔ (اسد الغابہ تذکرہ جنادہ)

جہاز سازی کے کارخانے جا بجا جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے' سب سے پہلے یہ کارخانہ مصر میں قائم ہوا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۹۹) بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ساحلی مقاموں پر کارخانے تھے۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۳)

سرمائی اور گرمائی فوجیں موسم اور مختلف ملکوں کی آب و ہوا کے اعتبار سے فوج کی دو قسمیں شاتیہ اور صائفہ' یعنی سرمائی اور گرمائی قرار دیں' جو موسم کے لحاظ سے مختلف ملکوں میں بر سر پیکار رہتی تھیں۔

قلعوں کی تعمیر بہت سے نئے قلعے بنوائے' پرانے قلعوں کی مرمت کرائی' خصوصاً شام میں جو اموی حکومت کا پایہ تخت تھا اور جس پر رومیوں کے حملہ کا زیادہ خطرہ تھا' قلعوں کو مستحکم کر دیا' انطرطوس' بلنیارس اور مرقیہ میں نئے قلعے بنوائے' رومیوں کے پرانے قلعہ جبلہ کو جو شام کی فتح کے زمانہ میں ویران ہو گیا تھا' دوبارہ آباد کیا۔ (بلاذری ص ۱۴۰)

روڈس میں ایک قلعہ بنوایا' جو سات برس تک فوجی مرکز رہا (بلاذری ص ۱۴۰) مدینہ میں ایک قلعہ قصر خل بنوایا (بلاذری ص ۲۲۳) اس کے علاوہ قبرص اور ارواڈ میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں' فوجی ضروریات کے لیے شہر قیروان آباد کیا۔

منجنیق کا استعمال منجنیق کا استعمال مسلمانوں میں غالباً سب سے پہلی مرتبہ امیر معاویہؓ کے عہد میں ہوا' کابل کے محاصرہ میں سنگباری سے شہر پناہ توڑی گئی تھی۔ (بلاذری ص ۱۶۰)

پولیس کا صیغہ ملک کے اندرونی نظام اور قیام امن کے لیے پولیس کے صیغہ کو بڑی ترقی ہوئی خصوصاً عراق میں جہاں ہمیشہ فتنہ و فساد رہتا تھا' پولیس کا بڑا زبردست انتظام رہتا تھا۔ شہر کوفہ میں چالیس ہزار پولیس تھی' امن و امان کا یہ حال تھا کہ کوئی شخص راستہ میں

گری ہوئی چیز اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتا تھا' تا آنکہ خود اس کا مالک آ کر نہ اٹھاتا' راتوں کو عورتیں اپنے گھروں میں تنہا دروازے کھول کر سوتی تھیں' زیاد والی عراق کا دعویٰ تھا' کہ اگر کوفہ سے خراسان تک رسی کا ایک ٹکڑا بھی ضائع ہو جائے تو مجھے معلوم ہو جائے گا' کہ کس نے لیا' ایک مرتبہ اس نے کسی کے گھر سے گھنٹہ بجنے کی آواز سنی' پوچھا تو معلوم ہوا کہ گھر والے پہرہ دے رہے ہیں' اس نے کہا اس کی ضرورت نہیں' اگر کسی کا مال ضائع ہو جائے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۴) قیام امن کے لیے مشتبہ لوگوں کی نگرانی بھی ایک احتیاط ہے' امیر معاویہؓ نے دمشق کے تمام بد معاشوں کے نام درج رجسٹر کرائے تھے' (طبری ۷ ص ۷۷' ۸۹) زیاد نے جعد بن قیس کو بد معاشوں کی نگرانی پر مقرر کیا تھا۔ (ادب المفرد باب الظن)

برید (ڈاک) اسلامی حکومت میں امیر معاویہؓ سے پہلے سرکاری ڈاک اور خبر رسانی کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا' انہوں نے بریڈ کے نام سے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا۔ (طبری ص ۷۸) اس کا نظام کہ ملک بھر میں تھوڑی تھوڑی مسافت پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے' سرکاری ہرکارے منزل بمنزل انہیں بدلتے ہوئے ایک مقام کی خبریں دوسرے مقام پر لاتے اور لے جاتے تھے۔ (الفخری ص ۹۷)

دیوان خاتم اسی طرح سرکاری فرامین کی نقلیں دفتر میں رکھنے کا کوئی انتظام نہ تھا' اس سے لوگوں کو ان میں رد و بدل کا موقع مل جاتا تھا' چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک لاکھ دو لاکھ بنا کر وصول کر لیے' اس وقت سے امیر معاویہؓ نے دیوان خاتم کے نام سے ایک نیا شعبہ قائم کیا' وہ جو حکم صادر کرتے تھے وہ پہلے دیوان خاتم میں آتا تھا' یہاں اس کی ایک نقل رکھ لی جاتی تھی' اور دفتر کا محرر حکم نامہ کو لفافہ میں بند کر کے اس پر مہر لگا کر آگے بڑھاتا تھا' اس احتیاط کے بعد احکام میں تغیر و تبدل کا امکان باقی نہ رہ گیا۔ (الفخری ص ۹۷) یہ طریقہ محض احکام شاہی کے لیے مخصوص نہ تھا' بلکہ بڑے بڑے حکام بھی اس پر عامل تھے' چنانچہ زیاد اپنے تمام فرامین و خطوط کی نقلیں رکھواتا تھا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۹)

رفاہ عام کے کام امیر معاویہؓ کے دور میں بہت سے ایسے کام ہوئے جن سے حکومت کے ساتھ رعایا کو بھی فائدہ پہنچا۔

نہریں زراعت کی ترقی کے لیے بہت سی نہریں جاری کرائیں، جن سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی، اس سے ملک کی زراعت میں بڑی ترقی ہوئی اور قحط سالی کا خطرہ جاتا رہا۔ مدینہ کے قرب و جوار میں نہر کظامہ، نہر ارزق اور نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۱۷ خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۶)

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ میں ایک نہر کھودی گئی تھی، جو نہر معقل کے نام سے موسوم تھی، زیاد نے دوبارہ اسے کھدوا کر صاف کرایا۔ (فتوح البلدان ص ۳۱۶) عبداللہ بن زیاد نے بخارا کے کوہستان میں ایک نہر نکالی۔ (طبری ج ۷ ص ۱۶۹) حکم بن عمرو کے اہتمام میں ایک نہر کھودی گئی مگر اس کا افتتاح نہ ہو سکا۔ (طبری ج ۷ ص ۱۵۶) نہر کے علاوہ پہاڑ کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر تالاب بنوائے گئے، جن میں برسات کا پانی جمع ہوتا تھا۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۳۲۱) ان نہروں کے ذریعہ سے پیداوار میں جو ترقی ہوئی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف مدینہ کے قرب و جوار کی نہروں کے ذریعہ ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۳۷)

شہروں کی آبادی امیر معاویہؓ کے عہد میں بعض پرانے ویران شہر دوبارہ آباد ہوئے اور نئے شہر بسائے گئے، چنانچہ شام کا اجڑا ہوا شہر مرعش دوبارہ آباد کیا گیا۔

ایک نیا شہر قیروان افریقہ میں بسایا گیا، افریقہ کے بربر بڑے بغاوت پسند تھے۔ جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی، اس وقت تک وہ مطیع و منقاد رہتے تھے، اور جہاں آزاد ہوتے فوراً باغی ہو جاتے، اس لیے عقبہ بن نافع فہری نے یہاں فوجی چھاؤنی قائم کرنے کی غرض سے ساحل سے ہٹ کر جنگل کٹوا کر ایک شہر بسایا اور اس کے وسط میں دارالامارت کی عمارت بنوائی اور اس کے چاروں طرف مسلمانوں کے محلے آباد کر کے ایک جامع مسجد تعمیر کی، رفتہ رفتہ اس شہر نے اتنی ترقی کی کہ شمالی افریقہ میں مسلمانوں کا مرکزی شہر بن گیا۔ (معجم البلدان ذکر قیروان)

اسلام کی نو آبادیاں مختلف مقاموں پر اسلامی نو آبادیاں قائم کیں ۴۲ھ میں انطاکیہ میں ایک نو آبادی بسائی، (فتوح البلدان ص ۱۵۴) روڈس اور ارواڈ کے جزیروں میں مسلمان آباد کیے۔ (فتوح البلدان ص ۲۴۴) اور متعدد مقاموں پر خصوصاً جہاں کسی دوسری حکومت کی

سرحد ملتی تھی اور مسلمانوں کی آبادی کم تھی، وہاں مسلمان آباد کیے، اس سے دو فائدے ہوئے ایک یہ کہ ان مقاموں پر دوسری قوموں کے حملہ کا خطرہ کم ہو گیا، دوسرے اسلامی حکومت میں جہاں جہاں مسلمان نہ تھے، ان کی آبادی ہو گئی۔

مجاہدین کے بچوں کے وظائف مجاہدین کے بچوں کے وظائف سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے مقرر کیے، وقتاً" فوقتاً" اس میں تغیرات ہوئے، امیر معاویہؓ نے اس کو قائم رکھا لیکن اتنی ترمیم کر دی کہ دودھ چھوڑنے کے بعد وظیفہ جاری ہوتا تھا۔ (فتوح البلدان ص ۴۶۴)

ذمیوں کے مال و جائیداد کی حفاظت خلفائے راشدینؓ کو ذمیوں کے حقوق کی حفاظت میں بڑا اہتمام تھا، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا ان کے معاہدہ کا پورا احترام کیا جاتا تھا، عقبہ بن نافع فہری کو جو مصر کے گورنر تھے، تھوڑی سی زمین کی ضرورت تھی، امیر معاویہؓ کی اجازت سے انہوں نے ایک پرتی زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی، انتخاب کی، ان کے نوکر نے کہا کوئی عمدہ قطعہ پسند کیجئے، انہوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا، ذمیوں سے جو معاہدہ ہے اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان کی زمین ان کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی۔ (مقریزی ج ۱ ص ۲۰۸)

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یوحنا کے گرجے کے پاس مسجد تعمیر ہوئی تھی، امیر معاویہؓ نے گرجے کو بھی اس میں شامل کر لینا چاہا، لیکن عیسائی راضی نہ ہوئے، اس لیے یہ خیال ترک کر دیا۔ (بلاذری ص ۱۳۱)

ذمہ دار عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر فوج میں تو غیر مسلم حضرت عمرؓ کے زمانہ ہی سے بھرتی کر لیے جاتے تھے، لیکن اس زمانہ میں انہوں نے اعتکونہ پیدا کیا، اس لیے ذمہ داری کے عہدوں پر ان کا تقرر نہ ہوتا تھا، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں متعدد غیر مسلموں کو ذمہ دار عہدوں پر مامور کیا، چنانچہ ابن آثال نصرانی کو حمص کا کلکٹر مقرر کیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۵) اور سرجون بن منصور رومی کو کاتب (پرائیویٹ سیکرٹری) بنایا۔ (طبری ج ۲ ص ۲۸۳)

مذہبی خدمات امیر معاویہؓ کی حکومت خلافت راشدہ کے مقابلہ میں خالص دنیاوی تھی، لیکن بہر حال وہ صحابیِ رسولؐ تھے، اس لیے سلطنت کی مادی اور دنیاوی ترقیوں کے ساتھ وہ

دین و مذہب کی خدمت سے غافل نہ تھے۔

اشاعت اسلام ان کے زمانہ میں اسلام کی بھی خاصی اشاعت ہوئی، شمالی افریقہ کے بربری بغاوت کے ساتھ مرتد بھی ہو جاتے تھے، قیروان آباد کر کے اس کا تدارک کیا گیا رومیوں کی بھی معتدبہ تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔

حرم کی خدمت شیخینؓ کے زمانہ میں خانہ کعبہ پر معمولی غلاف چڑھایا جاتا تھا، حضرت عثمانؓ نے قیمتی غلاف چڑھایا اور امیر معاویہؓ نے دیبا سے آراستہ کیا اور اس کی خدمت کے لیے غلام مقرر کیے۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۸۳)

مسجدوں کی تعمیر اس زمانہ میں بکثرت مسجدیں تعمیر ہوئیں، زیاد نے بصرہ کی جامع مسجد کو تڑوا کر اینٹ اور چونے کی نہایت وسیع عمارت بنوائی۔ (فتوح البلدان ص ۳۵۵) قبرص میں بہت سی مسجدیں تعمیر ہوئیں، (فتوح البلدان ص ۱۶۰) قیروان کی آبادی کے سلسلہ میں عقبہ بن نافع نے یہاں ایک جامع مسجد بنوائی جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، عبدالرحمٰن بن سمرہ نے بصرہ میں کابل کے معماروں سے کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کرائی، (فتوح البلدان ص ۴۰۴) مصر کی مسجدوں میں مینار کا رواج نہ تھا، مسلمہ بن مخلد نے تمام مسجدوں میں مینار بنوائے۔ (اصابہ، تذکرہ مسلمہ بن مخلد)

امیرؓ کے طرز حکومت اور بعض غلط روایات پر تبصرہ

امیر معاویہؓ کے کارناموں کے بعد ان کی بعض واقعی کمزوریوں اور ان مبالغہ آمیز بلکہ غلط اور گمراہ کن واقعات پر تبصرہ ضروری ہے، جن کی شہرت عام نے امیر کی جانب سے بہت سی غلط فہمیاں پھیلا دی ہیں، اور ان کے دشمن تو دشمن کوتاہ نظر دوستوں کے دلوں میں بھی ان کی جانب سے شکوک و شبہات ہیں۔

اس پر بحث و تبصرہ سے پہلے اصولی طور پر اسے سمجھ لینا چاہیے کہ امیر معاویہؓ نہ خلیفہ راشد تھے اور نہ ان کی حکومت خلافت راشدہ یعنی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ تھی، بلکہ وہ ایک دنیاوی حکمران تھے، اور ان کی حکومت دنیاوی بادشاہت تھی، جس میں اس کی برائیاں کم اور خوبیاں زیادہ تھیں امیر معاویہؓ میں یقیناً کمزوریاں تھیں، لیکن جن کمزوریوں سے کسی اسلامی اصول کی پامالی نہ ہوتی ہو وہ چنداں لائق التفات نہیں۔

حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ان کی ناحق صف آرائی اور اس میں کامیابی کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل کا استعمال، حضرت علیؓ پر سب و شتم کی رسم، یزید کی ولی عہدی، یہ سب ان کی ایسی کھلی ہوئی غلطیاں ہیں جن سے کوئی حق پرست انکار نہیں کر سکتا، خصوصاً یزید کی ولی عہدی نے خلافت کی اصلی روح اور اسلامی حریت و آزادی کا خاتمہ کر دیا۔

لیکن امیر معاویہؓ کے مخالفین نے ان کی غلطیوں کو اسی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ ایسے ایسے افسانے گھڑ کر یا معمولی واقعات کو ایسی رنگ آمیزی کے ساتھ امیر کی جانب منسوب کر دیا، جو ایک صحابی کیا، ایک معمولی انسان کے رتبہ سے بھی فروتر ہیں، ان میں سب سے نمایاں ان کے جبر، استبداد اور ظلم و جور کی داستانیں اور دوسرے مختلف قسم کے الزام ہیں، لیکن یہ سب کے سب یا تو بالکل غلط ہیں یا اصل واقعات کی شکل کو مسخ کر کے بدنما بنا دیا گیا ہے، اور جو واقعات جس حد تک صحیح ہیں وہ ایک دنیاوی فرمانروا کے لیے قابل الزام نہیں، اس کتاب میں ان سب پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں، ہم نے سیرالصحابہؓ کے چھٹے حصہ میں امیر معاویہؓ کی سیرت میں ان پر مفصل تنقید کی ہے اس موقع

پر صرف ان واقعات کی شہرت کے اسباب اور امیر معاویہؓ کے اصول سیاست اور طرز جہانبانی پر تبصرہ کیا جاتا ہے' اس سے اصل حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔

امیر کے اصول حکمرانی امیر معاویہؓ کی حکومت شخصی تھی' وہ اس کے استحکام و بقا کے لیے ہر ممکن تدبیر و طریقہ اختیار کرتے تھے' لیکن کسی حالت میں ان کا قدم دنیاوی حکمرانی کے نقطہ نظر سے جائز حدود سے باہر نہیں نکلا' وہ بڑے متحمل مزاج تھے ان کا حلم تاریخی مسلمات میں ہے' ان کے مخالفین بھی ان کے تحمل اور برداشت کے معترف تھے' مشہور شیعی مورخ ابن طقطقی لکھتا ہے کہ معاویہؓ حلم کے موقع پر حلم سے اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتے تھے' لیکن حلم کا پہلو غالب تھا' (الفخری ص ۹۵) ان کے حلم کے بہت سے واقعات الفخری اور طبری وغیرہ سے نقل کیے ہیں' وہ جب تک سختی کے لیے مجبور نہ ہو جاتے تھے' اس وقت تک سختی سے کام نہ لیتے تھے' اس بارے میں ان کا اصول یہ تھا "جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا' اور جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا' اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا' جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں"۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۸۳)

جب ان کے ہوا خواہ ان کے غیر معمولی حلم پر انہیں ملامت کرتے تو یہ جواب دیتے کہ میں اس وقت تک لوگوں کی زبان نہ روکوں گا جب تک وہ میری حکومت اور میرے درمیان مزاحمت نہ کریں۔ (طبری ج ۷ ص ۲۱۳) ان کا یہ اصول اپنے عمال اور رعایا دونوں کے لیے تھا' زیاد کے ایک عامل کے رقبہ حکومت میں خراج کی آمدنی گھٹ گئی' وہ زیاد کے خوف سے امیر معاویہؓ کے پاس بھاگ گیا' زیاد کو معلوم ہوا تو اس نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ اس طریقہ سے دوسرے بد آموز ہو جائیں گے' امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ سب کے ساتھ ایک ہی سیاست برتنا میرے اور تمہارے کسی کے لیے مناسب نہیں ہے' نہ ہم کو سب کے ساتھ نرمی کرنی چاہیے کہ لوگ سرکش ہو جائیں اور نہ سب پر سختی کرنی چاہیے کہ ان کا جینا دوبھر ہو جائے' تم سختی کے لیے رہو' میں نرمی کے لیے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۲)

قریش خصوصاً بنی ہاشم کے بزرگ شام جا کر ان کے مہمان ہوتے اور ان کے منہ پر ان کی برائیاں کرتے' لیکن امیر ٹال جاتے اور اس کے بدلے میں روپیہ پیسہ اور ہدایا و

تحائف سے ان کی خدمت کرتے۔ (الفخری ص ۹۴)

ہاں ان جماعتوں پر ضرور سختی کی گئی' جو امیر معاویہؓ کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتی تھیں' لیکن دنیا کا کوئی فرمانروا باغیوں اور انقلاب پرستوں کے ساتھ نرمی نہیں کر سکتا' تاہم ان کے ساتھ بھی امیر معاویہؓ کے عمال نے ابتداء میں بڑی نرمی سے کام لیا انہیں ہر طرح سے سمجھایا' امن و سکون کے ساتھ رہنے اور اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین کی' انعام و اکرام کے وعدے کیے جس کی شاہد مغیرہ بن شعبہؓ اور ابن زیاد کی وہ تقریریں ہیں جو اوپر گذر چکی ہیں۔

قیام عدل اور رعایا کی داد رسی عدل و انصاف کے قیام اور رعایا کی داد رسی میں امیر معاویہؓ کو اتنا اہتمام تھا کہ وہ دربار میں آنے سے پہلے روزانہ مسجد میں جا کر رعایا کی شکایتیں سننے کے لیے بیٹھتے اور ان کے سامنے کمزور و ناتواں' دیہاتی عورتیں' بچے اور لا وارث ہر طبقہ کے لوگ پیش کیے جاتے' یہ سب اپنی اپنی شکایتیں بیان کرتے' امیر معاویہؓ اسی وقت اس کے تدارک کا حکم دیتے تھے' اس کے بعد دربار میں جاتے اور اشراف کو باریاب کرتے۔ اور ان سے کہتے کہ تم لوگ اشراف اس لیے کہلاتے ہو کہ تم کو دربار میں کم رتبہ لوگوں پر شرف عطا کیا گیا ہے' اس لیے جو لوگ میرے پاس آتے ان کی ضرورت مجھ سے بیان کیا کرو۔ (مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۲۲۳ حاشیہ نفح الطیب)

بیت المال امیر معاویہؓ پر جو الزام لگائے جاتے ہیں ان میں ایک بڑا الزام بیت المال میں بیجا اسراف کا ہے' اس میں شبہ نہیں کہ امیر معاویہؓ نے خلفائے راشدینؓ کی طرح فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے بیت المال کو محض قوم و ملک کے مصارف تک محدود نہیں رکھا' بلکہ حکومت کی ضروریات کو انہوں نے بند نہیں کیا اور اس سے بہت سے مفید کام انجام دیے' اکابر صحابہؓ کے جو وظائف جاری تھے وہ برابر جاری رہے' اسی بیت المال سے انہوں نے فوجیں تیار کیں' بحری بیڑے بنوائے' فتوحات میں صرف کیا' قلعے بنوائے' پولیس کو ترقی دی' خبر رسانی کا محکمہ قائم کیا' دفاتر بنوائے' نہریں کھدوائیں' اسلامی نو آبادیاں قائم کیں اور بہت سے مفید کام انجام دیے' اسی کے ساتھ انہوں نے اپنی حکومت کے استحکام میں بھی صرف کیا' حقیقت یہ ہے کہ اس عہد کے مسلمانوں کے سامنے خلافت راشدہ کا نمونہ تھا' اسی لیے وہی خصوصیات وہ امیر معاویہؓ کی حکومت میں بھی ڈھونڈتے تھے' حالانکہ

ان دونوں کا موازنہ ہی صحیح نہیں ہے، اگر ایک دنیاوی حکمران کی حیثیت سے ان کے عہد پر نظر ڈالی جائے تو بہت سے اعتراض خود بخود ان پر سے اٹھ جاتے ہیں۔

امیر معاویہؓ کی مخالفت اور غلط واقعات کی شہرت کے اسباب امیر معاویہؓ کے خلاف پروپیگنڈے کا سب سے بڑا سبب بنی ہاشم اور بنی امیہ کی پرانی چشمک اور خلافت کے بارے میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال ہے، اس سوال نے خلفائے راشدین تک کا دامن محفوظ نہ چھوڑا، جو خلاصہ امت تھے، تو امیر معاویہؓ کس شمار میں ہیں۔

امیر معاویہؓ کی مخالفت کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ اموی تھے، پھر حضرت علیؓ کے خلاف صف آرائی کی اور ان کی مخالفت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ان پر سب و شتم کا طریقہ جاری کیا، پھر حسنؓ پر فوج کشی کی، یزید کو ولی عہد بنایا، جس کے زمانہ میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا، بنی امیہ کے زمانہ میں جس کے بانی امیر معاویہؓ ہیں، شیعان علیؓ پر سختیاں ہوئیں، اس لیے وہ قدرۃ" امیر معاویہؓ کے خلاف تھے، انہوں نے ان واقعات سے جنہیں عام طور سے ناپسند کیا جاتا تھا فائدہ اٹھا کر ان کو ہر طرح کے الزاموں کا نشانہ بنا دیا، ممکن تھا، ان کی آواز کچھ عرصہ کے لیے دب جاتی لیکن انہی واقعات کی بنیاد پر بنی عباسؓ نے حکومت کی تعمیر شروع کر دی، ان کا داعی اعظم ابو مسلم خراسانی اور ان کے بہت سے وزراء اور عمال حکومت شیعہ تھے، اس لیے سیاسی مصالح کی بنا پر سینکڑوں افسانے تراش کر بنی امیہ اور امیر معاویہؓ کی جانب منسوب کر دیئے گئے، اور ان کی جانب سے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے ان کی پوری تشہیر کی گئی، بنی عباسؓ کی حکومت سندھ سے لے کر اسپین تک تھی اور کم و بیش چھ سو سال تک رہی، اس لیے امیر معاویہؓ اور بنی امیہ کے مثالب جو سیاسی مصالح کی بنا پر گھڑے گئے تھے، مشرق سے مغرب تک پھیل گئے۔

انہی کے زمانہ میں تاریخیں لکھی گئیں، یہ تاریخ نویسی کا بالکل ابتدائی دور تھا، واقعات کی تحقیق و تنقید مورخ کا فرض نہ سمجھا جاتا تھا، بلکہ وہ اسی کو تاریخی دیانت سمجھتے تھے کہ انہیں جو معلومات حاصل ہوں، انہیں بے کم و کاست اپنی رائے ظاہر کیے بغیر تاریخوں میں داخل کر لیں، اس لیے صحیح واقعات کے ساتھ بہت سی کمزور روایات اور غلط واقعات بھی تاریخوں میں داخل ہو گئے، انہی میں امیر معاویہ کے مثالب بھی ہیں۔

بنی امیہ سے بنی عباسؓ کی نفرت و عداوت کا یہ حال تھا کہ آخری اموی فرمانروا مروان

الحمار کی شکست کے بعد خاندان بنی امیہ کے نوے افراد گرفتار ہوئے' یہ غریب کھانا کھانے کے لیے جمع کیے گئے' عین اس وقت بنی ہاشم کے ایک معمولی غلام شبل بن عبداللہ نے بنی امیہ پر اشتعال دلانے والے چند اشعار پڑھ دیئے۔ انہیں سن کر سفاح عباسی بانی دولت عباسیہ کے چچا عبداللہ بن علی نے اسی وقت کل اموی قیدیوں کو خیمہ کی چوبوں سے پٹوا کر مروا ڈالا اور نیم بسمل لاشوں کے ڈھیر پر دستر خوان بچھوا کر کھانا کھایا اور فرش کے نیچے دم توڑنے والوں کی سسکیوں کی آواز آ رہی تھی' ان کے علاوہ جہاں اموی ملے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کر دیئے گئے' صرف شیر خوار بچے اور وہ لوگ باقی بچے جنہوں نے بھاگ کر اسپین میں پناہ لی۔

یہ تو زندوں کے ساتھ سلوک ہوا' مردوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس سے بھی زیادہ عبرت آموز ہے' تمام خلفائے بنو امیہ کی قبریں کھدوا کر اور ان کی ہڈیاں نکلوا کر پھینکوا دیں' ہشام کی لاش سالم نکلی تھی' اسے سولی پر لٹکا کر آگ میں جلوا دیا گیا۔ (ابو الفداء ج ا ص ۲۱۲)

بنی امیہ کے ساتھ جن لوگوں کی دشمنی کا یہ حال ہو۔ ان کے بارے میں ان کے عہد کے مشتہر کردہ واقعات اور ان کے عہد کی مرتب کردہ تاریخوں کا کیا اعتبار۔ مسلمان مورخین کی اہمیت پھر بھی لائق ستائش ہے کہ ان حالات میں بھی انہوں نے جرات و صداقت سے کام لے کر ان واقعات کے ساتھ ساتھ بنی امیہ کے محاسن بھی قلم بند کر دیئے' دوسری قوم کے مورخین مشکل سے جس کی ہمت کر سکتے تھے۔

بنی امیہ کے متعلق غلط روایات کے اندراج کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں شیعہ سنی اختلافات نے یہ شکل اختیار نہ کی تھی' اس کی زیادہ تر حیثیت پولٹیکل تھی' اس پر مذہب کا رنگ اتنا گہرا نہ چڑھا تھا' اس لیے مورخین تو مورخین' محدثین تک ان کی روایتیں قبول کرتے تھے۔ چنانچہ صحاح میں بھی ان کی روایتیں ہیں' اس لیے بنی امیہ کے متعلق بھی ان کے بیانات کتابوں میں داخل ہو گئے گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ بنی امیہ کے بارے میں ان کے بیانات کا کیا درجہ ہو گا۔

فضل و کمال علمی اعتبار سے امیر معاویہؓ تہی دامن نہ تھے' ابتداء سے لکھنے پڑھنے میں مہارت رکھتے تھے' اسی بنا پر ان کو آنحضرت ﷺ نے کاتب وحی بنایا تھا۔

مذہبی علوم میں اتنا درک تھا کہ صاحب علم و افتاء صحابہ میں شمار تھا۔ (اعلام الموقعین ج

ص ۱۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے۔ (بخاری مناقب معاویہؓ) قرآن مجید کی تفسیر و تاویل پر بھی نظر تھی، ۱۶۳ حدیثیں ان سے مروی ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت عبداللہؓ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نام بھی ہیں، شعر و ادب کا بھی مذاق رکھتے تھے، اور اشعار کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے، تقریر فصیح ہوتی تھی، ان کی متعدد تقریریں تاریخوں میں موجود ہیں، جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بھی ایک تقریر نمونۃً درج کی ہے۔ (کتاب العمدہ ص ۱۰) غرض وہ اس عہد کے جملہ مروجہ علوم میں کچھ نہ کچھ درک رکھتے تھے۔

تاریخ کی پہلی کتاب تاریخ اسلام میں اس وقت تک فن تاریخ کے اوراق بالکل سادہ تھے۔ سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے اس زمانہ کے ایک ممتاز اخباری عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات اور زبانوں کی ابتداء اور اس کے پھیلنے کی تاریخ لکھائی، یہ مسلمانوں میں تاریخ کی سب سے پہلی کتاب تھی۔ (کتاب البیان والتبیین ج ۱ ص ۱۱۲، ۱۱۳)

سیرت معاویہؓ امیر معاویہؓ فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں میں تھے، انہیں صحبت نبویؐ سے استفادہ کا زیادہ موقع نہ مل سکا تھا، اس لیے ان میں علم و عمل کے وہ جوہر پیدا نہ ہو سکے جو مہاجرین کا طغرائے امتیاز ہیں، وہ صحابی رسول تھے اس لیے ان کا دامن اخلاق فضائل سے خالی نہ تھا۔

خوف و خشیت الٰہی انہیں دنیا کی مختلف آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑا، جن میں وہ بحیثیت صحابی رسولؐ اپنا دامن نہ بچا سکے لیکن ان کا دل خوف و خشیت الٰہی سے خالی نہ تھا، وہ مواخذہ قیامت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے اور اس کے عبرت آموز واقعات سن کر زار و زار روتے تھے۔ (فہرست ابن الندیم ص ۳۲)

دنیاوی ابتلاء پر تاسف و پشیمانی دنیاوی ابتلاء کا پورا احساس و اعتراف تھا، اور اس پر ندامت و پشیمانی تھی، ایک مرتبہ وہ سفر میں تھے کہ ایک مقام پر منزل ہوئی، ایک اونچے اور بلند مقام پر فرش بچھا دیا گیا، سامنے سے ان کے خدم و حشم، اونٹ گھوڑے، لونڈی اور غلام قطار در قطار گزرنے لگے، انہیں دیکھ کر امیر معاویہؓ نے اپنے ساتھی ابن مسعدہ سے

کہا، خدا ابوبکرؓ پر رحم کرے، نہ انہوں نے دنیا کو چاہا، نہ دنیا نے انہیں چاہا۔ عمرؓ کو دنیا نے چاہا لیکن انہوں نے اس کو نہ چاہا۔ عثمانؓ کو کچھ دنیا میں مبتلا ہونا پڑا، اور ہم لوگ تو بالکل اسی میں آلودہ ہو گئے، وہ یہ کہہ رہے تھے اور ان پر ندامت و پشیمانی کے آثار طاری تھے۔ (ترمذی ابواب الزہد)

مرض الموت میں ان آزمائشوں کو یاد کر کے کہتے تھے "کاش میں ذی طویٰ (نام مقام) کا ایک معمولی قریشی ہوتا اور ان معاملات میں نہ ہوتا۔ (طبری ج ۷ ص ۲۱۲)

امہات المومنینؓ کی خدمت تمام خلفاء امہات المومنینؓ کی خدمت باعث سعادت سمجھتے تھے، امیر معاویہؓ بھی اس سعادت سے محروم نہ رہے وہ ایک ایک مشت ایک ایک لاکھ کی رقم حضرت عائشہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۸۷)

عام فیاضی ان کی یہ فیاضی امہات المومنین تک محدود نہ تھی بلکہ صحابہؓ کرام، اکابر قریش اور دوسرے اعیان و شرفاء پر ان کا ابر کرم برستا رہتا تھا، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ابن زبیرؓ عبداللہ بن عمرؓ اور آل ابی طالب کے افراد امیر کے بڑے مخالفوں میں تھے، لیکن امیر معاویہؓ کی فیاضیاں ان کے لیے بھی یکساں تھیں، یہ بزرگ انہیں برا بھلا کہتے تھے، اور امیر ان کی خدمت کرتے تھے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵) ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب کو چالیس ہزار کی ضرورت تھی، انہوں نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر ان سے بیان کی، اسی کے ساتھ بھرے مجمع میں انہیں اور ان کے والد ابو سفیان کو برا بھلا بھی کہا، امیر نے سنا اور سن کر مطلوبہ رقم پیش کی۔ (اسد الغابہ تذکرہ عقیل بن ابی طالب)

تمام اکابر صحابہؓ کے وظائف مقرر تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو ان کے خلاف لیکن ان کی فیاضی کے معترف تھے، کہا کرتے تھے کہ جو لوگ معاویہؓ کے پاس جاتے ہیں، وہ ایک وسیع وادی میں اترتے ہیں۔ (طبری ج ۷ ص ۲۲۵)

حلم حلم ان کا سب سے بڑا اور ممتاز وصف تھا، ان کا یہ وصف تاریخی مسلمات میں ہے۔ اس کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں۔

یزید اول بن معاویہؒ

۶۰ھ تا ۶۴ھ مطابق ۶۸۰ء تا ۶۸۳ء

امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا یزید اول تخت نشین ہوا یہ میسون بنت بجدل کے بطن سے تھا' اس کی پیدائش امیر معاویہؓ کے دور امارت میں ہوئی تھی' اس لیے عیش و تنعم کے گہوارہ میں اس نے پرورش پائی' اس کی زندگی شاہزادوں اور امیر زادوں کی تھی' سیر و شکار کا بڑا شائق تھا۔ لیکن سپہ گری کے جوہر موجود تھے' لڑائیوں میں شریک ہوتا تھا قسطنطنیہ کی مشہور مہم میں بھی تھا' اور ایک روایت کے مطابق فوج کا سپہ سالار تھا۔

خلافت امیر معاویہؓ اس کی بیعت اپنی زندگی میں لے چکے تھے' ان کے انتقال کے بعد رجب ۶۰ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت کا مطالبہ اور امیر معاویہؓ کے حالات میں گذر چکا ہے کہ حضرت امام حسینؓ' عبداللہ بن زبیرؓ' عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ وغیرہ نے یزید کی ولی عہدی تسلیم نہیں کی تھی' اس لیے تخت نشینی کے بعد یزید کے سامنے سب سے پہلے ان بزرگوں کی بیعت کا سوال پیدا ہوا' عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے تو کوئی خاص خطرہ نہ تھا' لیکن امام حسین اور عبداللہ بن زبیرؓ کی جانب سے دعویٰ خلافت کا یقین تھا' جس کے معنی یہ تھے کہ ساری دنیائے اسلام خصوصاً حجاز اور عراق میں یزید کے خلاف انقلاب برپا ہو جاتا' جیسا کہ آگے چل کر ابن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے زمانہ میں پیش آیا۔ اس لیے تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کو ان دونوں بزرگوں سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا' اس کو اس کی تعمیل کے خطرات معلوم تھے اس نے مروان بن حکم سے مشورہ کیا اس نے رائے دی کہ دونوں کو بلا کر فوراً بیعت لے لو' اگر ذرا بھی تامل کریں تو سر قلم کر دو' اگر ان کو معاویہ کی موت کی خبر ہو گئی تو ان میں سے ہر ایک' ایک ایک مقام پر خلافت کا دعویدار بن کر کھڑا ہو جائے گا' اس وقت بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔

چنانچہ ولید نے حضرت امام حسینؓ اور ابن زبیرؓ کو بلا بھیجا، ابھی تک امیر معاویہؓ کے انتقال کی خبر مدینہ نہ پہنچی تھی، لیکن دونوں بزرگوں کو قرائن سے اس کا اندازہ ہو گیا اور وہ اس طلبی کا یہ مقصد سمجھ گئے تاہم وہ ولید کے بلاوے پر اس کے پاس گئے، اس نے امیر معاویہؓ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا حکم سنایا، حضرت امام حسینؓ نے انا للہ پڑھی اور امیر کے لیے دعائے خیر کی، پھر فرمایا میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور نہ میرے لیے یہ زیبا ہے، جب عام لوگوں کو بلاؤ گے اس وقت میں بھی آ جاؤں گا، ولید نیک فطرت اور امن پسند شخص تھا، راضی ہو گیا اور آپ لوٹ گئے۔

عبداللہ بن زبیرؓ ایک دن کی مہلت لے کر راتوں رات مکہ نکل گئے، ولید کو خبر ہوئی تو اس نے آدمی دوڑائے، لیکن ابن زبیرؓ دور جا چکے تھے، مکہ پہنچ کر وہ حرم میں پناہ گزیں ہو گئے۔

مروان نے حضرت امام حسینؓ سے بیعت لیے بغیر ان کو چھوڑ دینے پر ولید کو بڑی ملامت کی اور کہا، بیعت لینے کا موقع تم نے کھو دیا۔ اب قیامت تک تم ان پر قابو نہیں پا سکتے، اس نے جواب دیا کہ میں حسینؓ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت امام حسینؓ کا سفر حضرت امام حسینؓ یزید کی غیر شرعی موروثی بادشاہت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے لیکن بغیر بیعت کے مفر کی کوئی صورت نہ تھی عراق کے شیعان علیؓ کا میلان آپ کی طرف تھا، اس لیے آپ بڑی کشمکش میں مبتلا ہو گئے، لیکن مدینہ میں بغیر بیعت کے قیام ناممکن تھا، اس لیے محمد بن حنیفہ کے مشورہ سے شعبان ۶۰ھ میں مع اہل و عیال کے مکہ روانہ ہو گئے، راستہ میں ایک محب اہل بیت عبداللہ بن مطیع ملے انہوں نے پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا مکہ جاتا ہوں، ابن مطیع نے عرض کیا وہاں جانے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن خدا کے لیے کوفہ کا قصد نہ فرمایئے گا، وہاں کے لوگ بڑے غدار ہیں، انہوں نے آپ کے والد بزرگوار اور محترم بھائی دونوں کو دھوکا دیا، آپ اہل حجاز کے سردار ہیں، حرم میں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ لوگوں کو اپنی دعوت دیجیے! حرم کا گوشہ ہرگز ہرگز نہ چھوڑیئے گا، مکہ پہنچ کر آپ نے شعب ابی طالب میں قیام فرمایا۔

اہل کوفہ کے دعوتی خطوط اور مسلم بن عقیل کا سفر کوفہ عراق کے شیعان علیؓ ابتداء سے امیر معاویہؓ کے خلاف تھے، ان کی وفات کے بعد انہوں نے خلافت کا

منصب اہل بیت میں منتقل کرنے کی کوشش کی، اور حضرت امام حسینؓ کے مکہ پہنچنے کے بعد آپ کے پاس بلاوے کے خطوط لکھے، پھر عمائد کوفہ نے خود آکر کوفہ چلنے کی درخواست کی، اس درخواست پر آپ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو حالات کی تحقیق کے لیے کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کو لکھا۔

> "تمہارے خطوط ملے، تمہاری خواہش معلوم ہوئی، میں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو حالات کی تحقیق کے لیے بھیجتا ہوں، جیسا کہ تم نے لکھا ہے اور تمہارے آدمیوں کا بیان ہے، اگر واقعی تم لوگ میری خلافت پر متفق ہو، تو مسلمؓ وہاں کے حالات دیکھ کر مجھے اطلاع دیں گے میں فوراً روانہ ہو جاؤں گا"۔

یہ خط لے کر مسلم کوفہ پہنچے اور مختار بن ابی عبید کے گھر میں قیام کیا، ان کی آمد کی خبر سن کر ان کے پاس شیعان علیؓ کی آمد و رفت شروع ہو گئی، کوفہ کے حاکم نعمان بن بشیر کو خبر ہو گئی، لیکن وہ بڑے دیندار، نیک فطرت اور امن پسند آدمی تھے اس لیے کسی قسم کی سختی نہیں کی بلکہ لوگوں کو بلا کر انہیں سمجھا دیا کہ:

> "فتنہ و اختلاف میں نہ پڑو، اس میں جان و مال دونوں کی ہلاکت و بربادی ہے، جب تک کوئی شخص میرے مقابلہ کے لیے نہ کھڑا ہو گا اس وقت تک میں محض بدگمانی پر کسی سے باز پرس نہ کروں گا"۔

عبیداللہ بن زیاد کی آمد لیکن یزید کے جاسوسوں نے دمشق اطلاع بھیج دی کہ مسلم بن عقیل کوفہ آگئے ہیں اور لوگوں کو برگشتہ کر رہے ہیں، اگر حکومت کی بقا منظور ہے تو فوراً اس کا تدارک کیا جائے، اس اطلاع پر یزید نے عبیداللہ بن زیاد والی بصرہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ جا کر جس طرح ممکن ہو مسلمؓ کو نکال دو یا انہیں قتل کر دو، یہ حکم پا کر وہ فوراً کوفہ پہنچا اور اہل کوفہ کے سامنے تقریر کی۔

> "باشندگان کوفہ! امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم مقرر کر کے بھیجا ہے اور مظلوموں کے ساتھ انصاف، مطیع و فرمانبردار کے ساتھ احسان و سلوک اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے، میں اس حکم کو پورا کروں گا، مطیع و منقاد کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آؤں گا، لیکن مخالفوں کے لیے سم قاتل ہوں"۔

(ابن اثیر ج ۴ ص ۱۰)

اور ہر محلہ کے چودھری کو اس کے محلہ کا ذمہ دار بنایا کہ وہ اپنے اپنے محلہ کے فتنہ پرداز خوارج اور مشتبہ لوگوں کے نام لکھ کر اطلاع دیں‘ جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا اس کے دروازہ پر اس کو سولی لٹکایا جائے گا۔

مسلمؓ بن عقیل کی خفیہ کوششیں ان انتظامات کو دیکھ کر مسلم بن عقیل‘ مختار کے گھر سے ایک دوسرے محب اہل بیت ہانی بن عروہ مذحجی کے یہاں منتقل ہو گئے‘ انہیں ٹھہرانے میں تامل ہوا لیکن پاس مروت سے انکار نہ کر سکے اور بادل نخواستہ انہیں جگہ دے دی‘ یہاں بھی شیعان علیؓ کی آمد و رفت برابر جاری رہی اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی انہوں نے حضرت امام حسینؓ کو خط لکھ بھیجا کہ حالات موافق ہیں آپ فورا تشریف لائیے"۔

مسلم کی گرفتاری اور قتل عبیداللہ بن زیاد برابر مسلم کی جستجو میں لگا ہوا تھا‘ لیکن پتہ نہ چلتا تھا آخر میں اس کے غلام معقل نے شیعان علیؓ کا بھیس بدل کر پتہ چلا لیا۔ اور مسلم سے مل کر عبیداللہ بن زیاد کو خبر کر دی۔

ہانی بن عروہ عمائد کوفہ میں تھے اس لیے کوفہ کے والیوں کے یہاں ان کی آمد و رفت رہتی تھی لیکن جب سے مسلم ان کے گھر آ گئے تھے اس وقت سے انہوں نے عبیداللہ بن زیاد کے پاس آنا جانا بند کر دیا تھا‘ ایک دن وہ بعض شرفائے کوفہ کے ساتھ عبیداللہ کے پاس گئے‘ اس نے پوچھا تم نے مسلم کو چھپایا ہے؟ اور لوگوں کو ان کی بیعت کے لیے جمع کرتے ہو؟ انہوں نے انکار کیا‘ ان کے انکار پر معقل نے شہادت دی‘ اس عینی شہادت کے بعد انکار کی گنجائش نہ تھی‘ ہانی نے اقرار کر لیا اور اصل واقعہ بیان کر دیا کہ میں نے ان کو بلایا نہیں تھا‘ وہ خود میرے یہاں آئے تھے‘ مجھے انہیں ٹھہرانے میں تامل تھا‘ لیکن مروت سے انکار نہ کر سکا‘ اگر یہ فعل آپ کے خلاف مزاج ہے تو میں ابھی جا کر ان کو نکالے دیتا ہوں‘ ابن زیاد نے کہا تم یہاں سے نہیں جا سکتے یہیں ان کو بلا کر ہمارے حوالہ کرو‘ ہانی کی غیرت نے اس کو گوارا نہ کیا‘ انہوں نے کہا میں اپنے پناہ گزیں کو تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا‘ ان کے انکار پر ابن زیاد نے انہیں پٹوا کر قید کر دیا۔

کوفہ میں خبر پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے‘ یہ افواہ سن کر مسلم اپنے اٹھارہ ہزار عقیدت مندوں کو لے کر نکل پڑے اور عبیداللہ ابن زیاد کو قصر امارت میں گھیر لیا‘ اس

وقت ابن زیاد کے پاس حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا‘ صرف پچاس آدمی تھے‘ ان میں کچھ پولیس کے آدمی اور چند اشراف کوفہ تھے‘ ابن زیاد نے انہیں حکم دیا کہ وہ لوگ اپنے اپنے قبیلہ اور اثر والوں کو واپس کر دیں اور اعلان کرا دیا جو شخص امیر کی اطاعت کرے گا وہ انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اور جو مخالفت کرے گا اسے سخت سزا دی جائے گی کچھ لوگ اس دھمکی کے خوف سے اور کچھ اشراف کے سمجھانے سے مسلمؓ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے‘ کچھ لوگوں کے اعزہ و اقربا انہیں واپس لے گئے‘ غرض مسلم کے ساتھ صرف تیس رہ گئے اس وقت وہ بہت گھبرائے اور ایک بوڑھی عورت کے گھر میں پناہ لی‘ ابن زیاد نے یہ بھی اعلان کرا دیا کہ مسلم جس کے گھر سے برآمد ہوں گے اسے سخت سزا دی جائے گی اور جو انہیں گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام دیا جائے گا‘ اس اعلان کے ساتھ ہی گھروں کی تلاشی شروع کرا دی‘ اس اعلان سے خوفزدہ ہو کر بوڑھی عورت کے لڑکے نے بتا دیا۔ ابن زیاد نے اسی وقت محمد بن اشعث کو گرفتاری کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا‘ مسلم نے جب دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں تو جان پر کھیل کر نکل آئے اور تن تنہا پوری جماعت کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گئے اس وقت محمد بن اشعث جان بخشی کا وعدہ کر کے انہیں ابن زیاد کے پاس لے آیا اور اس سے کہا میں انہیں امان دے چکا ہوں‘ ابن زیاد نے ڈانٹا کہ میں نے تم کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا تمہیں امان دینے کا کیا حق تھا؟ یہ سن کر مسلم نے محمد بن اشعث سے کہا میرا بچانا تمہارے بس میں نہیں ہے لیکن اتنا کرنا کہ حسینؓ کو میرے انجام کی خبر کر کے کہلا دینا کہ کوفہ والوں پر ہرگز ہرگز اعتبار نہ کریں اور جہاں تک پہنچ چکے ہوں وہیں سے لوٹ جائیں‘ ابن اشعث نے ایفاء کا وعدہ کیا‘ پھر عمر بن سعد سے جو ان کا قریبی عزیز اور اموی حکام میں تھا وصیت کی کہ میں نے سات سو درہم اہل کوفہ سے قرض لیے تھے انہیں ادا کر دینا اور میری لاش کو دفن کر دینا اور حسینؓ کو اطلاع دے کر راستہ سے واپس کر دینا‘ ان وصیتوں کے بعد ابن زیاد نے ان کو قتل کرا دیا‘ ان کے قتل سے حضرت امام حسینؓ کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔

حضرت امام حسینؓ کی مکہ سے روانگی اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مسلم نے حضرت امام حسینؓ کو کوفہ کے حالات کی اطلاع دے کر آپ کو بلا بھیجا تھا‘ اس اطلاع پر آپ نے

روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں تھیں، اہل مکہ اور حضرت امام حسینؓ کے اعزہ کوفیوں کی غداری سے پوری طرح واقف تھے، اس لیے انہیں جب آپ کی تیاریوں کی خبر ملی تو تمام بہی خواہوں نے روکا۔

عمرو بن عبدالرحمٰن نے کہا میں نے سنا ہے آپ عراق جا رہے ہیں، وہاں آپ کے دشمنوں کی حکومت ہے ان کے حکام موجود ہیں، ان کے ہاتھ میں فوج اور خزانہ ہے، عوام بندہ زر ہوتے ہیں جن لوگوں نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا ہے وہی آپ سے لڑیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سمجھایا کہ خدارا اس ارادہ سے باز آئیں، اگر عراقیوں نے شاہی حکام کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا تو بے شک جاؤ، اور اگر مخالفین کی حکومت قائم ہے تو یقین مانو کہ عراقیوں نے تم کو محض لڑنے کے لیے بلایا ہے، شاہی حکام کے ہوتے ہوئے کوئی تمہارا ساتھ نہ دے گا سب تم کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے، جن لوگوں نے تم کو بلایا ہے وہی تم کو جھٹلائیں گے اور تمہارے خلاف لڑیں گے، حضرت امام حسینؓ نے جواب دیا میں استخارہ کروں گا۔

ابن زبیرؓ نے کہا آپ مکہ ہی میں قیام کر کے اپنی خلافت کی کوشش کیجئے، ہم سب آپ کی مدد کریں گے، حضرت امام حسینؓ نے جواب دیا، میں نے والد سے سنا ہے کہ حرم کا ایک مینڈھا ہے، جس کی وجہ سے حرم کی حرمت اٹھ جائے گی، میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا۔

دوسرے دن پھر حضرت ابن عباسؓ نے سمجھایا کہ میرا دل کسی طرح نہیں مانتا، اس راہ میں تمہاری جان کا خوف ہے، عراقی غدار ہیں، ہرگز ان کے یہاں نہ جاؤ مکہ ہی میں رہو، تم حجازیوں کے سردار ہو، اگر عراقی واقعی تمہارے حامی ہیں تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے تمہارے دشمنوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں، اس وقت تم وہاں کا قصد کرو، لیکن اگر تم نے جانے ہی کا فیصلہ کر لیا ہے اور مکہ میں نہیں رہنا چاہتے تو عراق کے بجائے یمن جاؤ، وہ ایک الگ تھلگ مقام ہے وہاں تمہارے والد کے حامی موجود ہیں ہر طرح کی حفاظت کا سامان ہے وہاں بیٹھ کر اپنی خلافت کی کوشش کرو، اس طرح آسانی سے تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا، حضرت امام حسینؓ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ آپ میرے سچے بہی خواہ ہیں لیکن اب میں پختہ عزم کر چکا ہوں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر نہیں مانتے تو کم از کم

اہل و عیال کو ساتھ نہ لے جاؤ' مجھ کو ڈر ہے کہ عثمانؓ کی طرح تم بھی بال بچوں کے ساتھ ذبح کیے جاؤ گے۔

لیکن مشیت کچھ اور تھی اس لیے خیر خواہوں کی ساری کوششیں بے کار گئیں اور حضرت امام حسینؓ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مع اہل و عیال مکہ سے کوفہ روانہ ہو گئے' مکہ سے نکلنے کے بعد فرزدق شاعر جو کوفہ سے آ رہا تھا ملا' اس نے بتایا کہ کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ۔

آپ کی روانگی کے بعد آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفرؓ نے عمرو بن سعید اموی حاکم مکہ سے خط لکھوا کر بھیجا کہ آپ لوٹ آیئے اس راہ میں ہلاکت ہے میں ہر طرح سے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں' آپ اطمینان و سکون کے ساتھ مکہ میں رہیے میں ہر طرح سے آپ کی مدد کروں گا' یہ خط آپ کو راستہ میں ملا' آپ نے اس کے جواب میں عمرو بن سعید کو شکریہ کا خط لکھا مگر واپس نہ ہوئے۔

ابن زیاد کے انتظامات شاہی حکومت کو آپ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی' اس نے آپ کو اطلاع اور آپ کے اور اہل کوفہ کے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ منقطع کرنے کے لیے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا تھا' چنانچہ آپ کے ایک قاصد قیس بن مسہر صیداوی جنہیں آپ نے کوفہ کے حالات کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا' گرفتار کر کے قتل کر دیے گئے' مقام ثعلبیہ میں پہنچ کر آپ کو کوفہ کے ایک مسافر سے مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی' خبر سننے کے بعد آپ کے ارادہ میں کچھ تغیر ہوا' ہوا خواہوں نے بھی واپسی کے لیے اصرار کیا' لیکن اب مسلم کے بھائیوں نے انکار کیا اور کہا ہم یا تو مسلم کے خون کا بدلہ لیں گے یا خود لڑ کر جان دے دیں گے' ان کے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ جب تم ہی لوگ نہ رہو گے تو میری زندگی کس کام کی' غرض سفر جاری رہا' کچھ دور چل کر محمد بن اشعث اور عمرو بن سعد کے قاصد جنہیں ان دونوں نے مسلم کی وصیت کے مطابق حضرت امام حسینؓ کو روکنے کے لیے بھیجا تھا' ملے' ان سے کوفہ کے تفصیلی حالات سننے کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا' مسلم بن عقیل' ہانی بن عروہ' اور عبداللہ بن بقطر کے قتل کی خبریں موصول ہو چکی ہیں' ہمارے حامیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے' اس لیے تم میں سے جو شخص لوٹنا چاہے وہ خوشی سے لوٹ سکتا ہے' میری جانب سے اس پر کوئی الزام

نہیں' یہ سن کر عوام کا ہجوم جو راستہ سے ساتھ ہو گئے تھے چھٹنے لگا اور صرف وہی جان نثار باقی رہ گئے' جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے۔

حر بن یزید تمیمی کی آمد آگے چل کر مقام ذی حشم میں حر بن یزید تمیمی ایک ہزار سپاہ کے ساتھ جسے ابن زیاد نے حضرت امام حسینؓ کو گھیر کر لانے کے لیے بھیجا تھا ملا' اس سے آپ نے فرمایا کہ میں خود سے نہیں آیا ہوں' بلکہ تم لوگوں کے خطوط اور آدمی آئے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ آ کر ہماری راہنمائی کیجئے' اگر تم لوگ اس بیان پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر چلوں ورنہ یہیں سے لوٹ جاؤں' حر اور اس کے ساتھیوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا' آپ نے کوفیوں کے تمام خطوط حر کے سامنے ڈھیر کر دیئے' اس نے کہا ہم کو اس سے بحث نہیں' ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں کہیں مل جائیں آپ کو لے جا کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں' یہ سن کر حضرت حسینؓ نے قافلہ کو لوٹانا چاہا۔ حر نے روکا' دونوں میں تیز گفتگو ہو گئی' لیکن حر نے آپ کے مرتبہ کا پورا لحاظ رکھا اور عرض کیا اگر میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستہ سے جدا ہو' میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں' آپ یزید کو لکھئے' ممکن ہے مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں' حضرت امام حسینؓ اس پر راضی ہو گئے۔

خطبہ مقام بیضہ میں حضرت امام حسینؓ نے ایک پر جوش خطبہ دیا۔

"لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم' محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے' خدا کے عہد کو توڑنے والے' خدا اور رسول کی مخالفت اور خدا کے بندوں گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً" و عملاً" اس پر غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے کہ اس شخص کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کر دے' لوگو خبردار ہو جاؤ' ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے ملک میں فساد پھیلایا ہے' حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے' مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں' خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیا ہے اس لیے مجھ کو غیرت آنے کا زیادہ حق ہے"۔

عذیب الہجانات پہنچ کر طرماح بن عدی نے جو کوفہ سے آ رہے تھے قیس بن مسہر کے قتل کی خبر سنائی اور کوفہ کے جنگی انتظامات کا حال بیان کر کے اپنے یہاں چلنے کی دعوت دی

لیکن آپ نے قبول نہ فرمائی۔

کربلا میں ورود نینویٰ میں حر کو ابن زیاد کا حکم ملا کہ حسینؓ کو ایسے چٹیل میدان میں اتارو جہاں کوئی اوٹ اور پانی وغیرہ نہ ہو‘ حر نے حضرت حسینؓ کو یہ حکم سنا دیا لیکن اس کی تعمیل پر کوئی اصرار نہیں کیا اور ۲ محرم ۶۱ھ کو حضرت حسین نے کربلا میں قافلہ اتارا‘ تیسری محرم کو عمر بن سعد چار ہزار فوج لے کر کربلا پہنچا‘ یہ حضرت حسینؓ کا قریبی عزیز تھا‘ بڑی کشمکش کے بعد حکومت کی طمع میں اس نے یہ مہم اپنے سر لی تھی‘ لیکن اس کا ضمیر برابر ملامت کر رہا تھا‘ اس نے کربلا آنے کے بعد مفاہمت کی بڑی کوشش کی‘ حضرت امام حسینؓ سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے ہیں‘ آپ نے جواب دیا کہ میں کوفیوں کے بلاوے پر آیا تھا‘ اب واپس جانے کے لیے تیار ہوں لیکن وہاں سے حکم آیا کہ پہلے ان سے بیعت لے لو‘ اس کے بعد غور کیا جائے گا‘ اس کے بعد ہی دوسرا حکم پانی بند کر دینے کا پہنچا۔

پانی کے لیے کشمکش اس حکم کے بعد عمر بن سعد نے ۷ محرم ۶۱ھ سے فرات پر پہرہ بٹھا دیا‘ حضرت امام حسینؓ کے سوتیلے بھائی عباس بن علیؓ بڑے بہادر تھے یہ چند آدمیوں کو لے کر زبردستی پانی لے آئے۔

شمر ذی الجوشن کی آمد عمر بن سعد حکومت کی طمع میں حضرت امام حسینؓ سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا تھا‘ لیکن تلوار اٹھانے کی ہمت نہ پڑتی تھی‘ اور اس امید پر جنگ کو ٹال رہا تھا کہ شاید مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے ابن زیاد کو اس کا اندازہ ہو گیا‘ اس نے شمر ذی الجوشن کو بھیجا اور عمر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ میں نے تم کو حسینؓ کی خیر خواہی اور ان کو بچانے کے لیے نہیں بھیجا تھا‘ میرا حکم پہنچتے ہی ان سے بیعت لے کر ان کو میرے پاس بھیج دو اگر تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو فوج ذی الجوشن کے حوالہ کر دو‘ ابن سعد پر یہ حکم بہت گراں گزرا‘ لیکن رے حکومت‘ حکومت کا چھوڑنا اس سے زیادہ دشوار تھا‘ اس لیے بادل ناخواستہ اس کی تعمیل کے لیے تیار ہو گیا اور محرم کی نویں تاریخ کو خود حضرت امام حسینؓ سے مل کر ان سے آخری گفتگو کی‘ لیکن مصالحت کی کوئی صورت تھی ہی نہیں‘ حضرت امام حسینؓ بیعت نہیں کر سکتے تھے اور شام کی حکومت بغیر بیعت لیے ہوئے چھوڑ نہیں سکتی تھی‘ اس لیے آخری گفتگو بھی ناکام رہی اور حضرت امام حسینؓ نے اپنے

ساتھیوں سے فرمایا۔

"لوگو! موعودہ وقت آ پہنچا' اس لیے میں تم کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں میرے اہل بیت کو ساتھ لے کر لوٹ جاؤ"۔

عوام کی بھیڑ پہلے ہی چھٹ چکی تھی صرف خواص اور اعزہ باقی رہ گئے تھے ان کی واپسی کا کوئی سوال ہی نہ تھا' اس کے جواب میں سب نے جان نثاری کا اظہار کیا' حضرت امام حسینؓ نے اہل بیت کے خیموں کی حفاظت کے انتظامات کر کے صبح کو بہتر(۷۲) جان نثاروں کی مختصر فوج مرتب کی' میمنہ پر زہیر بن قیس کو' میسرہ پر حبیب بن مطہر کو متعین کیا اور عباسؓ کو علم مرحمت فرمایا۔ اور آغاز جنگ سے بارگاہ ایزدی میں دعا کی۔

"خدایا تو ہر تکلیف میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں سہارا ہے مجھ پر جو وقت آئے ان میں تو ہی میرا پشت پناہ تھا' غم و اندوہ میں دل کمزور پڑ جاتا ہے کامیابی کی تدبیریں کم ہو جاتی ہیں اور رہائی کی صورتیں گھٹ جاتی ہیں' دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں' اور دشمن شماتت کرتے ہیں' میں نے ایسے نازک وقتوں میں سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا' تجھی سے اس کی شکایت کی ہے' تو نے مصائب کے بادل چھانٹ دیئے اور ان کے مقابلہ میں میرا سہارا بنا' تو ہی ہر نعمت کا والی ہے ہر بھلائی کا مالک اور ہر آرزو اور تمنا کا منتہی ہے"۔

اس دعا کے بعد اتمام حجت کے لیے دشمنوں کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی' اس میں آپ نے اپنی شخصیت بتائی اور اپنے آنے کے اسباب بیان کر کے واپسی کی اجازت چاہی' لیکن اب اس کا وقت ختم ہو چکا تھا جواب ملا کہ اپنے ابن عم کی بیعت کر لو' وہ تمہاری ہر خواہش پوری کر دیں گے اور تمہارے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہ ہو گا' حضرت امام حسینؓ نے جواب دیا خدا کی قسم میں ذلیل کی طرح یزید کی بیعت کر کے غلام کی طرح اس کی خلافت تسلیم نہ کروں گا۔"

آپ کے بعد آپ کے جانثاروں نے تقریریں کیں لیکن عراقی فوج پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا' البتہ حر بن یزید تمیمی عراقیوں کا ساتھ چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔

جنگ و شہادت۔ اور جنگ شروع ہو گئی' پہلے ایک ایک آدمی میدان میں آیا اور حسینی فوج کے چند آدمی مارے گئے اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی' دونوں کی قوت میں

تناسب نہ تھا' ایک طرف چار ہزار مسلح سپاہ تھی' دوسری طرف کل ۷۲ آدمی' تاہم یہ مٹھی بھر آدمی بڑی شجاعت سے لڑے' دوپہر تک حضرت حسینؓ کے بہت سے آدمی کام آ گئے۔

ان کے بعد باری باری سے' حضرت علی اکبرؓ' عبداللہ بن مسلم' جعفر طیار کے پوتے عدی' عقیل کے فرزند عبدالرحمٰن' ان کے بھائی حضرت حسنؓ کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکرؓ وغیرہ میدان میں آئے اور شہید ہوئے' ان کے بعد حضرت امام حسینؓ نکلے' عراقیوں نے ہر طرف سے یورش کر دی' آپ کے بھائی عباسؓ' عبداللہ' جعفر اور عثمان آپ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور چاروں نے شہادت حاصل کی' اب امام حسینؓ بالکل خستہ اور نڈھال ہو چکے تھے' پیاس کا غلبہ تھا' فرات کی طرف بڑھے پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حسین بن نمیر نے تیر چلایا' چہرہ مبارک زخمی ہو گیا' آپ فرات سے لوٹ آئے' اب آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی' عراقیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا' ذرعہ بن شریک تمیمی نے ہاتھ اور گردن پر وار کیے' سنان بن انس نے تیر چلایا اور آپؓ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے' آپ کے گرنے کے بعد سنان بن انس نے سر اقدس تن سے جدا کر دیا' یہ حادثہ عظمیٰ ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ میں پیش آیا۔

اس معرکہ میں ۷۲ آدمی شریک ہوئے' جن میں بیس خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے' شہادت کے دوسرے دن غاضریہ والوں نے شہداء کی لاشیں دفن کیں' حضرت امام حسینؓ کا جسد مبارک بغیر سر کے دفن کیا گیا' سر ابن زیاد کے ملاحظہ کے لیے کوفہ بھیج دیا گیا۔ (طبری ج ۷ ص ۳۷۵ و اخبار الطوال ص ۳۷۲)

اہل بیت کا سفر شام اور یزید کا تاثر حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اہل بیت کا قافلہ ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا' اس نے معائنہ کے بعد شام بھجوا دیا' یہ حادثہ عظمیٰ یزید کی لاعلمی میں اور بغیر اس کے حکم کے پیش آیا تھا' کیونکہ اس نے صرف بیعت لینے کا حکم دیا' لڑنے کی اجازت نہ دی تھی' اس لیے جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا "اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا' ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو' اگر میں موجود ہوتا تو خدا کی قسم حسینؓ کو معاف کر دیتا' خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

اس کے بعد جب اہل بیت کا قافلہ شام پہنچا تو یزید ان کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا

اور ان سے کہا "خدا ابن مرجانہ کا برا کرے، اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا، اور اس طرح تم کو نہ بھیجتا، فاطمہ بنت علیؓ کا بیان ہے، جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کیے گئے، تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہو گئی، ہمارے ساتھ بڑی نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا اور ہمارے متعلق احکام دیئے۔

(طبری ج ۷ ص ۳۷۷)

پھر حضرت حسینؓ کے سر کی طرف اشارہ کر کے درباریوں سے کہا کہ ان کا یہ انجام اس لیے ہوا کہ یہ کہتے تھے کہ ان کے باپ علیؓ میرے باپ سے ان کی ماں فاطمہؓ میری ماں سے اور ان کے جد رسول اللہ ﷺ میرے جد سے بہتر اور وہ خود مجھ سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے، سو ان کے باپ نے خدا سے محاکمہ چاہا اور دنیا کو معلوم ہے کہ اس نے کس کے حق میں فیصلہ دیا، باقی ان کی ماں میری عمر کی قسم میری ماں سے بہتر تھیں، اور کوئی مسلمان جو خدا اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے کسی کو رسول اللہ ﷺ کے برابر نہیں سمجھ سکتا، مگر افسوس انہوں نے اللھم مالک الملک الخ کا خدائی فرمان نہیں پڑھا تھا۔

(ابن اثیر ج ۴ ص ۷۳)

یزید کے گھر میں ماتم یزید کا پورا کنبہ اہل بیت نبویؐ کا عزیز تھا، اس لیے انہیں حرم سرائے شاہی میں ٹھہرایا گیا۔ جیسے ہی مخدرات عصمت مآب زنانخانہ میں داخل ہوئیں یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا اور تین دن تک ماتم بپا رہا، یزید امام زین العابدین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتا تھا۔ (طبری ج ۷ ص ۳۷۸)

نقصان کی تلافی حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اموی فوج کے وحشی سپاہیوں نے اہل بیت کا کل سامان لوٹ لیا تھا، یزید نے پوچھ پوچھ کر جتنا مال لٹا تھا، اس کا دونا دلوایا۔ سکینہ بنت حسینؓ کا شریف اور منت پذیر دل اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا، وہ کہتی ہیں کہ منکرین خدا میں، میں نے یزید سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ (طبری ج ۷ ص ۳۸۵)

اہل بیتؓ کی واپسی اور یزید کا شریفانہ برتاؤ چند دن ٹھہرانے کے بعد جب اہل بیت کرام کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انہیں بڑے اہتمام کے ساتھ رخصت کیا امام زین العابدینؓ کو بلا کر ان سے کہا، ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو، اگر میں ہوتا تو خواہ میری

اولاد ہی کیوں نہ کام آ جاتی، میں حسینؓ کی جان بچا لیتا۔ لیکن اب قضائے الٰہی پوری ہو چکی، آئندہ تم کو جس قسم کی بھی ضرورت پیش آئے مجھے لکھنا۔ (طبری ج ۷ ص ۳۷۸)

اس کے بعد بڑی حفاظت اور اہتمام کے ساتھ قافلہ کو روانہ کیا، چند دیانتدار اور نیک آدمیوں کو حفاظت کے لیے ساتھ کیا، ان لوگوں نے بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچایا، ان کے شریفانہ سلوک سے اہل بیت کی خواتین اتنی متاثر ہوئیں کہ فاطمہؓ اور زینبؓ نے اپنے زیور اتار کر ان کے پاس بھیجے، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم نے دنیاوی منفعت کے خیال سے نہیں بلکہ خالصتاً" لوجہ اللہ اور قرابت نبویؐ کے خیال سے یہ خدمت انجام دی اس لیے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۰)

حجاز میں مخالفت کا آغاز اہل حجاز نے شروع ہی میں یزید کی خلافت خوش دلی کے ساتھ قبول نہیں کی تھی، بعض بزرگوں نے بیعت بھی نہ کی تھی، حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے واقعہ کا ان پر اور زیادہ برا اثر پڑا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جو عرصہ سے مکہ میں موقعہ کے منتظر تھے، اس واقعہ کو لے کر اہل مکہ کو یزید کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔

(اخبار الطوال ص ۲۷۳)

یزید کو ابتداء سے ان کی جانب سے خطرہ تھا، اس لیے حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اس نے چند آدمیوں کو ابن زبیرؓ سے بیعت لینے اور انکار کرنے کی صورت میں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا، انہوں نے مکہ جا کر ابن زبیرؓ کو یزید کا پیغام سنایا، انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کی کوئی بات نہ مانوں گا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۱)

یزید کی دلی خواہش تھی، کہ حضرت امام حسینؓ کے خونیں حادثہ کے بعد کوئی ناگوار واقعہ نہ پیش آئے اس لیے اس نے ہر ممکن طریقہ سے اہل حجاز کو مائل کرنے کی کوشش کی، عثمان بن محمد حاکم مدینہ نے اشراف مدینہ کا وفد شام بھجوا دیا، یزید نے اس کی بڑی پذیرائی کی انہیں بڑے بڑے عطیے دیئے، حضرت عبداللہ بن حنظلہ انصاری کو ایک لاکھ اور ان کے آٹھ بیٹوں کو دس دس ہزار دیئے، منذر بن زبیرؓ کو ایک لاکھ کی رقم عطا کی (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۱) لیکن ان بزرگوں پر اس کی داد و دہش کا کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ وہ شام سے زیادہ بد دل ہو کر لوٹے، اور عبداللہ بن حنظلہ نے مدینہ واپس آ کر یزید کی مخالفت شروع کر دی، اس کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے نعمان بن بشیر انصاری کو چند آدمیوں کے

ساتھ مدینہ بھیجا کہ وہ اہل مدینہ اور ابن زبیرؓ کو سمجھائیں کہ "میں امن و عافیت چاہتا ہوں' وہ لوگ مخالفت کر کے فتنہ نہ پیدا کریں۔ (اخبار الطوال ص ۲۷۳) انہوں نے جا کر پہلے پہلے اہل مدینہ کو سمجھایا کہ تم لوگ امن و اطاعت سے کام لو' فتنہ و فساد کا انجام برا ہے' تم میں شامیوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور لوگ خود نعمان سے بگڑ گئے اس لیے وہ لوٹ گئے۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۰)

پھر مدینہ سے مکہ جا کر ابن زبیرؓ کو یزید کا پیغام پہنچایا کہ میں امن و عافیت چاہتا ہوں اس لیے تم طاعت و جماعت سے الگ ہو کر اختلاف نہ پیدا کرو' یہ پیغام سن کر ابن زبیرؓ نے نعمان کے ایک اور ساتھی ابن عصاۃ سے پوچھا کیا تم حرم میں خون بہانا پسند کرو گے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر تم بیعت نہ کرو گے تو میں اس میں بھی دریغ نہ کروں گا۔

یہ جواب سن کر ابن زبیرؓ نعمان بن بشیر کو الگ لے گئے اور اپنا اور یزید کا موازنہ کر کے ان سے پوچھا کیا اس کے بعد بھی تم مجھ کو یزید کی بیعت کا مشورہ دو گے' نعمان نے ان کے فضائل کا اعتراف کیا اور کہا میں کبھی آپ کو اس کا مشورہ نہ دوں گا اور نہ آئندہ آپ کے پاس اس مقصد کے لیے آؤں گا۔ (اخبار الطوال ص ۲۷۳)

عبداللہ بن زبیرؓ کا دعویٰ خلافت اور حجاز میں انقلاب نعمان بن بشیر کی واپسی کے بعد حجاز میں انقلاب برپا ہو گیا ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ کے علاوہ کل اہل حجاز نے ابن زبیر کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور تمام اموی عمال کو مدینہ سے نکال دیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۷۳)

اہل مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کرنے کے بعد عبداللہ بن حنظلہ انصاری کو اپنا امیر بنایا' اور مدینہ میں جو بنی امیہ مقیم تھے ان کو گھیر لیا' ان لوگوں نے مدد کے لیے شام آدمی بھیجے' ان سے یزید کو حالات معلوم ہوئے۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۴) ایک روایت یہ ہے کہ ابن زبیرؓ نے تمام امویوں کو نکال دیا تھا اور خود امویوں کی زبانی یزید کو حالات معلوم ہوئے۔

واقعہ حرہ اس انقلاب کی خبر سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ مری کو دس ہزار فوج کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ پہلے اہل مدینہ کو اطاعت کی دعوت دینا جب وہ انکار کریں اس وقت تلوار اٹھانا اور انہیں شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ کو لوٹنا لیکن علی بن حسینؓ کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۵)

اہل مدینہ کو مسلم بن عقبہ کی آمد کی خبر ملی تو انہوں نے مقابلہ کے انتظامات کیے اور محصور امویوں کو قتل کر دینا چاہا' لیکن پھر اس شرط کے ساتھ ان کو رہا کر دیا کہ وہ مسلم کو یہاں کے انتظامات کی خبر نہ کریں گے یہاں سے چھوٹ کر یہ لوگ آگے بڑھ کر مسلم کی فوج سے مل گئے' اور ان کو اہل مدینہ کا نقشہ جنگ بتا دیا۔

مسلم نے مدینہ پہنچ کر یزید کی ہدایت کے مطابق چند آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ امیر المومنین تم کو اپنی اصل و بنیاد سمجھتے ہیں' اس لیے میں تمہاری خونریزی پسند نہیں کرتا تم کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں' اس میں خوب غور کر لو۔ اگر تم نے اپنی روش کو چھوڑ کر حق کو قبول کر لیا تو میں مکہ چلا جاؤں گا ورنہ اس کے بعد میں ذمہ داری پوری کروں گا' تین دن کے بعد پھر مسلم نے آخری مرتبہ پوچھا کہ تم لوگ صلح چاہتے ہو یا جنگ؟ اہل مدینہ نے جواب دیا جنگ (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۶)

اب جواب کے بعد مسلم بن عقبہ نے جنگ شروع کر دی تین دن تک نہایت خون ریز معرکہ ہوا۔ اہل مدینہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن حکومت کی فوج کا مقابلہ دشوار تھا' اس لیے آخر میں بڑی فاش شکست کھائی' اس جنگ میں بہت سے اکابر و اشراف قریش اور انصار کام آگئے۔ فضل بن عباس بن ربیعہ' عبداللہ بن حنظلہ' عبداللہ بن مطیع ایک ایک کر کے قتل ہوئے شکست دینے کے بعد شاہی فوجیں تین دن تک مدینتہ الرسولؐ کو لوٹتی اور قتل عام کرتی رہیں' چوتھے دن امن قائم ہوا' لیکن اس وقت بھی یہ اعلان تھا کہ جو شخص بھی بیعت نہیں کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا' لیکن اب مدینہ بالکل تباہ ہو چکا تھا' کسی میں سکت باقی نہ رہ گئی تھی اس لیے باقی ماندہ لوگوں نے بیعت کر لی۔

(واقعہ حرہ کی تفصیلات تاریخ میں بہت طویل ہیں ہم نے صرف خلاصہ لکھا ہے)

مدینتہ الرسولؐ کی تباہی' یزید کا سب سے سیاہ کارنامہ ہے' لیکن اس کی ذمہ داری سے اہل مدینہ بھی بری نہ تھے' ان کو معلوم تھا کہ ان کی مخالفت کا انجام یہی ہو گا' اگر ابتداء سے وہ بیعت کر لیتے تو اس کی نوبت نہ آتی۔

ابن زبیر کا محاصرہ مدینہ کو تاراج کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ' ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لیے مکہ روانہ ہو گیا' وہ عرصہ سے بیمار تھا مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اس کا وقت آگیا اور وہ حصین بن نمیر کو اپنا قائم مقام بنا کر چل بسا' اور حصین محرم ۶۴ھ میں مکہ پہنچا' ابن زبیرؓ حرم

میں پناہ گزیں تھے' حصین نے محاصرہ کر کے سنگباری شروع کر دی' اس سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچا۔ ابن زبیرؓ حرم کے اندر سے مدافعت کرتے رہے' ابھی محاصرہ جاری تھا کہ یزید کا وقت آخر ہو گیا۔

ابن زبیرؓ کی ایک سیاسی غلطی یزید کی موت کے بعد خاندان بنی امیہ میں کوئی ایسا عالی دماغ اور حوصلہ مند نہ رہ گیا تھا' جو ان مخالف حالات میں حکومت سنبھال سکتا' جو دو چار افراد تھے وہ مختلف مقامات پر منتشر تھے' مروان اور عبدالملک وغیرہ حصین بن نمیر کے ساتھ مدینہ ہی میں تھے' ان میں اس وقت کوئی ہمت و حوصلہ نہ تھا' ان حالات میں حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیرؓ سے لڑنا مناسب نہ سمجھا اور ان سے صلح کر لی اور کہا اب بنی امیہ کا معاملہ کمزور پڑ چکا ہے آپ سے زیادہ کوئی خلافت کا اہل نظر نہیں آتا' میں آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں' شام کے تمام عمائد میرے ہمراہ ہیں' آپ میرے ساتھ شام چلے چلئے وہاں ایک شخص بھی آپ کی مخالفت کرنے والا نہیں ہے' ابن زبیر شجاع و بہادر تھے' لیکن موقع شناس نہ تھے' انہوں نے جواب دیا کہ جب تک ایک ایک حجازی کے بدلے دس دس شامیوں کا سر قلم نہ کر لوں گا اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا' یہ جواب سن کر حصین بولا جو شخص آپ کو عرب کا مدبر کہتا ہے وہ غلطی پر ہے' میں آپ سے راز کی بات کہتا ہوں' آپ چلا کر اس کا جواب دیتے ہیں' میں خلافت دلانا چاہتا ہوں اور آپ جنگ و خونریزی پر آمادہ ہیں' آخر میں ابن زبیرؓ اس پر راضی ہو گئے کہ مکہ ہی میں ان کی بیعت کی جائے وہ شام نہ جائیں' لیکن حصین نے کہا کہ یہاں بیعت بیکار ہے' شام میں چند بنی امیہ موجود ہیں ان کی موجودگی میں بغیر آپ کے گئے ہوئے کچھ نہیں ہو سکتا' ابن زبیرؓ اس پر راضی نہ ہوئے اور حصین مایوس ہو کر شام لوٹ گیا۔ (مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ ابن زبیرؓ و ابن اثیر ج ۳ ص ۴۰) اس طرح ابن زبیرؓ نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے ایک بہترین موقع کھو دیا' اگر انہوں نے ابن نمیر کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو آج بنی امیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا۔

فتوحات یزید کے عہد حکومت میں حسینؓ کے خون بے گناہی' مدینتہ الرسولؐ کی پامالی اور حرم محترم کی بے حرمتی کے سیاہ اعمال کے ساتھ ساتھ ملکی مفاد کے بھی کام انجام پائے' بعض باغی علاقوں کی بغاوت فرو ہوئی اور کئی فتوحات حاصل ہوئیں۔

ترکستان کی فتوحات خوارزم کے قریب ترکستان کے تمام فرمانرواؤں نے ایک مرکز بنا لیا تھا جہاں وہ صلاح و مشورہ کے لیے جمع ہوا کرتے تھے، ان کا اجتماع مسلمانوں کے خلاف تھا، خراسان کی فوج نے کئی مرتبہ اس پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی، مگر خراسان کے والی اجازت نہ دیتے تھے۔ ۶۱ھ میں یزید نے مسلم بن زیاد کو خراسان کا والی بنایا، اس نے مہلب بن ابی صفرہ سے اجازت حاصل کر کے اس شہر کا محاصرہ کر لیا، یہاں کے امراء نے صلح کر لی، اس مصالحت میں پانچ کروڑ نقد مسلمانوں کو ملا اور ترکستان کے فرمانرواؤں کے اجتماع کے خطرات کا انسداد ہو گیا، اسی سنہ میں سمرقند اور خجند کے نواح میں فوج کشی ہوئی۔

افریقہ کی فتوحات شمالی افریقہ میں بہت سی نئی فتوحات حاصل ہوئیں، بلکہ اس کا بڑا حصہ فتح ہو گیا، لیکن پھر یہاں کے ایک والی ابوالمہاجر کی غلطی سے نکل گیا، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ افریقہ کے بربر بڑے سرکش اور جنگ جو تھے، بار بار مسلمانوں کے لیے اٹھتے تھے، چنانچہ ۶۲ھ میں بھی انہوں نے اجتماع کیا، چونکہ اس سے پہلے وہ کئی مرتبہ بغاوت کر چکے تھے، اس لیے اس مرتبہ عقبہ بن نافع والی افریقہ نے قسم کھالی کہ ساری عمران سے لڑتے رہیں گے، اور اپنے لڑکوں کو وصیت کر کے ۶۲ھ میں باغہ پہنچے، یہاں بڑی تعداد میں رومی اور بربری جمع تھے، عقبہ نے ایک خون ریز معرکہ کے بعد انہیں شکست دی وہ شکست کھا کر شہر میں پناہ گزیں ہو گئے، عقبہ نے محاصرہ کر لیا، لیکن محصورین نے شہر سے باہر قدم نہ نکالا اس لیے، عقبہ انہیں چھوڑ کر رومیوں کے دوسرے مرکز لمیس پہنچے اس زمانے میں یہ رومیوں کا بہت بڑا شہر تھا، انہیں شکست دے کر فزان پر فوج کشی کی، یہاں کے حکمران نے صلح کر لی، اس کے بعد وہ ودان، قفصہ اور قسطیلہ کی بغاوت فرو کرتے ہوئے واپس آئے۔

تھوڑے وقفہ کے بعد پھر زاب کے علاقہ کی طرف بڑھے اور اربہ میں رومیوں کو شکست دیتے ہوئے تاہرت کا رخ کیا۔ یہاں رومیوں اور بربریوں کا بڑا انبوہ جمع تھا، ان دونوں کے ساتھ بڑی خون ریز جنگ ہوئی، قلت تعداد کی بنا پر مسلمان مشکل میں پھنس گئے تھے، لیکن بالآخر شکست رومیوں اور بربریوں کو ہوئی اور مسلمانوں کو بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔

تاہرت کے بعد سبتہ کا رخ کیا۔ یہاں کے فرمانروا نے صلح کر لی، پھر سبتہ سے طنجہ

پہنچے' یہ بحر روم کے کنارے شمالی افریقہ کا آخری شہر اور یہاں کے سب سے بڑے حکمران کا دار السلطنت تھا' مغرب کے تمام حکمران اس کے باجگذار تھے' اسے شکست دے کر عقبہ نے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ (کتاب المونس ص ۲۸)

طنجہ کے بعد خشکی کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے' اس لیے عقبہ یہاں سے سوس ادنیٰ کی طرف بڑھے اور یہاں کے بربریوں کو شکست دے کر یعلیٰ اور نفیس پر قبضہ کرتے ہوئے سوس اقصیٰ پہنچے' یہاں بھی بربریوں کا مقابلہ ہوا' عقبہ نے انہیں شکست دے کر ورعہ پر قبضہ کر لیا اور بحر محیط کے ساحل تک بڑھتے چلے گئے۔ (کتاب المونس ص ۲۸) سمندر نظر پڑتے ہی خدا کے حضور میں عرض کیا "خدایا اگر یہ سمندر درمیان میں حائل نہ ہو جاتا تو جہاں تک تیری زمین ملتی میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۳) اور گھوڑے کو پانی میں اتار کر کہا خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں وہی چاہتا ہوں جو تیرا ولی ذوالقرنین چاہتا تھا کہ تیرے سوا دوسرا نہ پوجا جائے۔ (کتاب المونس ص ۲۹)

کسیلہ بن کمرم کی بغاوت اور افریقہ میں انقلاب ان فتوحات کے بعد افریقہ میں مسلمانوں کی حریف کوئی قوت باقی نہ رہ گئی تھی' ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمانوں کا سکہ بیٹھ گیا' کہ دفعتہ" کسیلہ بن کمرم کی بغاوت نے سارے افریقہ میں انقلاب برپا کر دیا۔

کسیلہ جنہ کا فرمانروا افریقہ کا نہایت ممتاز آدمی تھا' عقبہ کے پیشرو والی' ابوالمہاجر کے زمانہ میں وہ مسلمان ہو گیا تھا' اور مسلمانوں سے اس کے بڑے تعلقات ہو گئے تھے' عموماً وہ ابوالمہاجر ہی کے ساتھ رہتا تھا' وہ اس کا بڑا لحاظ رکھتے تھے' ابوالمہاجر کے بعد جب عقبہ افریقہ کے والی مقرر ہوئے تو ابوالمہاجر نے عقبہ سے کسیلہ کا تعارف کرا کے اس کے مرتبہ کا لحاظ اور اس سے احتیاط کرنے کی ہدایت کر دی تھی' لیکن عقبہ' ابوالمہاجر کے سخت خلاف تھے' انہوں نے ان کی ہدایت کی پروا نہ کی اور ایک موقع پر کسیلہ کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کیا' کسیلہ نے اپنے ظاہری طرز عمل میں کوئی فرق نہ آنے دیا' لیکن دل میں عقبہ کا دشمن ہو گیا' اور بدلہ لینے کے موقع کا منتظر رہا۔

عقبہ کی ناعاقبت اندیشی سے جلد ہی اس کو موقع مل گیا' افریقہ کی فتوحات کی مہم سے واپسی کے وقت اس اطمینان میں کہ اب کوئی مخالف و مزاحم باقی نہیں رہا' انہوں نے فوجوں

کو منتشر کر دیا اور خود چند آدمیوں کے ساتھ' پیچھے پیچھے آ رہے تھے' کسیلہ کے دارالحکومت بنہ کے قریب مقام میودہ میں انہوں نے رومیوں کو اسلام کی دعوت دی' وہ ان کو اتنی کم تعداد میں دیکھ کر مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے عقبہ کے ساتھ کسیلہ کی عداوت کا ان کو علم تھا' انہوں نے اس کو خبر کر دی کہ عقبہ سے بدلہ لینے کا یہ بہترین موقع ہے' کسیلہ موقع کی تلاش ہی میں تھا' فوراً ایک جم غفیر لے کر پہنچ گیا' عقبہ کے ساتھ صرف چند آدمی تھے۔

اس وقت عقبہ نے افریقہ کے سابق والی ابوالمہاجر کو جنہیں مخالفت میں قید کر رکھا تھا' رہا کر کے ان سے کہا تم مسلمانوں کو دیکھو میں شہادت حاصل کرتا ہوں' ابوالمہاجر نے کہا میری بھی یہی آرزو ہے' چنانچہ دونوں نے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ نہایت بہادری سے مقابلہ کر کے جان دی۔

عقبہ اور ابوالمہاجر کے بعد بربریوں اور رومیوں کا مقابلہ کرنے والا کوئی باقی نہ تھا' اس لیے سارے افریقہ میں بغاوت پھیل گئی اور ہر جگہ کے رومی اور بربری اٹھ کھڑے ہوئے کسیلہ انہیں لے کر قیروان پہنچا' عقبہ کے نائب زہیر بن قیس بلوی نے لوگوں کو مقابلہ کے لیے ابھارا' لیکن کوئی آمادہ نہ ہوا اور سب شہر چھوڑ کر نکل گئے' جو لوگ باقی رہ گئے وہ کسیلہ کی امان میں آ گئے اور قیروان پر اس کا قبضہ ہو گیا' اور زہیر بن قیس برقہ چلے گئے۔

(کتاب المونس ص ۲۵ و ابن اثیر ج ۳ ص ۴۳)

وفات ابھی اس بغاوت کا کوئی تدارک نہ ہوا کہ ربیع الاول ۶۴ھ میں حوران میں یزید کا انتقال ہو گیا' انتقال کے وقت کل ۳۸ سال کی عمر تھی' مدت حکومت ۳ سال ۹ مہینے۔

اولاد یزید کی کئی بیویاں تھیں' ان سے بہت سی اولادیں تھیں' معاویہ' خالد' ابوسفیان' عبداللہ' عبداللہ الاصغر' ابوبکر' عتبہ' حرب اور عبدالرحمن۔

معاویہ ثانی بن یزید

۶۴ھ مطابق ۶۸۵ء

یزید کی موت کے بعد ربیع الاول ۶۴ھ میں اس کا نوجوان لڑکا معاویہ تخت نشین ہوا' اس وقت اس کی عمر کل اکیس سال کی تھی' لیکن بڑا دیندار اور صالح تھا' یزید کے زمانہ میں جو حوادث اور واقعات پیش آئے' انہیں دیکھ کر معاویہ کا دل سلطنت و حکومت سے پھر گیا تھا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۲) اس لیے تین مہینے کے بعد وہ خلافت سے دستبردار ہو گیا' اور مسلمانوں کے سامنے تقریر کی۔

"مجھ میں حکومت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں ہے میں نے چاہا تھا کہ ابو بکرؓ کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنا دوں یا عمرؓ کی طرح چھ آدمیوں کو نامزد کر کے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دوں' لیکن نہ عمر جیسا کوئی نظر آیا اور نہ ویسے چھ آدمی ملے' اس لیے میں اس منصب سے دست بردار ہوتا ہوں' تم لوگ جسے چاہو اپنا خلیفہ بنا لو"۔

(طبری ج ۷ ص ۴۶۸)

حکومت سے دستبرداری کے بعد معاویہ خانہ نشین ہو گیا اور چند مہینوں کے بعد انتقال کر گیا' اس کی سیرت' دست برداری کے واقعہ سے ظاہر ہے' حضرت امام حسنؓ کے بعد دستبرداری کی یہ دوسری مثال تھی۔

عبداللہ ابن زبیرؓ اور مروان بن الحکم

۶۴ھ/۶۸۵ء تا ۷۳ھ/۶۹۵ء ۶۴ھ/۶۸۵ء تا ۶۵ھ/۶۸۵ء

ترجمہ عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مشہور صحابی اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھیرے بھائی حواری رسول حضرت زبیر بن عوام کے صاحبزادے تھے۔ ان کی ماں حضرت اسماء حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ ان رشتوں سے ابن زبیرؓ کی ذات میں بہت سی خصوصیات جمع ہو گئی تھیں۔

ابن زبیرؓ ۲ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے تھے‘ ہجرت کے بعد بہت دنوں تک مہاجرین کے اولاد نہیں ہوئی تھی‘ یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ یہ ان کے سحر کا نتیجہ ہے کہ عین اسی زمانہ میں عبداللہ پیدا ہوئے‘ اس لیے مسلمانوں کو ان کی ولادت کی بڑی خوشی ہوئی‘ سات آٹھ سال کی عمر میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی‘ بچپن سے وہ بڑے بہادر شجاع اور حوصلہ مند تھے اور اسی زمانہ میں ان میں بڑائی کے آثار نمایاں تھے‘ سن شعور کے بعد وہ اکثر مہمات میں شریک رہے طرابلس انہی کی کوششوں سے فتح ہوا تھا۔

(ابن اثیر ج ۳ ص ۷۹‘ ۸۰)

جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمایت میں پیش پیش تھے ان کی حفاظت میں اس بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چور ہو گیا تھا‘ پورے جسم میں چالیس سے زیادہ زخم آئے تھے۔ (اصابہ تذکرۃ ابن زبیرؓ)

امیر معاویہؓ اور یزید کے زمانہ میں ان کے ساتھ جو واقعات پیش آئے‘ وہ ان کے حالات میں گذر چکے ہیں۔

ترجمہ مروان بن حکم مروان بنی امیہ کی دوسری شاخ بنی العاص سے تھا‘ مروان کا باپ حکم ابن العاص حضرت عثمانؓ کا حقیقی چچا تھا‘ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا لیکن اس کے دل میں اسلام راسخ نہ ہوا تھا‘ اندرونی طور پر مسلمانوں کا دشمن رہا اور ان کے اسرار فاش کیا کرتا تھا‘ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کو طائف جلاوطن کر دیا تھا‘ مروان اس زمانہ

میں صغیر السن تھا' اس لیے وہ بھی باپ کے ساتھ طائف میں رہا' آخر زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی واپسی کی اجازت حاصل کر لی تھی' اور اپنے زمانہ میں انہوں نے اس کو مدینہ واپس بلا لیا' آپ کو حکم اور مروان دونوں سے بڑی محبت تھی' حکم کی موت کے بعد مروان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اسے اپنا سیکرٹری بنا لیا تھا' آپ کی مہر وغیرہ اس کی تحویل میں رہتی تھی' اسی نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے مصر کے والی کو خط لکھ دیا تھا' کہ مصری باغیوں کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں' جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا' جنگ جمل اور جنگ صفین کے معرکوں میں حضرت عائشہؓ اور امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے' امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اسے مدینہ کا والی بنا دیا تھا' ابن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت تک وہ اسی عہدہ پر تھا۔

ابن زبیرؓ کی خلافت اوپر معلوم ہو چکا تھا کہ یزید کی زندگی ہی میں اہل حجاز نے ابن زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تھی' واقعہ حرہ کے بعد مسلم بن عقبہ نے بزور شمشیر دوبارہ اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لے لی تھی' یزید کی موت کے بعد پھر وہ ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گئے۔ ابن زبیرؓ کی شخصیت ہر لحاظ سے محترم تھی اور معاویہ بن یزید کے بعد بنی امیہ میں کوئی حوصلہ مند کھڑا بھی نہیں ہوا' اس لیے حجاز و عراق اور مصر و شام تمام بڑے بڑے ملک ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گئے اور یہاں ان کے حکام اور دعاۃ پہنچ گئے' خود بنی امیہ کے پایہ تخت شام میں اردن کے والی حسان بن بحدل کے علاوہ باقی تمام صوبوں کے حکام اور عمائد ابن زبیر کے حامی و مددگار بن گئے تھے' اور یہاں کے باشندوں نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تھی۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۳' ۳۴)

بصرہ کو البتہ عبیداللہ بن زیاد نے سنبھالنے کی کوشش کی اور اہل بصرہ کو جمع کر کے تقریر کی۔

> "میرا مولد و منشا یہی ہے' میں نے ہر شعبہ کو اتنی ترقی دی کہ جس وقت یہاں کا والی ہوا ہوں' اس وقت فوجی دفاتر کا خرچ کل ستر ہزار تھا اور آج ایک لاکھ ہے' حکام کے دفاتر کے اخراجات کل نوے ہزار تھے اور آج ایک لاکھ چالیس ہزار ہیں' جتنی مخالف طاقتیں تھیں سب کو جیل میں بھر کر ختم کر دیا' اب کوئی قوت ایسی نہیں ہے' جس سے تمہیں خطرہ ہو' یزید کا انتقال ہو چکا ہے اور شام میں اختلاف بپا ہے' تم لوگ

دولت و ثروت و قوت و شوکت ہر چیز میں سب سے ممتاز ہو' اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کا لحاظ کر کے تم جسے اپنا امیر بناؤ گے میں بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا' اور اہل شام کسی اور کو منتخب کریں اور تم بھی اسے پسند کرتے ہو' تو اسے مان لینا' ورنہ اپنا امیر الگ منتخب کرنا' تم کو دوسرے ملکوں کی تائید و حمایت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ دوسرے ملک خود تمہارے محتاج ہیں۔"

(ابن اثیر ج ۳ ص ۵۲)

یہ تقریر سن کر اہل بصرہ اس کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہو گئے' لیکن اس نے انکار کیا' جب اہل بصرہ زیادہ مصر ہوئے تو وہ آمادہ ہو گیا' اہل عراق کی فطرت میں نفاق تھا' اس لیے اس وقت بھی جب کہ وہ اس کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے تھے دل سے اس کے خلاف تھے چنانچہ جب بیعت کر کے باہر نکلے تو ہاتھوں کو دیوار پر رگڑ کر صاف کرتے اور کہتے' ابن مرجانہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم اتفاق اور اختلاف ہر حالت میں اس کی اطاعت کریں گے۔

اہل بصرہ کی بیعت کے بعد ابن زیاد نے کوفہ آدمی بھیجا' اس نے جا کر اہل کوفہ سے کہا کہ بصرہ والوں نے ابن زیاد کی بیعت کر لی ہے اس لیے تم لوگ بھی جماعت میں شامل ہو جاؤ' یہاں بڑی مخالفت ہوئی' کوفہ والوں نے کہا خدا نے ہم کو ابن سمیہ سے نجات دی ہے اب ہم دوبارہ اس کو اپنے اوپر مسلط نہ کریں گے۔

اہل بصرہ پہلے سے' دل سے ابن زیاد کے خلاف تھے' کوفہ والوں کا جواب سن کر انہوں نے علانیہ مخالفت شروع کر دی' ابن زیاد نے بہت سنبھالنے کی کوشش کی' مگر کامیاب نہ ہوا اور اس کی مخالفت اتنی بڑھی کہ اسے عراق چھوڑ کر شام بھاگ جانا پڑا' ابن زیاد کے عراق چھوڑنے کے بعد اہل کوفہ اور بصرہ نے بڑے اختلاف اور ہنگاموں کے بعد ابن زبیرؓ کو خلیفہ مان لیا۔(ابن اثیر ج ۳ ص ۵۲)

ابن زبیرؓ کی ایک سیاسی غلطی اور اس کا نتیجہ اس وقت قریبا کل دنیائے اسلام میں ابن زبیرؓ کی خلافت مسلم ہو گئی تھی کہ عین اس وقت انہوں نے ایک فاش غلطی کی کہ بنی امیہ کی اکھڑی ہوئی حکومت پھر قائم ہو گئی۔

یاد ہو گا کہ انہوں نے مکہ اور مدینہ سے بنی امیہ کو نکلوا دیا تھا' لیکن واقعہ حرہ کے بعد

یہ لوگ پھر لوٹ آئے تھے، یزید کی موت کے بعد ان کی ہمت اتنی پست ہو چکی تھی کہ مروان ابن حکم اموی تک جو مدینہ کا حاکم تھا، ابن زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا۔ (ابن اثیر میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے، ہم نے صرف نتیجہ لکھ دیا ہے)

لیکن ابن زبیرؓ کو بنی امیہ سے اتنی نفرت تھی کہ انہوں نے انجام کو سوچے بغیر کل بنی امیہ کو جن میں مروان اور اس کا لڑکا عبدالملک بھی تھا، مدینہ سے نکلوا دیا۔ اس وقت عبدالملک چیچک میں مبتلا تھا، اس لیے مروان کے لیے مدینہ چھوڑنا مشکل تھا، لیکن ابن زبیرؓ نے اسے ایک لحہ کے لیے بھی نہ ٹکنے دیا اور مروان کو اسی حالت میں عبدالملک کو لے کر نکل جانا پڑا، بعد میں ابن زبیرؓ کو اس غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اس کی تلاش میں آدمی دوڑائے لیکن وہ نکل چکے تھے۔ (ابوالفداج ۱ ص ۱۹۲) اس واقعہ نے ابن زبیرؓ اور بنی امیہ دونوں کی تاریخ کا رخ بدل دیا، اگر اس وقت بنی امیہ کو ابن زبیرؓ نے روک لیا ہوتا تو پھر ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

شام میں مروان کی بیعت مروان مدینہ سے نکل کر شام پہنچا، یہاں کی حالت اس وقت نہایت ابتر تھی، شام کے کل اضلاع میں ابن زبیرؓ کا اثر تھا، اور یہاں ان کے حکام اور داعی موجود تھے، اس کے علاوہ جن قبائل پر بنی امیہ کی قوت کا مدار تھا، ان میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا، قبیلہ قیس ابن زبیرؓ کی حمایت میں تھا، ضحاک بن قیس والی دمشق اس کے لیڈر تھے۔ بنی کلب بنو امیہ کے ساتھ تھے، لیکن ان میں دو جماعتیں ہو گئی تھیں، ایک جماعت مروان بن حکم کی طرف دار تھی اور دوسری خالد بن یزید کی حمایت میں تھی، خالد کی دادی، یعنی یزید کی ماں قبیلہ کلب کی تھی، اس لیے عام کلبیوں کی ہمدردی اس کے ساتھ تھی، ایک تیسرا نام عمرو بن سعید بن العاص کا بھی لیا جاتا تھا۔

یہ صورت دیکھ کر شام پہنچنے کے بعد بھی مروان نے ابن زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لینے کا ارادہ کیا، لیکن اسی دوران میں عبیداللہ بن زیاد پہنچ گیا، اس نے روکا کہ آپ قریش کے سردار ہو کر ابن زبیرؓ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں؟ ابھی وقت نہیں گیا ہے ہمیں کوشش کرنی چاہیے، مروان کے شام آنے کے بعد بنی امیہ کے موالی اور ان کے حامی اس کے پاس جمع ہو گئے۔

شام میں عبداللہ بن زبیرؓ، مروان بن حکم اور خالد بن یزید کے حامیوں میں باہم بڑا

اختلاف اور ہنگامہ برپا ہوا، لیکن آخر میں بڑے اختلافات کے بعد مقام جابیہ میں بنی امیہ کے حامیوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی اس میں اموی حکومت کے تمام ارکان و عمائد اور سرداران قبائل جمع ہوئے، کئی ہفتہ کے اختلاف رائے اور بحث و مباحثہ کے بعد بنی امیہ کے ایک عالی دماغ خیر خواہ روح ابن زنباع جذامی نے ایک پر جوش تقریر کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ "خاندان بنی امیہ میں مروان سے زیادہ تجربہ کار اور سن رسیدہ کوئی نہیں ہے اس لیے اسے خلیفہ بنانا چاہیے" اور اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید کی حمایت میں تھے، انہوں نے بھی اس کی صغر سنی کی وجہ سے مروان ہی کی تاکید کی اور بلا اختلاف سب نے اس کے ہاتھوں پر بیعت کرلی اور ذیقعد ۶۴ھ میں وہ خلیفہ منتخب ہوگیا۔

مروان کی بیعت سے بنی امیہ کی گرتی ہوئی عمارت سنبھل گئی اور معاویہ بن یزید کی موت کے بعد جو انتشار پیدا ہوگیا تھا، وہ جاتا رہا اور بنو امیہ کے کل حامی ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔

مرج راہط کا فیصلہ کن معرکہ اور شام پر مروان کا قبضہ

بنی امیہ کے پایہ تخت دمشق پر ابن زبیرؓ کے حامی اور قبیلہ قیس کے سردار ضحاک بن قیس کا قبضہ تھا، انہوں نے شروع میں بنی امیہ کی بڑی مخالفت کی تھی، لیکن حالات کا رخ دیکھ کر پھر ان کی طرف مائل ہو گئے تھے، اور جابیہ کانفرنس کے مجوزین میں یہ بھی تھے، لیکن بعد میں پھر خلاف ہو گئے، اور کانفرنس کے زمانہ ہی میں وہ مرج راہط چلے آئے تھے، اور یہاں بنی امیہ کے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

شام کے ان تمام حکام و عمال نے جو ابن زبیرؓ کے حامی تھے، ان کی مدد کی، چنانچہ نعمان بن بشیر والی، حمص، زفر بن حارث والی قنسرین، ناتل بن قیس والی فلسطین نے اپنی اپنی فوجیں بھیجیں۔

ضحاک کے دمشق سے ہٹنے کے بعد بنی امیہ کے ایک حامی یزید بن ابی النمس نے ان کے نائب کو دمشق سے نکال کر خزانہ اور اسلحہ پر قبضہ کرلیا اور مال اور اسلحہ سے مروان کی بڑی مدد کی اس سے اس کو بڑی تقویت پہنچی اور اس کے حامی اس کو لے کر ضحاک کے مقابلہ کے لیے مرج راہط پہنچے، محرم ۶۵ھ میں دونوں میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی، ضحاک نے فاش شکست کھائی، وہ خود اس معرکہ میں مارے گئے، اور ان کے قبیلہ قیس کی بڑی

تعداد کام آئی، شام میں ابن زبیرؓ کا سب سے بڑا حامی و مددگار یہی قبیلہ تھا، اس لیے اس کی شکست شام کے تمام زبیری داعیوں کی شکست تھی، چنانچہ جہاں جہاں شکست کی خبر پہنچی، ابن زبیرؓ کے حامی بھاگ نکلے نعمان بن بشیر والی حمص کو اہل حمص نے پکڑ کر قتل کر دیا، زفر بن حارث نے بھاگ کر قرقیسیا میں پناہ لی اور ناتل بن قیس والی فلسطین ابن زبیرؓ کے پاس بھاگ گئے، اس طرح شام دوبارہ بنی امیہ کے قبضہ میں آگیا۔

مصر پر قبضہ شام پر قابض ہونے کے بعد مروان نے مصر پر فوج کشی کی، ایک طرف سے خود بڑھا اور دوسری طرف سے عمر بن سعید کو روانہ کیا، مصر کے حدود میں داخل ہونے کے بعد ابن زبیرؓ کا مصری داعی عبدالرحمن بن جحدم مقابلہ کے لیے نکلا، پشت سے عمرو بن سعید پہنچ چکے تھے، اس لیے ابن جحدم کے نکلتے ہی وہ مصر میں داخل ہو گئے، ابن جحدم کو اس کی خبر ہوئی تو لڑنا بیکار سمجھ کر مروان سے بیعت کر لی، اس طرح بغیر کشت و خون کے مصر پر بھی مروان کا قبضہ ہو گیا، مصر پر قابض ہونے کے بعد عبیداللہ بن زیاد کو عراق روانہ کیا۔ (طبری اور یعقوبی وغیرہ)

ولی عہدی میں تغیر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مروان کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو ابن سعید ولی عہد نامزد ہوئے تھے، لیکن چند مہینوں کے بعد مروان نے ان دونوں کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالملک اور اس کے بعد عبدالعزیز کو ولی عہد بنا دیا۔

وفات رمضان ۶۵ھ میں مروان نے دفعتہ بغیر کسی علالت کے انتقال کیا، عام خیال یہ ہے کہ اس کی بیوی ام خالد نے اسے مار ڈالا، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مروان کو سیاسی حالات کی بنا پر مجبور ہو کر خالد بن یزید کو ولی عہد ماننا پڑا تھا۔ لیکن اس کی ولی عہدی اس کی نگاہ میں برابر کھٹکتی تھی، چنانچہ خالد کی تذلیل کے لیے اس کی بیوہ ماں سے شادی کر لی اور ایک موقع پر اس نے علانیہ خالد اور اس کی ماں دونوں کے لیے نازیبا کلمات استعمال کیے، خالد نے اپنی ماں سے اس کی شکایت کی، اس نے زہر دے کر یا گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔

(طبری اور یعقوبی وغیرہ)

انتقال کے وقت مروان کی عمر ۶۳ سال کی تھی اور مدت خلافت کل نو مہینے، اس

مختصر مدت میں اسے حکومت کے نظم و نسق کے قیام کا کیا موقع مل سکتا تھا‘ اس لیے بنی امیہ کی حکومت کے قیام کے سوا اس کے عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔

عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن زبیرؓ

۶۵ھ تا ۸۶ھ مطابق ۶۸۶ء تا ۷۰۷ء

ترجمہ عبدالملک بن مروان عبدالملک ۲۶ھ میں پیدا ہوا، تخت نشینی کے وقت ۳۹ سال کی عمر تھی، مروان کی طائف کی جلاوطنی سے واپسی کے بعد برابر مدینہ میں رہا اور یہاں کے ارباب علم و کمال سے پورا استفادہ کیا، اپنے زمانہ کے اکابر علماء میں تھا، اس عہد کے بڑے ائمہ اس کے علمی کمالات کے معترف تھے، اگر زمانہ نے اس کو تخت سلطنت پر نہ بٹھا دیا ہوتا تو وہ مدینہ کی مسند علم کی زینت ہوتا۔

دولت علم کے ساتھ ساتھ وہ بڑا مدبر، حوصلہ مند، مستقل مزاج اور بہادر تھا، بنی امیہ کی تاریخ میں اس کا دور پر آشوب تھا، جس وقت اس نے تخت حکومت پر قدم رکھا ہے ملک کے تمام اہم حصوں میں انقلاب بپا تھا، اور بیک وقت مختلف طاقتیں، عبداللہ بن زبیرؓ شیعان علیؓ، خوارج مختار ثقفی بنی امیہ کے خلاف اور ان سے بر سر پیکار تھیں، ان کے علاوہ اور بہت سی اندرونی اور بیرونی شورشوں کے طوفان بپا ہوئے، عبدالملک کے پاس صرف مصر و شام تھے، باقی دنیائے اسلام کے کل حصے یا ابن زبیرؓ کے ساتھ تھے، یا ان میں بھی طوائف الملوکی تھی۔

عبدالملک نے ان تمام مخالف حالات کا مقابلہ کر کے ان پر قابو حاصل کیا، وہ مشکل سے مشکل اور نازک سے نازک موقع پر گھبراتا نہ تھا، بلکہ مشکلات و مصائب کے ہجوم میں اس کی ہمت و استقلال کے جوہر اور زیادہ چمکتے تھے، اس کی تفصیلات آئندہ معلوم ہوں گی۔

تخت نشینی مروان کی وفات کے بعد رمضان ۶۵ھ میں عبدالملک تخت نشین ہوا۔

توابین کا خروج و خاتمہ اس کی تخت نشینی کے بعد ہی توابین کا جو مروان کے زمانہ میں بڑے زور شور سے اٹھے تھے، خاتمہ ہوا، ان کی تاریخ یہ ہے کہ کوفہ کے ایک ممتاز

بزرگ سلیمان بن صرد جنہیں شرف صحابیت بھی حاصل تھا، حضرت علیؓ کے بڑے فدائیوں میں تھے۔ یہیں سے آپ کو بلاوے کے خطوط جاتے تھے، لیکن جب حضرت حسینؓ کوفہ تشریف لائے تو سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھی آپ کی کوئی مدد نہ کر سکے اور کربلا کا خونیں حادثہ پیش آ گیا، اس غلطی پر ان کو اور ان کی پوری جماعت کو بڑی ندامت و شرمندگی تھی، انہوں نے اس کفارہ میں قاتلین حسینؓ سے انتقام لینا اپنا فرض قرار دیا اور "توابین" اپنا لقب رکھا، اس جماعت نے یزید ہی کے زمانہ سے خفیہ تیاریاں شروع کر دی تھیں، بہت سے لوگ جو حضرت امام حسینؓ کا ساتھ نہ دے سکے تھے اس دعوت میں شریک ہو گئے تھے، مروان کے زمانہ ۶۵ھ میں جب ان کی قوت مضبوط ہو گئی تو یہ لوگ چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے اور حضرت امام حسینؓ کے مزار کی زیارت کرتے ہوئے شام کی طرف بڑھے۔

اس زمانہ میں عبیداللہ بن زیاد عراق کی بعض مہموں میں مصروف تھے، اس لیے ان کا اور توابین کا سامنا ہو گیا، دونوں میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی، توابین بڑی جانبازی سے لڑے۔ لیکن آخر میں انہیں شکست ہوئی، سلیمان بن صرد اور ان کے تمام بڑے بڑے ساتھی کام آئے اور چھ ہزار توابین میں سے بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی، اس جماعت کا آغاز مروان کے زمانہ سے ہوا تھا، لیکن خاتمہ عبدالملک کے زمانہ میں ہوا۔

مختار بن ابی عبید ثقفی کا خروج اور عراق پر قبضہ ۶۶ھ میں ایک شخص مختار بن ابی عبید ثقفی، خون حسینؓ کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا اور عراق پر قابض ہو گیا، یہ ایک معمولی اور بے دین لیکن عالی دماغ اور حوصلہ مند شخص تھا اس دور کی بد نظمی اور طوائف الملوکی دیکھ کر اسے بھی قسمت آزمائی کا حوصلہ ہوا۔ (اخبار الطوال ص ۳۱۳)

اس زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کا زور تھا اس لیے وہ حصول مقصد کے لیے ان کے ساتھ ہو گیا اور ان کے مزاج میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا (ابن سعد ج ۵ ص ۷۱) لیکن جس مقصد کے لیے وہ ان سے ملا تھا، اس کے حصول کی صورت یہاں نظر نہ آئی۔ تو وہ توابین کی تحریک میں جو اسی زمانہ میں اٹھی تھی، شامل ہو گیا تھا، یہ تحریک اس مقصد کے لیے بہت مفید تھی، اس لیے توابین کے خاتمہ کے بعد خود اس کا راہنما بن گیا لیکن عبداللہ بن زبیرؓ سے بھی تعلق قائم رکھا اور ان پر اس کو ظاہر نہ ہونے دیا، اور اس تحریک کو موثر بنانے

کے لیے حضرت زین العابدینؓ سے سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی، اس تحریک کے ساتھ ہی اس نے بہت سے گمراہ کن عقاید اختراع کیے تھے، جن سے امام موصوف واقف تھے اس لیے انہوں نے اس کی درخواست رد کر دی، اور مسجد نبوی میں تقریر کر کے اس کے مکرو زور کا پردہ فاش کیا اور فرمایا اس شخص نے محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اہل بیت کی دعوت کو آڑ بنایا ہے، ورنہ اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں، ان سے مایوس ہونے کے بعد ان کے سوتیلے چچا محمد بن حنیفہ سے سرپرست بننے کی درخواست کی، امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو روکا کہ اس نے محض لوگوں کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے محب اہل بیت کا روپ بدلا ہے، حقیقت میں اس کو ان سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ ان کا دشمن ہے، میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیے، محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رائے لی، اس زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ ان دونوں بزرگوں کو اپنی بیعت کے لیے مجبور کر رہے تھے، اور ان کو ان کی جانب سے بڑا خطرہ تھا، اس لیے مختار کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ابن عباسؓ نے محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ کو سرپرستی قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔ (مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۸۰ "ملخصاً" حاشیہ نفح الطیب)

محبان اہل بیت کا مرکز عراق تھا، وہاں یہ تحریک زیادہ کامیاب ہو سکتی تھی، اس کے علاوہ انقلابی تحریکوں کے لیے وہاں کی آب و ہوا زیادہ سازگار تھی، اس لیے محمد بن حنیفہ کو سرپرست بنانے کے بعد مختار نے ان سے عراق میں کام کرنے کی اجازت چاہی، انہوں نے ابن زبیرؓ کے خطرہ سے بچنے کے لیے اس کی سرپرستی تو قبول کر لی تھی، لیکن ان کو خود اس پر اعتماد نہ تھا اس لیے اجازت تو دے دی لیکن اس کی نگرانی کے لیے اپنا ایک آدمی عبداللہ بن کامل ہمدانی ساتھ کر دیا، اور اس کو مختار سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کر دی۔

(ابن سعد ج ۵ ص ۷۱)

مختار بڑا عاقبت اندیش اور چالاک آدمی تھا، اس لیے اب بھی اس نے ابن زبیرؓ سے تعلق منقطع نہیں کیا کہ اگر اس کی تحریک میں کامیابی نہ ہو تو ابن زبیرؓ کا دروازہ اس کے لیے کھلا رہے، انہیں اس نے یہ دھوکا دیا کہ عراق میں اس کا قیام ان کے لیے زیادہ مفید ہو گا، اور وہ وہاں جا کر شیعان بنی ہاشم کو بنی امیہ کے مقابلہ میں ان کی مدد پر آمادہ کرے گا۔ ابن زبیرؓ نے بھی اجازت دے دی۔ (مروج الذہب ص ۲۷۵)

ان دونوں سے اجازت لے کر وہ عراق پہنچا، حضرت امام حسینؓ کے حقیقی جانشین امام زین العابدینؒ تھے، لیکن وہ مختار کے گون کے نہ تھے، اس لیے اس نے چالاکی سے اہل بیت کی تحریک کا رخ آل فاطمہؓ سے محمد بن حنفیہ ؒ کی طرف پھیر دیا، اور انہیں حضرت علیؓ کا جانشین ان کا وصی اور مہدی وقت ظاہر کر کے ان کی دعوت شروع کر دی۔ (۱) اپنے متعلق نزول وحی کا دعویٰ کیا، بداء یعنی خدا سے غلطی کے امکان، کا عقیدہ ایجاد کیا اور ایک کرسی کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر کے اسے بنی اسرائیل کے تابوت سکینہ کی طرح مقدس اور وسیلہ فتح و ظفر قرار دیا۔ (۲)

کوفہ شیعان علیؓ کا مرکز تھا، یہیں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا، اس سے پہلے توابین کی تحریک اٹھ چکی تھی، اس لیے مختار کی تحریک کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے، اور اس کا گھر شیعان علیؓ کا مرکز بن گیا۔

عبداللہ بن مطیع نے جو ابن زبیرؓ کی جانب سے کوفہ کے والی تھے، اور ایاس بن مضر افسر پولیس نے اس کی سرگرمی دیکھ کر روک ٹوک شروع کی، اس وقت تک مختار کی دعوت میں زیادہ تر عوام شریک ہوئے تھے، کوئی ممتاز اور مقتدر آدمی مددگار نہ تھا، اس لیے اس وقت وہ خاموش رہا اور کوفہ کے ایک مقتدر آدمی رئیس ابراہیم بن اشتر کو جو پرانے شیعان علیؓ میں تھے، لیکن مختار کی تحریک میں شامل نہ تھے، محمد بن حنفیہ کی جانب سے ایک فرضی خط دے کر ان کو اپنا مددگار بنایا، اس کی حمایت حاصل ہو جانے کے بعد مختار کا بازو بہت قوی ہو گیا۔ اور ان کے ساتھ مل کر اس نے بے خوف و خطر کام شروع کر دیا۔ (۳)

۱۔ فرق الشیعہ نوبختی، ص ۲۳ تا ۲۶۔

۲۔ الملل والنحل شہرستانی ج ۱ ص ۱۹۹ ان عقاید نے ایک فرقہ کیسانیہ یا مختاریہ پیدا کر دیا، نوبختی کے بیان کے مطابق کیسان مختار کا لقب تھا، اسی نسبت سے اس کا پیدا کردہ فرقہ کیسانیہ اور مختاریہ کہلاتا تھا، (فرق الشیعہ ص ۲۳، ۲۶) لیکن شہرستانی کے بیان کے مطابق یہ دونوں فرقے ہیں، کیسانیہ حضرت علیؓ کے ایک ساتھی یا غلام کی طرف منسوب ہے الملل والنحل ج ۱ ص ۱۹۶۔

۳۔ اخبار الطوال ص ۲۹۸۔

ایاس نے ابراہیم کو بھی روکا اور انہیں دھمکی دی کہ اگر تم نے مختار کے یہاں کی آمد و رفت نہ چھوڑی تو تم کو قتل کر دیا جائے گا' یہ بااثر آدمی تھے' انہوں نے اس دھمکی کے جواب میں خود ایاس کو قتل کر دیا' عبداللہ بن مطیع والی کوفہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ابراہیم کی گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے' انہوں نے ان کو شکست دے کر ابن مطیع کا محاصرہ کر لیا' اب ابراہیم اور مختار کی طاقت اتنی بڑھ چکی تھی کہ ابن مطیع مقابلہ نہ کر سکے اور انہیں جان بخشی کرا کے جان بچانی پڑی' ابن مطیع کی شکست کے بعد کوفہ اور اس کے ساتھ سارے عراق پر مختار کا قبضہ ہو گیا' صرف بصرہ ابن زبیرؓ کے پاس رہ گیا۔

(اخبار الطوال ص ۳۰)

محمد بن حنیفہ کی قید اور رہائی حجاز میں محمد بن حنیفہ اور ابن عباسؓ نے ابن زبیرؓ کی بیعت نہ کی تھی وہ عرصہ سے ان سے بیعت لینے کی کوشش کر رہے تھے' لیکن اب تک جبر نہ کیا تھا' عراق پر مختار کے قبضہ کے بعد جب ان پر اس کی حقیقت ظاہر ہوئی اور محمد بن حنیفہ اور ابن عباسؓ سے اس کا تعلق معلوم ہوا' اس وقت انہوں نے ابن حنیفہ پر دباؤ ڈالا اور ان کو اور بعض روایتوں کے مطابق ابن عباسؓ کو بھی زمزم کی چار دیواری میں قید کر کے دھمکی دی کہ اگر وہ بیعت نہ کریں گے' تو انہیں جلا دیا جائے گا' محمد بن حنیفہ نے مختار کو اس کی اطلاع دی' اس نے فوراً ان کے چھڑانے کے لیے تھوڑی سی فوج اور چار لاکھ نذر بھیجی' اس فوج نے مکہ پہنچ کر محمد بن حنیفہ کو قید سے نکالا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۶' ۲۰۷)

قاتلین حسینؓ سے انتقام اس کے بعد کوفہ کے ان تمام لوگوں کا پتہ لگا کر جنہوں نے حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں کسی قسم کا حصہ لیا تھا' قتل اور ان کا مال و متاع ضبط کیا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۶ و ۲۰۷)

اور پھر واقعہ کربلا کی شاہی فوج کے افسروں کے قتل کے لیے فوجیں روانہ کیں اور چند دنوں میں شمر ذی الجوشن' خولی اصبحی' عمرو بن سعد اور عبیداللہ بن زیاد وغیرہ قاتلین حسینؓ کا چن چن کر خاتمہ کرا دیا۔ اور ابن زیاد کا سر قلم کر کے حضرت زین العابدینؓ کے ملاحظہ کے لیے بھیجا' اس کی یہ کار گزاری ایسی تھی کہ امام موصوف بھی بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکے اور ابن زیاد کا سر دیکھ کر آپ کے لبوں پر ہنسی آ گئی۔

عربوں کی تحقیر اور ان سے جنگ مختار کی قوت بازو زیادہ تر عجمی تھی' انہی کے بل

پر اس کی تحریک چل رہی تھی' عرب اس میں کم شریک تھے اس لیے حصول اقتدار کے بعد اس نے عجمیوں کے مراتب بڑھائے' انہیں اکرام و انعام سے نوازا' ان کے مقابلہ میں عربوں کے ساتھ اس کا سلوک نہایت حقارت آمیز تھا' اس لیے اشراف عرب اس سے بگڑ گئے اور انہوں نے کہا یہ کذاب' بنی ہاشم کی حمایت کے پردہ میں دنیا طلبی کرتا ہے اور سب اس کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے مختار کو اس کا علم ہوا تو اس نے عجمیوں سے کہا کہ "عرب صرف تمہاری وجہ سے میرے خلاف ہو گئے ہیں' اس لیے تم کو وفاداری کا ثبوت دینا چاہیے"۔ اور انہیں لے کر عربوں کے مقابلہ کے لیے نکلا اور عین موقع پر اس نے بعض قبائل عرب کو ملا لیا۔ اس لیے عرب شکست کھا گئے اور ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی' مختار نے سب قیدیوں کے سر قلم کرا دیئے۔

مصعب بن زبیر اور مختار کا مقابلہ انہیں شکست دینے کے بعد کوفہ کے عرب عمائد و شرفاء کو چن چن کر قتل کرانا شروع کیا' اس لیے یہ لوگ بھاگ بھاگ کر بصرہ پہنچے اور ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب سے' جو ان کی جانب سے بصرہ کے والی تھے فریاد کی کہ اس کذاب نے ہمارے اچھے لوگوں کو قتل کیا' ہمارے گھروں کو ڈھا دیا' ہمارا شیرازہ برہم کیا عجمیوں کو ہمارے سروں پر مسلط کیا' ہمارا مال ان میں لٹایا' آپ ان کے مقابلہ کے لیے نکلیے' ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

مختار مصعب کا حریف ہی تھا' عربوں کا سہارا پا کر وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے' اور اپنے نامور سالار مہلب بن ابی صفرہ کو جو خارجیوں سے برسرپیکار تھے واپس بلا کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں' مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے ایک افسر احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا' دوسری طرف سے مصعب خود فوجیں لے کر نکلے' مذار میں دونوں کا مقابلہ ہوا ایک خون ریز معرکہ کے بعد احمد بن سلیط نے شکست کھائی' اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا' باقی حصہ کوفہ لوٹ گیا' مصعب تعاقب کرتے ہوئے کوفہ تک چلے گئے۔

مختار کا خاتمہ احمد بن سلیط کی شکست کے بعد مختار جو کوفہ ہی میں موجود تھا' خود مقابلہ میں آیا لیکن اس نے بھی نہایت فاش شکست کھائی اور اس کی فوج بری طرح مقتول ہوئی' اور وہ پسپا ہو کر کوفہ میں قلعہ بند ہو گیا' مصعب نے محاصرہ کر لیا' کامل چار مہینے تک محاصرہ

قائم رہا' مختار نے جب دیکھا کہ رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی ہے تو وہ جان پر کھیل کر نکل آیا اور اپنے معتمد علیہ امیر سائب بن مالک کلبی سے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم دین کے لیے نہیں بلکہ حسب کے لیے آخری مقابلہ کرلیں۔" اس وقت سائب پر اس کی حقیقت ظاہر ہوئی' انہوں نے کہا' دنیا تو اب تک یہ سمجھتی تھی کہ تم دین کے لیے یہ جانبازی دکھا رہے ہو"۔ مختار نے جواب دیا' نہیں' میری عمر کی قسم یہ سب محض حصول دنیا کے لیے تھا' میں نے دیکھا کہ شام عبدالملک کے پاس ہے' حجاز عبداللہ بن زبیرؓ کے قبضہ میں ہے' بصرہ مصعب کے زیر حکومت ہے' عروض پر نجد حروری قابض ہے اور خراسان پر عبداللہ بن حازم کا تسلط ہے اور میرے حصہ میں کچھ بھی نہیں اس لیے میں نے بھی قسمت آزمائی کی' لیکن خون حسینؓ کے انتقام کی دعوت کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی تھی' اس لیے اس کو حصول مقصد کا آلہ بنایا۔ (اخبار الطوال ص ۳۱۳)

اس کے بعد اپنے خاص دستہ کو لے کر باہر نکلا اور بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ مصعب کا مقابلہ کیا' لیکن اب اس کی قوت ختم ہو چکی تھی' اس لیے اس کو شکست ہوئی اور اس کا حفاظتی دستہ پسپا ہو کر قصر امارت میں داخل ہو گیا' لیکن مصعب کے آدمیوں نے مختار کو داخل نہ ہونے دیا۔ اور چند سو آدمیوں کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا اور لڑتے لڑتے مارا گیا۔ مصعب نے اس کا سر قلم کرکے ابن زبیرؓ کے پاس بھیجا' مختار کے قتل کے بعد اس کے قوت بازو اشتر بن مالک ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گئے اور عراق پھر ابن زبیرؓ کے قبضہ میں آ گیا۔ (اخبار الطوال ص ۳۱۳)

خارجیوں کا ہنگامہ مختار کے علاوہ عبداللہ بن زبیرؓ کو دوسری جس مخالف قوت کا مقابلہ کرنا پڑا' وہ خارجی تھے' یہ اصل میں بنی امیہ کے حریف تھے بلکہ ان کی بنیاد ہی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے اختلاف کے سلسلے میں پڑی تھی' چنانچہ وہ معاویہؓ اور یزید دونوں کے لیے زلزلہ میں اٹھے' اور یزید اور ابن زبیرؓ کی جنگ میں انہوں نے ابن زبیر کا ساتھ دیا تھا' لیکن اپنے عقیدہ میں بڑے سخت تھے' شیخین کے علاوہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں نعوذباللہ گمراہ اور ان کے ماننے والوں کو کافر اور مباح الدم سمجھتے تھے' اس لیے ابن زبیرؓ سے بھی ان کے نزدیک جہاد واجب تھا' پہلے انہوں نے یزید کی مخالفت میں ان کا ساتھ تو دے دیا تھا لیکن بعد میں ان پر ندامت ہوئی اور انہوں نے ابن زبیرؓ سے حضرت عثمانؓ کے

بارے میں ان کی رائے پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ان کا دوست اور ان کے دشمنوں کا دشمن اور تم لوگوں کے عقاید سے بری ہوں"۔ یہ جواب سن کر ان کا سردار نافع بن ارزق ان کا ساتھ چھوڑ کر عراق چلا گیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۱۴)

عراق اس وقت ابن زبیرؓ کے قبضہ میں تھا' اس لیے خوارج ان کے مقابلہ میں آ گئے' اور انہوں نے عراق میں بڑی شورش بپا کی' ابن زبیرؓ کے بصری والی عبداللہ بن حارث نے ان کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں' نافع مارا گیا' لیکن خوارج کا زور نہ ٹوٹا اور ان کی شورش کی وجہ سے بصرہ کی آبادی خطرہ میں آ گئی' اہل بصرہ نے عبداللہ بن زبیرؓ سے فریاد کی انہوں نے مہلب بن ابی صفرہ کو خارجیوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا' انہوں نے بڑی خون ریز لڑائیوں کے بعد' جس میں۔ فریقین کے بہت سے آدمی کام آئے' بصرہ سے خارجیوں کو ہٹایا' یہاں سے ہٹنے کے بعد وہ فارس کی طرف نکل گئے۔

اسی زمانہ میں نافع بن ارزق کا ایک ساتھی نجدہ بن عامر حروری اپنی علیحدہ جماعت بنا کر بحرین میں اٹھا اور یہاں کے حاکم اور عرب سرداروں کو شکست دے کر' یمامہ صنعا اور عمان وغیرہ پر قابض ہو گیا' لیکن پھر اس کی جماعت میں پھوٹ پڑ گئی' کچھ لوگ اس کے خلاف ہو گئے' انہوں نے عبداللہ بن فدیک کو اپنا سردار بنا لیا' نجدہ روپوش ہو گیا' ابن فدیک کے آدمیوں نے اسے ڈھونڈ کر قتل کر دیا۔

خوارج بڑے بہادر اور جانباز تھے' ان کی قوت عارضی طور سے دب جاتی تھی' لیکن ٹوٹتی نہ تھی اور وہ موقع پاتے ہی پھر اٹھ کھڑے ہوئے تھے' اس لیے مہلب بن ابی صفرہ بھی ان کا استیصال نہ کر سکے۔ اور ۶۸ھ میں فارس کے خارجیوں نے پھر زور پکڑا' مصعب نے مہلب کو ہٹا کر عمر بن عبیداللہ بن معمر کو ان کی جگہ مامور کیا' انہوں نے اصطخر اور سابور وغیرہ میں انہیں شکست دی فارس میں شکست کھانے کے بعد انہوں نے پھر عراق کا رخ کیا' عمر بن عبیداللہ بھی تعاقب میں نکلے دوسری طرف سے مصعب روکنے کے لیے بڑھے' خارجی اپنے کو دوستوں سے محصور دیکھ کر مدائن چلے گئے اور یہاں کے باشندوں پر بڑے مظالم ڈھائے' عورتوں اور بچوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالے اور ساباط میں ایسے وحشیانہ مظالم کرتے ہوئے کوفہ کی طرف بڑھے' ابراہیم بن اشتر اہل کوفہ کو لے کر مقابلہ کے لیے اٹھے' انہیں دیکھ کر خارجی مدائن ہوتے

ہوئے رے کی طرف چلے گئے‘ یہاں کے والی یزید بن حارث نے مقابلہ کیا‘ خوارج نے انہیں قتل کر دیا رے کے بعد اصفہان کا رخ کیا‘ یہاں کا والی عتاب کئی مہینے تک مدافعت کرتا رہا‘ جب اس کا کل سامان ختم ہو گیا‘ اس وقت باہر نکل کر اس نے مقابلہ کیا اور خوارج کے سردار زبیر بن ماحور کو قتل کر دیا اور اس کا کل سامان ان کے قبضہ میں آیا‘ زبیر کے قتل کے بعد خارجیوں نے قطری بن فجاۃ کو اپنا سردار بنایا اور مختلف مقاموں پر تاخت و تاراج شروع کر دی‘ ان کی شورش دیکھ کر مصعب نے پھر مہلب بن ابی صفرہ کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا‘ انہوں نے کامل آٹھ مہینوں تک پوری کامیابی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا‘ ابھی یہ مقابلہ جاری تھا کہ ابن زبیرؓ کا خاتمہ ہو گیا‘ اور خوارج کا رخ عبدالملک کی طرف مڑ گیا‘ جس کے حالات عبدالملک کے دور میں آئیں گے۔ (طبری ابن اثیر وغیرہ میں ان لڑائیوں کی تفصیل بہت طویل ہے ہم نے صرف خلاصہ لکھا ہے)

عبیداللہ بن الحر جعفی کی مخالفت ۶۸ھ میں ایک دین دار بزرگ عبیداللہ بن الحر جعفی نے عراق میں مصعب بن زبیرؓ کے خلاف علم بلند کیا‘ یہ خلافت راشدہ کا زمانہ دیکھے ہوئے تھے‘ اور دور کی مہمات میں شریک رہ چکے تھے‘ اس لیے اس زمانہ کے مدعیان خلافت کو خالص دنیا دار تصور کرتے تھے اور ان کی روش کو پسند نہ کرتے تھے‘ مصعب اور مختار کے مقابلہ میں انہوں نے مصعب کا ساتھ دیا تھا‘ لیکن پھر ان کی بد سلوکی کی وجہ سے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں میں عرصہ تک معرکہ آرائی ہوتی رہی‘ ان کی مخالفت میں عبیداللہ عبدالملک سے مل گئے اس نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مال اور فوج سے ان کی مدد کی اور عبیداللہ پھر مقابلہ میں آ گئے‘ لیکن حارث بن ربیعہ والی کوفہ نے موقع نہ دیا اور فوراً ان سے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کر دیں عبیداللہ کے ساتھیوں نے عذر کیا کہ وہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے تنہا مقابلہ کیا اور اس بہادری سے لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چور ہو گیا‘ جب لڑنے کی سکت باقی نہ رہی تو کشتی پر بیٹھ کر نکل جانا چاہا۔ لیکن ایک شخص نے پکڑ لیا‘ عبیداللہ نے جب دیکھا کہ وہ دشمن کے حوالے کر دیے جائیں گے تو وہ مع اس آدمی کے کشتی سے کود پڑے اور دونوں غرق ہو گئے۔

عمرو بن سعید اموی کا قتل اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مروان نے خالد بن یزید اور

عمرو بن سعید کا نام ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالملک کو ولی عہد بنایا تھا، خالد کم سن تھا، اس میں کوئی حوصلہ بھی نہ تھا، اس لیے وہ خاموش ہو گیا تھا لیکن عمرو بن سعید میں جان تھی، اس کی جانب سے عبدالملک کو ہمیشہ خطرہ رہا چنانچہ وہ اس کو اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

۶۹ھ میں عبدالملک زفر بن حارث والی قرقیسیا کے مقابلہ کے لیے جو ابن زبیرؓ کا حامی تھا، نکلا، یعقوبی کا بیان ہے کہ عمرو بن سعید حسب معمول اس کے ساتھ تھا لیکن قنسرین سے موقع پا کر دمشق لوٹ گیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۲۲ و ۳۲۳) ابن اثیر وغیرہ کا بیان ہے کہ عبدالملک نے اسے دمشق ہی میں چھوڑ دیا تھا، بہر حال عبدالملک کی عدم موجودگی میں عمرو بن سعید نے اس کے نائب عبدالرحمٰن بن عثمان کو نکال کر دمشق پر قبضہ کر لیا، عبدالملک کو اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً دمشق واپس آیا، عمرو بن سعید نے مقابلہ کیا لیکن عبدالملک نے مصلحۃً اسے ولی عہد مان کر صلح کر لی اور دمشق داخل ہو گیا، لیکن ان میں سے کسی کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ تھا، دونوں ایک دوسرے سے کھٹکتے تھے، عبدالملک موقع کا منتظر رہا اور باختلاف روایت ایک دن جب عمرو بن سعید حسب معمول عبدالملک کے پاس گیا یا اس نے خود بلا بھیجا اور پہلے سے آدمی چھپا دیئے، جیسے ہی عمرو پہنچا، عبدالملک نے اسے زنجیروں میں کسوا کر قتل کرا دیا۔ عمرو بن سعید کہتا رہا "یہ دھوکہ ہے" عبدالملک نے جواب دیا بخدا اگر مجھ کو یقین ہوتا کہ ہم دونوں کے ایک ساتھ رہنے میں کوئی ناگوار صورت نہ پیش آئے گی اور میری رعایت کے ساتھ تم بھی میرے ساتھ رعایت کرو گے تو میں تم کو چھوڑ دیتا، لیکن دو حکمران ایک ملک میں نہیں رہ سکتے، یقیناً ایک دوسرے کو نکالنے کی کوشش کرے گا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۳۳ و ۳۳۴ و ابن اثیر ج ۴ ص ۱۱۶ و ۱۱۷)

شام پر رومیوں کا حملہ اور ان سے صلح ۷۰ھ میں رومیوں نے شام پر حملہ کے لیے اجتماع کیا عبدالملک کو اس وقت ابن زبیرؓ سے نپٹنا تھا اس لیے اس نے ایک ہزار دینار فی ہفتہ پر صلح کر لی۔

بصرہ پر عبدالملک کی فوج کشی اور مصعب بن زبیرؓ کا خاتمہ مختار کے خاتمہ کے بعد ابن زبیرؓ کا اصل حریف عبدالملک کے مقابلہ میں آنا یقینی تھا، اس کے علاوہ عراق پر مصعب کا قبضہ عبدالملک کے لیے بہت مضر تھا، اس لیے عمرو بن سعید کی جانب سے

اطمینان اور قیصر روم سے مصالحت کے بعد ۷۱ھ میں پوری قوت کے ساتھ اس نے عراق پر فوج کشی کر دی، مصعب بن زبیر بھی پوری تیاری کے ساتھ مقابلہ میں آئے لیکن عین موقعہ پر عبدالملک نے مصعب کے بہت سے آدمیوں کو رشوت کے ذریعہ ملا لیا، عراق کے موالی بھی اس کے ساتھ ہو گئے، مصعب کے دست راست ابراہیم بن اشتر کو بھی ملانے کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ (ابن اثیر جلد ۴ ص ۱۱۹)

دیر جاثلیق میں دونوں کا مقابلہ ہوا اگرچہ مصعب کی قوت کمزور پڑ چکی تھی، لیکن بڑی شجاعت کے ساتھ انہوں نے مقابلہ کیا، ابراہیم نے جن کو بنی امیہ سے بڑی نفرت تھی، بڑی جانبازی دکھائی اور اموی فوج کو کمزور کر دیا، لیکن تازہ دم امداد نے ان کی حالت سنبھال لی۔

(اخبار الطوال ص ۳۱۷ و طبری ج ۸ ص ۸۰۳)

ابراہیم کی شجاعت دیکھ کر قبیلہ ربیعہ میں، جو مصعب کی فوج کا اہم حصہ تھا، محض رشک و حسد کی بنا پر جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا، اس سے مصعب کی قوت اور زیادہ کمزور ہو گئی، لیکن ابراہیم کی شجاعت نے اس کمی کو محسوس نہ ہونے دیا، اس لیے اموی فوج ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑی اور ان کا کام تمام کر دیا۔ ان کے بعد مصعب کے لڑکے عیسیٰ نے اسی بہادری سے لڑ کر جان دے دی ان دونوں کے قتل سے مصعب کی قوت کا بالکل خاتمہ ہو گیا، تاہم وہ تنہا ہی مقابلہ کرتے رہے۔

عبدالملک اور مصعب کے تعلقات بہت قدیم تھے، سیاست کی بازی نے ایک کو دوسرے کا حریف بنا دیا تھا، اس لیے عبدالملک ان کے خون سے بچنا چاہتا تھا اور اب اس کو ان سے کوئی خطرہ بھی باقی نہ رہ گیا تھا، چنانچہ اس نے اپنے مشیروں کی مخالفت کے باوجود ان کے پاس جان بخشی کا پروانہ بھیج دیا کہ وہ جہاں چاہیں نکل جائیں لیکن عین اس وقت ایک شامی عبیداللہ بن ظبیان نے ان کو قتل کر دیا۔ (اخبار الطوال ص ۳۱۷ و طبری ج ۸ ص ۸۰۶) اور ان کا سر قلم کر کے عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا، اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا کہ اب قریش میں ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں، مصعب کے قتل کے بعد عراق پر عبدالملک کا قبضہ ہو گیا، اور عراقیوں نے اس کی بیعت کر لی۔

(مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۵۲۲ و ۵۲۳)

حرم کا محاصرہ اور ابن زبیرؓ کا خاتمہ مصعب کے قتل اور عراق پر عبدالملک کے

قبضہ کے بعد ابن زبیرؓ کی مالی حالت اور فوجی قوت کمزور ہو گئی اور عبدالملک کے لیے ان کا زیر کرلینا آسان ہو گیا، چنانچہ ۷۱ھ میں اس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لیے بھیجا، وہ حرم میں قلعہ بند تھے، حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی، کئی مہینے تک مسلسل محاصرہ قائم رہا اور بڑی شدت کی سنگباری ہوتی رہی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔ (طبری ۸ ص ۸۴۴)

ابن زبیرؓ بڑی شجاعت اور استقلال کے ساتھ مدافعت کرتے رہے لیکن ان کی مدد کے تمام ذرائع بند ہو چکے تھے، باہر سے کسی قسم کی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی، اور کوئی مدد پہنچانے والا بھی باقی نہ رہ گیا تھا، اس لیے کچھ دنوں میں ان کا سامان رسد بالکل ختم ہو گیا اور مکہ میں نہایت سخت قحط پڑ گیا۔ ہر چیز سونے کے بھاؤ بکنے لگی، محصورین کو گھوڑے ذبح کر کے کھانے کی نوبت آ گئی ان حالات سے گھبرا کر ابن زبیرؓ کے دس ہزار آدمی حجاج کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، لیکن ابن زبیر کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور وہ اس حالت میں بھی برابر لڑتے رہے، آخر میں ان کے لڑکوں تک نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

(ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۶)

عبدالملک ابن زبیرؓ کے ساتھ رعایت کرنے کے لیے آمادہ تھا، انہوں نے جب دیکھا کہ مقابلہ جاری رکھنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو اپنی ماں حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اماں! میرے تمام ساتھی ایک ایک کر کے مجھ سے الگ ہو گئے ہیں، میرے لڑکوں تک نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے، جو چند جان نثار باقی رہ گئے ہیں ان میں بھی مقابلہ کی تاب نہیں ہے۔ ہمارا دشمن ہمارے ساتھ رعایت کرنے پر آمادہ ہے، ایسی حالت میں آپ کیا فرماتی ہیں، اس سوال پر صدیق اکبرؓ کی بیٹی نے آمادہ بقتل بیٹے کو جو جواب دیا اس پر عورتوں کی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ "فرمایا بیٹا! تم کو اپنی حالت کا اندازہ خود ہو گا اگر تم حق پر ہو اور حق کے لیے لڑتے ہو تو اب بھی اس کے لیے لڑو کہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لیے جان دی ہے، اور اگر دنیا طلبی کے لیے لڑتے تھے تو تم سے برا کون خدا کا بندہ ہو گا کہ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا، اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو، لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہو گئے ہو، تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے، تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے، جاؤ، حق پر جان

دینا، دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے، یہ جواب سن کر ابن زبیر نے کہا اماں مجھے خوف ہے کہ میرے قتل کے بعد بنی امیہ میری لاش کو مثلہ کر کے سولی پر لٹکائیں گے بہادر ماں نے جواب دیا "بیٹا ذبح ہونے کے بعد بکری کی کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔" جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو۔

اس کے بعد ابن زبیرؓ نے اپنی صفائی پیش کی، حضرت اسماءؓ نے فرمایا، میں ہر حالت میں صبر و شکر سے کام لوں گی، اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تو صبر سے کام لوں گی اور اگر کامیاب ہوئے تو تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی، پھر بیٹے کو دعائیں دیں اور گلے لگا کر رخصت کیا کہ جاؤ بسم اللہ اپنا کام پورا کرو۔

ماں سے رخصت ہو کر وہ سیدھے رزمگاہ پہنچے اور بڑی شجاعت و بہادری کے ساتھ لڑے ان کے صف شکن حملوں کو دیکھ کر شامیوں نے پورا زور صرف کر دیا اور بڑھتے ہوئے حرم کے پھاٹک تک پہنچ گئے ابن زبیرؓ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے، وہ شامیوں کے ریلے کی تاب نہ لا سکے، لیکن ابن زبیرؓ نے منہ نہ موڑا اور اسی بہادری کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔

یہ واقعہ جمادی الثانی ۷۳ھ میں پیش آیا۔ (واقعات مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ عبداللہ بن زبیر، و ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۶ تا ۲۸۹ اور اخبار الطوال سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

ابن زبیرؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا، حجاج نے لاش سولی پر لٹکائی، کئی دن کے بعد حضرت اسماءؓ کا گذر ادھر سے ہوا، انہوں نے دیکھ کر فرمایا "ابھی یہ شہسوار سواری سے نہیں اترا۔"

(یعقوبی ج ۲ ص ۳۲۰)

عبدالملک کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حجاج کو لکھ کر لاش واپس دلوائی اور قریش کا یہ نامور فرزند مقام حجون میں سپرد خاک کیا گیا، قتل ہونے کے وقت ۷۲ سال کی عمر تھی، مدت خلافت سات برس۔

نظام حکومت ابن زبیرؓ چند سال تک قریب قریب کل دنیائے اسلام اور سات برس تک حجاز اور عراق کے حکمران رہے لیکن اس مدت میں ان کو ایک دن کے لیے بھی سکون و اطمینان میسر نہ آیا اور پوری مدت جنگ و جدل میں بسر ہوئی، اس لیے ان کے دور پر انتظامی اور تعمیری حیثیت سے نظر ڈالنا بے کار ہے، ایسے مخالف حالات میں سات برس تک

اپنی جگہ پر قائم رہنا ہی ان کا بڑا کارنامہ ہے۔

تعمیر کعبہ تاہم ان حالات میں بھی انہوں نے بعض مفید اور یادگار کام انجام دیئے، ان میں خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر ان کا قابل ذکر کارنامہ ہے، بعثت نبویؐ سے قبل قریش نے ایک مرتبہ خانہ کعبہ کی عمارت، جو بہت بوسیدہ ہو گئی تھی، از سر نو تعمیر کی تھی، لیکن سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اس کا تھوڑا سا حصہ جسے اب حطیم کہتے ہیں، چھوٹ گیا تھا۔

یہ چھوٹا ہوا حصہ اصل بنیاد ابراہیمی کا تھا اس لیے آنحضرت ﷺ کی خواہش تھی کہ اسے بھی شامل کر کے بنیاد ابراہیمی پر دوبارہ عمارت تعمیر کی جائے اور اس کا دروازہ، جسے قریش نے عمداً اس لیے زمین سے اونچا رکھا تھا، تاکہ بغیر اجازت کے کوئی شخص اس کے اندر نہ داخل ہو سکے، زمین کے برابر کر دیا جائے اور مشرق و مغرب کی جانب دو دروازے کھول دیئے جائیں، لیکن ابھی لوگوں کے دلوں سے جاہلیت کے اوہام پوری طرح سے دور نہ ہوئے تھے اس ترمیم سے قریش کے بھڑک جانے کا خطرہ تھا، اس لیے آپ اس خواہش کو عمل میں نہ لا سکے۔ (بخاری باب فضل مکہ و بنیانہا) بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کے معرکوں میں کعبہ کی عمارت کو زیادہ نقصان پہنچا، اس لیے ابن زبیرؓ نے اسے گرا کر آنحضرت ﷺ کے پیش نظر نقشہ کے مطابق از سر نو تعمیر کرایا۔

اس تعمیر میں انہوں نے حطیم کے چھوٹے ہوئے حصہ کو بھی عمارت میں شامل کر کے طول میں دس ہاتھ کا اضافہ کر دیا اور مشرق و مغرب کی جانب دو دروازے زمین سے لگا کر کھول دیئے، کہ اندر جانے والوں کو زحمت نہ ہو۔ (مسلم نقض الکعبتہ و بنیانہا) تاریخ کا عبرت انگیز واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پہلے حبشہ کے بادشاہ ابراہہ اشرم نے جو ہاتھیوں کا غول لے کر کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا تھا، کعبہ کے مقابلہ میں اس کی مرکزیت کو توڑنے کے لیے یمن میں ایک کعبہ تعمیر کرایا تھا، ابن زبیرؓ نے اسی عمارت کو گرا کر اس کے نقشی پتھر بچی کاری اور دوسرے عماراتی سامانوں کو خانہ کعبہ کی عمارت میں لگایا۔

(مروج الذہب مسعودی ج ۳ ص ۳۹)

فضل و کمال ابن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ کے دامن میں پرورش پائی تھی، اس لیے فضل و کمال کے لحاظ سے وہ اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، قرآن کے بہت اچھے قاری

تھے، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ آپ کی قرات کے معترف تھے۔

(بخاری کتاب التفسیر باب ثانی اثنین اذہمانی الغار)

احادیث میں خود آنحضرت ﷺ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عائشہ صدیقہؓ خلفائے راشدین اور بعض دوسرے اکابر صحابہ سے خوشہ چینی کی تھی، ان کی ۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں ہیں، ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصا وسیع ہے۔ (تہذیب التہذیب و تہذیب الکمال ترجمہ عبداللہ بن زبیرؓ) فقہ میں اتنا درک تھا کہ مدینہ کے صاحب علم و افتاء صحابہ میں تھے۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳) عربی کے علاوہ مختلف زبانوں سے واقفیت تھی، ان کے غلام مختلف قوم اور نسل کے تھے اور وہ ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ (مستدرک ج ۳ ص ۵۴۹) بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے، عثمان بن طلحہ کا بیان ہے کہ فصاحت و بلاغت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳) اس کی تصدیق ان تقریروں سے ہوتی ہے جو تاریخوں میں موجود ہیں، جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بھی ان کی ایک تقریر بطور نمونہ نقل کی ہے۔

فضائل اخلاق اور مذہبی زندگی فضائل اخلاق کے لحاظ سے ان کی زندگی نمونہ تھی وہ عبادت و ریاضت زہد و تقویٰ کا پیکر تھے، ان کی نماز ہو بہو آنحضرت ﷺ کی نماز کی تصویر تھی، (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۸۹) اس سکون و استغراق کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کہ قیام کی حالت میں بے جان ستون معلوم ہوتے تھے۔ (اصابہ جلد ۴ ص ۷۰) رکوع اتنا طویل ہوتا تھا کہ دوسرے لوگ سورہ بقرہ ختم کر دیتے اور ان کا رکوع تمام نہ ہوتا، (اصابہ جلد ۳ ص ۱۶۴) سجدہ کی طوالت اور استغراق سے چڑیاں اڑ اڑ کر پیٹھ پر بیٹھتی تھیں۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۹۴، تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳) خانہ کعبہ کے محاصرہ کے زمانہ میں جب کہ ہر طرف سے سنگباری ہوتی تھی وہ نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ حطیم میں نماز پڑھتے تھے۔ (مستدرک ج ۳ ص ۵۵۲) روزہ اور حج وغیرہ تمام ارکان سے یہی ذوق و شغف تھا، اس کے واقعات طبقات صحابہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے، ان کی مذہبی زندگی کے معترف تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۱۹)

پابندی سنت کسی کام میں سنت نبوی کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، ایک مرتبہ ان

کے اور ان کے بھائی عمرو بن زبیرؓ کے درمیان کسی معاملہ پر تنازعہ ہو گیا' سعید بن عاص حاکم مدینہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا' اس نے دونوں کے مرتبہ کے خیال سے پہلو میں جگہ دی' عمرو تو بیٹھ گئے لیکن ابن زبیرؓ نے انکار کر دیا کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے' رسول اللہؐ اس طریقہ سے فیصلہ نہیں فرماتے تھے' مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو حاکم کے سامنے بیٹھنا چاہیے۔ (بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ میں یہ واقعہ مفصل ہے)

امہات المومنینؓ کی خدمت امہات المومنینؓ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ ابن زبیرؓ کی خالہ تھیں' انہی کے دامن میں انہوں نے پرورش پائی تھی' اسلئے ان کی بڑی خدمت کرتے تھے' حضرت عائشہؓ بڑی فیاض تھیں' ابن زبیرؓ جو کچھ دیتے وہ سب خرچ کر ڈالتیں' ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کی زبان سے اس کی شکایت نکل گئی' حضرت عائشہؓ کو اس سے تکلیف پہنچی' انہوں نے ابن زبیرؓ سے ترک کلامی کی قسم کھالی' اپنی قسم توڑنے پر آمادہ نہ ہوتی تھیں' آخر میں بڑی دشواری' سفارشوں اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد دلانے کے بعد کہ "کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں"۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی قسم توڑ دی اور اس کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیے' اور خالہ بھانجے میں پھر مہر و محبت کے تعلقات قائم ہو گئے۔ (بخاری کتاب المغازی باب برکۃ الغازی فی مالہ)

شجاعت و بہادری ابن زبیرؓ قریش کے شجاع ترین لوگوں میں تھے ہر معرکہ میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کی پوری زندگی شجاعانہ کارناموں سے معمور ہے' جس کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں' یہ ان کی شجاعت ہی تھی کہ بنی امیہ جیسی باجبروت حکومت کا سات برس تک مقابلہ کرتے رہے۔

جرات و حق گوئی شجاعت ہی کا ایک رخ جرات و بے باکی اور حق گوئی ہے' ابن زبیرؓ بڑے جری اور حق گو تھے' کسی موقعہ پر ان کی زبان اظہار حق میں خاموش نہ ہوتی تھی' امیر معاویہؓ کے دبدبہ و شکوہ' پولیٹیکل تدبیروں اور زرپاشیوں نے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں خاموش کر دی تھیں' لیکن ابن زبیرؓ پر ان کا بس نہ چل سکا' ان کے سامنے ان کی تمام تدبیریں ناکام رہیں' اور انہوں نے کسی طرح یزید کی ولی عہدی کی بدعت تسلیم نہیں

کی۔

مالی حالت ان کے والد حضرت زبیرؓ بن عوام قریش کے بڑے دولت مند لوگوں میں تھے، ان کا تجارتی کاروبار بڑا وسیع تھا، اپنے بعد پانچ کروڑ سے زیادہ روپیہ چھوڑا اور ایک تہائی کی وصیت ابن زبیرؓ کے لیے کر گئے تھے۔ نقد کے علاوہ جاگیر اور مکانوں کی شکل میں الگ سرمایہ تھا، اس لیے ابن زبیرؓ کی زندگی شروع سے آخر تک نہایت فراغت اور اطمینان سے بسر ہوئی۔

عبدالملک بن مروان کا خالص دور

۷۳ھ تا ۸۶ھ مطابق ۶۹۳ء تا ۷۰۵ء

عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد عبدالملک کا کوئی حریف مقابل نہ رہا اور وہ تنہا دنیائے اسلام کا خلیفہ ہو گیا اور ۷۳ھ سے اس کی خالص حکومت کا دور شروع ہوا۔

خوارج کی انقلاب انگیز شورش خارجیوں کے اصل حریف بنی امیہ تھے، ان کا مرکز عراق و فارس تھا، جو ابن زبیرؓ کے بعد عبدالملک کے قبضہ میں آ گیا تھا، اس لیے خوارج کا رخ عبدالملک کی طرف پھر گیا اور وہ سارے عراق اور فارس میں بڑے زور شور سے اٹھے، عبدالملک نے ان کے استیصال میں پوری قوت صرف کر دی، لیکن وہ ایسے بہادر و جانباز تھے کہ مدتوں حکومت کا مقابلہ کرتے رہے اور بڑی مشکلوں سے ان کا زور ٹوٹا، اس کی تفصیلات بڑی طویل ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابن زبیرؓ کی جانب سے مہلب بن ابی صفرہ خوارج کے مقابلہ میں تھے ابن زبیرؓ کے بعد وہ عبدالملک کے ساتھ ہو گئے تھے، ۷۳ھ میں خالد بن عبداللہ والی کوفہ نے مہلب کو خوارج کے مقابلہ سے ہٹا کر مال گذاری کے محکمہ میں منتقل کر دیا اور ان کی جگہ اپنے بھائی عبدالعزیز کو مقرر کر کے مقاتل بن مسمع کو ان کی مدد پر مامور کیا۔

مہلب بڑے بہادر اور تجربہ کار تھے، ان کے ہٹتے ہی خوارج کا زور بڑھ گیا اور انہوں نے عبدالعزیز کو شکست دے کر قتل کر دیا۔

عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے خالد بن عبداللہ کو لکھا کہ تم نے مہلب جیسے آزمودہ کار کو ہٹا کر اپنے نا تجربہ کار بھائی کو مقرر کیا تھا، اس کا لازمی نتیجہ شکست تھا، مہلب کو فوراً اس کی جگہ پر بھیجو، اور خوارج کے معاملہ میں بغیر مہلب کے مشورہ کے کوئی کاروائی نہ کرو، اس حکم کے ساتھ اپنے بھائی بشر بن مروان کو علیحدہ خوارج کے مقابلہ میں پانچ ہزار فوج بھیجنے کا حکم دیا۔

اس حکم پر خالد نے مہلب کو خوارج کے مقابلہ میں بھیج دیا اور خود اہل بصرہ کے ساتھ

ان کی مدد کے لیے اہواز پہنچا، بشر نے علیحدہ عبدالرحمن بن اشعث کو ۵ ہزار فوج دے کر بھیجا تینوں نے مل کر مورچہ بندی کی، خوارج ان کے مقابلہ کی قوت نہ پا کر اہواز سے منتشر ہو گئے۔

بحرین پر ابو فدیک خارجی نے قبضہ کر لیا تھا، اس لیے ۷۳ھ میں عبدالملک کے حکم سے عمر بن عبیداللہ دس ہزار فوجیں لے کر بحرین پہنچا، ابو فدیک نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن آخر میں مارا گیا، اس کے بہت سے آدمی مقتول اور بہت سے زندہ گرفتار ہوئے ۷۴ھ میں عبدالملک نے خوارج کے استیصال پر براہ راست مہلب کا تقرر کیا اور بشر بن مروان والی کوفہ کو اس کی مدد کے لیے لکھا۔ بشر کو اپنے وسیلہ بغیر یہ تقرر بہت ناگوار ہوا، وہ اس حکم کی خلاف ورزی تو نہ کر سکتا تھا، اس لیے عبدالرحمن بن مخنت کو پانچ ہزار کوفی سپاہ کے ساتھ مہلب کی مدد کے لیے بھیج دیا، لیکن اس کو خفیہ مہلب کی مخالفت اور اس کی تحقیر کی ہدایت کر دی۔

اس وقت خوارج کی یورش رامہرمز میں زیادہ تھی اس لیے مہلب اور عبدالرحمن دونوں سیدھے یہیں پہنچے، لیکن ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ بشر کی موت کی خبر آ گئی یہ خبر سن کر کوفی فوج بغیر لڑے ہوئے لوٹ گئی، بشر کے نائب خالد بن عبداللہ کو اس کی اطلاع ملی، تو اس نے کوفی فوج کو رامہرمز لوٹ جانے کا حکم دیا، لیکن وہ واپس نہ ہوئی اور خالد کے علی الرغم کوفہ چلی آئی۔

اہل عراق خصوصاً اہل کوفہ بڑے سرکش اور شورش پسند واقع ہوئے تھے اور ہمیشہ سے اپنے والیوں کی عدول حکمی کے عادی تھے، اس لیے اس واقعہ کے بعد عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو جو بڑا سخت گیر تھا، عراق کا حاکم بنا کر بھیجا، یہ کل بارہ سو سواروں کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوا اور سیدھا جامع کوفہ پہنچا اور تقریر کے لیے منادی کرا دی، اہل کوفہ تقریر سننے کے لیے جمع ہوئے انہیں حجاج کے تقرر کا علم نہ تھا، وہ والیوں کی تحقیر کرنے کے عادی تھے، اس لیے بہت سے لوگ حسب معمول کنکریاں لے لے کر مارنے کے لیے پہنچے۔

حجاج منہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھا، اس لیے کسی نے اس کو نہیں پہچانا، منبر پر چڑھنے کے بعد جب اس نے نقاب ہٹائی اس وقت اسے دیکھ کر لوگ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ ان

کے ہاتھوں سے کنکریاں چھوٹ گئیں' حجاج نے انہیں مخاطب کر کے ایک شعلہ بار تقریر کی' جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"لوگو! خدا کی قسم میں شر کو اس کی جگہ رکھتا ہوں اور اس کا پورا بدلہ دیتا ہوں میں بہت سے سروں کو دیکھتا ہوں (پکی ہوئی کھیتی کی طرح) جن کے کٹنے کا وقت آگیا ہے' مجھ کو تمہارے عماموں اور ڈاڑھیوں کے درمیان خون ہی خون نظر آتا ہے' اب معاملہ آخری حد کو پہنچ چکا ہے' مجھ کو آسانی کے ساتھ نہیں دبایا جا سکتا میں حوادث سے نہیں ڈرتا' امیر المومنین عبدالملک نے اپنے ترکش کے تمام تیروں کو جانچا' ان میں جو سب سے زیادہ سخت اور جگر دوز تھا' وہ تمہارے سینہ کی طرف چلایا ہے' تم مدتوں سے بغاوت' مخالفت' فتنہ انگیزی اور نفاق و شقاق کے عادی چلے آ رہے ہو' اب تم سیدھے ہو جاؤ اور سر اطاعت خم کر دو' ورنہ خدا کی قسم میں تم کو ذلت کا پورا مزہ چکھاؤں گا' تمہاری کجروی کو درست کر دوں گا تمہیں لکڑی کی طرح چھیل اور ببول کی طرح جھاڑ ڈالوں گا' تمہیں سرکش اونٹ کی طرح ماروں گا' کہ سرکشی بھول کر مطیع ہو جاؤ گے' تم پر اتنے مصائب نازل کروں گا کہ تم پست ہو جاؤ گے' خدا کی قسم میں جو کہتا ہوں اسے کر دکھاتا ہوں اور جو اندازہ کرتا ہوں صحیح ہوتا ہے' اب مخالف جماعتیں ہیں اور میں ہوں خدا کی قسم اگر تم حق پر نہ آئے تو میری تلوار عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دے گی' اس وقت تم باطل سے باز آ جاؤ گے اور اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دو گے' نافرمانوں کی نافرمانی سے' چشم پوشی کے معنی یہ ہیں کہ دشمنوں سے نہ لڑا جائے اور سرحدوں کو بیکار کر دیا جائے' اگر لوگوں کو جنگ کی شرکت پر مجبور نہ کیا جائے تو وہ خوشی سے لڑنے کے لیے نہ جائیں گے جس بغاوت اور سرکشی سے تم نے مہلب کا ساتھ چھوڑا اس کا حال مجھے معلوم ہے۔ خدا کی قسم آج کے تیسرے دن جو شخص واپس نہ گیا اور یہاں نظر آیا اس کا سر قلم کر دوں گا اور گھر لٹوا دوں گا"۔

اس آتش بار تقریر کے بعد اہل کوفہ کے نام عبدالملک کا فرمان پڑھنے کا حکم دیا' ابھی ابتدائی فقرہ "امابعد السلام علیکم" پڑھا گیا تھا' کہ حجاج نے روک دیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا!

امیر المومنین تم کو سلام کہتے ہیں اور تم اس کا جواب نہیں دیتے' خدا کی قسم میں تم کو ادب سکھا کر رہوں گا"۔۔۔ اس تادیب پر حاضرین نے "سلام اللہ علی امیر المومنین ورحمتہ اللہ وبرکاتہ"۔ کہا' اس کے بعد پھر فرمان پڑھنے کا حکم دیا۔

حجاج کی آتش بار تقریر سن کر لوگوں کے دل دہل گئے' اور عراقی ساری سرکشی اور شرارت بھول گئے' یا تو وہ کسی کے روکے نہ رکتے تھے اور مہلب کا ساتھ چھوڑ کر چلے آئے تھے' یا اس تقریر کے بعد ہر شخص جلد سے جلد اپنے کو مہلب کے پاس پہنچانے کے لیے بے تاب تھا اور کوفہ کے پل پر اتنا اژدہام ہو گیا کہ راستہ چلنا دشوار تھا۔

کوفہ کے بعد حجاج نے بصرہ جا کر ایسی ہی تہدید آمیز تقریر کی' یہاں کے شورش پسند بھی درست ہو گئے' ایک شخص شریک بن عمر نے جسے سابق والی بشر بن مروان نے بیماری کی وجہ سے شرکت جنگ سے مستثنیٰ کر دیا تھا' عذر کیا' حجاج نے اس کا سر قلم کرا دیا' اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگ جوق در جوق فوج میں شرکت کے لیے بھاگنے لگے۔

البتہ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ مصعب بن زبیرؓ نے اپنے زمانہ میں عراقی فوج کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا تھا' عبدالملک نے بھی اسے قائم رکھا تھا' حجاج نے اسے گھٹا دیا۔ ایک شخص عبداللہ بن جارود کے ساتھ ہو گیا اور بصرہ میں حجاج کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ حجاج کے پاس اس وقت حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا' ابن جارود نے اس کا خیمہ لوٹ لیا' لیکن حجاج کی خوش قسمتی سے خیمہ لوٹنے کے بعد ابن جارود خاموش ہو گیا' حجاج کے مشیروں نے اسے بصرہ چھوڑ دینے کی رائے دی' لیکن اس نے ہمت سے کام لیا اور اپنی کمزوری نہ ظاہر ہونے دی' دو چار دن کے بعد جب حجاج کے آدمی جمع ہو گئے' اس وقت ابن جارود پھر مقابلہ کے لیے اٹھا' اب حجاج کے پاس تھوڑی بہت قوت فراہم ہو گئی تھی' اس نے مقابلہ کیا' لیکن ابن جارود کے ساتھ پوری فوج تھی' اس لیے جنگ میں اسی کا پلہ بھاری تھا' مگر اتفاق سے ابن جارود کو تیر لگا اور وہ ختم ہو گیا اس بغاوت کا سرغنہ یہی تھا' اس کے بعد باغیوں کی ہمت چھوٹ گئی' حجاج نے امن عام کی منادی کرا دی' اس منادی پر باغیوں نے سپر ڈال دی' اختتام جنگ کے بعد حجاج نے ابن جارود کے تمام بڑے بڑے ساتھیوں کو قتل کرا دیا اور عراق میں ایک بڑا انقلاب ہوتے ہوتے رہ گیا۔

کوفہ اور بصرہ کی فوجوں کے مہلب کے پاس واپس جانے کا حال اوپر گذر چکا ہے' ان

کے پہنچنے کے بعد ان کی مدد سے مہلب نے خارجیوں کو رامہرمز سے ہٹا دیا، یہاں سے ہٹنے کے بعد وہ گازروون میں جمع ہوئے، مہلب بھی ساتھ ساتھ پہنچے، دونوں میں عرصہ تک معرکہ آرائی ہوتی رہی اس کا سلسلہ جاری تھا کہ ۷۶ھ میں جزیرہ میں ایک عابد و زاہد شخص صالح بن مسرح تمیمی مظالم کے استیصال کی دعوت لے کر اٹھے، بہت سے آدمی ان کے ساتھ ہو گئے، اسی زمانہ میں ایک اور خارجی سردار شبیب بن نعیم شیبانی کا ظہور ہوا، چونکہ صالح کی دعوت بھی در حقیقت بنی امیہ کے خلاف تھی، اس لیے شبیب بھی ان کے ساتھ ہو گیا، جزیرہ کے حاکم محمد بن مروان نے عدی بن عدی کندی کو صالح کے مقابلہ کے لیے بھیجا، عدی نیک فطرت تھا، اسے خون ریزی پسند نہ تھی، اس لیے صالح کے پاس کہلا بھیجا کہ میں جنگ نہیں کرنا چاہتا، بہتر ہے کہ تم ان اطراف سے چلے جاؤ، لیکن انہوں نے انکار کیا، ان کے انکار پر عدی کو مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن شکست کھائی۔

عدی کے شکست کھانے کے بعد محمد بن مروان نے خالد بن جزز کو بھیجا، آمد میں اس کا اور صالح و شبیب کا مقابلہ ہوا، ایک پر زور مقابلہ کے بعد صالح اور شبیب سکرہ کی طرف نکل گئے، حجاج کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے حارث بن عمیرہ کو کئی ہزار فوج دے کر روانہ کیا، اس نے صالح کو قتل کر دیا، شبیب نے ایک قلعہ میں پناہ لی، شام ہو چکی تھی اس لیے حارث قلعہ کے پھاٹک پر آگ کا آلاؤ لگا کر لشکر گاہ میں چلا آیا کہ صبح محصورین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے گا، شبیب کے ساتھی بڑے جانباز تھے، وہ حسن تدبیر سے آگ سے بچ کر نکل آئے اور حارث کی فوج پر ٹوٹ پڑے، یہ حملہ بالکل ناگہانی تھا، حارث سخت زخمی ہوا اور اس کے کل سامان پر شبیب نے قبضہ کر لیا۔

حارث کو شکست دینے کے بعد شبیب نے عام تاخت و تاراج شروع کر دی، حجاج کو خبر ہوئی تو اس نے سفیان بن ابی العالیہ کو بھیجا، شبیب نے اسے بھی شکست دی، اس کے بعد سورہ بن ابجر آیا، اس نے بھی شکست کھائی، ان پیہم شکستوں کو دیکھ کر حجاج نے جنزل بن سعید کندی کو چار ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ بھیجا، شبیب نے محض چند آدمیوں کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن پھر پہلو کمزور دیکھ کر نکل گیا اور جائیداد اور فصلوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا، حجاج نے ایک دوسرے بہادر سعید بن مجالد کو جنزل بن سعید کی مدد کے لیے بھیجا، دونوں نے مل کر شبیب کا تعاقب کیا، مقام قلیبیا میں دونوں کا مقابلہ ہوا

اس مقابلہ میں سعید کام آگیا اور جنرل سخت زخمی ہو کر کوفہ لوٹ گیا۔

ان پیہم کامیابیوں سے شبیب کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا کہ اس نے عراق کے پایہ تخت کوفہ کا رخ کیا' حجاج نے سعید بن عبدالرحمٰن اور عثمان بن قطن کو دو دو ہزار فوج کے ساتھ دو سمتوں سے روکنے کے لیے بھیجا' شبیب کوفہ کے قریب پہنچ چکا تھا' کہ اس کا اور سوید و عثمان کا سامنا ہو گیا شبیب بہادری سے لڑتا ہوا حیرہ کی طرف نکل گیا' پھر کچھ دور آگے جاکر چکر کاٹتا ہوا کوفہ لوٹ آیا اور بڑی جرات اور دلیری سے کوفہ میں گھس کر بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے تیزی سے نکل گیا' اب حجاج نے زائدہ بن قدامہ اور اس کے ساتھ متعدد بہادر افسروں کو دس ہزار پیدل سپاہ اور زحر بن قیس کو سوار دستے کے ساتھ شبیب کے تعاقب میں بھیجا' پیدل سپاہ تو پیچھے رہ گئی زحر بن قیس نے تعاقب کیا' کچھ دور جاکر شبیب نے پلٹ کر مقابلہ کیا اور زحر کو شکست دی۔

زحر کو شکست دینے کے بعد شبیب پیدل فوج کے مقابلہ کے لیے جو زائدہ کی ماتحتی میں عقب سے آ رہی تھی' بڑھا' کوفہ کے قریب مقابلہ ہوا' اس مقام میں عام سپاہ کے علاوہ عراقی فوج کے کئی افسر مقتول ہوئے' خارجیوں کو بھی نقصان پہنچا' اس لیے وہ مقابلہ چھوڑ کر دوسری سمت نکل گئے۔

حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ایک تجربہ کار افسر عبدالرحمن بن اشعث کو چھ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ بھیجا اور ہدایت کر دی کہ خارجی جہاں کہیں بھی ملیں تعاقب کر کے ان کا استیصال کیا جائے اور جو شخص شکست کھا کر واپس آئے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

عبدالرحمن نے پوری احتیاط اور مستعدی سے تعاقب کیا' جہاں منزل کرتا تھا' خوارج کے حملہ سے حفاظت کے لیے مورچہ بندی اور جنگ کا سامان کر لیتا تھا' یہ اہتمام دیکھ کر شبیب نے اس کے جواب میں یہ صورت اختیار کی کہ جیسے ہی عبدالرحمن قریب پہنچتا تھا' شبیب رک جاتا اور جب عبدالرحمن مورچہ بندی اور جنگ کا سامان کر لیتا تو پھر آگے بڑھ جاتا' اس طرح سے اس نے عبدالرحمن اور عراقی فوجوں کو تھکا ڈالا' ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ بقرعید کا زمانہ آگیا' شبیب نے فریقین کے عید منانے کے لیے صلح کا پیغام دیا' عراقی فوجیں تھک چکی تھیں اس لیے عبدالرحمن نے منظور کر لیا' اس کے ایک مخالف عثمان بن

قطن نے حجاج کو اس کی خبر کر دی وہ شبیب کے مقابلے میں کسی قسم کی نرمی پسند نہ کرتا تھا' اس لیے عبدالرحمٰن کو معزول کر کے عثمان کو افسر مقرر کر دیا' اس نے اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے فوراً مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں' شبیب بھی اپنی مختصر جماعت کے ساتھ پہنچ گیا اور ایک خون ریز معرکہ کے بعد عثمان کو قتل کر دیا اور عراقی فوج نے فاش شکست کھائی۔

شبیب کی ان کامیابیوں کو دیکھ کر بہت سے شورش پسند عوام بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ ان کی بڑھتی ہوئی قوت اور عراقی فوجوں کی بے بسی سے عراق میں بڑے خطرہ کی صورت پیدا ہو گئی اس وقت حجاج نے اہل کوفہ کو جمع کر کے انہیں غیرت دلائی۔ "کہ اگر تم دشمن کا مقابلہ اور اپنے ملک کی خود حفاظت نہیں کر سکتے تو میں تم سے زیادہ بہادر لوگوں کو یہ فرض سپرد کرتا ہوں"۔ یہ طعنہ سن کر ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں کہ ہم خود لڑیں گے اور ہر طرح امیر کی مدد کریں گے ایک کہن سال اور تجربہ کار بہادر زہرہ بن حویہ نے مشورہ دیا کہ اس مہم کے لیے ایسے جانباز اور سرفروش بہادروں کو منتخب کیجئے جو میدان سے منہ نہ موڑنا جانتے ہوں اور انہیں ایسے آزمودہ کار بہادر کے ساتھ بھیجئے' جو فرار کو عار اور صبر و ثبات کو عزت و شرف سمجھتا ہو' حجاج نے کہا میری نظر میں تم ہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہو' زہرہ نے عذر کیا کہ میری بصارت جواب دے چکی ہے ہاتھ پاؤں قابو میں نہیں ہیں' اس کے لیے ایسا شخص ہونا چاہیے جو تلوار اور نیزہ چلا سکے' البتہ بحیثیت مشیر کے ساتھ رہ سکتا ہوں' حجاج نے منظور کر لیا۔

عراق میں انتظامات کے ساتھ حجاج نے عبدالملک کو علیحدہ لکھا کہ اب شبیب کی نظر کوفہ پر ہے' عراقی فوج کی پیہم شکستوں نے یہاں کے باشندوں کی ہمت پست کر دی ہے اس لیے شام سے فوجیں بھیجئے' اس خط پر عبدالملک نے سفیان بن ابرد کلبی اور حبیب بن عبدالرحمٰن حکمی کو چھ ہزار منتخب شاہی فوج کے ساتھ بھیجا' یہ فوج حجاج نے خاص کوفہ کی حفاظت کے لیے منگائی تھی' اس لیے اس کے پہنچنے سے قبل عتاب بن ورقاء کو جنہیں مہلب کے ساتھ خوارج کے مقابلہ کا کافی تجربہ ہو چکا تھا' پچاس ہزار شاہی فوج کے ساتھ شبیب کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ شبیب کو ان تمام انتظامات کی خبر تھی' اس نے فوراً مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا' ابھی راستہ میں تھا کہ مطرف بن مغیرہ والی مدائن نے اس کے

پاس کہلا بھیجا کہ تم اپنے آدمی ہمارے پاس بھیجو وہ ہمیں قرآن سے تمہاری دعوت اور تمہاری تعلیم سمجھائیں کہ ہم کو تمہارا مقصد و منشاء معلوم ہو' اس پیام پر شبیب نے اپنے چند علماء بھیج دیئے' ان میں اور مطرف میں مباحثہ ہوا' لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا' اور شبیب اپنی مہم پر روانہ ہو گیا' ساباط کے قریب اس کا اور عتاب بن ورقاء کا سامنا ہوا' خوارج کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی اور عراقی فوج کا شمار چالیس ہزار کے درمیان تھا' اتنے فرق کے باوجود خارجیوں نے بہادری سے مقابلہ کیا' عراقیوں نے پوری قوت صرف کر دی' لیکن خوارج کی جانبازی کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے' عتاب اور زہرہ دونوں مارے گئے' اور عراقی فوج نے بری طرح شکست کھائی۔

اس ذلیل شکست نے حجاج کو بہت برہم کر دیا' اس نے اہل کوفہ کو جمع کر کے سخت تنبیہہ کی کہ تم لوگ کسی عزت کے مستحق نہیں ہو' جو تمہارا بھلا سوچے خدا اسے رسوا کرے' تم کسی جنگ میں بھیجے جانے کے لائق نہیں' کوفہ چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے ساتھ حیرہ میں جا کر رہو' آئندہ سے عتاب کی فوج کا کوئی آدمی کسی جنگ میں نہ بھیجا جائے"۔

ادھر عراقی فوج کو شکست دینے کے بعد شبیب پھر کوفہ کی جانب بڑھا' اس درمیان میں عبدالملک کی بھیجی ہوئی شامی فوج کوفہ پہنچ چکی تھی' اس سے حجاج کو بڑی تقویت ہوئی' اس نے حارث بن معاویہؓ کو ایک ہزار سپاہ کے ساتھ شبیب کو روکنے کے لیے بھیجا' شبیب نے اسے قتل کر دیا' اور کوفہ کے بالکل قریب پہنچ گیا' اس مرتبہ حجاج خود اپنے موالی اور شامی فوج کو لے کر نکلا' کوفہ کے باہر دونوں کا مقابلہ ہوا' خارجی حسب معمول اپنی مشہور شجاعت کے ساتھ لڑے اور بہتوں کو قتل کیا' لیکن حجاج خود شامی فوجوں کا دل بڑھا رہا تھا' اس نے بڑی جان فروشی دکھائی' دو دن کی خون ریز جنگ کے بعد شبیب کا بھائی مصلو' جو اس قوت کا بازو تھا' مارا گیا' لیکن اس سے بھی شبیب کے استقلال میں فرق نہ آیا' وہ اسی شجاعت سے لڑتا رہا۔ مگر آخر خارجی شامیوں کے پیہم حملوں کی تاب نہ لا سکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے' اس وقت شبیب کو مجبوراً میدان چھوڑنا پڑا' یہ اس کے شکست کھا کر میدان چھوڑنے کا پہلا موقع تھا شبیب کی شکست کے بعد حجاج نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص شبیب کا ساتھ چھوڑ کر چلا آئے گا' وہ مامون ہے' اس اعلان پر وہ عوام جو محض شبیب کی قوت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہو گئے تھے' منتشر ہو گئے' اس سے اس کی قوت

اور کمزور پڑ گئی اور حجاج کے لیے اس کا زیر کر لینا آسان ہو گیا، چنانچہ اس نے فوراً حبیب بن عبدالرحمٰن حکمی کو تین ہزار شاہی فوج کے ساتھ شبیب کے تعاقب میں روانہ کیا، شبیب اتنا جری اور بہادر تھا کہ اس نے قلت تعداد کی کوئی پروانہ کی اور اپنی مختصر جماعت کے ساتھ بڑی آن بان سے مقابلہ میں آگیا اور صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی، فریقین کے بہت سے آدمی کام آگئے، لیکن دونوں خصوصاً خارجی مسلسل لڑتے لڑتے اتنے چور ہو چکے تھے کہ ہاتھ پاؤں کام نہ دیتے تھے، اس لیے شبیب میدان چھوڑ کر آرام لینے کے لیے کرمان چلا گیا۔

لیکن حجاج نے اسے دم لینے کا موقع نہ دیا۔ اور فوراً سفیان بن ابرو کو شاہی فوج کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ کیا اور اپنے داماد حکم بن ایوب والی بصرہ کو اس کی مدد کے لیے لکھا اس نے علیحدہ چار ہزار امدادی فوجیں بھیجیں، اہواز میں لب ساحل دونوں کا مقابلہ ہوا، صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی، خارجیوں نے شامیوں کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کا پلہ کمزور پڑنے لگا، یہ صورت دیکھ کر سفیان نے تیر بازی شروع کرا دی، خارجیوں نے حملہ کر کے بہت سے تیر اندازوں کو ختم کر دیا۔ شام ہو چکی تھی اس لیے شبیب نے دوسرے دن کے لیے جنگ ملتوی کر دی شامیوں نے بھی ہاتھ روک لیا، شبیب نے رات گزارنے کے لیے دریا کو عبور کر کے دوسری سمت نکل جانا چاہا کہ عین پل کے وسط میں اس کا گھوڑا بدکا اور مع شبیب کے دریا میں ڈوب گیا، اس افسوس ناک طریقہ سے اس جانباز بہادر کا، جس نے مٹھی بھر جماعت کے بنی امیہ کی افواج قاہرہ کو زچ کر دیا تھا، خاتمہ ہو گیا، یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے، اس کی لاش نکلوا کر اس کا دل دیکھا گیا تو غیر معمولی جسامت کا اور نہایت سخت تھا۔

شبیب کے بعد حجاج کو اس کی جماعت کی جانب سے تو اطمینان ہو گیا، لیکن کرمان میں خوارج کی ایک اور شاخ کا جو نافع بن ازرق کی نسبت سے ازراقیہ کہلاتی تھی، بڑا زور تھا، مہلب کامل اٹھارہ مہینے سے اس کے مقابلہ میں تھے لیکن ان کا زور کسی طرح نہ ٹوٹتا تھا شبیب کے خاتمہ کے بعد حجاج ادھر متوجہ ہوا اور مہلب بن ابی صفرہ کی مدد کے لیے مزید فوجیں بھیجیں اور ازراقیہ کے استیصال کی سخت تاکید لکھی، مہلب نے تازہ دم فوجوں کی مدد سے پورا زور صرف کر دیا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

اس زمانہ میں ازارقہ کا سردار قطری بن فجاۃ تھا' اتفاق سے اس کے ایک عہدے دار نے ایک خارجی کو قتل کر دیا' خارجیوں نے اس کے قصاص کا مطالبہ کیا' قطری نے کہا یہ قاتل کی خطائے اجتہادی تھی' اس لیے قصاص واجب نہیں ہے' اس سے ایک جماعت اس کے خلاف ہو گئی' مہلب کو اس اختلاف کا علم ہوا تو انہوں نے ایک نصرانی کو مقرر کیا کہ وہ خارجی بن کر خوارج کے سامنے قطری کو سجدے کرے' اس نے اس کی تعمیل کی' خارجی عقیدے میں بڑے سخت ہوتے ہیں' انہوں نے قطری سے کہا اس شخص نے تم کو خدا بنا لیا ہے' اور اس نصرانی کو قتل کر دیا۔ اس سے اختلاف اور بڑھ گیا اور ایک جماعت نے قطری سے الگ ہو کر عبدربہ الکبیر کو اپنا سردار بنا لیا' ان دونوں میں جنگ ہو گئی' یہ اختلاف دیکھ کر قطری اپنی جماعت کے ساتھ طبرستان چلا گیا' جب عبدربہ الکبیر تنہا رہ گیا اس وقت مہلب نے اس کو جیرفت میں گھیر لیا' عبدربہ الکبیر کچھ دنوں تک بہادری سے مقابلہ کرتا رہا لیکن جیرفت میں محصور ہونے کی وجہ سے کھل کر نہ لڑ سکتا تھا' اس لیے کسی طرح یہاں سے نکل گیا' مہلب نے آگے بڑھ کر گھیرا' خوارج نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ مہلب جیسے تجربہ کار افسر کے چھکے چھوٹ گئے لیکن وہ جان پر کھیل کر جما رہا' بالآخر ایک پر زور معرکہ کے بعد عبدربہ مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت کم آدمی زندہ بچے' اس کارگزاری پر حجاج نے مہلب کی بڑی قدر افزائی کی۔

عبدربہ کے بعد حجاج نے سفیان بن ابرو کو شاہی فوج کے ساتھ قطری کے مقابلہ کے لیے طبرستان بھیجا اور کوفہ کی فوج کو اس کی مدد پر مامور کیا' طبرستان کی ایک پہاڑی میں سفیان اور قطری کا مقابلہ ہوا' عین اس وقت قطری کے بہت سے آدمیوں نے ساتھ چھوڑ دیا' قطری نے نکل بھاگنا چاہا لیکن اس کا وقت آخر ہو چکا تھا' گھوڑے سے گر کر سخت زخمی ہوا' اتفاق سے اس طرف ایک گبر کا گذر ہوا' قطری نے اس سے پانی مانگا' قطری کا لباس اور سازو سامان بہت قیمتی تھا' گبر نے اس کی طمع میں اسے مار ڈالنا چاہا' شور سن کر شاہی سپاہی پہنچ گئے' انہوں نے پہچان کر قتل کر دیا' قطری کے قتل کے بعد اس کا ایک ساتھی عبیدہ بن بلال اپنی مختصر جماعت کے ساتھ اٹھا' لیکن اس کے پاس کوئی قوت نہ تھی' اس لیے سفیان نے اسے آسانی کے ساتھ زیر کر لیا اور عبیدہ مارا گیا' اس کے قتل کے بعد خوارج کی قوت بالکل ختم ہو گئی اور ان کے خطرات سے حکومت کو نجات مل گئی۔

(یہ تمام حالات طبری و ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

افریقی مقبوضات پر دوبارہ قبضہ

اوپر یزید کے حالات میں گذر چکا ہے کہ ایک بربری کسیلہ بن مکرم نے بغاوت کر کے شمالی افریقہ کے تمام اسلامی مقبوضات چھین لیے تھے' یزید کے زمانہ سے لے کر عبدالملک کی تخت نشینی تک برابر ایسے سیاسی انقلابات ہوتے رہے کہ کسی خلیفہ کو افریقہ کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا' عبدالملک کی تخت نشینی کے بعد جب دوبارہ اموی حکومت قائم ہوئی تو اس نے افریقہ کی طرف توجہ کی اور ۶۹ھ میں زہیر بن قیس کو جنہیں افریقہ کے حالات کا کافی تجربہ تھا' بڑے سازو سامان کے ساتھ اس مہم پر روانہ کیا ان کے افریقہ میں داخل ہونے کے وقت کسیلہ قیروان میں تھا' یہاں مسلمانوں کی کافی تعداد آباد تھی' اس لیے کسیلہ نے یہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ایک محفوظ مقام ممش چلا گیا' زہیر کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قیروان میں دو چار دن قیام کرنے کے بعد کسیلہ کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ ممش کے قریب سامنا ہو گیا' کسیلہ کے ساتھ رومیوں اور بربریوں کی بڑی تعداد تھی' ان میں اور زہیر میں اتنی شدید اور خون ریز جنگ ہوئی کہ کسی فریق کو زندہ بچنے کی امید باقی نہ رہی' لیکن مسلمانوں کے استقلال اور جانبازی سے میدان ان کے ہاتھ رہا' کسیلہ نے نہایت فاش شکست کھائی' بربریوں اور رومیوں کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی' جن میں افریقہ کے بڑے بڑے ممتاز امراء و عمائد تھے' اس کامیابی سے مسلمانوں کی اکھڑی ہوئی ساکھ پھر قائم ہو گئی اور زہیر قیروان ہوتے ہوئے برقہ لوٹ گئے۔

زہیر کی شہادت اور افریقہ میں دوبارہ انقلاب

جس زمانہ میں زہیر افریقہ کی م میں مشغول تھے' رومیوں نے میدان خالی پا کر برقہ پر حملہ کر دیا' یہاں مدافعت کی کو طاقت موجود نہ تھی' اس لیے بہت سے مسلمان مارے گئے' اس درمیان میں زہیر واپس گئے رومی بڑی تعداد میں تھے' زہیر میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لیکن مسلمانوں فریاد فغاں سن کر ان سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ رومیوں کے مقابلہ میں آگئے' لیکن دونوں طاقت میں کوئی تناسب نہ تھا' اس لیے شکست ہوئی' زہیر قتل ہوئے اور مسلمانوں کی ب تھوڑی تعداد زندہ بچی اور ان کے قتل ہونے کے بعد افریقہ کے مقبوضات نکل گئے۔

افریقہ پر دوبارہ فوج کشی اور قبضہ

عبدالملک کو زہیر کے قتل کا بڑا صدمہ ہوا' ل

یہ وہ زمانہ تھا جب وہ ہمہ تن ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں مشغول تھا' اس لیے اس وقت افریقہ کی طرف توجہ نہ کر سکا' ان سے فرصت پانے کے بعد ۴۷ھ میں اس نے حسان بن نعمان غسانی والی برقہ کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ افریقہ بھیجا اور مصر کے خزانہ کی کنجی اس کے حوالہ کر دی کہ جس طرح وہ چاہے اس کو افریقہ کی مہم میں صرف کرے (الونس ص ۳۱) ایک روایت یہ ہے کہ اتنا بڑا اسلامی لشکر اس سے پہلے افریقہ نہ گیا تھا۔

افریقہ کی بغاوت میں رومی بھی بربریوں کے ساتھ ہو جاتے تھے اور سسلی اور اسپین تک کی رومی حکومتیں بربریوں کی مدد کرتی تھیں' اس لیے اس مرتبہ حسان نے ان کا زور توڑنے کا عزم کیا اس وقت شمالی افریقہ میں قرطاجنہ کی حکومت سب میں ممتاز اور قسطنطنیہ کی مرکزی حکومت با جگذار تھی۔ دار السلطنت قرطاجنہ بحر روم کے ساحل پر نہایت خوبصورت اور مستحکم شہر تھا' اس لیے حسان قیروان ہوتے ہوئے قرطاجنہ پہنچے' یہاں پہلے سے رومیوں اور بربریوں کے انبوہ عظیم جمع تھے' اس میں اسپین اور سسلی تک کے رومی تھے' دونوں میں سخت مقابلہ ہوا' رومیوں نے شکست کھائی اور قرطاجنہ پر حسان کا قبضہ ہو گیا' اور انہوں نے یہاں کے تمام استحکامات مسمار کر دیے۔

(الونس ص ۳۱ و ابن اثیر ج ۴ ص ۱۴۳)

قرطاجنہ کے ہزیمت خوردہ رومی اور بربری سطفورہ اور بنیزت میں جمع ہوئے اس لیے قرطاجنہ کے بعد حسان سطفورہ پہنچے اور ان کو شکست دے کر سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں' اس شکست سے رومیوں اور بربریوں میں بڑا خوف پھیل گیا اور رومی باجہ میں اور بربری بونہ میں قلعہ بند ہو گئے۔

حسان کی شکست اور ملکہ دامیہ کا قبضہ اس مرتبہ حسان نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ افریقہ کی ان تمام طاقتوں کا جن کا بربری اور رومی سہارا لے سکتے ہوں خاتمہ کر دیں تاکہ پھر وہ بغاوت کی ہمت نہ کریں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ جائے۔

قرطاجنہ کی حکومت کے بعد اس زمانہ میں جبل اور اس کی ملکہ دامیہ کا جو کاہنہ کے لقب سے مشہور تھی' بڑا اثر تھا' اور اسے سارے شمالی افریقہ کے حامی اور بربری ملتے تھے' چنانچہ کسیلہ بن لمزم کے قتل کے بعد وہ اسی کے پاس جمع ہو گئے تھے' حسان کو یہ معلوم ہوا کہ اگر اسے ختم کر دیا جائے تو پھر شمالی افریقہ میں ان کا کوئی مزاحم باقی نہ رہے گا۔

(الونس ص ۳۱، ۳۲ و اخبار المغرب ص ۲۷) اس لیے چند دن قیروان میں آرام کرنے کے بعد انہوں نے جبل اوراس کا رخ کیا، ملکہ دامیہ کے پاس پہلے سے رومی اور بربری جمع تھے، انہیں لے کر وہ مقابلہ کے لیے نکلی دریائے سکتانہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا، ایک خون ریز جنگ کے بعد حسان نے فاش شکست کھائی، بہت سے مسلمان قتل و گرفتار اور تمام اسلامی مقبوضات ملکہ دامیہ کے قبضہ میں آ گئے۔ (الونس ص ۳۱، ۳۲ و اخبار المغرب ص ۲۷)

آخری فوج کشی اور افریقہ پر قبضہ اس شکست کے بعد حسان برقہ چلے گئے، اور عبدالملک کو اطلاع دی، اس وقت اندرون ملک خوارج کا ہنگامہ برپا تھا، اس لیے عبدالملک کوئی مدد نہ کر سکا اور پانچ سال تک ملکہ دامیہ شمالی افریقہ پر مسلط رہی۔ خوارج سے فراغت کے بعد ۷۸ھ میں عبدالملک نے تازہ دم فوجیں بھیج کر حسان کو پھر افریقہ پر فوج کشی کا حکم دیا۔۔۔۔ گذشتہ جنگ میں جو مسلمان گرفتار ہوئے تھے، ملکہ دامیہ نے ان سب کو رہا کر دیا تھا، صرف ایک خالد بن یزید قیسی کو روک لیا تھا اور اسے اپنا لڑکا بنا کر اپنے بیٹوں کے ساتھ کر دیا تھا، حسان نے خالد کو خفیہ خط لکھ کر وہاں کے حالات پوچھے انہوں نے جواب دیا۔ "اس وقت رومی اور بربری منتشر ہو چکے ہیں، میدان بالکل خالی ہے"۔ یہ خط پا کر حسان فوراً روانہ ہو گئے، ملکہ کو اس کا علم ہو گیا، اس وقت اس کے پاس مدافعت کی کوئی قوت نہ تھی اس لیے اسے اپنی حکومت کے خاتمہ کا یقین ہو گیا، تاہم اس نے مسلمانوں کو روکنے کی ایک تدبیر کی اسے یقین تھا کہ مسلمان محض دولت کی طمع میں آتے ہیں، اس لیے اس نے حصول دولت کے تمام ذرائع بڑے شہروں، آبادیوں اور سرسبز و شاداب علاقوں کو جو دو ہزار میل میں پھیلے ہوئے تھے بالکل ویران کرا دیا کہ مسلمان یہاں کا رخ نہ کریں، اور اگر آئیں تو ان کے ہاتھ کچھ نہ لگے، اس ویرانی سے ملک تباہ ہو گیا اور یہاں کے اکثر باشندے آس پاس کے جزیروں میں نکل گئے۔ (ابن العذاری کے بیان کے مطابق حسان کو شکست دینے کے بعد ہی ملکہ دامیہ نے افریقہ کو ویران کر دیا تھا ص ۳۸) اس دوران میں حسان پہنچ گئے، افریقہ کی ویرانی سے کل رعایا تباہ اور ملکہ دامیہ کے خلاف ہو رہی تھی، اس نے حسان سے فریاد کی اور ملکہ کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دیا، چنانچہ قابض اور قبضہ کے باشندوں نے جو اسلامی حکومت سے بغاوت کر چکے تھے خود سے اطاعت قبول کر لی اور تسلیلہ اور نفزاوہ پر بھی بلا مزاحمت کے قبضہ ہو گیا۔

اہل افریقہ کی مخالفت دیکھ کر ملکہ دامیہ کو اپنی شکست کا پورا یقین ہو گیا، اس وقت اس نے اپنے دونوں لڑکوں سے کہا کہ میں عنقریب قتل ہونے والی ہوں، تم خالد کے وسیلہ سے حسان کے پاس جا کر اپنی جان بخشی کرا لو، اس کی ہدایت کے مطابق یہ دونوں حسان کے پاس چلے گئے۔

گو ملکہ دامیہ کو اپنی شکست کا یقین تھا، تاہم وہ حسان سے آخری مقابلہ کے لیے نکلی دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی، ملکہ دامیہ شکست کھا کر قتل ہوئی، شکست خوردہ بربریوں نے حسان کی اطاعت قبول کر لی، ان میں بہت سے بربری مسلمان ہو گئے۔

ملکہ کے قتل ہونے کے بعد حسان نے اس کے لڑکوں کی جان بخشی کر دی اور نو مسلم بربریوں کی ایک فوج بنا کر ان کو اس کا افسر مقرر کیا، ملکہ دامیہ کے بعد افریقہ میں کوئی حریف باقی نہ رہا۔ اور یہاں بکثرت اسلام پھیلا۔ اس مہم کی تکمیل کے بعد حسان قیروان واپس آئے۔ (کتاب الونس ص ۳۲ و ابن اثیر ج ۴ ص ۴۴)

زنتبیل کی بغاوت اور پہلی فوج کشی عبداللہ بن زبیرؓ کے ہنگامہ کے زمانہ میں سیستان کے علاقہ کا ایک ترک فرمانروا زنتبیل باغی ہو گیا تھا ۷۴ھ میں امیہ بن عبداللہ والی خراسان نے اپنے لڑکے عبداللہ کو اس کی تادیب پر مامور کیا، جب وہ بست پہنچے تو زنتبیل اطاعت قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا اور بہت سا نقد و جنس پیش کر کے صلح کر لینی چاہی لیکن عبداللہ نے منظور نہ کیا اور پیش قدمی جاری رکھی، زنتبیل نے کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ عبداللہ کو راستہ دے دیا، یہ ناعاقبت اندیشی سے آگے بڑھتے چلے گئے، اور واپسی کے راستوں کی حفاظت کا کوئی سامان نہ کیا سیستان کا علاقہ پیچ در پیچ اور پہاڑی ہے عبداللہ جب بیچ میں پہنچے اس وقت زنتبیل نے ناکہ بندی کر کے ہر طرف سے گھیر لیا، اس وقت عبداللہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن اب ہر طرف سے محصور ہو چکے تھے، نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا، اس لیے انہیں مجبور ہو کر زنتبیل سے راستہ چھوڑنے کی درخواست کرنی پڑی، اس نے آئندہ فوج کشی نہ کرنے کا تحریری وعدہ لے کر راستہ دے دیا اور عبداللہ جان بچا کر واپس ہوئے اور عبدالملک کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبداللہ کو معزول کر دیا۔

دوسری فوج کشی اور شکست کچھ دنوں تک زنتبیل کا یہ رویہ درست رہا لیکن پھر

اس نے سرکشی شروع کر دی' اس لیے ۷۸ھ میں حجاج نے دوبارہ عبداللہ بن بکرہ کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا وہ ۷۹ھ میں سیستان پہنچے اور زنتبیل کے علاقہ میں گھس کر بہت سے قلعے مسمار اور کئی مقامات پر قبضہ کر لیا' لیکن انہوں نے بھی وہی غلطی کی جو ان کے پیشرو عبداللہ بن امیہ کر چکے تھے اور بغیر واپسی کا سامان کیے ہوئے آگے بڑھے چلے گئے' اس لیے زنتبیل نے ان کی بھی ناکہ بندی کر دی اور ابن ابی بکرہ کو سات لاکھ درہم دے کر جان چھڑانی پڑی' لیکن ایک پرجوش مجاہد شریح بن ہانی کو یہ ننگ گوارا نہ ہوا' انہوں نے کہا اگر تم نے یہ شرط منظور کر لی تو اس نواح میں اسلام ہمیشہ کمزور ہو جائے گا' تم موت سے' جس کا آنا ایک نہ ایک دن یقینی ہے بھاگنا چاہتے ہو' یہ کہہ کر ایک جانباز جماعت کے ساتھ لڑ کر مردانہ وار جان دے دی اور باقی ماندہ لوگ کسی طرح مرتے کھپتے واپس آئے بہت سے لوگ راستہ کی دشواریوں کا شکار ہوئے جن میں خود ابن ابی بکرہ بھی تھے۔

(فتوح البلدان ص ۳۰٦)

تیسری فوج کشی اور کامیابی اس معرکہ میں مسلمانوں کا کافی جانی و مالی نقصان ہوا اس لیے حجاج نے ۸۰ھ میں پھر ایک تجربہ کار اور آزمودہ کار بہادر عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا' انہیں دیکھ کر زنتبیل بہت گھبرایا اور اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا' لیکن ابن اشعث نے منظور نہ کیا اور زنتبیل کے مقبوضات میں گھس گئے' زنتبیل نے انہیں بھی اسی جال میں پھانسنا چاہا' لیکن وہ بڑے تجربہ کار تھے اس لیے جتنا علاقہ فتح کرتے تھے اس کی حفاظت اور واپسی کا پورا انتظام کر کے آگے بڑھتے تھے' اس طرح انہوں نے زنتبیل کے علاوہ اس کا بڑا حصہ چھین لیا' سیستان کا پہاڑی علاقہ اور دشوار گذار تھا' اس لیے ایک حصہ فتح کرنے کے بعد فوجوں کو آرام دیتے' مقبوضہ علاقہ کا انتظام کرنے اور باقی حصہ کے جغرافیہ سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے باقی مہم آئندہ کے لیے ملتوی کر کے حجاج کو اس کی اطلاع دے دی۔

حجاج' ابن اشعث سے کبیدہ تھا' اس لیے ان کے خط کے جواب میں لکھا' کہ تمہارا خط راحت پسند اور آرام طلب آدمی کا خط ہے' ایک ایسے دشمن کے مقابلہ میں جس کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو کلی نقصان پہنچ چکا ہے' آرام کرنا چاہتے ہو' میرا خط دیکھتے ہی فوراً پیش قدمی شروع کر دو' اس خط کے بعد کئی تاکیدی احکام بھیجے' آخر میں حکم دیا کہ اگر تم

سے اس کی تعمیل نہیں ہو سکتی تو فوج کی کمان اپنے بھائی اسحاق بن محمد کے ہاتھ میں دے کر تم الگ ہو جاؤ۔

ابن اشعث کی بغاوت اور عراق میں انقلاب ابن اشعث کو اس کا یقین تھا کہ حجاج اپنی پرانی عداوت نکالنا چاہتا ہے اس لیے وہ بھی اس کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا' اور اپنی ماتحت فوج سے کہا کہ "میں تمہارا خیر خواہ اور خیر طالب ہوں' تمہارے ہی فائدہ کو پیش نظر رکھ کر میں نے ایک سال کے لیے سیستان کی مہم ملتوی کی تھی' اور تمہارے تمام تجربہ کار آدمی میری اس رائے کے موید تھے لیکن حجاج اس کو میری کمزوری پر محمول کر کے فوج کشی پر مصر ہے۔ زنتبیل کا ملک وہ ہے جس میں تمہارے بہت سے بھائی عجلت اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں' میں اس بارے میں تم لوگوں کی مرضی کا پابند ہوں"۔

حجاج کی سخت گیری اس کے مظالم اور ناپسندیدہ طرز عمل سے سب نالاں تھے اس لیے فوج نے ابن اشعث کا ساتھ دیا اور حجاج کے مقابلہ کے لیے اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی' فوج کے علاوہ ہزاروں آدمی ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے' بہت سے قراء' حفاظ اور علماء نے' جن میں امام شعبیؒ' سعیدؒ بن جبیرؒ اور ابراہیم نخعیؒ جیسے اکابر تابعین شامل تھے' ابن اشعث کا ساتھ دیا' فوج کی بغاوت اور ان بزرگوں کی شرکت سے سارے عراق میں حجاج کے خلاف شعلے بھڑک اٹھے۔

حجاج کی مخالفت کے ساتھ ہی ابن اشعث نے زنتبیل سے مصالحت کر لی کہ اگر وہ حجاج کے مقابلہ میں کامیاب ہوا تو اس کا خراج ہمیشہ کے لیے معاف کر دیا جائے گا اور اگر ناکام رہا تو زنتبیل اس کی مدد کرے گا اور سیستان کے مفتوحہ علاقے میں اپنے عمال مقرر کر کے حجاج کے مقابلہ کے لیے عراق روانہ ہو گیا۔

اس بغاوت کا آغاز اگرچہ حجاج کی مخالفت سے ہوا تھا' لیکن اس کا لازمی نتیجہ حکومت سے تصادم تھا' اس لیے عراق پہنچنے کے بعد فوج نے عبدالملک سے بھی فسخ بیعت کا اعلان کر دیا اور ابن اشعث کے ہاتھوں پر کتاب اللہ' سنت رسولؐ اور گمراہوں سے جہاد پر بیعت کر لی۔

بصرہ پر ابن اشعث کا قبضہ حجاج کو یہ حالات معلوم ہوئے تو عبدالملک کو اس کی اطلاع بھیج کر خود ابن شعث کے مقابلہ کے لیے نکلا' تستر کے قریب دونوں کا مقابلہ ہوا'

حجاج کو شکست ہوئی اور وہ بصرہ لوٹ گیا، ابن اشعث نے اس کا تعاقب کیا۔

اہل عراق فطرۃً شورش پسند تھے، اور حجاج کی زیادتیوں سے بھی نالاں تھے اس لیے ابن اشعث کا سہارا پاکر اہل بصرہ بھی حجاج کے خلاف ہو گئے، یہاں مخالفت کے آثار دیکھ کر حجاج بصرہ سے نکل گیا، اور اہل بصرہ بھی ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے، اور ذی الحجہ ۸۱ھ میں وہ بصرہ میں داخل ہو گیا۔

ابن اشعث کی پہلی شکست حجاج بصرہ کے قریب ہی مقام زاویہ میں فوجوں کے ساتھ گھر گیا تھا، اس لیے بصرہ پر ابن اشعث کے قبضہ کے بعد آغاز ۸۲ھ میں پھر جنگ شروع ہو گئی، ابن اشعث نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا، حجاج کے قدم اکھڑتے اکھڑتے رہ گئے، لیکن خون ریز معرکوں کے بعد آخر میں ابن اشعث کو شکست ہوئی اس کی سپاہ کا بڑا حصہ کام آیا، شکست کھانے کے بعد وہ بصرہ چھوڑ کر کوفہ چلا گیا، بصرہ کے بہت سے عمائد نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس کے جو مددگار بصرہ میں رہ گئے تھے انہوں نے عبدالرحمٰن بن عباسؓ بن ربیعہ کو امیر بنا کر حجاج کا نہایت پر زور مقابلہ کیا، لیکن چند معرکوں کے بعد یہ لوگ بھی کوفہ چلے گئے۔

کوفہ پر قبضہ کوفہ پہنچنے کے بعد ابن اشعث کے آدمیوں نے یہاں کے اموی حاکم عبدالرحمٰن بن عباس کو نکال دیا، حجاج کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بصرہ سے کوفہ پہنچا، اس وقت ابن اشعث کی قوت پھر مجتمع ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ تقریباً دو لاکھ آدمی تھے، انہیں لے کر ابن اشعث حجاج کے مقابلہ کے لیے نکلا اور عرصہ تک دونوں میں نہایت خون ریز جنگ ہوتی رہی، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

بغاوت روز بروز نازک شکل اختیار کرتی جاتی تھی، سارے عراق میں اس کے شعلے بھڑک اٹھے تھے، اس لیے عبدالملک نے حجاج کو، جس کی مخالفت میں یہ بغاوت برپا ہوئی تھی، عراق کی حکومت سے معزول کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور اپنے لڑکے عبداللہ اور بھائی محمد کو بھیجا کہ وہ جا کر اہل عراق سے کہیں کہ اگر ان کو حجاج کی حکومت سے اختلاف ہے تو اس کو معزول کر کے محمد بن مروان کو عراق کا حاکم بنا دیا جائے گا، عراقی فوج کو شاہی فوج کے برابر تنخواہیں دی جائیں گی اور ابن اشعث جس مقام کی حکومت پسند کرے گا، زندگی بھر کے لیے وہاں کا حاکم بنا دیا جائے گا اور اگر اہل عراق اس پر بھی بغاوت سے باز نہ آئیں تو

حجاج بدستور حاکم رہے گا اور اسے یہ اختیار ہو گا کہ جس طرح چاہے انہیں مطیع بنائے۔

عبداللہ اور محمد نے اہل عراق کو عبدالملک کا یہ پیغام سنایا ابن اشعث نے بھی اسے منظور کر لینے کی رائے دی' لیکن عراقی فطرۃ" شورش پسند واقع ہوئے تھے اس لیے منظور نہ کیا اور اپنی ناعاقبت اندیشی سے اس پیش کش کو مسترد کر کے حجاج کو اپنے اوپر مسلط رہنے کا موقع دے دیا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۱۸۱)

ابن اشعث کی شکست اور عراق پر حجاج کا قبضہ ان کے انکار پر حجاج کو انتقام لینے کا موقع مل گیا' چنانچہ پھر فریقین میں جنگ شروع ہو گئی اور کئی مہینوں کے مسلسل خون ریز معرکوں کے بعد ۸۳ھ میں عراقیوں نے نہایت فاش شکست کھائی' ابن اشعث شکست کھا کر بصرہ چلا گیا اور حجاج نے کوفہ میں داخل ہو کر یہاں کے باشندوں سے بزور شمشیر بیعت لی' جس نے ذرا بھی تامل کیا اسے بے دریغ قتل کر دیا گیا۔

ابن اشعث کے بصرہ پہنچنے کے بعد شکست خوردہ عراقی اس کے پاس پہنچ گئے' اس کے علاوہ اور بہت سے مددگار جمع ہو گئے' انہیں لے کر وہ پھر حجاج کے مقابلہ کے لیے نکلا' شعبان ۸۳ھ میں دونوں میں آخری مقابلہ ہوا' اہل عراق نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن آخر میں شکست انہی کی ہوئی' اس شکست نے ابن اشعث کی قوت بالکل توڑ دی اور وہ سیستان جہاں اس کے عمال تھے' چلا گیا' حجاج نے تعاقب کیا' لیکن ابن اشعث لڑتا بھڑتا ہوا بست نکل گیا' یہاں کے والی عیاض بن ہمیان نے عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا' لیکن پھر اس کی نیت بدل گئی اور حجاج سے سرخروئی حاصل کرنے کے لیے قید کر دیا۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ابن اشعث نے شروع ہی میں زنتبیل سے معاہدہ کر لیا تھا کہ شکست کی صورت میں وہ اس کی مدد کرے گا' چنانچہ زنتبیل کو جب اس کی گرفتاری کی خبر ہوئی' تو اس نے عیاض کو لکھا کہ "اگر ابن اشعث کو کسی قسم کا نقصان پہنچا تو تمہاری خیر نہیں"۔ زنتبیل اس نواح کا بڑا ممتاز حکمران تھا' اس لیے عیاض نے ڈر کر ابن اشعث کو رہا کر دیا اور وہ زنتبیل کے یہاں چلا گیا اس نے بڑا شریفانہ برتاؤ کیا۔

گو اہل عراق کو حجاج کے مقابلہ میں شکست ہوئی تھی لیکن اس کے بعد بھی ہزاروں آدمیوں نے اس کی اطاعت قبول نہ کی تھی' یہ سب کے سب سیستان پہنچے اور زرنج پر قبضہ کر کے ابن اشعث کو رہنمائی کے لیے بلا بھیجا' وہ ان کی دعوت پر زرنج آیا اور ان کے

ساتھ ہرات کی طرف بڑھا' ہراۃ پہنچ کر ایک ممتاز امیر عبیداللہ بن معمر قریشی' دو ہزار سپاہ کے ساتھ الگ ہو گئے' ان کی علیحدگی پر ابن اشعث نے کہا کہ میں ایک محفوظ مقام پر چلا گیا تھا' تم لوگوں نے خود مجھ کو بلا بھیجا اور جب میں آیا تو ساتھ چھوڑنے لگے' اس لیے میں پھر اپنے مقام پر واپس جاتا ہوں' چنانچہ وہ زنتبیل کے یہاں لوٹ گیا۔

ابن اشعث کی گرفتاری اور قتل حجاج کو جب اس کی خبر ہوئی کہ ابن اشعث نے زنتبیل کے دامن میں پناہ لی ہے تو اس نے زنتبیل کو لکھا کہ ابن اشعث کو میرے پاس بھجوا دو' ورنہ تمہارا ملک پامال کر ڈالوں گا' زنتبیل کی غیرت نے اسے گوارہ نہ کیا' لیکن ابن اشعث کے ایک دشمن عبیداللہ بن ربیع نے زنتبیل کو حجاج کے انتقام سے ڈرا کر اس شرط پر آمادہ کر لیا کہ اگر ابن اشعث کو حوالہ کر دے تو سات برس تک اس سے خراج نہ لیا جائے گا' چنانچہ باختلاف روایت زنتبیل نے اس کا سر قلم کر کے بھجوا دیا' یا زندہ حوالہ کر دیا اور راستہ میں ابن اشعث نے خودکشی کر لی' یہ واقعہ ۸۵ھ کا ہے۔

ابن اشعث کے خاتمہ کے بعد عراق میں امن و سکون ہو گیا' حجاج نے ائمہ تابعین میں سعید بن جبیر رحمہ کے علاوہ باقی بزرگوں کو معاف کر دیا اور سعید بن جبیر کو کئی برس کے بعد ولید کے زمانہ میں شہید کر دیا۔ (اس انقلاب کا پورا حال ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہے)

ولی عہدی مروان عبدالملک کے بعد اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنا گیا تھا' عبدالملک نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ۸۵ھ میں عبدالعزیز کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے ولید کو ولی عہد بنانا چاہا' لیکن پھر قبیصہ بن ذویب کے سمجھانے سے رک گیا' اتفاق سے تھوڑے ہی دنوں بعد جمادی الاولیٰ ۸۵ھ میں عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا' اس کے بعد عبدالملک نے علی الترتیب اپنے دونوں لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنا کر ان کی بیعت لی۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۱۹۸) عام مسلمانوں نے تو بیعت کر لی۔ لیکن مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتا' ابن مسیبؒ بڑے محترم بزرگ تھے۔ ان کے انکار سے دوسروں پر اثر پڑنے کا اندیشہ تھا' اس لیے ہشام بن عبدالملک حاکم مدینہ نے ان پر بڑی سختیاں کیں' کوڑوں سے پٹوایا اور تشہیر کرا کے قید کر دیا لیکن یہ اپنی ضد پر قائم رہے عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو ہشام کے فعل پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور ابن مسیبؒ کو معذرت کا خط لکھا۔ کہ

"یہ واقعہ بغیر میری مرضی اور میرے علم کے پیش آیا ہے"۔ اور ہشام کو تنبیہہ کی کہ ابن مسیبؒ ہرگز اس سلوک کے مستحق نہ تھے، ان کی ذات سے کسی اختلاف کا خطرہ نہیں ہے، عبدالملک کی تنبیہہ پر ہشام کو بڑی ندامت ہوئی۔

(طبقات ابن سعد ج تذکرہ ابن مسیبؒ)

علالت و وفات شوال ۸۶ھ میں عبدالملک مرض الموت میں مبتلا ہوا، دوران علالت میں اپنے لڑکوں کو وصیت کی کہ خدا کا خوف ہمیشہ کرنا کہ یہ سب سے خوبصورت زیور اور سب سے مضبوط جائے پناہ ہے، تم میں سے جو بڑا ہو اس کو چھوٹے کے ساتھ لطف سے پیش آنا چاہیے، اور چھوٹے کو بڑے کے حقوق کا لحاظ رکھنا چاہیے، اپنے بھائی مسلمہ کا ہمیشہ خیال رکھنا، اس کی رائے و مشورہ پر عمل کرنا کہ وہ تمہارا قوت بازو اور تمہاری ڈھال ہے، حجاج کا احترام کرنا اس نے دشمنوں کو زیر کر کے ملک کو تابع فرمان بنایا ہے، تم میں اختلاف نہ پیدا ہونے پائے، جنگ میں شرافت کا حق ادا کرنا، جنگ سے موت ضروری نہیں ہے، نیکی اور بھلائی کا مینار بننا۔ کہ اس کا اجر اور نام باقی رہ جاتا ہے، بھلائی ہمیشہ شریفوں کے ساتھ کرنا کہ وہ اس کا حق ادا کرتے ہیں اور ممنون ہوتے ہیں، خطاواروں کی خطاؤں کو نگاہ میں رکھنا، اگر وہ معافی چاہیں تو معاف کر دینا اور جب دوبارہ کریں تو سزا دینا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۱۹۸)

۱۵ شوال ۸۶ھ کو انتقال ہوا اور دمشق کی سرزمین میں دفن کیا گیا، انتقال کے وقت ساٹھ سال کی عمر تھی اس کی بیعت کے وقت سے مدت خلافت اکیس سال تھی اور ابن زبیرؓ کے خاتمہ کے بعد سے تیرہ سال چار مہینے۔

اولاد عبدالملک کے بہت سی اولادیں تھیں، ان میں سولہ لڑکے تھے، ولید، سلیمان، مروان اکبر درج مروان اصغر، یزید، معاویہ، ہشام، ابوبکر، حکم، درج عبدالملک، مسلمہ، منذر، عنبسہ، محمد، سعید اور حجاج وغیرہ۔

کارنامے

عبدالملک اموی حکومت کا دوسرا بانی ہے، معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد

اموی حکومت قریب قریب ختم ہو چکی تھی اور ساری دنیائے اسلام نے عبداللہ بن زبیرؓ کو خلیفہ مان لیا تھا' مروان کو اتنی کامیابی ہوئی کہ اس نے شام پر قبضہ کر کے دوبارہ مرکز حکومت قائم کر دیا لیکن مصر لینے کے بعد اس کا وقت آخر ہو گیا اور اس کو زیادہ موقع نہ ملا اور باقی سارا ملک ابن زبیرؓ ہی کے زیر فرمان رہا۔

عبدالملک کے ہاتھ میں جس وقت زمام حکومت آئی' اس وقت ساری دنیائے اسلام پر آشوب ہو رہی تھی' اس کے زمانہ میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث ہوئے' عبداللہ بن زبیرؓ پہلے سے مقابلہ میں تھے' ان کے علاوہ مختار ثقفی کا خروج' خوارج کی شورش اور ابن اشعث کی انقلاب انگیز بغاوت اسی کے زمانہ میں ہوئیں' اور بہت سے انقلابات و حوادث جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' پیش آئی' لیکن عبدالملک نے اپنے عزم و استقلال اور تدبیر و شجاعت سے ان تمام مخالف حالات پر قابو حاصل کر کے دوبارہ اموی حکومت قائم کر دی۔ (مروج الذہب مسعودی ج ۲)

وہ بڑا قوی دل اور مستقل مزاج تھا' نازک سے نازک حالات میں گھبراتا نہ تھا' مشکلات و مصائب کے ہجوم میں اس کی ہمت اور زیادہ قوی ہو جاتی تھی' ۳ھ میں جب وہ مختار ثقفی کے مقابلہ کے سلسلہ میں پایہ تخت سے باہر تھا' اس کو ایک ہی شب پے در پے یہ حوصلہ شکن خبریں ملیں کہ اموی حکومت کا قوت بازو عبیداللہ بن زیاد مختار کے مقابلہ میں مارا گیا' ایک اور ممتاز افسر ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں کام آیا' ان کی فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئیں' شام کی سرحد مصیصہ پر رومیوں نے حملہ کر دیا' دمشق کے اوباشوں نے شہر میں غدر مچا دیا' قیدی جیل توڑ کر نکل گئے اور اعراب نے حمص اور بعلبک پر تاخت کی۔

ایک وقت میں اتنی مخالف خبریں مستقل مزاج آدمی کو گھبرا دینے کے لیے کافی تھیں لیکن عبدالملک مطلق نہ گھبرایا بلکہ اس شب کو وہ اور راتوں سے زیادہ خوش' بشاش اور مستقل مزاج نظر آتا تھا۔ (مروج الذہب مسعودی ج ۲)

اس کے اس استقلال' ہمت و شجاعت نے نہ صرف تمام مخالف حالات پر قابو حاصل کر لیا' بلکہ نئی فتوحات بھی حاصل ہوئیں اور سندھ سے لے کر جبرالٹر تک ایک متحدہ حکومت قائم ہو گئی اور اس کے جانشینوں کو اطمینان کے ساتھ تعمیری کاموں کا موقعہ ملا۔

اس سلسلہ میں بعض ایسے نادر واقعات ظہور پذیر ہوئے جن سے عبدالملک کے

دامن پر دھبہ آتا ہے، مثلاً خانہ کعبہ پر سنگباری، مشہور صحابی حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت سعید بن مسیبؒ اور بعض دوسرے تابعین کی تحقیر و تذلیل، لیکن ان واقعات میں بعض، ناگزیر واقعات کا نتیجہ تھے اور بعض کی ذمہ داری عبدالملک کے عمال کے سر ہے تاہم وہ بھی ان سے یکسر بری نہیں۔

خانہ کعبہ پر سنگباری کا سبب یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حرم میں قلعہ بند تھے، یہاں ان کی فوج اور سامان رسد تھا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ گو جلیل القدر صحابی تھے لیکن حکومت کے نقطہ نظر سے باغی تھے، اس لیے حجاج کو حرم میں بھی ان کا مقابلہ کرنا پڑا، اور چونکہ وہ کعبہ کو آڑ بنائے ہوئے تھے، اس لیے ناگزیر طور پر اس پر بھی پتھر گرے جس سے اس کی عمارت کو نقصان پہنچا، گو ابن زبیرؓ کے خاتمہ کے بعد حجاج نے فوراً خانہ کعبہ کو صاف کرایا اور عبدالملک نے اس کی عمارت درست کرائی، مگر حجاج کا یہ فعل حرم کی عظمت و حرمت کے منافی تھا۔

حضرت انسؓ بن مالک کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ وہ بھی حجاج کو پسند نہ کرتے تھے اور ان کا قیام بصرہ میں تھا، اس لیے حجاج کی نگاہ میں وہ بھی ابن اشعث کی بغاوت میں متہم تھے۔ چنانچہ اس نے ان سے بھی سختی کے ساتھ باز پرس کی اور کہا یہ دو رنگی کہ کبھی مختار کے ساتھ، کبھی ابن اشعث کے ساتھ، میں تم کو سخت سزا دوں گا، حضرت انسؓ نے پوچھا امیر یہ کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟ حجاج نے جواب دیا خدا تم کو بہرہ کرے، تم کو کہتا ہوں، یہ سن کر حضرت انس بن مالکؓ لوٹ گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ حجاج نے آپ کو ذلیل کرنے کے لیے آپ کی گردن پر مہر لگوائی، حضرت انسؓ نے عبدالملک کے پاس شکایت بھیجی اسے پڑھ کر وہ جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور اسی وقت حجاج کو نہایت غضب آلود خط لکھا کہ "تم اپنی اوقات اتنی بھول گئے اور تمہاری یہ جرات ہے کہ خادم رسول اللہ" انسؓ بن مالک کے ساتھ گستاخی کرتے ہو، میرا خط ملتے ہی پاپیادہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی رضامندی حاصل کرو، ورنہ تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا"۔ یہ خط پا کر حجاج نے اپنے درباریوں کے ساتھ حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں پاپیادہ حاضر ہو کر ان سے معافی چاہی، اور ان سے خوشنودی کا خط لے کر عبدالملک کے پاس بھیجا۔ (اخبار الطوال ص ۳۲۷، ۳۲۸)

حضرت سعید بن مسیب ؒ کی تحقیر کا حال اوپر گذر چکا ہے، اس سے اس کی پوری کیفیت اور عبدالملک کی برات معلوم ہو چکی ہو گی، در حقیقت عبدالملک بذات خود ظلم و زیادتی کو ناپسند کرتا تھا، اسے جب کسی زیادتی کی اطلاع ہوتی، تو وہ نہ صرف اس کا تدارک کرتا تھا بلکہ اس کی باز پرس بھی کرتا تھا، چنانچہ جب اس کو معلوم ہوا کہ ابن اشعث کی بغاوت فرو کرنے کے بعد حجاج نے شکست خوردہ باغیوں اور قیدیوں کی خون ریزی میں بے اعتدالی کی ہے اور اپنے آدمیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ان میں مسرفانہ روپیہ تقسیم کیا، تو اس نے یہ تہدید آمیز خط لکھا۔

"امابعد! امیرالمومنین کو خون ریزی میں تمہاری زیادتی اور مال میں اسراف کی خبر ملی، ـــــ امیرالمومنین ان دونوں باتوں کو کسی کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے، اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قتل خطا میں تم سے دیت اور قتل عمد میں قصاص لیا جائے گا، اور جو مال تم نے بے جا صرف کیا ہے اسے واپس کرنا ہو گا، اور اس کے مصرف پر بعد میں غور کیا جائے گا، امیرالمومنین خدا کے امین ہیں، ان کے نزدیک کسی کا حق روکنا اور ناحق دینا دونوں برابر ہیں، اگر اس سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ لوگ امیرالمومنین کے ہو جائیں تو اس سے تم نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، اور اگر یہ مقصد ہے کہ لوگ تمہارے ہو جائیں، تو ان سے تم کو کوئی فائدہ پہنچا، تم کو امیر المومنین کی جانب سے نرمی اور سختی برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، اطاعت ہی میں تمہاری بھلائی اور سرکشی میں خرابی ہے امیرالمومنین کی ذات سے اپنی خطاؤں کو برداشت کرنے کے علاوہ اور ہر چیز میں حسن ظن رکھ سکتے ہو، جب خدا تم کو کسی قوم کے مقابلہ میں فتح یاب کرے تو صلح جو لوگوں اور قیدیوں کو ہرگز قتل نہ کرنا چاہیے۔"

حجاج نے اس کی معذرت میں لکھا۔

"امابعد! امیرالمومنین کا فرمان، جس میں خون ریزی میں میری زیادتی اور مال میں اسراف کا ذکر تھا ملا، اپنی عمر کی قسم، باغی جس سزا کے مستحق تھے، اسے پوری نہ دے سکا، اور اہل اطاعت جس صلہ کے مستحق تھے اسے پورا نہ دے سکا، اگر ان نافرمانوں کا قتل زیادتی اور اہل طاعت کو دینا اسراف ہے تو جو کچھ ہو چکا وہ ہو چکا، آئندہ کے لیے

امیر المومنین میرے لیے ایک حد مقرر کر دیں کہ میں اس سے تجاوز نہ کروں، خدا کی قسم نہ مجھ پر دیت ہے اور نہ قصاص، کہ میں نے قتل میں کوئی غلطی نہیں کی ہے، جنہیں میں نے دیا ہے آپ ہی کے لیے دیا ہے اور جنہیں قتل کیا ہے آپ ہی کے لیے کیا ہے، میں آپ کے لیے دونوں طرز عمل، نرمی اور سختی کو اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔" (مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۵۵۷، ۵۵۸ حاشیہ نفح الطیب)

عبدالملک کا یہ خط اس کی سیاست کے سرسری اندازہ کے لیے کافی ہے، وہ طبعاً" رعایا پر ظلم و زیادتی کو ناپسند کرتا تھا، اور لوگوں کو ممانعت کر دی تھی، کہ وہ ایسی باتیں نہ کہیں، جو رعایا کے خلاف بھڑکانے والی ہوں کہ اس کے ساتھ نرمی کی زیادہ ضرورت ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲) تقرر کے وقت عمال کو نرمی اور خندہ پیشانی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا تھا، چنانچہ اپنے بھائی عبدالعزیز کو مصر کی حکومت پر بھیجتے وقت جو ہدایتیں کی تھی، ان میں یہ بھی تھا کہ کشادہ پیشانی اور نرمی اختیار کرنا اور جملہ امور میں نرمی اور آشتی کو ترجیح دینا۔

(آداب السلطانیہ ص ۱۱۳۔)

خصوصاً حرمین کے بزرگوں کے ساتھ اس کا طرز عمل بڑا شریفانہ و متحملانہ تھا، ۷۵ھ میں جب حج کے سلسلہ میں وہ مدینہ حاضر ہوا تو اہل مدینہ کے سامنے تقریر کی، اس کے بعد حکومت کے ایک اور رکن کھڑے ہوئے، انہوں نے مدینہ کے گذشتہ واقعات کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جو کچھ ہوا وہ تمہاری نافرمانی اور بنی امیہ اور امیر المومنین کے ساتھ تمہارے ناپسندیدہ طرز عمل کا نتیجہ تھا، تم لوگوں کی مثال اس قریہ جیسی ہے، جس کا قرآن میں خدا نے ذکر کیا ہے۔

"وہ امن و اطمینان کے ساتھ تھے اور ہر جگہ فراغت کے ساتھ ان کے پاس رزق پہنچتا تھا، مگر انہوں نے اللہ کی ناشکری کی، اس کردار کا اللہ تعالیٰ نے ان کو مزا چکھایا اور بھوک اور خوف کو ان کا لباس بنا دیا"

یہ سن کر مدینہ کے ایک بزرگ ابن عبد نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، ہم لوگ ایسے نہیں ہیں اس آیت کے بعد کا حصہ بھی تو پڑھو۔

"کہ ان کے (کفار) پاس انہی میں سے رسول آیا، پس ان بزرگوں نے اسے جھٹلایا، اس کی سزا میں ان کو عذاب نے پکڑا اور وہ لوگ ظالم تھے"

ہم لوگ تو خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس بے باکانہ جواب پر حکومت کے سپاہیوں نے بڑھ کر ابن عبد کو پکڑ لیا اور عبدالملک کے پاس لے گئے' اس نے رہا کر دیا اور ابن عبد سے کہا کہ میں تو درگذر سے کام لیتا ہوں' لیکن کسی اور والی کے سامنے ایسی باتیں نہ کرنا' وہ برداشت نہ کرے گا اور ان کو چھ سو اشرفیاں عطا کیں۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۱۷۲)

اس میں شک نہیں کہ ابن اشعث کی بغاوت اور عراق کے انقلاب کے سلسلہ میں ضرور بعض عمال کی جانب سے بے عنوانیاں ہوئیں' لیکن اس کی ذمہ داری انہی کے سر ہے' دوسرے ایسی بغاوتوں میں جن کا مقصد حکومت کا تختہ الٹنا ہو' کسی حاکم کا جادہ اعتدال پر قائم رہنا بہت مشکل ہے' عبدالملک کا زمانہ جیسا پر آشوب تھا اور جیسے سرکشوں سے اس کو سابقہ پڑا تھا' وہ بغیر سختی کے درست بھی نہیں ہو سکتے تھے' وہ اپنے طرز عمل کی توجیہ میں خود کہا کرتا تھا "کہ عثمانؓ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ان کی نرمی کا نتیجہ تھا اگر وہ عمرؓ کی طرح سخت ہوتے تو ہرگز اس کی نوبت نہ آتی' آج ویسے لوگ کہاں ہیں جن کے ساتھ عمرؓ کا طرز جہانبانی برتا جائے' ہر زمانہ کے آدمیوں کی سرشت کے ساتھ حاکم وقت کا طریقہ بدلتا رہتا ہے' اگر وہی طریقہ اختیار کیا جائے تو گھروں پر ڈاکے پڑنے لگیں' راستے غیر محفوظ ہو جائیں' ظلم اور فتنہ عام ہو جائے' اس لیے ہر حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر زمانہ میں وہی طریقہ اختیار کرے' جو اس زمانہ کے اقتضاء کے موافق ہو۔ (ابن اثیر ج ۲ ص ۱۵۵) اس کا قول تھا "کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ اس بار کو اٹھانے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔"

عبدالملک طرز جہانبانی میں امیر معاویہؓ کے نقش قدم پر چلتا تھا' گو وہ ان کے درجہ ک نہ پہنچ سکا' تاہم اتنا مسلم ہے کہ وہ نہایت بیدار مغز اور اپنے عمال کی سخت نگرانی رکھتا تھا (کتاب البیان والتبیین ج ۲ ص ۱۸۶)۔

ایک مرتبہ ایک عامل کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ رعایا سے تحفہ لیتا ہے تو فوراً اس ک طلب کر کے باز پرس کی اور عہدہ سے معزول کر دیا۔ (مروج الذہب ج ۲ ص ۳۷۵)

گو عبدالملک کا دور نہایت پر آشوب تھا' اس کا پورا زمانہ شورشوں اور انقلابوں – دبانے میں گزرا اور اسے تعمیری کاموں کا کم موقع ملا' تاہم اس لحاظ سے اس کے بعض

کارنامے ہیں۔

اسلامی سکہ اس سلسلہ میں اس کا سب سے ممتاز کارنامہ اسلامی سکہ کا اجراء ہے اس وقت تک مسلمانوں کا اپنا سکہ نہ تھا' بلکہ رومی' ایرانی اور قبطی سکوں سے ان کا کام بھی چلتا تھا' اس سے بڑی حد تک مسلمانوں کی اقتصادی باگ ان قوموں کے ہاتھ میں تھی' عبدالملک نے ۷۵ھ یا ۷۶ھ میں اسلامی سکہ رائج کر کے دوسری قوموں کے سکوں سے رہائی حاصل کی۔ (طبقات ابن سعد ص ۲۳۷ ج ۴' ۴ طبری ص ۹۳۹)

عربی زبان کا دفتری زبان بنانا دوسرا کارنامہ عربی زبان کا دفتری زبان قرار دینا ہے' اب تک حکومت کے دفاتر فارسی اور رومی زبان میں تھے۔ اس سے مختلف قسم کی خرابیاں تھیں' ان خرابیوں کو محسوس کر کے عبدالملک نے عربی زبان کو دفتری زبان قرار دیا' اس سے سہولت کے علاوہ عربی زبان کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی۔

(آداب السلطانیہ ص ۱۱۰ و ابن اثیر وغیرہ)

خانہ کعبہ میں ترمیم اوپر گذر چکا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے خانہ کعبہ کی عمارت کو گرا کر آنحضرت ﷺ کے مجوزہ نقشہ کے مطابق بنا دیا (جیسے پہلے گزرا) حجاج نے ابن زبیر کے اضافہ کو تڑوا کر پھر خانہ کعبہ کی عمارت کو پرانے نقشہ کے مطابق کر دیا۔

(دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۳۸)

مذہبی خدمات عبدالملک کا دور مذہبی خدمات سے بھی خالی نہیں ہے' وہ ہر سال خانہ کعبہ کے لیے دیبا کا غلاف اور حرم اور مسجد نبویؐ میں خوشبو کے لیے بخورات اور عودوان بھیجتا تھا۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۳۸) متعدد نئی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور پرانی مسجدوں کی توسیع و مرمت ہوئی۔ ۶۵ھ میں عبدالملک نے جامع دمشق بنوائی اور صخرہ پر عظیم الشان خوبصورت گنبد بنوایا' واسط' بروعہ اور دیبل میں وسیع مسجدیں تعمیر ہوئیں' عبدالعزیز بن مروان نے جامع مصر کو تڑوا کر اس کی توسیع کروائی۔ (تاریخ مکہ ازرقی ج ۱ ص ۱۳۸)

رفاہ عام کے کام رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے' ۸۰ھ میں مکہ میں بہت بڑا سیلاب آیا تھا' جو "سیل جارف" کے نام سے مشہور ہے' اس سے مکہ کی ساری آبادی تہ آب ہو گئی اور اہل مکہ کو بڑا جانی و مالی نقصان پہنچا' عبدالملک نے آئندہ اس سے

حفاظت کے لیے ان تمام مکانوں میں جو وادی کے کنارے تھے اور مسجدوں اور گلیوں میں مستحکم حصار اور بند بنوائے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۱۴ وفاء الوفاء)

شہروں کی آبادی بعض نئے شہر بھی بسائے گئے، اور پرانے ویران شدہ شہر دوبارہ آباد ہوئے، حجاج نے عراق میں بڑے اہتمام سے واسط بنایا، صرف شہرپناہ، قصر حکومت اور جامع مسجد کی تعمیر میں کئی کروڑ صرف ہوئے تھے۔ (معجم البلدان ذکر واسط) بعض مورخین آذربائیجان کے شہر اردبیل اور برذعہ کو بھی اس دور کے آباد شدہ شہروں میں لکھتے ہیں (دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۴۲) لیکن ان کے نام اسلام سے بہت پہلے ملتے ہیں، غالباً اسلامی دور میں ویران ہو چکے تھے، اور عبدالعزیز بن ابی حاتم باہلی کے اہتمام میں دوبارہ آباد ہوئے۔

ذاتی حالات عبدالملک عقل و دانش، تدبیر و سیاست، شجاعت و شہامت اور علم و فضل، جملہ اوصاف میں کامل تھا، **كان عبدالملك لبيبا عاقلا عاملا قوى الهيبة شديد السياسة حسن تدبير الدنيا** اس کی تدبیر و سیاست کا اندازہ اوپر کے واقعات سے ہو گیا ہو گا۔

علم و فضل کے اعتبار سے اپنے عہد کے اکابر علماء میں تھا اگر وہ حکومت کی آزمائشوں میں نہ پڑ گیا ہوتا تو مدینہ کی مسند علم کی زینت ہوتا، اس کا شمار مدینہ کے ممتاز فقہا میں تھا، حضرت زید بن ثابت انصاری کے بعد مدینتہ الرسول کے منصب قضا و افتاء پر فائز تھا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۱۹۹) اس عہد کے اکابر علماء و ائمہ اس کے علمی کمالات کے معترف تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آخری زمانہ میں لوگوں نے پوچھا کہ اب آپ کا آفتاب عمر لب بام ہے آپ کے بعد ہم لوگ کس کی طرف رجوع کریں؟ فرمایا مروان کا لڑکا فقیہ ہے اس سے پوچھنا۔ (کتاب البدء والتاریخ)

امام شعبی رحمہ اللہ کہتے تھے کہ میں جن جن علماء سے ملا، عبدالملک کے سوا اپنے کو سب پر فائق پایا، اس سے جب حدیث یا شاعری وغیرہ پر گفتگو ہوتی تھی، تو وہ معلومات میں کچھ اضافہ ہی کر دیتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۶)

خلافت سے پہلے وہ بڑا متقی و پرہیز گار تھا، رات دن عبادت و ریاضت اور تلاوت قرآن سے کام رکھتا تھا، (ابن سعد ج ۵ ص ۱۷۴) لیکن خلافت کی ذمہ داریوں کے بعد یہ زندگی قائم نہ رہ سکی۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ جب اس کو خلافت ملنے کی خبر ملی اس

وقت وہ تلاوت قرآن میں مشغول تھا' یہ خبر سن کر اس نے قرآن بند کر دیا اور کہا یہ آخری صحبت ہے۔

اس سے اس کے مخالفین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خلافت کے بعد اس کو مذہب سے کوئی تعلق نہ رہ گیا تھا' جو صحیح نہیں ہے اس سے یہ مقصد تھا کہ خلافت کے فرائض اور ذمہ داریوں کے بعد اب تلاوت قرآن کا زیادہ موقع نہ ملے گا' اس نے یہ کلمات حسرت و افسوس کے طور پر کہے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ خلافت کے بعد اس کا اگلا رنگ قائم نہ رہ سکا تھا' اور وہ سیاسی امور میں مذہبی حدود سے بھی متجاوز ہو جاتا تھا' لیکن اور اعمال میں وہ مذہبی تھا' اس کی انگوٹھی کا نقش "آمنت باللہ مخلصا" تھا' یعنی میں خلوص دل سے اللہ پر ایمان لایا۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۷۴)

مشہور صاحب علم تابعی حضرت سعید بن مسیب ؒ سے درخواست کر کے کلام اللہ کی تفسیر لکھائی۔ (کتاب الخلفاء ص ۲۱۷) خلافت ملنے کے کئی سال بعد ۷۵ھ میں حج کے لیے گیا اور خود امیر الحج کے فرائض انجام دیئے اور ۸۱ھ میں اپنے لڑکے سلیمان کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ (کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی ص ۳۳۶)

اس کے مذہبی جذبات کا اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اہم فرامین اور مراسلات کے سرنامے پر "قل ہو اللہ احد" اور آنحضرت ﷺ کا نام مبارک لکھا کرتا تھا' سلاطین اور فرمانرواؤں کے مراسلات میں بھی یہ تحریر ہوتی تھی' قیصر روم نے اس پر اعتراض کیا کہ شاہی مراسلات میں آپ نے جو یہ نیا طریقہ جاری کیا ہے اسے بند کر دیجئے' ورنہ ہم اپنے سکوں پر ایسی تحریر نقش کریں گے جو آپ کو ناگوار ہو گی' اس کے جواب میں عبدالملک نے رومی سکہ' ہی منسوخ کر دیا اور اسلامی سکہ جاری کیا۔ جس پر "قل ہو اللہ" اور "لا الہ الا اللہ" نقش تھا۔ (میزان الاعتدال ذہبی ج ۲ ص ۱۹۷)

امام شعبی ؒ جیسے امام اس کے ہم جلیس و ہم نشین تھے' امام زہری ؒ اس کے عمل کے مطابق فتویٰ دیتے تھے' ایک مرتبہ کسی نے ان سے سونے کے تار سے دانت کسنے کے متعلق استفسار کیا' انہوں نے جواب دیا کہ کوئی مضائقہ نہیں' عبدالملک ایسا کرتا تھا۔ (یعقوبی ج اول ص ۳۳۶) اگر عبدالملک کی زندگی غیر مذہبی ہوتی تو امام زہری ؒ ہرگز اس

ولید بن عبدالملک

۸۶ھ تا ۹۶ھ مطابق ۷۰۵ء تا ۷۱۵ء

ولید عبدالملک کا بڑا لڑکا تھا، اس کی ماں ولادہ بنت عباس قبیلہ عبس سے تھی، اپنے والد کے برعکس وہ علم و فن سے بیگانہ تھا، عبدالملک نے اس کی تعلیم کی بڑی کوشش کی لیکن ولید کی طبیعت تحصیل علم کی جانب راغب نہ ہوئی، گو وہ علم سے بیگانہ تھا، لیکن جہانبانی کے اور تمام اوصاف بدرجہ کمال موجود تھے، اور وہ بنی امیہ کا کامیاب ترین خلیفہ تھا۔

عبدالملک نے اپنی زندگی میں ہی اس کی ولی عہد کی بیعت لے لی تھی چنانچہ اس کی وفات کے بعد شوال ۸۶ھ میں ولید تخت نشین ہوا۔

عبدالملک اپنے زمانہ میں تمام مخالف طاقتوں اور اندرونی شورشوں کا قلع قمع کر کے میدان بالکل صاف کر گیا تھا، اس لیے ولید کو پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ بیرونی فتوحات اور تعمیری کاموں کا موقع ملا، چنانچہ ان دونوں حیثیتوں سے اس کا زمانہ بنی امیہ کا دور زرین شمار کیا جاتا ہے۔

ولید کی خوش قسمتی سے اس کو قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم اور مسلمہ بن عبدالملک جیسے نامور سپہ سالار اور فاتح مل گئے تھے، جنہوں نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے چین سے یورپ تک ملا دیے ان چاروں کی فتوحات الگ الگ لکھی جاتی ہیں۔

قتیبہ بن مسلم کی فتوحات (ترکستان و چین) ۸۶ھ میں حجاج نے قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا والی مقرر کیا، ترکستان کے ایک حصہ پر اگرچہ بہت پہلے مسلمانوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ اور یہاں کے متعدد چھوٹے حکمران باجگذار بن چکے تھے، لیکن وقتاً فوقتاً وہ باغی ہو جاتے تھے چنانچہ اس زمانہ میں بھی سمرقند و بخارا کے نواح کے حکمرانوں کا رویہ باغیانہ تھا، اس کے علاوہ بعض علاقے اب تک اسلامی حکومت کے زیر اقتدار نہ آئے تھے، اس لیے ۸۶ھ میں قتیبہ نے ترکستان پر فوج کشی کی، حسن اتفاق سے اس وقت یہاں کے فعل کو سند جواز نہ ملتے۔ (تاریخ الملۃ ص ۳۱۸)

حکمرانوں میں باہم مخالفت تھی' اس سے قتیبہ کو بڑا فائدہ پہنچا اور جب انہوں نے دریائے جیحون کے پار قدم رکھا' اس وقت صغانیاں کے فرمانروا نے جو شومان کے حکمران کے خلاف ہو رہا تھا' اطاعت قبول کر لی اور ہدایا و تحائف پیش کر کے اپنا مہمان بنایا۔

صغانیاں سے قتیبہ نے شومان کا رخ کیا اور کفیان کے حکمرانوں نے بھی صغانیاں کا طرز عمل دیکھ کر اطاعت قبول کر لی اور دونوں کو مطیع بنانے کے بعد قتیبہ اپنے بھائی صالح کو انتظام و نگرانی کے لیے چھوڑ کر مرو واپس آ گئے' ان کی واپسی کے بعد صالح اور نصر ابن یسار نے کاشان اور فرغانہ کے شہر اور شث بیغخرا اور خشک فتح کر لیے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۲۶)

باد غیس کے حکمران تیزک کے یہاں عرصہ سے کچھ مسلمان قید تھے' مرو واپس آنے کے بعد قتیبہ نے ان کی رہائی کے بارے میں لکھا' تیزک نے انہیں چھوڑ دیا اور اس شرط پر صلح کر لی کہ اس کا علاقہ محفوظ رکھا جائے گا' اور ترکستان کے معرکوں میں قتیبہ کا معاون و مددگار بن گیا۔

۸۷ھ میں قتیبہ نے بخارا کے شہر بیکند پر فوج کشی کی' بخاریوں نے سغد کی مدد سے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے' قتیبہ نے شہر پناہ تڑوانا شروع کر دی' اہل شہر نے جب دیکھا کہ شہر پر قبضہ ہو جانے میں ان کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا تو صلح کر لی اور قتیبہ یہاں ایک مسلمان حاکم مقرر کر کے لوٹ گئے' ابھی یہ تھوڑے دور گئے تھے کہ اہل شہر نے مسلمان حاکم اور اس کے عملہ کو قتل کر دیا' یہ خبر سن کر قتیبہ راستہ سے لوٹ آئے' اہل شہر پھر محصور ہو گئے' قتیبہ نے شہر پناہ مسمار کرا دی' بیکند والوں نے پھر صلح کرنی چاہی' لیکن وہ ایک مرتبہ نقض عہد کر کے اعتبار کھو چکے تھے' اس لیے اس مرتبہ قتیبہ نے منظور نہ کیا اور بزور شمشیر فتح کر کے جس قدر جنگ جو تھے سب کو قتل کر دیا' اس فتح میں بے شمار اسلحہ اور سونے چاندی کے ظروف ہاتھ آئے' اس سے مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۳)

اس کے بعد ۸۸ھ میں نومشکث کو فتح کرتے ہوئے امشہ پہنچے' یہاں کے باشندوں نے صلح کر لی اور قتیبہ لوٹ گئے' راستہ میں خاقان چین کا بھتیجا دو لاکھ ترک' سغد اور فرغانیوں کے لشکر جرار کے ساتھ ملا' قتیبہ نے مسلمانوں کی قلت تعداد کے باوجود شجاعت کے۔

ساتھ مقابلہ کیا اور اس ٹڈی دل کو فاش شکست دی، اس جنگ میں باذ غیس کا فرمانروا تیزک مسلمانوں کی حمایت میں بڑی جانبازی سے لڑا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۴)

اسی سنہ میں قتیبہ نے خاص بخارا پر فوج کشی کی، بلاذری کے بیان کے مطابق جنگ کی نوبت نہیں آئی، اور فرمانروائے بخارا وردان خدا نے صلح کر کے اطاعت قبول کر لی۔

مگر ابن اثیر کا بیان ہے کہ دونوں میں مقابلہ ہوا، لیکن قتیبہ کو کامیابی نہیں ہوئی، اس نے حجاج کو اس کی اطلاع دی، اس نے بخارا کا نقشہ مانگ بھیجا اور اسے دیکھ کر حملہ اور جنگ کے متعلق مفصل ہدایات بھیجیں، اس کے متعلق قتیبہ نے ۹۰ھ میں دوبارہ فوج کشی کی، وردان خدا نے ترک اور سغد کی مدد سے مقابلہ کیا، ترک بڑی جانبازی اور شجاعت سے لڑے اور اسلامی فوج کے ایک حصہ کو لشکر گاہ تک پسپا کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان عورتوں نے للکارا اور گھوڑوں کو مار مار کر میدان جنگ کی طرف واپس کیا، دوبارہ مسلمانوں نے سنبھل کر اس زور کا حملہ کیا کہ ترکوں کو دھکیل کر دریا کے پار پہنچا دیا، بنی تمیم کے سردار وکیع اور ہریم ہمت کر کے دریا عبور کر گئے، انہیں دیکھ کر کئی سو مسلمان پار پہنچ گئے اور اس زور شور سے حملہ آور ہوئے کہ ترک اور سغد کے پاؤں اکھڑ گئے، وردان خدا بھاگ نکلا اور مسلمان کا بخارا پر قبضہ ہو گیا۔ سغد کے پاؤں اکھڑ گئے، وردان خدا کی شکست نے اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس نے بھی صلح کر کے اطاعت قبول کر لی۔ باذ غیس کا فرمانروا تیزک مسلمانوں کے ساتھ اور ان کا معاون و مددگار تھا، لیکن پھر ترکستان میں ان کی بڑھتی ہوئی قوت دیکھ کر قتیبہ کی جانب سے اس کا خوف پیدا ہو گیا، وہ اس کی اجازت سے چلا گیا، اور بلخ، مرو، الروذ، طالقان، فاریاب اور جوز جان وغیرہ آس پاس کے تمام حکمرانوں کو ساتھ ملا کر علم بغاوت بلند کیا اور طخارستان سے مسلمان حاکم کو نکال دیا۔

قتیبہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے بھائی عبدالرحمن کو طخارستان روانہ کیا اور خود دوسرے باغی فرمانرواؤں کی طرف بڑھا، سب سے پہلے طالقان فتح کر کے یہاں کے باشندوں سے ان کی بغاوت کا بدلہ لیا، ایک بیان یہ ہے کہ یہاں کے حکمران نے سپر ڈال دی اس لیے قتیبہ نے درگزر سے کام لیا۔

طالقان کے بعد ۹۱ھ میں فاریاب کا رخ کیا، یہاں کے فرمانروا نے بھی اطاعت قبول کر لی قتیبہ نے اسے بھی معاف کر دیا۔ اور یہاں ایک مسلمان حاکم کو چھوڑ کر جوز جان پہنچا،

یہاں کا حکمران بھاگ گیا اور عام باشندوں نے اطاعت قبول کر لی، اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی، اور قتیبہ، عامر بن مالک کو یہاں چھوڑ کر بلخ پہنچا اور ایک دن ٹھہر کر تیزک کی تلاش میں روانہ ہو گیا، قتیبہ کا بھائی عبدالرحمٰن پہلے سے تعاقب میں تھا، تیزک، خلم کی پر پیچ اور دشوار گھاٹی میں گھس گیا تھا۔ اور اس کے دھانے کے قلعہ پر ایک دستہ حفاظت کے لیے متعین کر دیا تھا، راستہ بہت تنگ اور دشوار گذار تھا، قلعہ تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی، کچھ دنوں تک یونہی کچھ جھڑپ سی ہوتی رہی، اسی دوران میں حسن اتفاق سے یہیں کا ایک واقف کار آدمی مل گیا، اس نے مسلمانوں کو پشت سے لے جا کر قلعہ تک پہنچا دیا، وہ پہنچتے ہی دفعتہً ٹوٹ پڑے، اہل قلعہ بالکل مطمئن تھے، انہیں اس کا گمان بھی نہ تھا، اس لیے اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے، بہت سے مارے گئے، جو زندہ بچے وہ بھاگ نکلے، تیزک نے وادی فرغانہ کو عبور کرز کی گھاٹی میں پناہ لی، قتیبہ بھی تعاقب میں پہنچا، لیکن یہ گھاٹی بھی خلم کی طرح بہت محفوظ تھی، راستہ اتنا دشوار گذار تھا کہ فوج عبور نہیں کر سکتی تھی، اس لیے قتیبہ نے محاصرہ کر لیا، کامل دو مہینہ تک محاصرہ قائم رہا اور تیزک کا کل سامان ختم ہو گیا، سردی کا زمانہ قریب آ رہا تھا، اور یہاں کی سردی مسلمان برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے قتیبہ نے ایک شخص سلیم کو تیزک کے پاس بھیجا کہ وہ کسی طرح اس کو سمجھا بجھا کر بغیر امان دیئے ہوئے لے آئے چنانچہ وہ اسے نشیب و فراز سمجھا کر عفو تقصیر کے حیلہ سے لے آیا، فرمانروائے جغبویہ بھی اس کے ساتھ تھا، قتیبہ نے تیزک کے قتل کے بارے میں مشورہ کیا، بعضوں نے مخالفت کی لیکن تیزک کا جرم نہایت سنگین تھا، اس نے نہ تنہا خود مخالفت کی تھی، بلکہ اپنے ساتھ بہت سے فرمانرواؤں کو بھی باغی بنا دیا تھا، جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا تھا، اس لیے بالآخر اس کے قتل کا فیصلہ ہوا اور قتیبہ نے اس کو مع اس کی جماعت کے قتل کرا دیا، البتہ فرمانروائے جغبویہ کا قصور معاف کر دیا۔

تیزک کے بعد قتیبہ دوسرے باغی فرمانرواؤں کی طرف متوجہ ہوا اور فوجی پیش قدمی سے پہلے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور فرمانروائے شومان کے پاس جس نے اپنے یہاں سے مسلمان حاکم نکال دیا تھا، کہلا بھیجا کہ اگر اب بھی وہ بغاوت سے باز آ جائے تو اس کی خطا معاف کر دی جائے گی لیکن اسے اپنی قوت پر اتنا غرور تھا کہ ایک قاصد کو قتل کر دیا اور

دوسرا جان بچا کر بھاگ گیا۔ اس لیے قتیبہ کو اس پر فوج کشی کرنی پڑی، قریب پہنچ کر قتیبہ کے بھائی صالح نے دوبارہ سمجھانے کی کوشش کی، مگر اب بھی وہ باز نہ آیا اور مخالفانہ قلعہ بند ہو گیا، قتیبہ نے سنگباری کر کے قلعہ کی دیواریں توڑ دیں۔ جب اس نے جنگ یا اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا اور مارا گیا، شومان کے بعد قتیبہ نے کش اور نسف فتح کیے اور بھائی صالح کو بھیج کر سغد کے فرمانروا طرخون سے خراج وصول کیا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰)

۹۳ھ میں خوارزم شاہ نے خود سے قتیبہ کی اطاعت قبول کی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں شاہ خوارزم (خوارزم کے ہر فرمانروا کا لقب خوارزم شاہ ہوتا تھا) بہت کمزور تھا، اس کا بھائی خرزاد اسے معطل کر کے سلطنت پر حاوی ہو گیا تھا، اور رعایا پر بڑے مظالم کرتا تھا، کسی کی عزت و آبرو اور مال و دولت اس کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی، ساری رعایا اس کے مظالم سے نالاں تھی، خوارزم شاہ اس کے مقابلہ میں بالکل مجبور و بے بس تھا، اس لیے وہ موقعہ کا منتظر تھا، ترکستان میں جب قتیبہ کی قوت و فتوحات کا شہرہ ہوا تو خوارزم شاہ نے اس کے پاس خفیہ کہلا بھیجا کہ اگر وہ اس کے بھائی کے ہاتھوں سے نجات دلا دے تو اس کی اطاعت قبول کر لے گا، قتیبہ نے اس کی درخواست قبول کر لی اور خوارزم پر فوج کشی کر کے خرزاد کو قتل کر کے سلطنت خوارزم شاہ کے حوالہ کر دی اس نے حسب وعدہ اطاعت قبول کر لی اور بہت سا نقد و جنس قتیبہ کی خدمت میں پیش کیا۔ (فتوح البلدان ص ۴۲۷ و ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۷، ان دونوں کے بیان میں خرزاد کے خاتمہ کی تفصیل میں خفیف سا اختلاف ہے لیکن نتیجہ دونوں کا ایک ہے) بلاذری کا بیان ہے کہ قتیبہ کی سلطنت واپس دلانے کے بعد خوارزم شاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس کی رعایا نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد قتیبہ نے اپنے بھائی عبید اللہ کو خوارزم کا حاکم مقرر کیا۔

سمرقند کی فتح سغد یعنی اہل سمرقند اور مسلمانوں میں بہت قدیم سے عہد و پیمان اور مصالحانہ تعلقات تھے، لیکن ترکستان کی لڑائیوں میں انہوں نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کے خلاف ترکستان کے فرمانرواؤں کی امداد کی تھی، اس لیے خوارزم کی مہم سے فراغت کے بعد قتیبہ نے سمرقند پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور مسلمانوں سے کہا کہ "سغد نے جس طرح معاہدہ کو توڑا ہے وہ تم کو معلوم ہے، مجھ کو امید ہے کہ خوارزم اور سغد کا حشر بنی

قریظہ اور بنی نضیر (یہ دونوں یہودی قبیلے تھے جنہوں نے عہد رسالت میں عہد شکنی کی تھی اور اس کے نتیجہ میں وہ جلاوطن کیے گئے تھے) کی طرح ہو گا۔" اور اپنے بھائی صالح کو ایک فوج کے ساتھ سمرقند روانہ کر دیا اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوا' اس مہم میں بیس ہزار اہل بخارا اور خوارزم بھی مسلمانوں کے ساتھ تھے۔

صالح اور قتیبہ دو تین دن کے وقفہ سے سمرقند پہنچے' سغد شہر میں قلعہ بند ہو گئے تھے' قتیبہ نے محاصرہ کر لیا' سمرقندی ایک مہینہ تک مدافعت کرتے رہے' جب محاصرہ کی مدت زیادہ بڑھی تو انہوں نے شاش اور فرغانہ وغیرہ کے فرمانرواؤں کو لکھ بھیجا کہ اگر آج عرب ہمارے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے تو کل تم کو بھی یہی دن دیکھنا پڑے گا' اس لیے ہماری نہیں بلکہ اپنی حفاظت کے لیے آج ہماری مدد کرو۔"

قتیبہ کی فتوحات کو ترکستان کے تمام فرمانروا خوف و خطر کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے اس لیے تمام سرحدی حکمران سغد کی مدد کے لیے تیار ہو گئے' اور اپنے لڑکوں' اپنے یہاں کے عمائد و اشراف اور نامور بہادروں کو خاقان چین کے لڑکے کی قیادت میں مدد کے لیے روانہ کیا۔

قتیبہ کو اس کی اطلاع ہو گئی' اس نے صالح کو چند سو منتخب بہادروں کے ساتھ امدادی فوج کا راستہ روکنے کے لیے بھیج دیا' صالح نے آگے بڑھ کر فوج کے راستہ میں دونوں جانب تھوڑی تھوڑی فوج چھپا دی' رات گئے جیسے ہی دشمن کی فوج ادھر سے گذری صالح نے اس پر حملہ کر دیا۔ کمین گاہوں کے مسلمان بھی نکل کر ٹوٹ پڑے' دشمنوں نے بڑی شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن آخر میں نہایت فاش شکست کھائی' ان کے بہت سے نامور بہادر مارے گئے' اور بکثرت قیدی گرفتار ہوئے' جن میں بیشتر ترکستان کے شہزادے اور امراء شرفاء تھے' اور بہت سا قیمتی اسلحہ اور زرین سلاح مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اس شکست کی خبر سمرقند پہنچی تو سغد کی ہمت پست ہو گئی' اب ان کے لیے کوئی سہارا باقی نہ رہ گیا تھا' قتیبہ نے محاصرہ اور زیادہ سخت کر دیا اور پتھر برسا کر شہرپناہ کی دیوار توڑ دی' تاہم اہل سمرقند نے مدافعت میں اپنی آخری قوت صرف کر دی' قتیبہ نے مسلمانوں کو للکارا کہ شہرپناہ کے روزن تک پہنچنے کی دیر ہے' اس للکار پر مسلمان آگے

بڑھے' اہل سمرقند اوپر سے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے' لیکن مسلمانوں نے کوئی پرواہ نہ کی اور چہروں کو ڈھال سے بچاتے ہوئے روزن تک پہنچ کر جم گئے اب اہل سمرقند کے لیے مصالحت کے علاوہ کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی' اس لیے انہوں نے کہلا بھیجا کہ آج تم لوگ یہاں سے ہٹ جاؤ کل ہم صلح کرلیں گے' قتیبہ نے جواب دیا کہ صلح اسی وقت ہو سکتی ہے کہ ہمارے آدمی روزن پر موجود رہیں' ایک روایت یہ ہے کہ قتیبہ نے ان کی درخواست پر آدمی ہٹا لیے تھے' بہرحال اب اہل سمرقند کے لیے سپر ڈال دینے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا' اس لیے دوسرے دن انہوں نے حسب ذیل شرائط پر صلح منظور کرلی۔

۱۔ اہل سمرقند ۲۲ لاکھ سالانہ خراج دیا کریں گے۔
۲۔ اس سال تیس ہزار سوار دیں گے۔
۳۔ مسلمان شہر میں فاتحانہ داخل ہوں گے' ان کے داخلے کے وقت مسلح آبادی شہر خالی کردے گی۔
۴۔ مسلمان یہاں مسجد بنا کر نماز پڑھیں گے اور خطبہ دیں گے۔

ان شرائط کے مطابق سغد نے شہر خالی کردیا' مسلمانوں نے شہر میں مسجد تعمیر کرکے نماز پڑھی اور خطبہ دیا' اور اعلان عام کردیا کہ صلح کی رقم کے علاوہ ہم کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائیں گے' جس جس کا مال ہو وہ آکر اپنا لے لے۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۷ و ۲۱۸)

اہل سمرقند بت پرست تھے' ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے بعض دیوتا ایسے ہیں جن کو ہاتھ لگانے والا ہلاک ہو جائے گا' ان کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے قتیبہ نے ان بتوں کو نظر آتش کردیا۔ جب اس سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچا تو بہت سے سغد ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گئے' اور قتیبہ نے سمرقند میں مسلمانوں کی آبادی بسائی۔ (فتوح البلدان ص ۴۲۷)

اوپر گذر چکا ہے کہ شاش اور فرغانہ کے فرمانرواؤں نے اہل سمرقند کی مدد کی تھی اس لیے سمرقند سے فراغت کے بعد قتیبہ نے ان دونوں کی طرف توجہ کی اور ۹۴ھ میں اہل خوارزم کش اور نسف کی فوج بھیج کر شاش کو فتح کرایا اور خود فرغانہ کی طرف بڑھے' راستہ میں خجندیوں نے مقابلہ کیا' انہیں شکست دے کر آگے بڑھے اور فرغانہ کے دارالسلطنت

کاشان کو فتح کر کے ترکستان و چین کی سرحد اشیجاب تک بڑھتے چلے گئے' اس کے بعد چین کے حدود شروع ہو جاتے تھے' اس لیے اس سال یہیں تک پہنچ کر لوٹ گئے۔

چین پر فوج کشی لور خاقان کی اطاعت خاقان چین نے بھی اہل سمرقند کی مدد کی تھی بلکہ اس کا بیٹا امدادی فوج کا سپہ سالار تھا' اس لیے ۹۶ھ میں قتیبہ نے بڑے اہتمام کے ساتھ چین پر فوج کشی کی تیاریاں کیں' مجاہدین کے اہل و عیال کو حفاظت کے خیال سے سمرقند میں منتقل کر دیا اور فرغانہ سے کاشغر تک راستہ درست کرا کے ایک لشکر چین روانہ کیا' یہ کاشغر فتح کرتا ہوا چین کے اندر تک بڑھتا ہوا چلا گیا۔

خاقان چین مسلمانوں کی فتوحات کا شہرہ سن چکا تھا' اس لیے ان کے حالات معلوم کرنے لور ان سے گفتگو کرنے کے لیے ان کا وفد طلب کیا' قتیبہ نے ہبیرہ بن مشرج کو دس سنجیدہ مسلمانوں کے ساتھ چین بھیجا اور انہیں ہدایت کر دی کہ وہ خاقان چین کو اس کا یقین دلا دیں کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہاری زمین کو اپنے پیروں سے پامال کر کے خراج وصول نہ کر لوں گا' اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا۔

یہ وفد خاقان کے دربار میں پہنچا اور اس سے کئی ملاقاتیں ہوئیں' آخری گفتگو کے بعد خاقان نے ہبیرہ سے کہا کہ "تم واپس جا کر اپنے سردار (قتیبہ) سے کہہ دو کہ وہ لوٹ جائے' مجھ کو تم لوگوں کی تعداد کا علم ہے' اگر تم اپنے ارادہ سے باز نہ آئے تو میں ایسی فوج تمہارے مقابلہ میں بھیجوں گا جو تمہیں تباہ و برباد کر ڈالے گی" ہبیرہ نے اس کے جواب میں کہا کہ تم اس قوم کو کم تعداد کس طرح کہہ سکتے ہو جس کا ایک سرا تمہارے ملک میں ہے اور دوسرا شام میں' ہم لوگ موت اور قتل سے ڈرنے والے نہیں ہیں موت کا ایک دن مقرر ہے اور لڑ کر جان دینا معزز موت ہے' اس لیے نہ ہم قتل ہونے کو برا سمجھتے ہیں لور نہ اس سے ڈرتے ہیں' ہمارے سردار نے قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ اپنے پیروں سے تمہاری زمین کو پامال کر کے جزیہ وصول نہ کرے گا' اس وقت تک واپس نہ جائے گا۔

خاقان چین کو مسلمانوں کی قوت کا پہلے سے اندازہ تھا' ترکستان کا حشر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا' اس لیے وہ خواہ مخواہ مسلمانوں سے بگڑنا نہ چاہتا تھا' اور محض ان کو آزما رہا تھا' اس لیے ہبیرہ کا جواب سن کر اطاعت کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا' اور جزیہ دے کر بہت سے قیمتی ہدایا و تحائف قتیبہ کے پاس بھیجے' ان کا مقصد بھی چین کو فتح کرنا نہیں' بلکہ

خاقان چین کے خطرہ کا انسداد تھا، اس لیے اس کے اس مصالحانہ رویہ پر انہوں نے جزیہ قبول کر کے فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۳'۲)

محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ سندھ پر فوج کشی کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا قریب قریب ہر خلیفہ کے زمانہ میں یہاں کچھ نہ کچھ فتوحات حاصل ہوئیں لیکن ولید سے پہلے مسلمانوں کو اسے مستقل فتح کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا تھا، اور ان کے حملے سرحدی علاقوں سے آگے نہ بڑھتے تھے، ولید کے زمانہ میں ایک ناگوار واقعہ نے حجاج کو اسے مستقل فتح کر لینے پر آمادہ کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لنکا میں کچھ عرب تاجر آباد تھے، ان میں سے ایک تاجر کا انتقال ہو گیا، لنکا کا راجہ مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کا خواہش مند تھا، اس لیے متوفی تاجر کے اہل و عیال کو، جن میں کئی عورتیں تھیں، جہاز کے ذریعہ بھجوا دیا اور ولید کے لیے قیمتی ہدایا و تحائف بھیجے، اس جہاز میں کچھ حاجی تھے، دیبل (دیول) کے قریب سندھی قزاقوں نے جہاز پر حملہ کر کے لوٹ لیا اور عربی عورتوں کو گرفتار کر لیا، ان میں سے ایک عورت نے غائبانہ حجاج سے فریاد کی کہ حجاج المدد! حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو اس پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اسنے جواب دیا، "میں آیا" اور اس وقت دیبل کے راجہ داہر کو لکھا کہ عرب عورتوں کو واپس کرا دو، اس نے جواب دیا کہ یہ کام بحری قزاقوں کا ہے اس لیے میں مجبور ہوں۔ (فتوح البلدان ص ۴۴۱ و چچ نامہ نسخہ قلمی دارالمصنفین
)

یہ جواب سن کر حجاج نے عبید اللہ بن نبہان کو فوج کے ساتھ دیبل روانہ کیا، یہ جنگ میں کام آئے، ان کے بعد بدیل بن طہفہ بجلی کو جو عمان میں تھے دیبل پہنچنے کا حکم دیا وہ تین ہزار فوج کے ساتھ مکران ہوتے ہوئے دیبل پہنچے، راجہ داہر نے کئی ہزار سپاہ مقابلہ کے لیے بھیجی، عبید اللہ نے بڑی شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن عین میدان جنگ میں ان کا گھوڑا بدکا اور وہ گھوڑے سے گر پڑے، سندھیوں نے یورش کر کے قتل کر دیا، ان کے قتل ہوتے ہی مسلمان شکست کھا گئے۔ (فتوح البلدان ص ۴۴۱ و چچ نامہ نسخہ قلمی دارالمصنفین) حجاج کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسے بڑا صدمہ ہوا، اور اس کو اس کا بھی اندازہ ہو گیا کہ معمولی فوج کشی سے کام نہ چلے گا، اس لیے اس نے اپنے نوجوان چچیرے بھائی محمد بن قاسم ثقفی کو، جو فارس کا حاکم تھا، چھ ہزار سپاہ کے ساتھ سندھ روانہ کیا، اس نے تمام بھاری

سامان بحری راستہ سے روانہ کر دیا اور خود مکران ہوتا ہوا خشکی کے راستے سے سندھ آیا اور سب سے پہلے قنز پور (پنج گور) کی طرف بڑھا' اور اسے فتح کر کے ارمائیل (ارمن بیلہ) کو تسخیر کیا۔ (بلاذری ص ۴۴۲)

ارمن بیلہ کے بعد دیبل کی طرف بڑھا اس کے پہنچنے کے ساتھ ہی وہ سامان بھی جسے بحری راستہ سے بھیجا تھا' پہنچ گیا' اس میں ایک قلعہ شکن منجنیق تھی' جسے پانچ سو آدمی حرکت دیتے تھے' اس کا نام عروس تھا' محمد بن قاسم کے پہنچنے کے بعد دیبل کے باشندے شہر میں قلعہ بند ہو گئے تھے۔ محمد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور چاروں طرف خندقیں کھدوا کر منجنیقیں نصب کرا دیں' اہل شہر کئی مہینوں تک بہادری سے مدافعت کرتے رہے لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

حجاج کو اس مہم سے اتنا تعلق خاطر تھا کہ ہر تیسرے دن خبریں منگا کر حالات معلوم کر کے جنگ کے متعلق ہدایات بھیجتا تھا' جب محاصرہ زیادہ طول کھنچا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حجاج نے لکھا کہ منجنیق کو ایک زاویہ کم کر کے مشرق کی جانب نصب کر کے دیول پر سنگباری کی جائے۔ (دیول بدھ کا صنم کدہ تھا جو اس شہر کا قلب اور اس کی جان تھا) اس ہدایت کے مطابق محمد بن قاسم نے سنگباری کرنے کا حکم دیا۔ اس سے دیول کا گنبد ٹوٹ گیا اس کے ٹوٹتے ہی اہل شہر کی ہمت پست ہو گئی' دوسری طرف باہر سے مسلمانوں نے پورا زور لگایا اور بڑھتے ہوئے فصیل کی دیوار تک پہنچ گئے' اہل شہر نے روکنے کی بہت کوشش کی' مگر ناکام رہے اور چند جانباز مسلمان کمند ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے' اب اہل شہر کی ہمت بالکل چھوٹ گئی' راجہ داہر کے حاکم شہر چھوڑ کر بھاگ گئے' اور مسلمانوں نے آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا' شہر میں داخل ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور چار ہزار مسلمان آباد کیے۔ (بلاذری ص ۴۴۲'۴۴۳)

دیبل سے تھوڑی مسافت پر ایک مقام نیون تھا' یہاں کے راجہ بھدر کن نے اہل دیبل کا انجام دیکھ کر محمد بن قاسم سے صلح کر لی اور وہ دیبل سے نیون پہنچا' حاکم نیون نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا اور شہر لے جا کر مسلمانوں کی ضیافت کی' ان کے مویشیوں کے لیے چارہ فراہم کیا' بہت سے قیمتی ہدیے پیش کیے اور نامہ و پیام کے ذریعہ جو صلح ہوئی تھی۔ زبانی تکمیل ہو گئی۔ (بلاذری ص ۴۴۲'۴۴۳ و چچ نامہ قلمی) نیون کے بعد

اسلامی لشکر نے آگے کوچ کیا، راستہ میں کسی کو روکنے کی ہمت نہ ہوئی اور نیرون سے دریائے سندھ تک کا سارا علاقہ آسانی کے ساتھ فتح ہو گیا، دریا کو عبور کرنے کے بعد سربیدس (شری دیدس) کے بدھوں نے خراج دے کر اطاعت قبول کر لی۔

یہاں سے محمد بن قاسم سیوستان (سہوان) کے ارادہ سے روانہ ہوا، نیرون کا راجہ بھدر کن، ہمرکاب تھا، راستہ میں بہرج کا علاقہ جو راجہ داہر کے بھتیجے بجرا کے زیر حکومت تھا، پڑتا تھا یہاں کی آبادی بدھ مذہب کے پیرو تھی اور کشت و خون کو ناپسند کرتی تھی، مسلمانوں کا رخ بہرج کی طرف دیکھ کر اس نے بجرا سے درخواست کی کہ ہم لوگ امن و آشتی پسند کرتے ہیں کشت و خون ہمارے مذہب کے خلاف ہے اور آپ کی طرح ہم محفوظ بھی نہیں ہیں اس لیے اگر ہم نے عربوں سے مقابلہ کیا تو وہ ہم کو تباہ کر دیں گے، ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ خلیفہ کا حکم ہے کہ مطیع اور امن پسند آبادی سے تعرض نہ کیا جائے اور عرب جو معاہدہ کرتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں اس لیے اگر آپ کی رائے ہو تو ہم عربوں سے صلح کر لیں، لیکن بجرا نے اس درخواست کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

بہرج کی آبادی اطاعت کیش تھی، اس لیے محمد بن قاسمؒ نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا اور اصل مرکز مقصود سیوستان کی طرف بڑھا، جاسوسوں نے اسے خبر کر دی کہ سیوستان کے عام باشندے اطاعت کے لیے آمادہ ہیں، لیکن راجہ بجرا اور قلعہ کی مسلح سپاہ مقابلہ کے لیے تیار ہے اس لیے محمد بن قاسم نے سیوستان پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور سنگباری شروع کر دی، یہاں کی آبادی بھی جنگ کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن بجرا کی وجہ سے مجبور تھی، اس لیے سنگباری سے گھبرا کر بجرا سے درخواست کی کہ ہم میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے اس لیے جنگ موقوف کی جائے، لیکن بجرا نے توجہ نہ کی اور جنگ جاری رکھی، اہل شہر نے مجبور ہو کر محمد بن قاسم کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم سب بجرا سے نفرت کرتے ہیں، ہم کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں، راجہ کے پاس کوئی بڑی طاقت بھی نہیں ہے۔"

یہ پیام سن کر مسلمانوں نے جنگ میں اور زور لگا دیا، ایک ہفتہ مقابلہ کے بعد بجرا کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ کمزوری دکھانے لگی، یہ صورت دیکھ کر بجرا ایک شب کو ایک جماعت کے ساتھ فرار ہو گیا اور بودھیا کے حاکم کاکا کے یہاں پناہ لی یہ داہر کا ماتحت تھا، اس لیے بجرا کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ٹھہرایا، بجرا کے فرار کے بعد سیوستان پر مسلمانوں

کا قبضہ ہو گیا اور محمد بن قاسم نے چند دنوں یہاں قیام کر کے ضروری انتظامات کیے۔

(چچ نامہ قلمی)

سیوستان سے فرار کے بعد راجہ بجرا نے کاکا کے دارالسلطنت سیم کو مرکز بنایا تھا اس لیے سیوستان کے انتظامات سے فراغت کے بعد محمد بن قاسم سیم کی طرف بڑھا' مفتوحہ علاقے کے باشندے محمد بن قاسم کے حسن سلوک سے اتنا متاثر ہوئے تھے کہ سیم کی فوج کشی میں بہت سے سردار اس کے ہمرکاب ہو گئے۔

بجرا راجہ داہر کا بھتیجا تھا اس لیے کاکا اسے پناہ دینے پر مجبور تھا' لیکن وہ خود محمد بن قاسم سے لڑنا نہ چاہتا تھا' چنانچہ اسے جب سیم کی جانب محمد بن قاسم کی پیش قدمی کی خبر ملی' تو وہ اپنے چند معتمد سرداروں کے ساتھ اس سے گفتگو کرنے کے لیے روانہ ہو گیا' راستہ میں ایک عرب سردار بنانہ بن حنظلہ سے' جسے محمد بن قاسم نے حالات کی تحقیقات کے لیے آگے روانہ کر دیا تھا' ملاقات ہوئی' بنانہ کاکا کا ارادہ معلوم کر کے اسے اپنے ساتھ لے آیا اور اس نے محمد بن قاسم سے مل کر اپنی اطاعت و وفاداری کا یقین دلایا' محمد بن قاسم نے اس کے صلے میں اس کی بڑی عزت افزائی کی' خلعت سے نوازا اور ایک مسلمان وکیل عبدالملک بن قیس کو ساتھ کر کے عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا۔ (چچ نامہ قلمی)

کاکا نے گو خود اطاعت قبول کر لی تھی لیکن وہ راجہ بجرا کو جو اب تک سیم میں مقیم تھا اپنے یہاں سے نکال نہیں سکتا تھا' اس لیے محمد بن قاسم نے سیم پہنچ کر قلعہ پر حملہ کیا' بجرا نے اپنے سرداروں کے ساتھ مقابلہ کیا اور ایک سردار نے لڑ کر جان دے دی۔ کچھ لوگ شکست کھا کر بھاگ نکلے' اس شکست کے بعد سرداروں نے جو دل سے راجہ داہر کے خلاف تھے لیکن علانیہ اس کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے' محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی' سیم کے قلعہ کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے حمید بن وداع اور عبدالقیس جارودی کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔

سیم پر قبضہ کرنے کے بعد محمد بن قاسم آگے بڑھنے کا قصد کر رہا تھا کہ حجاج کا حکم پہنچا کہ نیرون واپس جا کر راجہ داہر کے پایہ تخت پر فوج کشی کرو' یہ حکم پا کر نیروان واپس چلا آیا اور چند دنوں یہاں قیام کرنے کے بعد راجہ داہر کی طرف بڑھا' راستہ میں اشبہار کے قلعہ کو مطیع کرتا ہوا دریائے سندھ کے مغربی کنارہ پر پہنچا اور بیٹ کے راجہ موکا کو جو راجہ داہر

کے ماتحت تھا، لکھا کہ اگر اطاعت قبول کر لو تو بجھ اور سورتہ کی حکومت تم کو دی جائے گی، راجہ موکا اور اس کے بھائی راسل میں تخت کے معاملہ میں اختلاف تھا، اس لیے راسل کے مقابلہ میں اس کو مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کی ضرورت تھی، لیکن وہ علانیہ راجہ داہر کے دشمنوں کی اطاعت قبول نہیں کر سکتا تھا، اس لیے اس نے محمد بن قاسم کو لکھ بھیجا کہ بغیر جنگ کے اطاعت قبول کر لینے میں میری اور میرے خاندان کی بڑی رسوائی ہو گی اس لیے میں ایک مختصر جماعت کے ساتھ سانکڑا جاتا ہوں، آپ ایک ہزار سپاہ بھیج کر مجھ کو گرفتار کرا لیجئے، یہ خط لکھ کر وہ سانکڑا روانہ ہو گیا، اس کی ہدایت کے مطابق محمد بن قاسم نے بنانہ بن حنظلہ کو ایک ہزار سپاہ کے ساتھ اس کے عقب میں روانہ کر دیا۔ اس نے سامنا ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ پہلے سے قرارداد منظور ہو چکی تھی اس لیے موکا مع اپنے ہمراہیوں کے گرفتار ہو گیا، محمد بن قاسم نے اس کی بڑی عزت افزائی کی، ایک لاکھ نقد انعام عطا کیا اور خلعت سے نوازا اور نسل در نسل علاقہ بیٹ کی حکومت کا پروانہ اسے دے دیا۔

(چچ نامہ)

محمد بن قاسم کا مقصد خواہ مخواہ راجہ داہر سے لڑنا نہیں بلکہ اسے مطیع بنانا تھا، اس لیے راجہ موکا کی اطاعت کے بعد جارحانہ اقدام سے پہلے اس نے راجہ داہر کے پاس ایک وفد بھیجا، لیکن وہ مصالحت کے لیے آمادہ نہ ہوا اور جواب دیا کہ اس کا فیصلہ تلوار کرے گی" اس جواب کے ساتھ ہی فوجیں لے کر محمد بن قاسم کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گیا اور مسلمانوں کے فرودگاہ کے پاس پہنچ کر ان کے بالمقابل دریائے سندھ کے مشرقی جانب خیمہ زن ہوا، دونوں کے درمیان دریائے سندھ حائل تھا، راجہ داہر نے جابجا تیر انداز متعین کر دیے کہ مسلمان کشتی کا پل نہ بنانے پائیں، چنانچہ جیسے ہی لوگ کشتیوں کو جوڑنے کی کوشش کرتے، تیر انداز تیر برسا کر ہٹا دیتے، یہ صورت دیکھ کر مسلمانوں کے کشتیوں کو دریا کے عرض میں جوڑنے کی بجائے پاٹ کا اندازہ کر کے رات کی تاریکی میں طول میں جوڑ کر ایک لمبا پل بنایا اور اس کو دریا کے بہاؤ پر چھوڑ دیا، اس تدبیر سے کشتیوں کا دوسرا سرا ساحل پر پہنچ گیا اور مسلمان راتوں رات دریا عبور کر کے اس زور شور سے سندھیوں پر حملہ آور ہوئے کہ وہ اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور جم کے پھاٹک تک پسپا ہوتے چلے گئے، انہیں پسپا کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے آگے بڑھ کر بیٹ کو مرکز قرار دیا اور

عبید اللہ بن علی ثقفی کو ایک دستہ کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔

راجہ داہر اس وقت کاجی جاٹ میں مقیم تھا' عبد اللہ ارور ہوتا ہوا جیور کی طرف بڑھا' راستہ میں بکھری جھیل پر داہر کا لڑکا جے سنگھ پہلے سے مزاحمت کے لیے موجود تھا' یہاں دونوں میں مقابلہ ہو گیا جے سنگھ کی فوج مقابلہ کی تاب نہ لا سکی وہ خود بھی گھوڑے سے گر پڑا لیکن کسی طرح بچ کر نکل گیا۔ (یہ چچ نامہ کا بیان ہے' دوسرے مورخین لکھتے ہیں کہ قتل ہو گیا' لیکن جو لڑکا قتل ہوا وہ جے سنگھ نہیں ہو سکتا کیونکہ آئندہ داہر کے قتل کے بعد ہی مسلمانوں کے مقابلہ میں آیا۔)

اس شکست سے راجہ داہر کے سرداروں اور حکمرانوں میں بڑی بددلی پھیل گئی' چنانچہ راجہ موکا کا بھائی راسل جو بیٹ کی حکومت کے طمع میں داہر کے ساتھ تھا' مایوس ہو کر محمد بن قاسم سے مل گیا اور اپنے قیمتی مشوروں سے مسلمانوں کو بڑی مدد بہم پہنچائی اور محمد بن قاسم اس کے مشورے اور رہنمائی میں داہر کی طرف بڑھا اور جیور پر قبضہ کر کے یہاں فوجیں اتاریں' اس وقت راجہ داہر مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔ محمد بن قاسم پہنچ چکا تھا' راجہ داہر بڑے شکوہ و تجمل کے ساتھ مقابلہ میں آیا' کوہ پیکر ہاتھیوں کی صف آگے تھی' اس کے پیچھے دس ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل سپاہ تھی' خود داہر ایک سپید ہاتھی پر سوار تھا' خوامیں چپ و راست جلوہ فگن تھیں' داہر کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہو گئی' فریقین بڑی شجاعت و پامردی سے لڑے' کئی خونریز معرکے ہوئے' ہاتھیوں کی دیوار آہن کے سامنے مسلمانوں کا زور نہ چلتا تھا اس لیے انہوں نے نفت کے ذریعہ آگ برسانا شروع کی' اس کے سامنے ہاتھی نہ ٹک سکے اور بدحواسی سے بھاگے' راجہ داہر کا ہاتھی بھاگ کر ندی میں پھاند پڑا اور دلدل میں بیٹھ گیا' مسلمانوں نے ہاتھی پر تیر برسانا شروع کر دیا۔ فیلبان نے کسی نہ کسی طرح ہاتھی کو اٹھایا' وہ اٹھ کر سیدھا قلعہ کی طرف چلا' اور کسی طرح میدان جنگ کا رخ نہ کیا۔

راجہ داہر کی فوج برابر لڑتی رہی اور اس کے بڑے بڑے سرداروں نے لڑ کر مردانہ وار جان دے دی ان کی جانبازی دیکھ کر داہر کی حمیت بھی جوش میں آ گئی' وہ شمشیر بکف میدان جنگ میں پہنچا اور پاپیادہ عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑ کر قتل ہوا۔

اس کے قتل سے فوج میں جوش پیدا ہو گیا اور وہ اس جوش و خروش سے لڑی کہ

مسلمانوں کا سنبھلنا مشکل ہو گیا' انہوں نے بھی مقابلہ میں پوری قوت صرف کر دی بالآخر ان کی شجاعت و استقلال سے سندھیوں کو فاش شکست ہوئی اور وہ قلعہ راور کی طرف بھاگے' مسلمانوں نے دور تک تعاقب کر کے قتل و گرفتار کیا۔

اس شکست کے بعد داہر کے لڑکے جے سنگھ نے فاش شکست خوردہ فوج کو راور میں جمع کر از سر نو مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں' اس کے عاقبت اندیش وزیر نے مشورہ دیا کہ شکست خوردہ فوج اور اس کے نواح کے لوگوں کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ چکی ہے اس لیے یہاں مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ برہمن آباد چل کر مقابلہ کا انتظام کرنا چاہیے' وہاں جنگ کے ذرائع یہاں سے بہتر ہیں' جے سنگھ کو بھی یہ مشورہ پسند آیا اس لیے وہ راور سے برہمن آباد چلا گیا۔

راجہ داہر کی ایک رانی واپس نہ گئی اور جے سنگھ کے جانے کے بعد وہ خود مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئی' راور کے قلعہ کی فوج نے بھی اس کا ساتھ دیا' محمد بن قاسم کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ سیدھا راور پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کر کے سنگباری اور آتش زنی شروع کر دی' اس سے قلعہ کے برج مسمار ہو گئے' رانی نے جب دیکھا کہ قلعہ کا بچنا مشکل ہے تو اپنی خواصوں سمیت ستی ہو گئی اور راور پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (چچ نامہ)

برہمن آباد پہنچنے کے بعد جے سنگھ مقابلہ کی تیاریاں کر رہا تھا اس لیے راور کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد کا رخ کیا اور راستہ میں بہرور اور دھلیلا کے قلعے فتح کیے۔

راجہ داہر کا وزیر سی ساکر بڑا عاقبت اندیش تھا' جے سنگھ کے انجام کا اندازہ کر کے اس نے محمد بن قاسم کے پاس جان بخشی اور اطاعت کی درخواست بھیجی' دھلیلا کے قلعہ کی فتح کے بعد اس کے قاصد پہنچے' محمد بن قاسم قدر شناس تھا' اس نے وزیر مذکور کی درخواست قبول کر لی اور سی ساکر نے خود اس کے پاس آ کر اظہار اطاعت کیا اور وہ عرب عورتیں پیش کیں جنہیں سندھ کے قزاقوں نے جہاز سے گرفتار کیا تھا اور جن کی وجہ سے سندھ پر حملہ ہوا تھا' سی ساکر کی اطاعت کیشی کے صلہ میں محمد بن قاسم نے اس کی بڑی عزت افزائی کی اور اسے وزیر بنا کر اس کا اعزاز قائم رکھا' سی ساکر نے بھی اپنی خیر خواہی اور وفاداری سے اتنا اعتماد حاصل کر لیا کہ محمد بن قاسم بغیر اس کے مشورہ کے کوئی کام انجام نہ دیتا تھا۔ (چچ نامہ)

دھلیلا کے قلع کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم ۹۳ھ میں برہمن آباد پہنچا، جے سنگھ مقابلہ کے تمام انتظامات مکمل کر چکا تھا، وہ اپنے تمام نامور سرداروں کو ذمہ دار بنا کر کسی جنگی ضرورت سے برہمن آباد سے باہر چلا گیا تھا، محمد بن قاسم نے جنگ شروع کرنے سے پیشتر اہل شہر کے پاس کہلا بھیجا کہ "یا اسلام قبول کرو یا خراج دے کر اطاعت قبول کر لو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔" جب اس کا کوئی جواب نہ ملا تو اس وقت محمد بن قاسم نے محاصرہ کر کے جنگ شروع کر دی، جے سنگھ کی فوج قلعہ بند ہو کر لڑ رہی تھی اس لیے عرصہ تک سلسلہ جاری رہا اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، اس دوران میں جے سنگھ واپس آ گیا مگر درمیان میں مسلمان حائل تھے، اس لیے برہمن آباد نہ پہنچ سکا چنانچہ اس نے وہیں ٹھہر کر ہر طرف سے ناکہ بندی کر کے مسلمانوں کا سامان رسد بند کر دیا، اس سے ان کو بڑی دشواری پیش آئی، محمد بن قاسم نے راجا موکا کے مشورہ سے ایک فوج جے سنگھ کے مقابلہ کے لیے بھیج دی، ان کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی اس لیے وہ ہٹ گیا اور اپنے بھائی گوپی کو اپنا نائب مقرر کر کے اور منزلیں طے کرتا ہوا کشمیر نکل گیا۔

جے سنگھ کے فرار کے بعد کچھ دنوں تک فوج اور برہمن آباد کی آبادی مدافعت کرتی رہی، لیکن جب محاصرہ زیادہ طول کھنچا تو اہل شہر گھبرا کر خفیہ محمد بن قاسم سے مل گئے، چنانچہ ایک دن وہ حسب معمول مقابلہ کے لیے نکلے اور قرارداد کے مطابق معمولی جنگ کے بعد شہر میں پسپا ہو گئے اور دروازے کھلے رہنے دیئے، چنانچہ ان کے عقب سے مسلمان بھی شہر میں داخل ہو گئے قلعہ کی فوج کو اس کا علم نہ تھا، وہ اس ناگہانی داخلہ سے گھبرا گئی اور جسے جدھر راستہ ملا شہر سے نکل گیا، اور محمد بن قاسم نے شہر میں داخل ہو کر امن عام کا اعلان کر دیا۔ (چچ نامہ)

راجہ داہر کی ایک رانی لاڈی جو برہمن آباد میں تھی گرفتار ہوئی، محمد بن قاسم نے اسے عزت کے ساتھ پردہ میں ٹھہرایا، پھر حجاج کی اجازت سے اپنے عقد میں لے لیا۔"

برہمن آباد کی فتح کے بعد راجہ داہر کا لڑکا گوپی ارور چلا گیا تھا اور یہاں کے باشندوں کو یہ یقین دلا کر کہ راجہ داہر قتل نہیں ہوا بلکہ ہندوستان چلا گیا ہے اور وہاں کے راجاؤں کی مدد لے کر عنقریب پہنچنا چاہتا ہے، جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ (چچ نامہ) اس لیے برہمن آباد کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد محمد بن قاسم ارور روانہ ہو گیا، راستہ میں

ساوندی کے باشندوں نے حاضر ہو کر اظہار اطاعت کیا اور محمد بن قاسم چھوٹے چھوٹے مقاموں کو فتح کرتا اور مطیع بناتا ہوا ارور پہنچا' اس درمیان میں گوپی پوری تیاری کر چکا تھا' محمد بن قاسم کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے رانی لاڈی کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ راجہ قتل ہو چکا ہے' تم لوگ اطاعت قبول کر لو' یعقوبی کا بیان ہے کہ رانی کے یقین دلانے پر اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۴۶)

لیکن چچ نامہ میں ہے کہ انہوں نے رانی کے بیان پر اعتماد نہ کیا اور اس کی شان میں نازیبا باتیں کیں اس لیے محاصرہ قائم رہا' پھر کچھ دنوں کے بعد جب اہل شہر کو راجہ کی موت کا یقین ہو گیا۔ اور اس کی امداد کا سہارا جاتا رہا' وہ اطاعت قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے' یہ صورت دیکھ کر گوپی کیرج بھاگ گیا۔

گوپی کے فرار کے بعد ارور کے باشندے اس شرط پر شہر حوالہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے کہ ہر شہری کو امان دی جائے کسی کو قتل نہ کیا جائے اور بدھ کے صنم کدہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے محمد بن قاسم نے دونوں شرطیں قبول کر لیں' اہل شہر نے کنجی حوالہ کر دی اور مسلمان ارور میں داخل ہو گئے' محمد بن قاسم نے قلعہ کی مسلح سپاہ کے علاوہ باقی شہر کی عام آبادی کو امان دے دی اور صنم کدہ کو کنیسہ اور آتش کدہ کے حکم میں قرار دے کر اس سے کوئی تعرض نہیں کیا اور اہل شہر پر معمولی خراج تشخیص کر دیا۔

(چچ نامہ و بلاذری ص ۴۴۳)

ارور کے بعد قلعہ بابیہ کا رخ کیا' یہاں کے حاکم راجہ کسکانے اطاعت قبول کر لی اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی' بابیہ کے بعد اسکلندہ پہنچا' یہاں کے حاکم نے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ سترہ دن کی خون ریز جنگ ہوتی رہی' بہت سے مسلمان افسر شہید ہوئے' لیکن سندھیوں کا بھی نقصان اس سے کہیں زیادہ ہوا' آخر میں راجہ ہمت ہار کے ملتان نکل گیا اور قلعہ پر مسلمان قابض ہو گئے۔

اسکلندہ کے بعد محمد بن قاسم دریائے چناب کو عبور کر کے ملتان کی طرف بڑھا' یہاں کا راجہ گورسنگھ پہلے سے مقابلہ کے لیے تیار تھا' اس لیے ملتان کے حدود میں پہنچتے ہی نہایت سخت جنگ شروع ہو گئی' زائدہ میں امیر طائی نے حیرت انگیز شجاعت دکھائی اور راجہ پسپا ہو کر شہر میں قلعہ بند ہو گیا' مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا' ان کے پاس سامان رسد

کم تھا' چند ہی دنوں میں سامان ختم ہو گیا اور بار برداری کے جانور ذبح کر کے کھانے کی نوبت آگئی تاہم اس حالت میں بھی وہ جمے رہے' حسن اتفاق سے ایک ملتانی ان کے ہاتھ پڑ گیا' اس نے قلعہ کے کمزور حصہ کا پتہ بتا دیا مسلمانوں نے سنگباری کر کے اسے توڑ دیا' اس لیے اہل شہر کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا پڑا' کھلے میدان میں وہ زیادہ دیر تک نہ ٹک سکے اور مسلمانوں نے شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا' یہ چچ نامہ کا بیان ہے بلاذری کے مطابق ملتانی نے اس تالاب کا پتہ بتا دیا جس سے قلعہ میں پانی جاتا تھا' مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر کے پانی بند کر دیا۔ اس سے اہل شہر نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ (بلاذری ص ۴۴۵)

ملتان بدھوں کا بہت بڑا تیرتھ گاہ تھا اور یہاں کے صنم کدہ میں بے اندازہ دولت تھی' یہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آئی' بلاذری کے بیان کے مطابق اٹھارہ گز لمبا اور دس گز چوڑا کمرہ سونے سے بھرا ہوا تھا' چچ نامہ کے بیان کے مطابق اس کی مقدار کئی سو من تک پہنچ جاتی ہے۔ (بلاذری ص ۴۴۵ و چچ نامہ) ملتان کے بعد بھی محمد بن قاسم کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا' لیکن ولید کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اس لیے باقی فتوحات کا حال سلیمان کے زمانہ میں آئے گا۔

طارق بن زیاد کی فتوحات اندلس اسی زمانہ میں دوسری سمت یورپ میں بھی مہمات جاری رہیں اور طارق بن زیاد نے اندلس فتح کیا' یہ جزیرہ اس زمانہ میں اپنی سر سبزی و شادابی پیداوار' تمول و ثروت کے لحاظ سے یورپ کا ممتاز ترین ملک تھا' یہاں صدیوں سے گاتھ خاندان حکمران تھا' ساتویں صدی میں ان کی حکومت انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی اور اپنی شان و شوکت اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے سلطنت روما کی جانشین تھی'

آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں یعنی مسلمانوں کے داخلہ سے کچھ پہلے گو حکومت کا ظاہری جاہ و جلال قائم تھا' لیکن ملک کی اندرونی حالت بگڑ چکی تھی' حکومت پر کلیسا کا اقتدار تھا' حکمران پادریوں کے چشم و ابرو کے اشارہ کے پابند تھے' رعایا حکومت کے جابرانہ قوانین اور امراء اور جاگیرداروں کے مظالم سے نالاں تھی' یہودیوں کے ساتھ جانوروں سے زیادہ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا' بادشاہ اور امراء سے لے کر خانقاہ نشین راہب تک عیش پرستی میں غرق تھے' ان کی خانقاہیں حسین عورتوں کا اکھاڑہ تھیں۔

گاتھ خاندان کا آخری فرمانروا وٹیزا (غیٹشہ) بھی گو عیش پرست تھا' لیکن اس نے اپنے دور میں بہت کچھ اصلاح کی' کلیسا کے اقتدار کو گھٹایا' بہت سے جابرانہ قوانین منسوخ کیے' رعایا کو جاگیرداروں کے مظالم سے چھڑانے کی کوشش کی' یہودیوں کو مراعات عطا کیں' اس کی کوشش سے فی الجملہ ملک کی حالت کسی قدر سنبھلی' لیکن کلیسا کے اقتدار کو ہاتھ لگانا اس کا ایسا جرم تھا کہ اسے اہل کلیسا کسی طرح معاف نہیں کر سکتے تھے' اس لیے سارے پادری اس کے خلاف ہو گئے وٹیزا نے ان کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور پوری قوت سے ان کا مقابلہ کیا اور ان کا زور توڑنے کے لیے نہایت سخت قوانین جاری کیے۔

یہودیوں کے ساتھ مراعات عیسائی گناہ تصور کرتے تھے اس لیے پادریوں نے اس کو آڑ بنا کر رعایا اور امراء کو بھی وٹیزا کے خلاف کر دیا اور انہیں ملا کر وٹیزا کو معزول کر کے ایک بوڑھے تجربہ کار فوجی افسر راڈرک (لرزیق) کو جسے شاہی خاندان سے تعلق نہ تھا' تخت نشین کیا یہ بڑا تجربہ کار اور عاقبت اندیش تھا' اس نے کلیسا کی حمایت حاصل کرنے کے لیے پادریوں کے اختیارات کو بحال کر دیا۔ (اخبار الاندلس ترجمہ ہسٹری آف دی مورس امپائر ان یورپ ایس پی اسکاٹ ملخصاً")

گاتھ فرمانرواؤں میں دستور تھا کہ ان کے امراء اور جاگیرداروں کے لڑکے دربار شاہی میں اور لڑکیاں ملکہ کی زیر نگرانی محل سرا میں پرورش پاتیں اور تعلیم و تربیت حاصل کرتی تھیں' اس سے اصل مقصد یہ تھا' کہ ان کی جان کے خوف سے ان کے والدین میں بغاوت اور سرکشی کا خیال نہ پیدا ہو سکے۔ اس دستور کے مطابق ایک یونانی سردار کاؤنٹ جولین (ایلبان) والی سبتہ کی لڑکی بھی راڈرک کے محل میں تھی' یہ بڑی حسین و جمیل تھی' راڈرک اس پر فریفتہ ہو گیا اور زبردستی اسے اپنے تصرف میں لے آیا' لڑکی نے باپ کو اطلاع دی' اس بے عزتی پر کاؤنٹ جولین راڈرک کا دشمن ہو گیا اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کا تہیہ کر لیا۔ (یہ واقعہ افتتاح الاندلس ابن قوطیہ قرطبی و نفح الطیب وغیرہ تمام عربی تاریخوں میں ہے' اسکاٹ نے بھی اپنی تاریخ میں اس تاریخ کو اسپین پر حملہ کا سبب بتایا ہے' ج ۱ ص ۲۱۰)

اس زمانے میں اندلس کے قریب ہی شمالی افریقہ میں مسلمانوں کی تازہ دم قوت نشوونما پا رہی تھی' خود اس کے دارالحکومت سبتہ پر بھی مسلمانوں کا حملہ ہو چکا تھا' اس لیے اس کو مسلمانوں کی قوت کا پورا اندازہ تھا۔

کاؤنٹ جولین یونانی تھا، اس کا اصل تعلق قسطنطنیہ کی حکومت سے تھا لیکن شمالی افریقہ سے قیصر کی حکومت ختم ہونے کے بعد حکومت اندلس سے اس کا تعلق قائم ہو گیا تھا اس لیے اس کو اندلس سے کوئی ہمدردی بھی نہ تھی چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر والی شمالی افریقہ یا اس کے ماتحت امیر طارق بن زیاد والی طنجہ کو خط کے ذریعہ اسپین پر حملہ کی دعوت دی، پھر خود موسیٰ سے ملا اور اندلس کی سرسبزی، شادابی، تمول و ثروت اور حکومت کی اندرونی کمزوریوں کو بتا کر حملہ کے لیے آمادہ کیا، اور اس مہم میں ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔

موسیٰ نے ولید کو لکھ کر اس سے اجازت چاہی، اس نے جواب دیا کہ "بغیر تجربہ کے مسلمانوں کو متلاطم سمندر کے خطرات میں پھنسانا مناسب نہیں ہے، پہلے وہاں کے حالات معلوم کرو۔" اس نے جواب دیا کہ "سمندر نہیں بلکہ معمولی خلیج ہے اس پار سے چیزیں صاف نظر آتی ہیں، اس اطلاع پر ولید نے اجازت دے دی اور موسیٰ نے سب سے پہلے ۹۱ھ میں اپنے ایک غلام طریف بن مالک کو پانچ سو کی جماعت کے ساتھ حالات کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا، اس نے آبنائے کو عبور کر کے بعض جزیروں اور ساحلی شہروں پر حملہ کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا اور صحیح و سالم واپس آیا۔ (افتتاح الاندلس ابن قوطیہ قرطبی ص ۸ و نفح الطیب ج ۱ ص ۱۰۶)،

اس کی واپسی کے بعد دوبارہ ۹۲ھ میں موسیٰ نے اپنے غلام طارق بن زیاد کو سات ہزار بربری فوج کے ساتھ کاؤنٹ جولین کی راہنمائی میں بھیجا، یہ فوج چار جہازوں پر روانہ ہوئی اور طارق آبنائے عبور کر کے جبل الطارق (جبرالٹر) پر اترا۔

اتفاق سے اس وقت ایک گاتھ جاگیردار تھیوڈو میر (تدمیر) صوبہ دار مرسیہ اس نواح میں موجود تھا، ایک اجنبی اور نامعلوم جماعت کو دیکھ کر وہ فوراً بڑھا، جبرالٹر کے قریب ہی دونوں میں مقابلہ ہوا، تھیوڈو میر نے فاش شکست کھائی، اس شکست سے وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ راڈرک کو ان الفاظ میں اطلاع دی کہ "ہمارے ملک پر ایسے آدمیوں نے حملہ کیا ہے کہ نہ ان کا وطن معلوم ہے نہ اصلیت کہ کہاں سے آئے ہیں، زمین سے نکلے ہیں یا آسمان سے اترے ہیں۔"

راڈرک اس وقت ایک مہم کے سلسلے میں ببلونہ میں مقیم تھا، یہ اطلاع پا کر ببلونہ کی

مہم ملتوی کر کے فوراً ایک لاکھ فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا' اسپین کے تمام بڑے بڑے امراء' جاگیردار' شاہی خاندان کے ارکان کی آمد کی خبر سن کر طارق نے موسیٰ بن نصیر سے مزید امدادی فوجیں مانگ بھیجی تھیں' اس نے پانچ ہزار سپاہ اور بھیج دی' اب مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی تھی' راڈرک سیدھا قادس آیا' وادی لکہ یا وادی بکہ میں دریا کے کنارے دونوں کا سامنا ہوا۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۷، و نفح الطیب ج ۱ ص ۱۰۷) طارق نے مجاہدین کے سامنے یہ ولولہ انگیز تقریر کی۔ (نفح الطیب میں یہ تقریر کسی قدر مختلف ہے ہم نے سب سے قدیم ماخذ کتاب الامامہ والسیاستہ سے نقل کی ہے ج ۲ ص ۶۰)

> "اما بعد! لوگو! میدان جنگ سے اب کوئی مفر کی صورت نہیں ہے' آگے دشمن ہے اور پیچھے دریا' خدا کی قسم' صرف پامردی اور استقلال میں نجات ہے' یہی وہ فتح مند فوجیں ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتیں' اگر یہ دونوں باتیں موجود ہیں تو تعداد کی قلت سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا' اور بزدلی' کاہلی' سستی' نامردی' اختلاف اور غرور کے ساتھ تعداد کی کثرت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی'
>
> لوگو! میری تقلید کرو' اگر میں حملہ کروں تو تم بھی حملہ آور ہو جاؤ اور جب میں رک جاؤں تو تم بھی رک جاؤ' جنگ کے وقت سب مل کر ایک جسم بن جاؤ' میں اس سرکش (راڈرک) پر حملہ کر کے دست بدست مقابلہ کروں گا' اگر میں اس حملہ میں مارا جاؤں تو تم رنج و غم نہ کرنا اور میرے بعد آپس میں جھگڑ کر لڑ نہ بیٹھنا' اس سے تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر دو گے اور قتل و گرفتار ہو کر برباد ہو جاؤ گے۔
>
> خبردار! ذلت پر راضی نہ ہونا اور اپنے کو دشمن کے حوالے نہ کرنا خدا نے مشقت اور جفاکشی کے ذریعے دنیا میں تمہارے لیے جو عزت و شرف اور راحت اور آخرت میں شہادت کا ثواب مقدر کیا ہے اس کی طرف بڑھو' خدا کی پناہ اور حمایت کے باوجود اگر تم ذلت پر راضی ہو گئے تو بڑے گھاٹے میں رہو گے' دوسرے مسلمان الگ تم کو برے الفاظ سے یاد کریں گے' جیسے ہی میں حملہ کروں تم بھی حملہ آور ہو جاؤ۔

دوسرے دن دریائے والڈیٹ کے کنارے مقابلہ ہوا، راڈرک بڑی شان سے مقابلہ میں آیا وہ خود فوج کے آگے تخت رواں پر سوار تھا، سر پر چتر شاہی سایہ فگن اور جلو میں مسلح گارڈ اور انسانوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر تھا، میدان میں آنے کے ساتھ ہی اس نے حملہ کر دیا، مسلمان بھی مقابلہ میں آ گئے، اور جنگ شروع ہو گئی، دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا، ایک طرف ہر طرح کے اسلحہ سے آراستہ ایک لاکھ فوج تھی جس میں اسپین بھر کے نامور بہادر جاگیردار تھے، اپنا ملک تھا سامان رسد کی فراوانی تھی، ہر طرح کے ذرائع مہیا تھے، بادشاہ وقت خود کمان کر رہا تھا، دوسری طرف اپنے ملک سے دور بارہ ہزار پردیسی تھے، جن کے لیے اندلس بالکل اجنبی مقام تھا، نہ ان کے پاس ترقی یافتہ اسلحہ تھا، نہ سامان رسد کے ذرائع، لیکن معنوی اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق تھا، بارہ ہزار مسلمان ایک مقصد کے لیے متحد تھے اور ان کا ہر فرد جام شہادت کے لیے بے تاب تھا، اس کے برعکس اسپینیوں میں پھوٹ تھی، گو راڈرک کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی لیکن وہ شاہی خاندان سے نہ تھا، اس لیے اسپین کے اکثر شرفاء عمائد اور خاندان شاہی کے افراد اس کے خلاف تھے ان کا خیال تھا کہ عرب طریف بن مالک کی طرح لوٹ مار کر کے نکل جائیں گے اور ان کے ذریعہ انہیں راڈرک کے تسلط سے نجات مل جائے گی۔ اس لیے انہوں نے راڈرک سے رہائی حاصل کرنے کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور عین میدان جنگ میں اندلس کے سابق گاتھ فرمانروا وٹیزا کے لڑکے جن کے ہاتھ میں میمنہ اور میسرہ کی کمان تھی پسپا ہو گئے، راڈرک کی قوت کا مدار امراء اور جاگیرداروں پر تھا، اس لیے ان کے الگ ہو جانے کے بعد اس نے نہایت فاش شکست کھائی۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۹۱۰ و نفح الطیب ج ۱ ص ۱۲۲) اور ایسا لاپتہ ہوا کہ آج تک تاریخ اس کا انجام بتانے سے قاصر ہے، اس کا حلہ اور موزہ دریا کے کنارے ملا، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ ڈوب گیا، گھوڑے کا ساز مرصع تھا، زین پر یاقوت و زبرجد جڑے تھے، حلہ بھی بیش قیمت جواہرات سے مرصع تھا۔

شکست خوردہ اندلسی بھاگ کر استجہ میں جمع ہوئے تھے، اس لیے طارق وادی لکہ سے استجہ پہنچا، یہاں کے باشندوں نے فوج کے ساتھ مل کر نہایت سخت مقابلہ کیا، بہت سے مسلمانوں کی قربانی کے بعد یہ مہم بھی سر ہوئی اور استجہ والوں نے بھی شکست کھائی۔

اب تک ہسپینی اس غلط فہمی میں تھے کہ طریف کی طرح طارق بھی لوٹ مار کر واپس

چلا جائے گا، لیکن اس کا عزم دیکھ کر اور مسلسل شکستوں سے وہ اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ کھلے میدانوں کو چھوڑ کر پہاڑی علاقوں میں چلے گئے، اور امراء اور عمائد کے پایہ تخت طلیطلہ میں پناہ لی۔

کاؤنٹ جولین نے جو برابر طارق کے ساتھ تھا اور ہر قسم کی مدد کر رہا تھا استجہ کے معرکہ کے بعد اس کو مشورہ دیا کہ اس وقت اندلسیوں کے دل پر رعب چھایا ہوا ہے انہیں زیر کرنے کا یہی موقع ہے، قبل اسکے کہ وہ آئندہ کے متعلق آپس میں مشورہ کریں، تمام صوبوں میں فوجیں پھیلا دیجئے اور پایہ تخت پر آپ خود فوج کشی کیجئے، اس مشورہ کے ساتھ ہی اس نے اندلس کے جغرافیہ اور حالات سے باخبر اور معتمد علیہ رہنما بھی دیئے، یہ مشورہ مفید تھا، اسلئے طارق نے فوراً قرطبہ، غرناطہ، مالقہ، تدبیر (مرسیہ) وغیرہ تمام اہم صوبوں میں الگ الگ فوجیں روانہ کیں۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۱۱۰ و نفح الطیب ج ۱ ص ۱۲۲)

قرطبہ پر قبضہ پایہ تخت طلیطلہ کے بعد دوسرا اہم صوبہ قرطبہ کا تھا، اس کی مہم ولید کے ایک تجربہ کار غلام مغیث رومی کے سپرد ہوئی، قرطبہ کے قریب پہنچ کر اس نے فوج کو جھاڑی میں چھپا دیا۔ اور راہنماؤں کو آگے تحقیقات کے لیے روانہ کیا ایک چرواہے سے معلوم ہوا کہ تمام شہر کے عمائد شہر چھوڑ کر طلیطلہ چلے گئے ہیں، صرف صوبہ دار شہریوں اور چند سو سپاہیوں کے ساتھ رہ گیا ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ قرطبہ کی شہر پناہ بڑی سنگین و مستحکم ہے یہ حالات معلوم ہونے کے بعد مسلمان شب کی تاریکی میں قرطبہ کی طرف بڑھے اور شہر کے قریب دریا کو عبور کر کے فصیل تک پہنچ گئے، اتفاق سے بارش ہو گئی تھی، موسم سرد تھا شہر پناہ کے محافظ کونوں میں بے خبر پڑے سو رہے تھے، مغیث نے گھوم پھر کر شہر پناہ کو دیکھا، کہیں سے کوئی راستہ نہ ملا، ایک مقام پر ایک روزن نظر آیا، اس کے پاس ہی ایک اونچا درخت تھا، چند مسلمان پگڑیوں کی کمند بنا کر درخت کے سہارے شہر پناہ کے اوپر پہنچ گئے، اور نیچے اتر کر محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دیئے باہر فوج منتظر کھڑی تھی وہ ریلا کر کے اندر داخل ہو گئی اور مسلمان سیدھے قصر حکومت کی طرف بڑھے۔

حاکم شہر کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی، اس لیے اس نے محل چھوڑ کر شہر کے مغربی کے ایک کیسہ میں پناہ لی، یہ کیسہ خود ایک سنگین قلعہ تھا، مغیث نے قصر حکومت پر

قبضہ کرنے کے بعد کیسہ کا محاصرہ کر لیا۔ تین مہینے تک کامل محاصرہ قائم رہا، لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی، مغیث نے وہ نہر جس کے ذریعہ سے قلعہ میں پانی جاتا تھا، بند کر دی، اس سے محصورین بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے، پھر بھی سپر ڈالنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے، لیکن حاکم شہر حالت کا اندازہ کر کے ایک شب کو تنہا نکل گیا، مغیث کو اس کی اطلاع ہو گئی، اس نے تعاقب کیا، حاکم نے گھوڑا سرپٹ ڈال دیا مگر ایک نالہ پھاندنے میں گھوڑا گر کر زخمی ہو گیا، مغیث نے پہنچ کر گرفتار کر لیا۔

اس کو گرفتار کرنے کے بعد مغیث نے اہل قلعہ کو مجبور کر کے سپر ڈلوا دی اور قرطبہ پر مکمل قبضہ ہو گیا، قرطبہ کے صوبہ میں یہودیوں کی بڑی آبادی تھی، یہ سب عیسائیوں کے ساتھ دلی عناد رکھتے تھے مغیث نے ان کی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لیے یہودیوں کو جمع کر کے شہر قرطبہ میں بسایا۔

تدمیر کی صلح دوسرا اہم صوبہ تدمیر (مرسیہ) تھا، جو اپنے صوبہ دار تھیوڈومیر کی نسبت سے تدمیر کہلاتا تھا، تھیوڈومیر اندلس کے صوبہ داروں میں سب میں ممتاز نامور اور بہادر تھا اس کا مرکز حکومت اوریولہ بڑا مستحکم اور سنگین شہر تھا، اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ استجہ کے معرکہ کے بعد طارق نے ہر صوبہ میں الگ الگ فوجیں بھیجی تھیں، چنانچہ اسلامی فوج جب تدمیر پہنچی تو تھیوڈومیر نے بڑی شجاعت سے اس کا مقابلہ کیا، لیکن مسلمانوں کی جانبازی کے مقابلہ میں اس کی شجاعت کام نہ آ سکی اور اس نے نہایت فاش شکست کھائی، اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور وہ بقیتہ السلیف مختصر جماعت کو لے کر اوریولہ کے قلعہ میں چلا آیا اور مسلمانوں سے اپنی کمزوری چھپانے کے لیے عورتوں کو فوجی لباس پہنا کر اسلحہ سے آراستہ کر کے قلعہ کی فصیل پر کھڑا کر دیا، دور سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے مسلمان دھوکہ میں آ کر صلح کے لیے تیار ہو گئے۔

تھیوڈومیر یہی چاہتا تھا، چنانچہ وہ خود قاصد کے لباس میں گفتگو کے لیے آیا اور صلح ہو جانے کے بعد اپنے کو ظاہر کیا اور صلح کے مطابق مسلمانوں کو شہر میں لے گیا یہاں ان کو عورتوں اور لڑکوں کے علاوہ کوئی مضافاتی آبادی نظر نہ آئی، اس وقت مسلمانوں کو صلح پر بڑی پشیمانی ہوئی لیکن اب صلح ہو چکی تھی، اس لیے مجبور تھے۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۱۲ و ۱۳ و نفح الطیب ج ۱ ص ۱۴۳)

پایہ تخت طلیطلہ پر قبضہ اوپر گذر چکا ہے کہ طلیطلہ پر خود طارق نے فوج کشی کی تھی۔ طلیطلہ گاتھ فرمانرواؤں کا پایہ تخت تھا' یہاں ان کا خزانہ' ان کی دولت اور ان کے عجائب روزگار نوادر کے ذخیرے تھے' اس لیے مسلمانوں کا رخ دیکھ کر جہاں تک اہل طلیطلہ سے ہو سکا یہاں کی دولت اور ذخیرے دوسرے مقاموں پر منتقل کر دیئے' اور مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی شہر چھوڑ کر جبل شارات کی پشت پر دوسرے شہر میں چلے گئے اور طارق جس وقت پہنچا شہر بالکل خالی ہو چکا تھا اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی اور بغیر کشت و خون کے طلیطلہ پر قبضہ ہو گیا' طارق نے حسب معمول یہاں بھی یہودیوں کو لا کر بسایا اور مسلمانوں کی بھی ایک چوکی قائم کر دی۔ (اخبار افتتاح اندلس ص ۲۰ و نفح الطیب ج ۱ ص ۱۲۴)

گاتھ فرمانرواؤں میں یہ دستور تھا کہ جو بادشاہ مرتا تھا۔ اس کے تاج پر بادشاہ کا نام' عمر' سنہ جلوس اور مدت حکومت لکھ کر محفوظ کر دیا جاتا تھا' مسلمانوں کے طلیطلہ میں داخلہ کے وقت اس قسم کے چوبیس تاج بیت الملوک میں محفوظ تھے' یہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۶۱) ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ اندلس آنے کے بعد خود موسیٰ بن نصیر نے طلیطلہ کو فتح کیا' لیکن اور سب مورخین اس کے خلاف ہیں۔

مدینۃ المائدہ طلیطلہ کی حفاظت کا انتظام کرنے کے بعد طارق اہل طلیطلہ کی تلاش میں روانہ ہوا اور وادی الحجارہ کو طے کر کے جبل الشارات کے اس پار مدینۃ المائدہ پہنچا۔(۱)

۱۔ عربی کتابوں میں مدینۃ المائدہ کا نام ہے لیکن اندلس کے پرانے اور نئے جغرافیہ میں کہیں اس نام کے شہر اور اس کے محل وقوع کا پتہ نہیں چلتا اس لیے ایک خیال یہ ہے کہ اس نام کا کوئی شہر ہی نہ تھا' بلکہ یہ میز طلیطلہ کے گرجے میں تھا۔ یہاں کے باشندوں نے دوسرے قیمتی ذخائر کے ساتھ اسے بھی دوسرے مقام پر منتقل کر دینا چاہا مگر وہ راستہ ہی میں تھے کہ مسلمانوں نے چھین لیا اور اس مقام کا نام مدینۃ المائدہ یعنی میز کا شہر رکھ دیا۔ مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی نے مختلف بیانوں کی روشنی میں مدینۃ المائدہ کے دو محل وقوع متعین کرنے کی کوشش کی ہے ایک طلیطلہ سے سوا سو میل کی مسافت پر وادی الحجارہ کے آگے' جبل شارات کے اس پار دوسرے جبل شارات کے اس طرف قلعہ النہر کے قریب طلیطلہ سے پچپن (۵۵) میل کے فاصلہ پر جغرافیہ اندلس مرتبہ مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی ص ۲۶۵۔

یہاں اس کو ایک میز جو (۱) حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب تھا، ملا، یہ میز خالص سونے کا اتنا بڑا تھا کہ ۳۶۵ پائے تھے، اور زبرجد، یاقوت وغیرہ بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھا۔

موسیٰ بن نصیر کا ورود اندلس اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وادی لکہ کے معرکہ سے پہلے طارق نے موسیٰ بن نصیر کو اسپینیوں کی یورش کی اطلاع دے کر امداد طلب کی تھی، اس کی اطلاع کے الفاظ یہ تھے "کہ اسپینی ہر طرف سے امنڈ آئے ہیں اور مجھ میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے"۔ اس اطلاع پر موسیٰ نے فوراً پانچ ہزار فوج بھیج دی تھی، لیکن معرکہ کی اہمیت کے خیال سے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ میں عنقریب پہنچتا ہوں، میرے بغیر آئے ہوئے آگے بڑھنے کا قصد نہ کرنا (کتاب الامامہ والسیاسہ ج ۲ ص ۶۰) لیکن حالات ایسے ہو گئے تھے کہ طارق اس حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔

اس تحریر کے تھوڑے ہی دنوں بعد موسیٰ روانہ ہو گیا تھا، اور طلیطلہ کی فتح کے بعد رمضان ۹۳ھ میں وہ اندلس پہنچا، یہاں کاؤنٹ جولین کے آدمی راہنمائی کے لیے موجود تھے، موسیٰ اپنے کارنامے دکھانے کے لیے نیا میدان چاہتا تھا اس لیے رہنماؤں کے مشورے سے طارق کے مفتوحہ علاقہ کو چھوڑ کر صوبہ شذونہ کو عبور کرتا ہوا قرمونہ کی طرف بڑھا۔ (نفح الطیب ج ۱ ص ۱۳۶)

۱۔ اس میز کی تاریخ کے بارے میں دو بیانات ہیں ایک یہ کہ اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اندلس کے قدیم حکمرانوں کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ صاحب ثروت مرتا تھا وہ اپنے متروکہ میں کنیسہ کے لیے بھی وصیت کر جاتا تھا اس سے جو دولت جمع ہوتی تھی اس سے کنیسہ کے لیے سونا چاندی کی کرسیاں میز اور اس قسم کی دوسری چیزیں بنوائی جاتی تھیں۔ اور مذہبی مراسم کے موقعوں پر ان پر انجیل مقدس رکھی جاتی تھی اور مذہبی تہواروں میں قربان گاہ کی آرائش کے کام میں آتی تھی یہ میز اس قسم کے مال سے طلیطلہ کے گرجے کی قربان گاہ کے لیے بنایا گیا تھا (نفح الطیب ج اول ص ۱۲۷، ۱۲۸ یہودیوں میں اس میز کے متعلق یہ روایت تھی کہ وہ بیت المقدس میں حضرت سلیمان کے معبد میں تھا اور رومانے جب بیت المقدس کو لوٹا اس وقت یہ میز بیت المقدس سے یورپ آیا پھر کسی طرح عیسائیوں کے ہاتھ میں آکر اندلس پہنچا۔

قرمونہ پر قبضہ یہ استحکام اور مضبوطی کے لحاظ سے اندلس بھر میں ممتاز شہر تھا اور اس کا فتح کرنا بہت دشوار تھا کاؤنٹ جولین کے راہنماؤں نے یہ تدبیر کی کہ انہوں نے قرمونہ جا کر اپنے کو شکست خوردہ اجنبی ظاہر کیا' اہل قرمونہ نے انہیں پناہ دی' انہوں نے رات کو شہرپناہ کے پھاٹک کھول دیئے' موسیٰ بن نصیر منتظر ہی تھا وہ پھاٹک کھلتے ہی مع فوج کے شہر میں داخل ہو گیا' اور بغیر کشت و خون کے قرمونہ پر قبضہ ہو گیا۔ (نفح الطیب ج ۱ ص ۳۶)

اشبیلیہ کی فتح قرمونہ کی فتح کے بعد صوبہ اشبیلیہ کا رخ کیا' اس کا دارالسلطنت اشبیلیہ بڑا قدیم اور تاریخی شہر تھا' گاتھ خاندان سے پہلے مدتوں دارالسلطنت رہ چکا تھا' اور یہاں بہت سے آثار قدیمہ اور پرانی شاندار عمارتیں تھیں' اسپین کے مذہبی پیشوا اور علماء یہیں رہتے تھے' اس لیے اسے مذہبی مرکزیت بھی حاصل تھی' موسیٰ نے ایک مہینہ محاصرہ کے بعد اسے فتح کیا۔

ماردہ کا معرکہ اور اس کی تسخیر اشبیلیہ سے صوبہ بطلیوس پہنچے اور اس کے تاریخی شہر ماردہ کا محاصرہ کیا یہ اپنی قدامت اور عظمت و شان کے لحاظ سے اندلس کا سب سے ممتاز شہر تھا اور یہ بھی ایک زمانہ میں اندلس کا پایہ تخت رہ چکا تھا اس لیے یہاں بھی بکثرت قدیم آثار محلات اور بڑے کنیسے اور پل تھے شہر کے گرد نہایت سنگین شہرپناہ تھی۔

اہل ماردہ بڑے بہادر اور جنگ آزما تھے' انہوں نے شہر سے نکل کر بڑی شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا' کئی خون ریز معرکے ہوئے' جن میں مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچا اور ماردہ والوں نے انہیں آگے نہ بڑھنے دیا' یہ لوگ روزانہ شہر سے نکل کر لڑتے تھے' شام کو واپس چلے جاتے تھے' ایک شب کو مسلمانوں نے تھوڑی سی فوج کمین گاہوں میں چھپا دی' صبح کو جیسے ہی اہل ماردہ نکلے اور مقابلہ شروع ہوا' دفعتہ" کمین گاہوں کی فوج نکل کر ٹوٹ پڑی' اہل ماردہ اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی اور وہ پسپا ہو کر شہر میں داخل ہو گئے' اس کے بعد وہ باہر نہ نکلے اور قلعہ بند ہو کر لڑنا شروع کیا۔ اہل ماردہ قلعہ کے اندر تھے' اس لیے مسلمانوں کا زور نہ چلتا تھا' آخر میں موسیٰ نے دبابہ بنوایا اور اس کی آڑ لے کر فصیل تک پہنچ گئے' اور ایک برج کے نیچے دیوار توڑنا شروع کی' لیکن وہ

اتنی سنگین تھی کہ سارے قلعہ شکن آلات بے کار ہو گئے‘ اسی دوران میں اہل ماردہ نے دفعتہ ً حملہ کر دیا مسلمان بالکل غافل تھے‘ اس لیے وہ پورا جواب نہ دے سکے اور ان کی بڑی تعداد کام آئی اس واقعہ کی یادگار میں اس برج کا نام ہی برج شہدا پڑ گیا۔

اس معرکہ میں مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچا‘ مگر ان کی ہمت پست نہ ہوئی اور موسیٰ نے اہل ماردہ کو صلح کا پیغام دیا‘ وہ بھی مدافعت کرتے کرتے تھک چکے تھے اسے غنیمت سمجھ کر قبول کر لیا‘ اور مصالحت کے بعد شہر کے پھاٹک کھول دیئے‘ اور شوال ۹۴ھ میں موسیٰ مصالحانہ ماردہ میں داخل ہو گیا‘ اس مصالحت کی رو سے شہر کے باہر کے معرکہ میں جس قدر اہل ماردہ مارے گئے یا جو جلیقیہ بھاگ گئے تھے ان سب کا مال اور شہر کے کیسوں کی کل دولت اور زیورات مسلمانوں کو ملے۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۱۶ تا ۱۸ و نفح الطیب ج ۱ ص ۱۲۶‘ ۱۲۷)

اشبیلیہ کی بغاوت ماردہ کی مہم میں مشغولیت کے زمانہ میں اہل شبیلیہ باغی ہو گئے اور باجہ اور بلہ کے باشندوں کے ساتھ مل کر اسی (۸۰) مسلمان شہید کر ڈالے‘ باغی بھاگ کر ماردہ پہنچے‘ موسیٰ نے فوراً اپنے لڑکے عبدالعزیز کو اشبیلیہ روانہ کیا‘ اس نے اشبیلیہ پر دوبارہ قبضہ کر کے باغیوں کو قتل کیا‘ اشبیلیہ کے بعد بلہ فتح کیا‘ اس سے اندلسیوں پر بڑی دھاک بیٹھ گئی۔

طارق اور موسیٰ کی ملاقات اور شمالی اندلس کی فتوحات ماردہ فتح کرنے کے بعد موسیٰ طلیطلہ روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف سے طارق آ رہا تھا‘ اس نے آگے بڑھ کر کورہ طلبیرہ میں موسیٰ کا استقبال کیا‘ موسیٰ طارق کی حکم عدولی پر اس سے برہم تھا‘ (اوپر گذر چکا ہے کہ وادی لکہ کے معرکہ کے بعد طارق نے موسیٰ سے مدد طلب کی تھی اس نے پانچ ہزار فوج بھیج کر لکھ دیا تھا کہ میرے آئے بغیر آگے نہ بڑھنا لیکن حالات ایسے تھے کہ طارق اس حکم کی تعمیل نہ کر سکا تھا۔) لیکن پھر معمولی تنبیہہ پر راضی ہو گیا‘ اصلح مع طارق واظہر الرضاعنہ‘ (نفح الطیب ج ۱ ص ۱۳۸ و کتاب الامامتہ والسیاستہ ج ۲ ص ۷) اور اس کے ساتھ طلیطلہ جا کر مال غنیمت کا جائزہ لیا‘ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق طلیطلہ کی فتح میں اتنا سونا چاندی اور مختلف قسم کا دوسرا سازو سامان ملا تھا کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی میں شاہان گاتھ کے تاج بھی تھے۔ (نفح الطیب ج ۱ ص ۱۳۸ و کتاب الامامتہ والسیاستہ ج ۲ ص ۷) طلیطلہ پہنچنے کے بعد موسیٰ نے اندلس

کے باقی حصوں پر فوج کشی کے انتظامات کیے اور طارق کو مقدمۃ الجیش کے طور پر شمالی اسپین کی سمت آگے روانہ کردیا اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلا۔

تاریخوں میں موسیٰ کے طلیطلہ پہنچنے تک کے واقعات سلسلہ وار ہیں لیکن اس کے بعد تفصیل و ترتیب نہیں قائم رہتی، بہرحال دونوں سپہ سالار طلیطلہ سے آگے پیچھے روانہ ہوئے اور طلیطلہ سے سرقوسہ تک کا علاقہ فتح کرڈالا۔

مقری کا بیان ہے کہ اندلسیوں پر مسلمانوں کی اتنی ہیبت چھائی ہوئی تھی کہ ان کو کوئی روکنے والا نہ تھا، طارق جدھر رخ کرتا تھا، فتح و کامرانی ہمرکاب چلتی تھی، اندلسی خود پیش قدمی کرکے ــــ مصالحت کرتے تھے، وہ آگے آگے فتح کرتا جاتا تھا اور موسیٰ پیچھے پیچھے صلح ناموں اور معاہدوں کی تصدیق کرتا جاتا تھا۔ (نفح الطیب ج ۱ ص ۱۳۸)

شمال مشرقی اندلس کی فتح سرقوسہ فتح کرنے کے بعد مسلمان شمالی اندلس میں پھیل گئے، اور بحر متوسط کے ساحل پر برشلونہ فتح کرتے ہوئے فرانس کی سرحد دریائے روڈنہ تک پہنچ گئے، اور اربونہ (NARBONNE) حصن ابنیون (اوی نون) اور حصن لوڈون (LYONS) فتح کیے۔

اہل فرانس سے مقابلہ اسپین کے انجام نے اہل فرانس کو چونکادیا تھا، اس لیے حدود فرانس[1] میں مسلمانوں کی پیش قدمی سے ان میں بڑی بے چینی پھیل گئی اور بادشاہ قارلہ[2] ایک لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں کو روکنے کے لیے بڑھا، مسلمان اس وقت حصن لوڈون تک پہنچ چکے تھے لیکن ان کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی،

۱۔ عربی تاریخوں میں ارض الکبیر اور افرنجہ کا لفظ ہے جس سے مراد جبل البرانس کے اس پار کے تمام یورپین ممالک ہیں لیکن اس موقع پر اس سے مراد اندلس سے ملا ہوا فرانس کا علاقہ ہے۔

۲۔ یہ غالباً چارلس مائل کی تعریب ہے اس لیے کہ اس زمانہ میں یہی فرانس کے تخت پر تھا لیکن عام تاریخوں کے بیان کے مطابق چارلس اور مسلمانوں کا پہلا مقابلہ ۱۱۴ھ مطابق ۷۳۲ء میں ہوا، اس بیان سے معلوم ہوتا کہ اس سے بہت پہلے طارق ہی سے ہوا، یہ بھی ممکن ہے کہ قارلہ فرانس کی جنوبی سرحد پر چارلس مائل کا کوئی صوبہ دار یا حاکم رہا ہو بہرحال اتنا یقینی ہے کہ مسلمان فرانس کے حدود میں سب سے پہلے اسی زمانہ میں داخل ہوئے۔

اس لیے قارلہ کی فوجوں کی کثرت کا حال سن کر وہ اربونہ لوٹ گئے اور اس کے قریب ہی ایک پہاڑ پر خیمہ زن ہوئے۔

ابھی وہ اربونہ میں داخل نہ ہوئے تھے' کہ قارلہ دفعتہ" پہنچ گیا' مسلمانوں کو اس کی نقل و حرکت کی خبر نہ تھی اور انہیں اس حملہ کا خیال بھی نہ تھا' تاہم انہوں نے مقابلہ کیا لیکن پہلے سے تیار نہ تھے' اس لیے بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور کچھ لڑتے بھڑتے نکل گئے اور اربونہ میں داخل ہو کر قلعہ بند ہو گئے' قارلہ نے محاصرہ کر لیا' اربونہ بہت مضبوط شہر تھا اس لیے قارلہ کو کامیابی نہ ہوئی اور محاصرہ کے دوران میں اس کے بہت سے آدمی ضائع ہوئے' مسلمانوں کی مدد آ جانے کا بھی خطرہ تھا' اس لیے چند دنوں کے بعد محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا' اور وادی روڈنہ میں قلعہ و چھاؤنیاں قائم کر کے فوجیں متعین کر دیں کہ مسلمان فرانس کی حدود کی طرف نہ بڑھ سکیں۔

مغربی صوبوں کی فتوحات شمالی اندلس کو فتح کرنے کے بعد موسیٰ خلیج بشکنس کے کنارے کنارے شمالی مغربی صوبوں بشکنس' استورنس اور جلیقیہ کی طرف بڑھا' یہ پورا علاقہ پہاڑی تھا' اس کی تفصیل نہیں معلوم ہوتی کہ ان صوبوں میں اس نے کون کون سے مقام فتح کیے۔ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بشکنس میں بڑے خون ریز معرکے ہوئے اور ان سب میں مسلمانوں کو فتح و کامیابی ہوئی۔

(کتاب الامامتہ والسیاستہ ج ۲ ص ۶۴' ۶۵)

استورنس اور جلیقیہ کے بعض حصے بھی فتح ہوئے' ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ جلیقیہ والوں نے آگے بڑھ کر اطاعت قبول کر لی تھی' بہر حال اس فوج کشی میں پورا شمال مغربی علاقہ مطیع ہو گیا اور سب نے جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی۔

موسیٰ کی واپسی جس زمانہ میں موسیٰ شمالی اندلس میں تھا' اسی زمانہ میں واپسی کے لیے ولید کا حکم پہنچ گیا تھا' لیکن ابھی اندلس کے مغربی صوبے باقی تھے' اس لیے وہ واپس نہ ہوا اور ان صوبوں کی مہم میں مشغول ہو گیا' اسی دوران میں دوسرا حکم پہنچا' چنانچہ اس مہم سے فراغت کے بعد ۹۴ھ میں وہ اپنے لڑکے عبدالعزیز کو اندلس میں اپنا نائب بنا کر شام چلا گیا۔

مال غنیمت کی فراوانی اندلس دولت و ثروت کا خزانہ تھا' مورخین کا بیان ہے کہ

سارے ملک میں سونے چاندی کے دریا بہتے تھے' اس لیے مسلمانوں کو یہاں سے بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا' موسیٰ نے ولید کو اندلس کی فتوحات کی کثرت اور مال غنیمت کی فراوانی کی اطلاع دی تھی' کہ امیرالمومنین یہ فتوح نہیں بلکہ حشر ہے۔ (مال غنیمت کی تفصیل مقری' ابن قتیبہ اور ابن اثیر وغیرہ سب نے لکھی ہے) سونے چاندی اور جواہرات کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا' نقد کے علاوہ بہت سے عجائب روزگار نوادر ہاتھ آئے تھے' ان میں سب سے معمولی ایک فرش تھا جو سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا اور یاقوت و زبرجد اور دوسرے قیمتی جواہرات اور بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھا' دوسرے نوادر کے مقابلہ میں یہ اتنا کم حیثیت تھا کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہ تھی' موسیٰ جس وقت اندلس سے نکلا ہے اس کے ساتھ تیس ہزار لونڈی غلام' گاتھ فرمانرواؤں کے چوبیس تاج' مائدہ سلیمانی' سونے چاندی کے ظروف' جواہرات کے ذخیرے اور بے شمار عجائب و نوادر تھے۔

شاہی خاندان کے ساتھ حسن سلوک

اندلس کی فتح کے بعد مسلمانوں نے خاندان شاہی کے ساتھ بڑا شریفانہ سلوک کیا' اندلس کے مختلف صوبوں میں آخری گاتھ فرمانروا وٹیزا کی جاگیریں تھیں' جو اندلس کے انقلاب میں اس کے لڑکے المند' ارطباش اور رملہ کے ہاتھوں سے نکل گئی تھیں' انہوں نے طارق سے واگذاری کی درخواست کی' اس نے موسیٰ سے سفارش کی' موسیٰ نے سفارشی خط دے کر انہیں ولید کے پاس شام بھیج دیا' ولید نے ان کی بڑی عزت و توقیر کی' انہیں آداب شاہی سے مستثنیٰ کر دیا اور جاگیروں کی واگذاری کا حکم لکھ کر اندلس واپس کر دیا۔ اور سب کی جاگیریں ان کو واپس مل گئیں اور انہوں نے اشبیلیہ' قرطبہ اور طلیطلہ میں جہاں یہ جاگیریں تھیں قیام کیا' بعد کے خلفاء بھی اس کا لحاظ کرتے تھے' ہشام کے زمانے میں المند کی موت کے بعد اس کے بھائی ارطباش نے اپنے نابالغ بھتیجوں کی جاگیر پر قبضہ کر لیا' المند کی لڑکی سارہ دونوں بھائیوں کو لے کر شام گئی اور ہشام سے چچا کے ظلم کی فریاد کی' ہشام نے اسی وقت حنظلہ بن صفوان والی افریقہ کو حکم لکھ دیا کہ ان کے باپ کی جاگیر ارطباش کے قبضہ سے نکال کر تینوں میں ان کی میراث کے مطابق تقسیم کر دی جائے' ہشام سارہ کی شکل و صورت اور عقل و دانش سے بہت متاثر ہوا اور اس کی رضامندی سے اس کا عقد عیسیٰ بن مزاحم کے ساتھ کر دیا' اس

رشتہ سے اس خاندان کا تعلق عرب شرفاء سے قائم ہو گیا' جس سے اس کو بہت فائدہ پہنچا' اور بعد کے تمام امراء و خلفاء اس کا لحاظ کرتے رہے۔ عبدالرحمٰن الداخل خاص طور سے سارہ کی بڑی عزت کرتا تھا' اس کے لیے ہر وقت دربار میں آنے کی اجازت تھی۔

(نفح الطیب ج ۱ ص ۱۶۴' ۱۶۵)

مسلمہ بن عبدالملک اور عباس بن ولید کی فتوحات شام مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف قسطنطنیہ کی حکومت تھی خصوصاً شام کی سرحد جہاں جزیرہ کردستان' ارمنستان اور ایشیائے کوچک کی سرحدیں ملتی تھیں' دونوں کا نہایت اہم محاذ تھا' امیر معاویہؓ نے اپنے زمانے میں اس کی حفاظت کا بڑا اہتمام کیا تھا' ان کے بعد اندرونی انقلابات کی وجہ سے یہ انتظام قائم نہ رہ سکا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالملک کے زمانہ میں قیصر نے مصیصہ پر حملہ کر دیا اور عبدالملک کو روپیہ دے کر اس سے مصالحت کرنی پڑی' اس لیے ولید نے پھر یہاں مستقل مورچہ قائم کر کے اپنے بھائی مسلمہ اور لڑکے عباس کو اس کی حفاظت پر متعین کیا انہوں نے اس علاقہ کے بہت سے مقامات جو جنگی نقطہ نظر سے اہم تھے فتح کیے۔

۸۷ھ میں مسلمہ نے مصیصہ کے علاقہ میں حصن بولق' حصن اخرام اور حصن بولس فتح کیے۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۲) پھر ۸۸ھ میں مسلمہ اور عباس نے جزیرہ کے راستہ سے فوج کشی کی' طوانہ کے قریب رومیوں کا مقابلہ ہوا' پہلے معرکہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی' لیکن پھر عباس کی ہمت و استقلال نے رومیوں کو پسپا کر دیا اور وہ طوانہ میں قلعہ بند ہو گئے' عباس نے محاصرہ کر کے طوانہ فتح کر لیا۔ (یہ فتوحات ابن اثیر کے مختلف سنوں میں ہیں)

۸۹ھ میں مسلمہ نے حصن عموریہ اور نواح آذربائیجان کے بعض شہر اور عباس نے اردیحہ فتح کیے ۹۰ھ میں مسلمہ نے سوریہ کے پانچ قلعے فتح کیے اور عباس ارمنی علاقہ میں ارزن تک بڑھتے چلے گئے' اور باب کے کئی اہم مقام فتح کیے' ۹۳ھ میں عباس نے طرطوس اور ۹۴ھ میں انطاکیہ فتح کیا' یہ دونوں مقام سرحد شام کے اہم مورچے تھے' طرطوس ایشیائے کوچک کی سمت بحر روم کے ساحل پر ہے' ۹۵ھ میں مسلمہ نے ایک اور قلعہ فتح کیا۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۳۵)

بحر روم کے جزائر پر حملہ اور فتوحات بحر روم کے ساحل پر خصوصاً شمالی افریقہ

میں مسلمانوں کے اتنے مقبوضات تھے کہ بغیر بحری استحکامات کے ان کی حفاظت نہ ہو سکتی تھی، شمالی افریقہ کے بربریوں کی اکثر بغاوتوں میں بحر روم کے جزائر کے باشندوں کا بھی ہاتھ ہوتا تھا، اس لیے ولید کے زمانے میں ادھر توجہ ہوئی اور ۸۸ھ میں جزیرہ میورقہ اور منورقہ فتح ہوئے۔ (دول الاسلام ذہبی ج ا ص ۴۵)

اندلس کی فوج کشی کے سلسلہ میں ۹۲ھ میں موسیٰ بن نصیر نے ایک فوج جزیرہ سردانیہ (سارڈینا) بھیجی، یہ جزیرہ صقلیہ کے بعد بحر روم کے تمام جزائر میں نہایت سر سبز و شاداب دولت مند اور رقبہ میں نہایت وسیع تھا، اندلس جیسے وسیع ملک کا انجام دیکھنے کے بعد یہاں کے باشندوں میں مقابلہ کی ہمت نہ تھی اس لیے انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی البتہ اپنی کل دولت سمیٹ کر محفوظ کر دی، طلائی اور نقرئی سامانوں کو جمع کر کے بندرگاہ کے پایاب حصہ میں ڈبو دیا اور نقد ایک بڑے کلیسا کی دوہری چھت کے درمیان چھپا دیا، اتفاق سے ایک مسلمان اس بندرگاہ میں نہا رہا تھا، اس کے پاؤں میں کوئی چیز لگی، نکال کر دیکھا تو وہ چاندی کا برتن تھا، اس کے بعد اس نے اور تلاش کیا تو کل سامان نکل آیا، اسی طریقہ سے کلیسا کی نقد دولت کا بھی اتفاقی طور سے پتہ چل گیا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۶) یہ تمام دولت لے کر مسلمان لوٹ گئے، اسی زمانہ میں بحر روم کے سب سے بڑے جزیرہ سسلی پر حملہ ہوا۔ (الونس ص ۳۳۰)

متفرق فتوحات مذکورہ بالا اہم فتوحات کے علاوہ شمالی افریقہ وغیرہ میں بھی متفرق فتوحات ہوئیں، لیکن وہ چنداں لائق ذکر نہیں ہیں۔

ملک کی اندرونی حالت ولید کے پورے دور میں ملک میں کامل امن و امان رہا اور کسی قسم کا اندرونی خلفشار نہیں ہوا، ایک آدھ خوارج ضرور اٹھے لیکن معمولی سرزنش کے بعد خاموش ہو گئے۔

حجاج کی وفات ۹۶ھ میں حجاج بن یوسف کا انتقال ہو گیا، وہ اموی حکومت کا قوت بازو تھا، اس کے دوبارہ قیام و استحکام میں حجاج کی کوششوں کو بڑا دخل ہے اسی نے تمام مخالف قوتوں کا خاتمہ اور عراق کو جو بنی امیہ کی مخالفت میں سب سے آگے تھا، قابو میں کیا۔۔۔ گو وہ بڑا ظالم اور سخت گیر تھا، اس نے ہزاروں بے گناہ تلوار کے گھاٹ اتار دیئے لیکن اس

میں بعض خصوصیات بھی تھیں، بڑا فصیح و بلیغ مقرر تھا، اس کی بعض تقریریں عربی بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں، قرآن کا بہت اچھا قاری تھا، کلام اللہ پر سب سے پہلے اسی نے اعراب لگوائے۔ (فہرست ابن ندیم ص ٦ و مابعد، ابن خلکان تذکرہ حجاج بن یوسف)

سندھ کی فتح بھی اسی کی یادگار ہے گو اس کا فاتح محمد بن قاسم ہے لیکن حجاج ہی نے اسے اس مہم پر مامور کیا تھا، اور آخر وقت تک برابر ہر قسم کی مدد کرتا رہا، اس لیے سندھ کی فتح در حقیقت اسی کی توجہ کا نتیجہ ہے۔

ولید کی وفات جمادی الاخر ۹۶ھ میں ولید کا انتقال ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور باب صغیر کے باہر دفن کیا گیا۔ انتقال کے وقت باختلاف روایت ۴۲ سے ۴۶ سال تک عمر تھی، مدت خلافت نو سال چند مہینے۔

اولاد وفات کے بعد اس نے انیس اولاد زینہ چھوڑیں، بعض کے نام یہ ہیں، سلیمان، محمد عباس، عمر، بشر، روح، خالد، تمام، مبشر، حرب، یزید، عبدالرحمٰن، ابراہیم، یحییٰ، ابوعبیدہ، مسرور اور صدقہ۔

ولیدی عہد پر تبصرہ

ولید کا دور فتوحات کی کثرت' دولت کی فراوانی' امن و رفاہیت کی ارزانی اور دوسری ملکی اور تمدنی ترقیوں کے لحاظ سے بنی امیہ کا عہد زریں ہے۔

فتوحات پر تبصرہ لیکن کسی ملک کا فتح کر لینا نہ انسانیت کی کوئی خدمت ہے' نہ تمدن کی بلکہ آج کل کے نقطہ نظر سے اس کو سلب آزادی سے تعبیر کیا جائے گا۔

ولیدی دور کی فتوحات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں جو ملک فتح ہوئے ان کی کایا پلٹ گئی اور وہ دفعتہ "پستی کی حالت سے ابھر کر بلند سطح پر آگئے' اس کے عہد کا سب سے بڑا کارنامہ اندلس کی فتح ہے --- ایک یورپین مورخ کی زبان سے مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے اندلس کی پستی اور تاریکی کا یہ حال تھا۔

اسپین کی عام حالت اواخر صدی ہفتم اور اوائل صدی ہشتم کی تاریخ اسپین غیر معمولی طور پر ظلمات کے دھندلکے میں پھنسی ہوئی ہے' یہ وہ زمانہ تھا کہ اس میں سیاسی اور تمدنی مصائب ملک بھر پر پڑے ہوئے تھے۔ (اخبار الاندلس ایس پی' اسکاٹ ج ۱ ص ۲۰۳ ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب)

حکومت کی حالت آٹھویں صدی کے شروع میں سلطنت وزیگاتھ بظاہر زوروں پر تھی اور نہایت مرفہ الحال مگر اس کی اصلی اور واقعی کمزوری اہالی کلیسا کی شان اور دربار شاہی کے تکلفات اور رعب میں چھپی ہوئی تھی جنھوں نے اس سلطنت کے مصائب اور زیادتیوں پر بے بود سا نقاب ڈال رکھا تھا۔

خواہشات نفسانی کے غلام بادشاہان وزی گاتھ میں سے اپنے اجداد کی خوبیاں بالکل ختم ہو چکی تھی' ریکارڈ اور ویمیا کے جانشین ایسے کمزور مگر ظالم تھے' کہ ان پر لفظ بادشاہ کا اطلاق متنازعہ فیہ امر ہے' ان کی نفسیات نے نہ رسوم مہماں نوازی کو قائم رکھا نہ حقوق دوستی کو ملحوظ' نہ اپنے رتبہ کو برقرار رکھ سکے نہ اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں سن و سال کی پرواہ کی۔ (اخبار الاندلس ایس پی' اسکاٹ ج ۱ ص ۲۰۶ ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب)

دربار شاہی میں تعیش کا دور تمام دربار شاہی ایک ہی حمام میں تھے عیش و نشاط و شہوت رانی کا زور تھا‘ کلیسا کی نہایت مقدس روایات کی خلاف ورزی تو ہوتی تھی‘ غضب تو یہ ہے کہ تعداد ازواج اور کنیزوں کا رکھنا بھی جائز قرار دے دیا تھا‘ دیندار لوگ ان عیش کے بندوں کی زیادتیوں سے تنگ آ گئے تھے‘ نہ ان خراباتیوں سے گرجاؤں کی قربان گاہیں محفوظ تھیں‘ نہ اقبال گناہ کے منبر۔ (اخبار الاندلس ایس پی‘ اسکاٹ ج ۱ ص ۲۰۸ ترجمہ مولوی خلیل الرحمن صاحب)

مذہبی پیشواؤں کی حالت بادشاہ کو منہمک منہیات دیکھ کر چھوٹے بڑے تمام پادری انہی خرابیوں میں پڑے ہوئے تھے‘ اسقف کے محل میں ہر روز فساد و عناد کے تماشے نظر آتے تھے‘ اور ہر رات کو شور شغب کی آوازیں وہاں سے بلند ہوتی تھیں‘ عوام الناس پہلے ہی کہاں کے معصوم تھے‘ اس کیفیت کو دیکھ کر اور بھی خراب ہوتے چلے جاتے تھے‘ پادریوں اور مقتدایان مذہبی کے گھروں کی شرابیں ضرب المثل تھیں‘ ان کے مکان نہ تھے‘ پری خانے تھے‘ اگر حسن و جمال کہیں ملتا تو یہیں‘ پادریوں کا اصلی فرض تھا تو یہ کہ وہ اپنے آپ کو ایک رحم مجسم ہستی کے نائب ہو کر فیاضی اور ایثار نفسی دکھائیں‘ مگر وہ اتنے گرے ہوئے تھے کہ سازش کنندہ اور معاملات سیاست میں دخل دینے والا فرقہ بن گئے تھے‘ امراء و اراکین سلطنت مردہ بدست زندہ بن کر اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا‘ اور تمام نظم و نسق سلطنت ان کے سپرد کر دیا تھا‘ اور خود بطریق مداہنت عابدوں کا نمونہ بن گئے تھے اگر ان کی خانگی زندگی کو دیکھا جاتا تو کیا پادری اور کیا امراء عیوب اور گناہوں کے ڈھیر تھے۔ (اخبار الاندلس ایس پی‘ اسکاٹ ج ۱ ص ۱۹۸ ترجمہ مولوی خلیل الرحمن صاحب)

کسانوں‘ مزدوروں‘ غلاموں اور رعایا کے دوسرے طبقوں کی حالت

مزارعین کی حالت بالکل چوب مسجد کی تھی‘ وہ تمام عمر بلکہ اولاد در اولاد ایک ہی جاگیردار کے ہو رہتے تھے اور کہیں اور نہ منتقل ہو سکتے تھے‘ ان کی حالت بالکل غلاموں کی سی ہوتی تھی‘ گو ازروئے قانون گاتھ ان کو ان بدقسمتوں سے بہتر ہونا چاہیے تھا‘ جو بازاروں میں عام جانوروں کی طرح فروخت ہو سکتے تھے‘ آخر زمانہ گاتھ میں جو قانون وضع ہوئے تھے ان کے موافق غلاموں کی حالت اس سے بھی بدتر ہو گئی تھی‘ جو رومیوں کے زمانہ میں

تھی' آخر کے گاتھ بادشاہوں نے کچھ نرمی کر دی' اس سے لوگوں کی حالت اور بھی نازک ہوتی چلی جاتی تھی' شادی بیاہ کے متعلق قیود تھیں اہل و عیال کو الگ رکھنا پڑتا تھا' چھوٹے چھوٹے جرائم پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں' ان اسباب سے ان کی ذلتیں اور بڑھتی جاتی تھیں۔ (اخبار الاندلس ایس پی' اسکاٹ ج ۱ ص ۱۹۹ ترجمہ مولوی خلیل الرحمن صاحب)

پادریوں کی جاگیروں پر ہزاروں غلام تعینات تھے' نہ صرف اس لیے کہ زراعت کریں بلکہ اس واسطے کہ بہترین اشیاء پیدا کریں جو اس زمانہ میں مل سکتی تھیں اور وہی ان جاگیروں کے تکلفات کو بڑھا سکتی تھیں' ان بد قسمت مزدوروں کی مشقت روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی اور آزادی کی امیدیں' جس کا وہ نسلوں سے انتظار کرتے چلے آتے تھے' گھٹتی چلی جاتی تھیں بلکہ اب تو بالکل ہی نہ رہ گئی تھیں اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ جو ناقابل برداشت بوجھ ڈالا جا چکا ہے وہ قیامت تک ہلکا ہونے والا نہیں۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۰۱)

غلاموں کا ایک جم غفیر تھا کہ باوجود اپنے آقاؤں کے چابکوں کے ابھی تک زمانہ آزادی کی روایت کو نہیں بھولے اور ایک ذرہ سی تحریک پر بلوہ کرنے کو تیار تھے' اور اس دن کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے' کہ جس دن ان کو آزادی کامل ہو جائے۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۱۳)

یہودیوں کی حالت مزارعین اور غلاموں کے علاوہ ایک اور فرقہ تھا' جس کی تعداد دونوں سے کم تھی' لیکن از روئے اصل و نسل و از روئے قانون وہ دوامی غلام تھے اتنی بات ان میں زیادہ تھی کہ وہ دونوں سے زیادہ عقیل و فہیم اور ہوشیاری و چالاکی میں دونوں سے بڑھے ہوئے تھے' یہ فرقہ یہودیوں کا تھا' سترھویں دینی کونسل کے ایک حکم ناطق کے موافق ان کی تمام جائیدادیں ضبط کر لی گئی تھیں اور ان کو با مشقت غلامی کی سزا دی گئی تھی' (اخبار الاندلس ۲۱۰) یہودی تھے کہ دونوں فریق (امراء و مذہبی پیشوا) کے ہاتھ سے تنگ تھے' کونسی سختی و تشدد تھا' کہ ان پر کیا نہ جاتا ہو' وہ ہر وقت پریشانی بلکہ مصیبت میں گرفتار رہتے تھے۔ (اخبار الاندلس ص ۲۲۲)

مسلمانوں کے داخلے کے قبل اندلس کا یہ نقشہ تھا' ان کے داخلہ کے بعد دفعتہً حالت بدل گئی۔ چنانچہ یہی مورخ لکھتا ہے۔

''فاتحین (مسلمانوں) نے پرانے زمانے کے قوانین کا احترام قائم رکھا' صرف فرق اتنا

ہوا کہ اس کے دستور العمل اپنے قوانین کے تابع کر دیئے' مفتوحین پر وہی قانون قابل نفاذ تھا' مگر اسی حد تک کہ شرع اسلام کے خلاف نہ پڑے' اپنے عدل و انصاف مسامحت و مراسم خسروانہ سے اس نئی سلطنت نے بہت ہی جلد دلوں میں گھر کر لیا' یہودی مرفہ الحال ہو گئے' عیسائی اپنے تعصبات مذہبی بھول گئے' غلاموں نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس سے ان کا داغ غلامی ہمیشہ کے لیے مٹ گیا اور وہ بادشاہوں کے مساوی ہو گئے۔ (اخبار الاندلس ص ۲۸۵) زمیوں کی حفاظت کا جو وعدہ کیا گیا تھا' اس کا ایفاء کیا گیا' ذات' جائیداد اور مذہبی آزادی کا جو عہد کیا گیا تھا' وہ بہرحال پورا کیا' عوام الناس تو اس سے بہت ہی خوش ہوئے اگر ناراض تھے تو وہ مذہبی دیوانے جنہوں نے ایسے فیاض اور سخاوت شعار دشمنوں کو گالیاں دیں' حالانکہ ان کی مراعات سے وہ فائدہ اٹھاتے تھے اور انہی کا نمک کھاتے تھے۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۵۷)

لیبان نے مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے اسپین کی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے۔

"عربوں کی فوج کشی کے زمانہ میں گاتھ اور اطالیہ کی اقوام کا باہمی میل جول امراء ہی میں ہوا تھا' اور عامہ خلائق غلامی کی حالت میں تھی۔" (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۵۷

اسپین میں تمدنی تفریقیں' اندرونی نااتفاقیاں' فوجی جوش کا نہ ہونا رعایا کی بے توجہی' ان کا بندہ زراعت ہونا' یہ حالت تھی گاتھوں کی سلطنت کی' جس وقت عرب ملک میں پہنچے ہیں' آپس کی نااتفاقی اور رقابت اس درجہ بڑھ گئی تھی' کہ دو بڑے امرائے اندلس یعنی کاؤنٹ جولین اور اشبیلیہ کا رئیس الاساقفہ عربوں کی فوج کشی میں معاون تھے۔ (تمدن عرب لیبان ص ۲۴۷)

عربوں کے داخلہ کے بعد یہ نقشہ ہو گیا۔

"فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد ہی عربوں نے ترقی شروع کر دی' ایک صدی کے اندر اندر غیر مزروعہ زمینیں کاشت ہونے لگیں' اجاڑ بستیاں آباد ہو گئیں' بڑی بڑی عمارتیں بن گئیں اور دوسری اقوام سے تجارتی تعلقات قائم ہو گئے' اس کے بعد ہی عربوں نے علوم و ادب کی طرف توجہ کی اور یونانی اور لاطینی کتابوں کے ترجمے کرائے اور دارالعلوم قائم کیے جو مدت تک یورپ میں علم کی روشنی پھیلاتے رہے۔ (تمدن عرب لیبان ص ۲۴۷)

مسلمانوں نے اندلس کو تہذیب و ترقی کی جس معراج کمال تک پہنچایا اس سے

تاریخیں معمور ہیں، یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ بنی امیہ ہی نے اسے فتح کیا اور انہی نے اسے کمال اوج تک پہنچایا۔ (تمدن عرب لیبان ص ۲۳۴)

اس دور کے اور مفتوحہ ممالک کی ترقی کا بھی یہی حال تھا، محمد بن قاسم نے سندھ میں جو نظام قائم کیا تھا اس کے جستہ جستہ حالات چچ نامہ وغیرہ میں ملتے ہیں لیکن ان سب کی تفصیل بہت طویل ہے۔

ہم نے اوپر لکھا ہے کہ ولید کا دور تمدنی ترقیوں کے اعتبار سے بھی بنی امیہ کا ممتاز ترین دور ہے آئندہ سطور میں اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے، اس دور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں کی جو قوت امیر معاویہؓ کے زمانہ سے آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی وہ ایک مقصد پر متحد ہو گئی، اس سے کم از کم ولید کے زمانہ میں خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا، جس سے ملک کو بڑا فائدہ پہنچا اسلامی حکومت کا رقبہ ہندوستان اور چین سے لے کر فرانس کی حد تک وسیع ہو گیا اور مفتوحہ ملکوں سے جو دولت ہاتھ آئی اس سے ملک کی تمدنی ترقی میں بڑا اضافہ ہوا۔

فوجی نظام میں وسعت و ترقی فوجی نظام میں بڑی وسعت و ترقی ہوئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک وقت میں کئی کئی محاذوں، ہندوستان، وسط ایشیاء اور یورپ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اور سب میں کامیابی ہوئی، فوج کی جزوی ضروریات کی فراہمی کا اتنا اہتمام تھا کہ سندھ کی فوج کشی میں حجاج نے سوئی دھاگہ تک ساتھ کر دیا تھا۔ خورد و نوش کے سامان کا اتنا مکمل انتظام تھا کہ روئی سرکہ میں بھگو کر خشک کر کے ساتھ دی تھی کہ ضرورت پڑنے پر پانی میں بھگو کر سرکہ تیار کر لیا جائے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۲)

جہاز سازی کے کارخانے جہاز سازی کے کارخانے امیر معاویہؓ ہی کے زمانہ سے قائم ہو گئے تھے۔ ولید کے زمانہ میں جب بحری قوت میں اضافہ ہوا تو نئے کارخانے کھولے گئے، چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے تونس میں ایک کارخانہ قائم کیا جس میں صرف اس کے زمانہ میں سو جہاز تیار ہوئے تھے۔ (کتاب الونس ص ۲۲)

رفاہ عام حکومت کے شعبوں میں ترقی کے علاوہ رفاہ عام کے اتنے کام ہوئے اور رعایا کی راحت و آسائش کے اتنے سامان مہیا کیے گئے کہ خلفائے راشدین کے زمانے کے علاوہ

اس کی نظیر نہیں ملتی، بلکہ ولید کے بعض کارنامے اس دور سے بھی بڑھ گئے۔

سڑکوں کی تعمیر تخت نشینی کے تیسرے سال یعنی ۸۸ھ میں تمام ممالک محروسہ میں سڑکیں درست کرائیں اور ان پر میل نصب کرائے۔ (طبری ص ۱۹۵ و کتاب العیون و الحدائق ص ۳)

نہروں اور کنوؤں کی تعمیر تمام راستوں پر کنویں بنوائے اور نہریں جاری کرائیں۔ (طبری ص ۱۹۵ و کتاب العیون والحدائق ص ۳)

مہمان خانے مسافروں کی سہولت کے لیے جابجا مہمان خانے قائم کیے۔

شفا خانے ولید سے پہلے اسلامی حکومت میں اور مختلف قسم کی ترقیاں ہوئی تھیں، لیکن اب تک حفظان صحت اور شفا خانوں کا کوئی انتظام نہ تھا، ولید نے سارے ممالک محروسہ میں شفا خانے قائم کیے۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۲۸)

معذوروں کی کفالت کا انتظام یہ ولید کا قابل فخر کارنامہ ہے کہ اس نے تمام ممالک محروسہ کے معذور ناکارہ اور اپاہج لوگوں کے روزینے مقرر کر کے انہیں بھیک مانگنے کی ممانعت کر دی، اندھوں کی رہنمائی اور اپاہجوں کی خدمت کے لیے آدمی مقرر کیے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴ و طبری ج ۸ ص ۱۲۷) یہ وہ کارنامہ ہے جس سے آج کل کی متمدن حکومتیں بھی عاجز ہیں۔

یتیموں کی پرورش و پرداخت یتیموں کی کفالت اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴)۔

بازار کے نرخ کی نگرانی اشیاء کے نرخ کی نگرانی بھی رعایا کی بڑی خدمت ہے، ولید خود بازاروں میں جا کر چیزوں کی قیمت دریافت کر کے ان کو کم کراتا تھا۔ (طبری ج ۸ ص ۱۲۷)

روزہ داروں کے لیے کھانا رمضان میں تمام مسجدوں میں روزہ داروں کے لیے کھانے کا انتظام کیا۔ (کتاب العیون والحدائق ص ۱۷)

علمی و تعلیمی خدمات اس دور میں مسلمانوں کی تعلیم و تعلم کا مرکز مذہب ہی تھا اور اس کی بنیاد کلام الٰہی پر تھی اس لیے ان کی تعلیم و تعلم کا دائرہ اسی حد تک محدود تھا۔

قرآن کی تعلیم کی جانب ولید کی بڑی توجہ تھی وہ ہمیشہ لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا رہتا تھا، حفظ قرآن پر عطیہ دیتا تھا اور جو لوگ اس سے غفلت کرتے تھے انہیں سزا دیتا تھا۔

(طبری ص ۱۲۷۱)

حجاج نے اہل عجم کی تعلیمی سہولت کے لیے کلام اللہ پر نقطے اور اعراب لگوائے۔ (فہرست ابن ندیم ص ۸) ولید نے یکسوئی کے ساتھ علم کی خدمات اور تعلیم و تعلم میں سہولت کے لیے علماء و فقہا کے وظائف مقرر کیے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴)

تعمیرات ولید کو تعمیرات کا بڑا ذوق و شوق تھا، اس نے بہت سی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں۔ **كان شديد التكلف العمارات والانبية والاتخاو المصانع والصياع**۔ (آداب سلطانیہ ص ۱۱۴) ولید کے ذوق تعمیر اور اس کے عہد کی تعمیرات کی وجہ سے یہ مذاق اتنا عام ہو گیا تھا کہ جب لوگ آپس میں ملتے تھے تو عمارت ہی پر گفتگو ہوتی تھی۔

(طبری ج ۸ ص ۱۲۷۳)

مسجد نبوی کی تعمیر یوں تو ولید نے بکثرت عمارتیں بنوائیں اس کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ مسجد نبوی اور جامع دمشق کی تعمیر اور اس کی تزئین و آرائش ہے ان دونوں مسجدوں کو اس نے بڑے حوصلے سے تعمیر کرایا اور ان کی تعمیر پر بے دریغ دولت صرف کی اور ان کی آرائش میں اس زمانہ کی تمام صناعیاں ختم کر دیں۔

۸۸ھ میں اس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو جو اس زمانہ میں مدینہ کے گورنر تھے لکھا کہ مسجد نبوی کی پرانی عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا جائے اور مسجد سے متصل امہات المومنین کے جو حجرے اور دوسرے مکانات ہیں انہیں خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کر لیا جائے، جو لوگ مکان بیچنے میں تامل کریں ان سے زبردستی لے کر ان کی قیمت ادا کر دی جائے اور جو قیمت نہ لے اس کی قیمت خیرات کر دی جائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس حکم کی پوری تعمیل کی، طبری کا بیان ہے کہ اس کار خیر میں کسی کو تامل نہیں ہوا، سب نے قیمت لے کر مکانات دے دیئے **فاجاب القوم الى الثمن فاعطاهم اياه** (طبری ج ۸ ص ۱۲۱۳ و خلاصۃ الوفا ص ۹) لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مکانات کے لینے میں جبر سے کام لینا پڑا۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے ارادہ کے ساتھ ہی ولید نے قیصر روم کو لکھا کہ ہم اپنے نبیؐ کی

مسجد بنوانا چاہتے ہیں تم سے جو سامان ہو سکے بھیجو' اس خط پر اس نے ایک لاکھ مثقال سونا چالیس گٹھے منبت کاری کا سامان اور بہت سے کاریگر بھیجے' اس کے علاوہ مدائن سے نقش و نگار کا سامان۔ (خلاصتہ الوفا ص ۱۳۹) تعمیر کا سامان مہیا ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ' سالم بن عبداللہ' ابو بکر بن عبدالرحمٰن' عبیداللہ بن عبداللہ' ابوبکر بن عبدالرحمٰن' عبیداللہ بن عبداللہ خارجہ' بن یزید اور عبداللہ بن عبداللہ بن عمر وغیرہ علمائے مدینہ کی موجودگی میں پرانی عمارت گرا کر ان بزرگوں کے ہاتھوں سے نئی عمارت کی داغ بیل ڈلوائی۔ (طبری ج ۸ ص ۱۲۷۳) اور بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے تعمیر کا کام شروع کرایا ایک ایک جھاڑ کے نقش پر کاری گر کو مزدوری کے علاوہ ۳۰ درہم انعام دیتے تھے۔ (خلاصتہ الوفا ص ۱۳۹) صرف قبلہ رخ کی دیوار اور اس کی طلائی کے کام پر پینتالیس ہزار اشرفی صرف آیا تھا۔ (خلاصتہ الوفاء ص ۱۳۹ و ۱۴۰) اس سے پوری عمارت کے مصارف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پوری عمارت پتھر کی تھی' تمام در و دیوار اور چھت پر طلائی کا کام اور اعلیٰ درجہ کی مینا کاری تھی' مسجد سے متعلق ایک فوارہ بھی تعمیر کیا گیا تھا' تین سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی ۹۱ھ میں ولید خود اس کے ملاحظہ کے لیے مدینہ گیا اور عمارت دیکھ کر خوشنودی ظاہر کی' فوارہ بہت پسند کیا اس کی نگرانی کے لیے خدام مقرر کیے اور اہل مسجد کو اس کا پانی استعمال کرنے کا حکم دیا۔ (ابن اثیر ج ۱ ص ۲۰۴) اور اس تعمیر کی خوشی میں اہل مدینہ میں نقد روپیہ اور طلائی و نقرئی ظروف تقسیم کیے۔ (کتاب العیون والحدائق ص ۱۱)

جامع دمشق کی تعمیر دوسری اہم تعمیر جامع اموی یا جامع دمشق ہے اس کی تعمیر نہ صرف ولید کا بلکہ اس دور کا عظیم الشان تعمیری کارنامہ ہے' اس کی تعمیر میں بے دریغ دولت صرف ہوئی' مورخین کا بیان ہے کہ ملک شام کا پورا سات برس کا خراج صرف ہوا تھا۔ (احسن التقاسیم بشاری ص ۱۵۸) نقد کے حساب سے چھپن لاکھ اشرفی اس کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ (مسالک الابصار ج ۱ ص ۱۸۸)

اس کی تعمیر کے لیے ہندوستان فارس' مغرب اور روم وغیرہ مختلف ملکوں سے کاری گر اور تعمیر کا سامان منگایا گیا تھا' صرف جزیرہ قبرص سے اٹھارہ جہازوں پر سونا اور چاندی آیا تھا' قیصر روم نے علیحدہ منبت کاری کا سامان بھیجا تھا۔ (احسن التقاسیم ص ۱۵۸)

سنگ مرمر اور سنگ سماق وغیرہ جن جن مقاموں کا مشہور تھا' وہاں سے منگایا تھا' یہ سامان اتنا قیمتی تھا کہ پتھر کے بعض ستونوں کی قیمت کئی کئی سو اشرفی تھی۔

(مسالک الابصار ج ۱ ص ۱۸۸)

بارہ ہزار مزدور کام کرتے تھے' اور پورے آٹھ یا نو سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی۔ (مسالک الابصار ج ۱ ص ۱۸۸ و کتاب البلدان ص ۱۰۷) یہ اتنی وسیع تھی کہ بیک وقت بیس ہزار آدمی سما سکتے تھے۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی تھی جس میں مختلف رنگ کے پتھروں سے بوقلمونی پیدا کی گئی تھی' در و دیوار پر طلائی اور لاجوردی کام اور مختلف رنگوں کی منبت کاری تھی' نقش و نگار اور طغرے صنعتی نزاکت و نفاست کا بہترین نمونہ تھے محرابوں میں تناسب کے ساتھ بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے' چھت منقش ساج کی تھی' اوپر سے سیسہ کی چادر چڑھی ہوئی تھی۔ (مسالک الابصار ج ۱ ص ۱۸۶)

خارجی تزئین و آرائش کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صرف چھ سو قندیلیں' سونے کی زنجیروں میں آویزاں تھیں۔ (کتاب البلدان ص ۱۰۸)

غرض یہ عمارت عظمت و شان اور آرائش و زیبائش ہر لحاظ سے اس دور کے عجائبات میں تھی اور دنیا کی بڑی عمارتوں میں اس کا پانچواں نمبر شمار کیا جاتا تھا۔

(کتاب العیون والحدائق ص ۷ کتاب البلدان ص ۱۰۷)

دور دور سے لوگ اسے دیکھنے کے لیے آتے تھے اور متحیر ہوتے تھے' یہ مسجد سر سے پاؤں تک سونے چاندی اور جواہرات سے لپی ہوئی تھی' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانہ میں اسے صرف بے جا سمجھ کر کل بیش قیمت سامان نکلوا کر بیت المال میں داخل کرنے کا ارادہ کیا' اتفاق سے اسی زمانہ میں روم کے قاصد آئے ہوئے تھے' انہوں نے جامع دمشق کو دیکھ کر کہا کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا عروج چند روزہ ہے لیکن اس عمارت کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مسلمان ایک زندہ رہنے والی قوم ہے یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا' (دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۸) مورخین اور جغرافیہ نویسوں نے اس مسجد کے عجائب و نوادر کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔

دوسری مسجدیں ان دونوں مسجدوں کے علاوہ ولید نے مکہ مدینہ اور بیت المقدس وغیرہ مقدس مقامات کی پرانی مسجدوں کی توسیع کرائی اور نئی مسجدیں تعمیر کرائیں۔ (کتاب

العیون والحدائق ص ۹) اسی زمانہ میں قرہ بن شریک نائب السلطنت مصر نے جامع مصر تعمیر کرائی اور اسے آراستہ و پیراستہ کیا۔ (اس واقعہ کی تفصیلات ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۴‘ ۱۸۵ و ابن خلکان ج ا ص ۲۰۵ و ۲۰۶ میں موجود ہے)

روضہ نبویؐ کی مرمت اس وقت روضہ مبارک کی کوئی بڑی عمارت نہ تھی‘ مزار مبارک صرف چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا‘ ولید کے زمانے میں دیواریں شکستہ ہو چلی تھیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے چاروں طرف دوہری دیوار تعمیر کرا دی کہ اگر ایک کو صدمہ پہنچے تو دوسری سے پردہ قائم رہے۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۲)

ایک ناگوار واقعہ غرض ہر اعتبار سے ولید کا دور نہایت کامیاب تھا‘ البتہ حجاج کی فطری ستم شعاری کی وجہ سے مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ کی شہادت کا ایک ناگوار واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابن اشعث کی بغاوت میں جو عبدالملک کے زمانہ میں حجاج کے خلاف ہوئی تھی‘ بعض دوسرے اکابر کی طرح حضرت ابن جبیرؒ نے بھی ابن اشعث کا ساتھ دیا تھا‘ بغاوت فرو ہونے کے بعد اور بزرگوں کے ساتھ وہ بھی گرفتار ہوئے‘ ان میں سے جن لوگوں نے معذرت کی حجاج نے انہیں چھوڑ دیا۔ لیکن ابن جبیرؒ کی حق گوئی اور صداقت نے اس کی اجازت نہ دی‘ چنانچہ گرفتاری کے بعد بھی انہوں نے نہایت جرات و بے باکی سے گفتگو کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حجاج نے ۹۴ھ میں ان کو شہید کرا دیا‘ اگر حضرت سعید بن جبیرؒ بھی امام شعبیؒ کی طرح مصلحت وقت کا لحاظ کر کے خاموش رہتے تو ممکن تھا‘ وہ انہیں بھی رہا کر دیتا‘ لیکن آپ کی جرات و حق گوئی کے بعد حجاج جیسے ناقدر شناس سے عفو درگذر کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی‘ اگرچہ اس واقعہ کا براہ راست ولید سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس کے دور میں پیش آیا اس لیے اس کا دامن بھی اس کی ذمہ داری سے بری نہیں ہے۔

ذاتی حالات جیسا کہ ابتداء میں لکھا جا چکا ہے کہ ولید کو علم و فن سے کوئی تعلق نہ تھا‘ وہ عربی زبان تک غلط بولتا تھا‘ عبدالملک نے اس نقص کو دور کرانے کی بڑی کوشش کی اس کے لیے خاص معلم مقرر کیے‘ لیکن تعلیم کا الٹا اثر ہوا‘ اس لیے عبدالملک نے معذور سمجھ کر چھوڑ دیا۔ لیکن جہانبانی کے اور اوصاف میں اس کا جو درجہ تھا وہ اس کے عہد کے

کارناموں سے ظاہر ہے۔

مذہبی زندگی خلفائے بنی امیہ کے متعلق عام طور سے یہ غلط شہرت ہے کہ مذہب کی جانب ان کا رجحان کم تھا' ولید نے جو مذہبی خدمات انجام دیں اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے اس کی پرائیویٹ زندگی بھی مذہبی تھی' دن میں ایک قرآن ختم کرتا تھا۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۴۸) دو شنبہ اور پنج شنبہ کو پابندی کے ساتھ روزہ رکھتا تھا' رمضان میں روزہ داروں کے لیے کھانا بھجواتا تھا۔ (یعقوبی ج ۱ ص ۳۴۸) صلحاء اور اخیار میں روپیہ تقسیم کراتا تھا۔ (یعقوبی ج ۱ ص ۳۴۸) اپنے دور حکومت میں دو مرتبہ حج کیا۔

(دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۴۸)

بھائیوں کے ساتھ سلوک دوسرے اموی فرمانرواؤں کے برعکس ولید کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اس کا طرز عمل بہت مشفقانہ تھا' ان سے محبت کرتا تھا اور ان کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ (یعقوبی ج ۱ ص ۳۴۹)

البتہ ایک مرتبہ اس نے سلیمان کے بجائے اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تھا' بعض بڑے امراء نے بھی حمایت کی تھی' لیکن اس ارادے سے باز آگیا۔

سخت گیری ان تمام خوبیوں کے ساتھ اس میں ایک عیب یہ تھا کہ وہ بڑا سخت گیر تھا۔ اس سخت گیری کی وجہ سے ہزاروں آدمی قید و بند میں مبتلا ہوئے۔

سلیمانؒ بن عبدالملک

۹۶ھ تا ۹۹ھ مطابق ۷۱۴ء تا ۷۱۷ء

سلیمان بن عبدالملک ولید کا حقیقی بھائی تھا' خود عبدالملک اسے ولید کے بعد ولی عہد بنا گیا تھا' اس لیے اس کی وفات کے بعد جمادی الثانی ۹۶ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

سلیمان فطرتاً" صالح و سعید تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس کے مشیر و ہم جلیس تھے' ان کی صحبت نے اس کو اور زیادہ سنوار دیا تھا' اس لیے بعض حیثیتوں سے اپنے پیشرووں سے زیادہ بہتر حکمران ثابت ہوا اور اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی اموی حکومت کی سیاست بدل گئی جس کا اندازہ سلیمان کی پہلی ہی تقریر سے ہوتا ہے' تخت نشینی کے بعد اس نے سب سے پہلے یہ تقریر کی۔

> "الحمدللہ' دنیا دھوکے کی جگہ اور باطل کا گھر ہے' رونے والے کو ہنساتی ہے اور ہنسنے والے کو رلاتی ہے' بے خوف کو خوف زدہ کرتی ہے اور خوفزدہ کو امن دیتی ہے' دولت مند کو محتاج کرتی ہے' اور محتاج کو دولت مند بناتی ہے' اہل دنیا کو مائل کرنے والی دھوکہ دینے والی اور ان کے ساتھ کھیلنے والی ہے۔
>
> عباداللہ! کتاب اللہ کو اپنا پیشوا بناؤ اور اس کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرو اسے اپنا راہنما مانو کہ وہ اپنے ماقبل کتابوں کی ناسخ ہے اور خود اس کو کسی کتاب نے منسوخ نہیں کیا۔
>
> عباداللہ! یہ قرآن' شیطان کے مکر کو اس طرح کھول دیتا ہے' جس طرح صبح صادق کی روشنی رات کی تاریکی کو دور کر دیتی ہے۔ (مسعودی ج ۲ ص ۶۶۰ و کتاب البیان و التبیین جاحظ ج ۱ ص ۱۲۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس کے مشیر تھے اس لیے عملی طور پر بھی اس کے محاسن کا ظہور ہوا چنانچہ تخت نشینی کے ساتھ ہی احسن السیرۃ ورد المظالم' (ابوالفداء ج ۱ ص ۲۰۰) ولید کے دور کے تمام قیدیوں کو جو ناحق قید کیے گئے تھے رہا کر دیا اور جیل خانے بالکل خالی ہو

گئے۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۴)

لیکن اس خوبی کے ساتھ سلیمان میں انتقام کا مادہ تھا' چنانچہ جن جن لوگوں سے ولی عہد کے زمانے میں اس کو کسی قسم کی شکایت تھی' ان کا انجام اچھا نہ ہوا' جن میں بعض بڑے بڑے فاتحین اور اموی حکومت کے ستون اعظم تھے' اس سے حکومت کی عسکری قوت کو نقصان پہنچا' اس کے دور میں اس کے محاسن اور انتقام دونوں کے مظاہر ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔

قتیبہ بن مسلم کی بغاوت اور اس کا قتل اس کی تخت نشینی کے بعد ہی قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان کے قتل کا واقعہ پیش آیا' گو اس کے قتل کا سلیمان سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس کا سلسلہ بھی اسی سے ملتا ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ سلیمان ولیدی دور کے تمام جابر عمال خصوصاً حجاج اور اس کے ماتحت حکام کے' جن میں ایک قتیبہ بھی تھا' سخت مخالف تھا' پھر ان دونوں نے سلیمان کی ولی عہدی سے خراج کی تجویز میں ولید کی تائید کی تھی۔ (کتاب العیون والحدائق ص ۲۲) اس لیے ان دونوں کے ساتھ اس کو دوہری مخالفت تھی۔

حجاج کا انتقال ولید ہی کے دور میں ہو چکا تھا' البتہ اس کے ماتحت حکام اور قتیبہ باقی تھے' چنانچہ جب اس نے حجاج کے زمانہ کے مظالم کی اصلاح و تلافی کی طرف توجہ کی رھم سلیمان فی اصلاح ما انسده الحجاج (کتاب العیون والحدائق ص ۲۲) تو اس کے ماتحت حکام کی دارو گیر شروع ہوئی۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۵۴)

گو اس سلسلہ میں سلیمان نے قتیبہ سے کوئی مواخذہ نہیں کیا تھا لیکن اس کا رخ دیکھ کر خود قتیبہ کو اس کی جانب سے خوف پیدا ہو گیا اور اسے سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہ سلیمان اسے خراسان کی ولایت سے معزول کر کے اس کے حریف مقابل یزید بن مہلب کو جسے وہ بہت مانتا تھا' خراسان کا والی نہ بنا دے۔

چنانچہ پہلے اس نے سلیمان کو کئی خط لکھے جن میں اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور سر زمین عجم میں اپنی خدمات کی تفصیل اور اہل عجم پر اپنی دھاک لکھ کر اخیر میں دھمکی دی کہ اگر یزید بن مہلب کو اس کی جگہ مقرر کیا گیا تو وہ علم بغاوت بلند کر دے گا۔

سلیمان نے اس دھمکی پر بھی اس کے ساتھ طرز عمل نہیں بدلا' بلکہ خراسان کی

حکومت کا پروانہ اس کو بھیج دیا' لیکن قتیبہ کو اس سے بدگمانی اتنی تھی اور اپنی طاقت اور اپنے ماتحت قبائل کی اطاعت کیشی پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے سلیمان کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا اور حکومت کا پروانہ ملنے سے پہلے علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور اپنے ماتحتوں کو فسخ بیعت پر ابھارا لیکن خلاف توقع کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا یہ رنگ دیکھ کر جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور قبیلہ بنی تمیم پر سخت برہمی ظاہر کی' اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ خود قبیلہ تمیم اس سے بگڑ گیا اور وکیع بن الاسود تمیمی کو سردار بنا کر قتیبہ کے مقابلہ میں آ گیا' کئی ہزار اہل عجم نے بھی ساتھ دیا دونوں میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی' قتیبہ کی قوت کمزور تھی' اس نے شکست کھائی' وہ خود' اس کے بھائی اور لڑکے مارے گئے اور اس کا سر قلم کر کے سلیمان کے پاس بھجوا دیا گیا' قتیبہ کے قتل کے بعد سلیمان نے یزید بن مہلب کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ (طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں اس معرکہ کی تفصیلات طویل ہیں ہم نے خلاصہ لکھا ہے۔)

محمد بن قاسم کی گرفتاری اور قتل

محمد بن قاسم اس زمانہ میں سندھ کی مہمات میں مشغول تھا چنانچہ ملتان کی فتح کے بعد جس کا حال ولید کے دور میں گزر چکا ہے' اس نے بیاناں در سرست (سورٹھ) کے علاقوں کو مطیع کیا اور کیرج (جے پور) کے راجہ کو شکست دی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۵)

محمد بن قاسم صالح نوجوان تھا' اس نے سندھ فتح کیا' وہاں اچھے اثرات پیدا کیے' عادلانہ نظام حکومت قائم کیا' لیکن وہ حجاج کا بھتیجا تھا اس لیے عتاب سے نہ بچ سکا' چنانچہ سلیمان نے اسے معزول کر دیا' اور اس کی جگہ یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا حاکم بنا کر بھیجا' اس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے عراق بھیج دیا' صالح بن عبدالرحمن یہاں کا والی تھا' اس کے بھائی آدم کو جو خارجی تھا' حجاج نے قتل کیا تھا' صالح نے اس کا انتقام محمد بن قاسم سے لیا اور اسے قید میں طرح طرح کی تکلیفیں دے کر قتل کرا دیا' اہل سندھ پر محمد بن قاسم کی خوبیوں کا اتنا اثر تھا کہ وہ اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور اہل کیرج نے اظہار عقیدت کے لیے اس کی تصویر بنا کر رکھی۔

(فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۶ و ابن اثیر ج ۴ ص ۲۲۳)

موسیٰ بن نصیر پر عتاب اس سے بھی زیادہ افسوسناک واقعہ موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس کا ہے تمام مورخین بالاتفاق اس واقعہ کی صورت یہ لکھتے ہیں کہ "موسیٰ بن نصیر جس وقت اندلس سے واپس ہوا اس وقت ولید مرض الموت میں مبتلا ہو چکا تھا اور اس کی حالت مایوس کن تھی' اس لیے سلیمان نے چاہا کہ اندلس کی بے کراں دولت اس کی تخت نشینی کے بعد دمشق پہنچے' چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر کو' جو ابھی راستہ میں تھا' لکھ بھیجا کہ "امیر المومنین کا دم باز پسیں ہے' تم ایسی رفتار سے سفر کرو کہ ان کے بعد دمشق پہنچو' موسیٰ کی یہ خواہش تھی کہ آقائے ولی نعمت کی زندگی میں دمشق پہنچ جائے کہ وہ اس کی کار گزاری اپنی آنکھوں سے دیکھ لے' اس لیے سلیمان کے حکم کی تعمیل نہیں کی اور ولید کی زندگی ہی میں دمشق پہنچ گیا' گو ولید اس وقت مرض الموت میں مبتلا تھا' لیکن موسیٰ کے حسن خدمت کے صلہ میں اس کی بڑی قدر افزائی کی' اس عدول حکمی پر سلیمان موسیٰ کا دشمن ہو گیا اور ولید کے بعد اس کا بدلہ لیا' بر سر عام اس کی سخت تحقیر کی' دھوپ میں کھڑا کیا پھر یزید بن مہلب کی سفارش پر کئی لاکھ تاوان عائد کر کے چھوڑ دیا' جسے وہ پورا نہ کر سکا اور اس کے چند دنوں کے بعد تباہ حالی میں اس کا انتقال ہوا۔ (سب تاریخوں میں واقعہ کی صورت یہی ہے)

ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اس شکل میں سلیمان کے دامن پر ایک بدنما داغ ہے اتنا بڑا فاتح ایک ذرا سی عدول حکمی پر ہرگز اس توہین امیز سلوک کا مستحق نہ تھا' لیکن اس واقعہ کی تمام تفصیلات اور مختلف بیانات کو پیش نظر رکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ گو سلیمان کے عتاب کا بنیادی سبب یہی واقعہ تھا' لیکن اس کے ساتھ اور بھی چند در چند اسباب پیدا ہو گئے۔ (کتاب الامامت والسیاست ج ۱ ص ۷۳)

(۱) ان میں ایک بڑا سبب یہ تھا کہ سلیمان کے علی الرغم ولید نے موسیٰ کی بڑی عزت افزائی کی۔ پچاس ہزار اشرفیوں کا گراں قدر انعام دیا۔ تین خلعت عطا کیے اس کے لڑکوں کے مراتب بڑھائے ان کے وظائف مقرر کیے اس کے پانچ سو غلاموں کو عطیے دیے اور جو معززین و عمائد اندلس کی مہم میں شریک ہوئے تھے ان سب کی قدر افزائی کی (کتاب الامامت والسیاست ج ۱ ص ۶۸) مال غنیمت کے بہت سے نوادر خانہ کعبہ کی نذر کیے۔ (کتاب الامامت والسیاست ج ۱ ص ۷۳)

اس سے ایک طرف سلیمان کے خلاف مزاج موسیٰ کی عزت افزائی ہوئی، دوسری طرف اس داد و دہش میں اندلس کے مال غنیمت کا معتد بہ حصہ صرف ہو گیا۔

(۲) سلیمان اور موسیٰ میں جو گفتگو ہوئی وہ بھی کچھ خوش گوار نہ تھی، موسیٰ نے اپنے ایک لڑکے عبدالعزیز کو اندلس کا اور دوسرے لڑکے عبداللہ کو پورے شمالی افریقہ کا والی بنا دیا تھا، سلیمان کو سیاسی نقطہ نظر سے ایک ہی گھر میں شمالی افریقہ سے لے کر فرانس کی حد تک کی حکومت پسند نہ آئی، اس نے موسیٰ سے کہا کہ اب تم اتنے مغرور ہو گئے، (یعنی تمہارے بیٹوں کے علاوہ کوئی اور حکومت کا اہل نہ تھا، موسیٰ نے جواب دیا، امیر المومنین میرے لڑکوں نے اندلس، میورقہ، منورقہ، سردانیہ اور سوس اقصیٰ کو زیر نگیں کیا، اس لیے مجھ سے زیادہ معزز کون ہو سکتا ہے، سلیمان کو اس کا یہ جواب ناگوار ہوا۔

(۳) تیسرا سبب یہ تھا کہ طارق بن زیاد کو موسیٰ سے شکایت تھی اس لیے سلیمان کو اس کے خلاف بھڑکایا، اگرچہ موسیٰ بڑا متدین اور صالح امیر تھا، اس کے متعلق کسی خیانت کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اس بارے میں طارق جیسے شخص کی شہادت جو اندلس کی مہمات میں برابر اس کے ساتھ رہا تھا نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی، پھر موسیٰ کی زندگی بڑی امیرانہ تھی، اس کے ہزاروں غلام تھے، ان سب سے بڑھ کر سلیمان کے دل میں پہلے سے اس کی جانب سے غبار تھا، ان اسباب کی بنا پر اس کے دل میں اور زیادہ بدگمانی پیدا ہو گئی۔

(نفح الطیب ج ۱ ص ۱۳۲)

بحیثیت تاریخ نگار کے ان تمام واقعات کا لکھ دینا ضروری تھا، ورنہ در حقیقت ان میں سے کوئی واقعہ ایسا نہیں جو موسیٰ کے ساتھ سلیمان کے طرز عمل کے جواز کے لیے کافی ہو، یہ دھبہ بہرحال اس کے دامن پر ہے۔

گو کسی مورخ نے تصریح کے ساتھ نہیں لکھا ہے، لیکن مختلف مقدمات و واقعات کو پیش نظر رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سلیمان کے اس طرز عمل کا ایک سبب اموی عمال کے زور کو جو حکومت پر چھائے ہوئے تھے، توڑنا بھی تھا، حجاج اور اس کے ماتحت عمال کی خود سری اور ان کے مظالم کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ ان کے اعمال و افعال پر عام طور سے کوئی احتساب و مواخذہ نہ تھا۔ گو موسیٰ ان عمال میں نہ تھا، لیکن وہ بھی ناکردہ گناہ، اس زد میں آ گیا۔

عبدالعزیز بن موسیٰ کا قتل موسیٰ کا لڑکا عبدالعزیز والی اندلس شجاعت و شہامت میں باپ کا خلف الصدق تھا، باپ کے ساتھ اس ناپسندیدہ طرز عمل کے بعد بیٹے سے وفاداری کی امید رکھنا، اصول سیاست کے خلاف تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ سلیمان عبدالعزیز کی جانب توجہ کرتا، خود عبدالعزیز کی فوج نے اس کی ایک لغزش پر اسے قتل کر دیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبدالعزیز نے راڈرک کی بیوہ سے شادی کی تھی جو اس پر بہت حاوی ہو گئی تھی، اس نے عبدالعزیز سے پوچھا کہ اس کے سابق شوہر کی طرح رعایا اس کو سجدہ کیوں نہیں کرتی، عبدالعزیز نے جواب دیا یہ ہمارے مذہب میں حرام ہے، لیکن بیوی سے مرعوب زیادہ تھا، اس کے دل میں اپنا وقار قائم رکھنے کے لیے اپنی نشست گاہ میں ایک چھوٹا سا دروازہ بنوایا، جس میں بغیر جھکے ہوئے کوئی شخص اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا اور بیوی کو سمجھا دیا کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے جھکتے ہیں، فوج کو اس کی خبر ہوئی تو وہ عبدالعزیز سے بگڑ گئی اور اسے قتل کر دیا۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۲۰) بعض روایتوں میں ہے کہ اس کے قتل میں سلیمان کا ہاتھ بھی تھا۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ بیوی کے اصرار سے اس نے تاج بنوایا تھا، جسے خلوت میں پہنتا تھا، اس کی فوج نے اس سے یہ سمجھا کہ وہ بیوی کی محبت میں نصرانی ہو گیا ہے اس لیے اس کو قتل کر دیا۔ **فقالوا تنصر ثم هجموا عليه فقتلوه** (البیان المغرب ج ۱ ص ۵۴ ترجمہ اردو)

فتوحات سلیمان کے دور میں بعض فتوحات بھی حاصل ہوئیں، جرجان اور طبرستان کے علاقے پہاڑی اور دشوار گذار تھے، کوئی شخص ان پر فوج کشی کی ہمت نہیں کر سکتا تھا، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک الوالعزم بہادر سعید بن العاص نے فوج کشی کی تھی، لیکن فتح نہ کر سکے تھے، البتہ مصالحت کے ذریعہ خراج وصول کر لیا تھا، لیکن ادھر عرصہ سے دونوں علاقوں نے خراج روک کر خراسان کا راستہ بند کر دیا تھا۔

قتیبہ کے بعد جب یزید بن مہلب خراسان کی ولایت پر مامور ہوا تو ۹۸ھ میں اس نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ جرجان پر فوج کشی کی اور سب سے پہلے قہستان کا محاصرہ کیا، یہ علاقہ بالکل پہاڑی تھا، قہستانی پہاڑی قلعوں سے نکل کر لڑتے تھے، اور جب کمزور پڑ جاتے تھے تو پھر پہاڑیوں میں گھس جاتے تھے اس لیے زور نہ چلتا تھا، یزید نے ناکہ بندی کر

کے رسد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا، اس سے قہستانی بے بس ہو کر صلح پر مجبور ہو گئے اور یزید نے شہر میں داخل ہو کر بڑی دولت حاصل کی اور بہت سے آدمی گرفتار کیے۔

قہستان کے بعد جرجان کا رخ کیا، یہاں کے باشندے قہستان کا انجام دیکھ کر ڈر گئے تھے، اس لیے انہوں نے خود پیش قدمی کر کے صلح کر لی اور سامان رسد سے اسلامی فوج کی مدد کی۔

اس سے یزید کا حوصلہ اور بڑھا اور وہ عبداللہ بن معمر یشکری کو چار ہزار مسلمانوں کے ساتھ جرجان میں چھوڑ کر طبرستان کی طرف بڑھا، یہاں کے حاکم نے بھی تاب مقابلہ نہ پا کر صلح کا پیام بھیجا، لیکن یزید پر فتح کا نشہ چھایا ہوا تھا، اس نے صلح کرنے سے انکار کر دیا اور خود طبرستان کی طرف بڑھ گیا اور اپنے بھائی ابو عیینہ اور اپنے لڑکوں کو فوج دے کر آگے روانہ کر دیا، حاکم طبرستان مجبور ہو کر مقابلہ میں آیا، پہاڑ کے دامن میں دونوں کا مقابلہ ہوا، حاکم طبرستان نے شکست کھائی اور طبرستانی پہاڑیوں میں بھاگ گئے، ابو عیینہ نے ناعاقبت اندیشی سے پہاڑ کی چڑھائی پر تعاقب کیا، شکست خوردہ طبرستانیوں نے اوپر پہنچ کر تیر اور پتھر برسانا شروع کر دیئے، مسلمان نیچے تھے، اس لیے وہ کوئی جواب نہ دے سکے اور بہت سے آدمی پہاڑ سے گر کر ضائع ہوئے، جو بچ رہے وہ کسی نہ کسی طرح یزید کے پاس پہنچے۔

اس کامیابی کے بعد حاکم طبرستان نے حاکم جرجان سے خط و کتابت کر کے جرجان میں بغاوت کرا دی، ان لوگوں نے شبخون مار کر چار ہزار مسلمانوں کو جو جرجان میں تھے، قتل کر دیا اور جرجان اور خراسان کے درمیان راستہ بند کر دیا کہ مسلمانوں کو خراسان سے مدد نہ مل سکے، دوسری طرف حاکم طبرستان نے بھی ناکہ بندی کر دی اور مسلمان ہر طرف سے محصور ہو گئے۔

اسلامی فوج میں عجمی مسلمان بھی تھے، یزید نے ایک عجمی حیان نبطی سے کہا کہ اس مصیبت سے رہائی کی تم ہی کوئی صورت نکالو، طبرستان جا کر وہاں کے باشندوں کو کسی طرح مصالحت پر آمادہ کرو گو وہ عجمی تھا لیکن خود مسلمان اور مسلمانوں کا خیر اندیش تھا، اس نے طبرستان جا کر یہاں کے حاکم سے کہا کہ اگرچہ مذہب نے ہم دونوں کو جدا کر دیا ہے، لیکن میں تمہاری ہی قوم کا فرد ہوں اور تمہارا خیر خواہ بھی، یزید نے خراسان سے فوجیں طلب کی

ہیں جن کا مقابلہ تمہارے بس سے باہر ہے اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ فوراً صلح کرلو اس سے تم لوگ محفوظ ہو جاؤ گے اور یزید کے انتقام کا رخ جرجان کی طرف پھر جائے گا' حاکم طبرستان کی سمجھ میں آگیا' اس نے بہت نقد و جنس دے کر صلح کرلی۔

طبرستان کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد یزید نے جرجان کے باغیوں کا محاصرہ کیا' یہ لوگ حسب دستور پہاڑیوں سے نکل کر مقابلہ کرتے تھے' اور پھر قلعوں میں گھس جاتے تھے' قلعوں میں پہنچنے کا راستہ معلوم نہ تھا' اس لیے کئی مہینے تک کامیابی کی کوئی صورت نہ نکلی' پھر اتفاق سے اسی نواح کا ایک واقف کار مل گیا اس نے لے جاکر قلعہ تک پہنچا دیا' یہاں پہنچتے ہی ایک طرف سے یزید نے اور دوسری طرف سے خالد بن یزید نے حملہ کر دیا اہل قلعہ بالکل مطمئن تھے' انہیں اس کا گمان بھی نہ تھا' اس لیے وہ اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور پسپا ہو کر قلعے میں گھس گئے' یزید نے محاصرہ کرلیا' محصورین کے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا تھا' اس لیے انہوں نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی۔

یزید نے ان سے مسلمانوں کے قتل کا پورا پورا بدلہ لیا اور ان کی قوت بالکل توڑ دی اور آئندہ بغاوت کے خطرہ کے انسداد کے لیے شہر جرجان بسا کر' مسلمانوں کی آبادی قائم کی اور جہم بن قیس کو یہاں کا حاکم بنا کر خراسان واپس ہوا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۱ تا ۱۳ ملخصاً)

قسطنطنیہ پر حملہ اور ناکامی اس دور کا ایک اہم اور تاریخی واقعہ بازنطینی حکومت کے پایہ تخت قسطنطنیہ پر حملہ ہے' یہ حکومت مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف تھی' دونوں حکومتوں کی سرحدیں کئی مقامات پر ملتی تھیں' مسلمانوں کے بہت سے مقبوضات بحر روم کے ساحل پر تھے اس لیے ان دونوں میں ہمیشہ کسی نہ کسی سرحد پر معرکہ آرائی رہتی تھی' امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اس کے مقابلہ کے لیے "صائفہ" کے نام سے ایک مستقل فوج قائم کر دی تھی' جو ہر سال گرمیوں کے موسم میں رومیوں سے بر سرپیکار رہتی تھی' انہی کو سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے رومیوں کی قوت توڑ دی جائے اور مسلمانوں کے لیے یورپ کا دروازہ کھول دیا جائے' چنانچہ ۴۹ھ میں انہوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا لیکن یہ مہم ناکام رہی تھی' اس کے بعد کسی خلیفہ نے ادھر توجہ نہ کی لیکن رومیوں سے آویزش کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

سلیمان کے زمانہ میں قسطنطنیہ کی اندرونی حالت بہت خراب ہو رہی تھی' نسطاط دوم

(ANASTASIAS ii) کے زمانہ میں جو خانہ جنگی اور طوائف الملوکی بپا ہو گئی تھی اس کا سلسلہ تیدوس سوم (THEOPORVIUS iii) تک برابر قائم تھا۔ (اس کی تفصیل انگریزی اور عربی دونوں تاریخوں میں ہے) اس لیے سلیمان کو پھر قسطنطنیہ کا خیال پیدا ہوا چنانچہ ۹۸ھ میں اس نے بڑے اہتمام سے فوج کشی کی تیاریاں کیں، تمام ممالک محروسہ سے فوجیں جمع کیں اور ہر طرح کے آلات حرب، قلعہ شکن اسلحہ، آتش گیر مادے اور سامان رسد کے ذخیرہ فراہم کر کے اپنے بھائی مسلمہ کو ایک جرار لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا، قنسرین تک خود پہنچانے کے لیے گیا اور مسلمہ کو رخصت کرنے کے بعد فوج کی خبر گیری اور امداد کے لیے زابق میں ٹھہر گیا اور اس مہم کے انجام تک برابر یہاں مقیم رہا۔ (کتاب العیون والحدائق) مسلمہ بری اور بحری دونوں سمتوں سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھا، بحری بیڑہ بحر اسود کی سمت روانہ ہوا اور خود مسلمہ خشکی کے راستے سے ایشیائے کوچک ہوتا ہوا بڑھا، عموریہ میں لیون (LION iii) جو آگے چل کر قسطنطنیہ کے تاج و تخت کا مالک ہوا، اس سے ملا اور وعدہ کیا کہ وہ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دے گا۔(۱)

چنانچہ مسلمہ عموریہ سے اس کی راہنمائی میں قسطنطنیہ پہنچا، اس درمیان میں بحری بیڑا بھی پہنچ گیا تھا، مسلمہ نے خشکی اور تری دونوں سمتوں سے محاصرہ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ بند کر دیا کہ باہر سے اہل شہر کی امداد نہ پہنچنے پائے اور وہ مجبور ہو کر سر اطاعت خم کر دیں۔

۱۔ لیون ابتداء میں اناطولیہ کا معمولی باشندہ تھا، شام میں اس کی پیدائش ہوئی تھی، عرب مورخین اسے عموریہ کا بطریق لکھتے ہیں، طوائف الملوکی کے زمانہ میں قسطنطنیہ پہنچا، آدمی حوصلہ مند تھا، اپنی بہادری اور کارناموں سے بڑا نام پیدا کیا اور نسطاس کے زمانہ میں مشرقی فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا پھر تیدوس کے پر آشوب دور میں اسے تاج و تخت کی ہوس پیدا ہوئی لیکن شاہی خاندان سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا، اس لیے اس آرزو کا ہونا دشوار تھا، اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے مسلمہ کو ابھارا اور قسطنطنیہ پر قبضہ کرا دینے کا وعدہ کیا اس لیے کہ تیدوس میں کوئی دم نہ تھا، وہ اندرونی نظام سنبھالنے سے عاجز تھا، اور لیون اپنے کارناموں سے کافی نام اور رسوخ پیدا کر چکا تھا، اس لیے مسلمہ کے حملہ ہی کی صورت میں اس کی کامیابی کا امکان تھا لیکن انگریزی مورخین نے اس واقعہ کو نہیں لکھا، ان کے بیان کے مطابق لیون ہی کے زمانہ حکومت میں مسلمانوں کا حملہ ہوا تھا اور اس نے مدافعت کی

مسلمہ اس عزم کے ساتھ آیا تھا کہ وہ بغیر قسطنطنیہ کو فتح کیے واپس نہ جائے گا' اس لیے سامان رسد کا کافی ذخیرہ ساتھ لایا تھا' پھر احتیاطاً آس پاس کی افتادہ زمینوں میں کھیتی کرا دی کہ اگر محاصرہ طول کھینچے تو سامان رسد کی کمی نہ ہونے پائے اس اہتمام کے ساتھ کئی مہینے محاصرہ قائم رہا' اس درمیان میں برابر بحری اور بری جنگ ہوتی رہی' اہل قسطنطنیہ کچھ دنوں تک مدافعت کرتے رہے' پھر مسلمانوں کے عزم کو دیکھ کر مصالحت کے لیے آمادہ ہو گئے' لیکن مسلمہ نے انکار کر دیا۔

تیدوس سوم بالکل نا اہل تھا' اس میں حکومت کا اندرونی نظام سنبھالنے کی بھی اہلیت نہ تھی' اس لیے اہل قسطنطنیہ مجبور ہو کر لیون سے جس کی شجاعت کا کافی شہرہ ہو چکا تھا' امداد کے طالب ہوئے' ایک بیان یہ ہے کہ خود لیون نے کہلا بھیجا کہ اگر تاج و تخت اس کے حوالے کر دیا جائے تو وہ قسطنطنیہ سے مسلمانوں کو ہٹا دے گا' ادھر اس نے مسلمہ کو یقین دلا رکھا تھا کہ اگر اسے قسطنطنیہ کی حکومت مل گئی' تو وہ اس کی اطاعت قبول کرے گا اور قسطنطنیہ کا خزانہ اس کے حوالہ کر دے گا' اس لیے مسلمہ اس کے اور اہل قسطنطنیہ کے درمیان نامہ و پیام میں مزاحم نہ ہوا بلکہ ہر طرح اس کی حمایت کی' تیدوس کی نا اہلی کی وجہ سے رومیوں نے لیون کی شرط منظور کر لی اور اسے بلا کر حکومت حوالہ کر دی۔ (جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے' یہ عربی مورخین کا بیان ہے ابن اثیر ج ۴ ص ۱۰ و کتاب العیون والحدائق ص ۳۳)

لیون کی خوش قسمتی سے اس کی تخت نشینی کے بعد ہی قدرت کی جانب سے مسلمانوں کی شکست کے سامان پیدا ہو گئے' عرب یورپ کی سردی کے یوں بھی عادی نہ تھے' اتفاق سے اس سال غیر معمولی برفباری اور سردی ہوئی' جس کا مسلمان تحمل نہ کر سکے اور ہزاروں آدمی بیمار پڑ کر مر گئے' محاصرہ کی طوالت کی وجہ سے سامان رسد بھی ختم ہو چلا تھا' کھیتی کچھ برفباری کی کثرت نے برباد کر دی اور کچھ جنگی مشغولیت کی وجہ سے مسلمان دیکھ بھال نہ کر سکے' اس لیے سامان رسد کا سخت قحط پڑ گیا اور مسلمان بھوکے مرنے لگے' سلیمان ایشیائے کوچک کی سرحد پر موجود تھا' لیکن برفباری کی کثرت کی وجہ سے وہ بھی مدد نہ کر سکا اور ہزاروں مسلمان لقمہ اجل ہو گئے' یہ مصیبت تھی ہی' اس پر مستزاد یہ ہوا کہ بلغانیوں نے اڈریا نوپل کی اسلامی فوج کو برباد کر دیا۔ (یہ واقعات ابن اثیر کتاب العیون والحدائق اور دی اسٹوری آف دی نیشنز کے بیان کا خلاصہ ہیں)

ان مخالف حالات کی وجہ سے اسلامی فوج کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا' جو لوگ باقی بچے وہ طرح طرح کے مصائب کا شکار ہوئے اسی دوران میں سلیمان کا انتقال ہو گیا اس کے انتقال کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے امداد بھیج کر باقی ماندہ فوجوں کو واپس بلا لیا' اگر یہ مہم ناکام نہ ہوئی ہوتی تو مشرقی یورپ میں اسی زمانہ میں مسلمان پہنچ گئے ہوتے۔

علالت' ولی عہدی اور وفات سلیمان وابق میں مقیم تھا کہ یہیں مرض الموت میں مبتلا ہو گیا' اس وقت تک ولی عہدی کا فیصلہ نہ ہوا تھا' جب حالت زیادہ خراب ہوئی' تو اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ولی عہد نامزد کیا' محدث رجاء بن حیوۃ ساتھ تھے انہوں نے کہا "خلیفہ ایسے صالح شخص کو بنانا چاہیے کہ قبر میں امن حاصل رہے"۔ سلیمان خود بھی صالح تھا اس لیے رجاء کے کہنے سے وہ اس مسئلہ پر غور کرنے لگا اور دو دن کے بعد وصیت نامہ چاک کر ڈالا اور رجاء بن حیوۃ سے پوچھا کہ "میرے لڑکے داؤد کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت قسطنطنیہ کی مہم میں ہیں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ زندہ بھی ہیں یا مر گئے' (قسطنطنیہ کی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا تھا) سلیمان نے کہا پھر کیا رائے دیتے ہو' رجاء نے کہا اصل رائے تو آپ کی ہے آپ نام لیجئے میں غور کروں گا۔ (ایک روایت یہ ہے کہ خود رجاء نے عمر بن عبدالعزیز کا نام پیش کیا تھا)

سلیمان نے پوچھا عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ رجاء نے عرض کیا' میرے نزدیک وہ نہایت فاضل اور برگزیدہ مسلمان ہیں' سلیمان نے کہا بخدا' میرا بھی یہی خیال ہے' لیکن اگر میں عبدالملک کی اولاد کو بالکل نظر انداز کر کے ان کو خلیفہ بنا دوں تو بڑا فتنہ بپا ہو جائے گا اور وہ لوگ ان کو خلافت پر قائم نہ رہنے دیں گے' اس لیے عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ اور عبدالملک کو ولی عہد نامزد کرتا ہوں' اس سے وہ لوگ مطمئن ہو جائیں گے اور عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت مان لیں گے' رجاء نے بھی اس کی تائید کی اور اسی وقت سلیمان نے خود اپنے قلم سے یہ وصیت نامہ لکھا۔

> "بسم اللہ الرحمن الرحیم' یہ تحریر خدا کے بندے سلیمان امیر المومنین کی جانب سے عمر بن عبدالعزیزؒ کے لیے ہے' میں نے اپنے بعد تم کو خلیفہ بنایا اور تمہارے بعد یزید بن عبدالملک کو' مسلمانو! ان کا کہنا سننا' ان کی اطاعت کرنا' خدا سے ڈرنا' آپس میں اختلاف نہ پیدا کرنا کہ دوسرے تم پر حرص و طمع کی نگاہ ڈالیں۔"

اس وصیت نامہ پر مہر کر کے رجاء کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ وہ اہل خاندان کو جمع کر کے بغیر نام ظاہر کئے ہوئے ان سے نامزد کردہ خلیفہ کی بیعت لے لیں، انہوں نے فوراً اس کی تعمیل کی، سب نے بالاتفاق سمعنا و اطعنا کہا، اس کے بعد پھر سب کے سب سلیمان کو دیکھنے کے لیے گئے، اور ان کے سامنے سب نے فرداً" فرداً" بیعت کی (یہ تفصیلات ابن سعد ج ۵ ص ۲۲۷ تا ۲۲۹ سے ماخوذ ہیں) اس مرحلہ سے فراغت کے بعد صفر ۹۹ھ میں سلیمان کا انتقال ہوا، انتقال کے وقت ۴۵ سال کی عمر تھی، مدت خلافت دو سال آٹھ مہینے۔

اولاد انتقال کے بعد دس لڑکے یادگار چھوڑے، یزید، قاسم، سعید، عثمان، عبداللہ، عبدالواحد، حارث، عمرو، عمر اور عبدالرحمٰن۔

سلیمانی دور پر تبصرہ

سلیمان کا دور بیرونی فتوحات کے لحاظ سے کچھ زیادہ کامیاب نہیں تھا، لیکن اندرونی اصلاحات کے اعتبار سے بہت ممتاز ہے۔

اس کے زمانے میں اموی حکومت رقبہ کی وسعت اور تمدنی ترقی کے لحاظ سے اس درجہ کو پہنچ گئی تھی، کہ ان دونوں پہلوؤں پر توجہ کی چنداں حاجت نہ تھی، بلکہ اب اس کے مفاسد کی اصلاح کی ضرورت تھی، اس لیے سلیمان کی توجہ زیادہ تر اسی جانب رہی، خود بھی مصلحانہ خیالات رکھتا تھا، پھر عمر بن عبدالعزیزؒ اس کے وزیر و مشیر تھے، اس لیے تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے اصلاحات شروع کر دیں۔

اسی سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل اصلاح اموی عمال تھے، جنہوں نے اپنے مظالم و مطلق العنانی سے اموی خلفاء کو بدنام کر رکھا تھا، خود خلفاء کچھ ایسے جابر و ظالم نہ تھے بلکہ عام دنیاوی حکمرانوں کی طرح ان میں اچھے بھی تھے برے بھی، یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے کچھ ظالمانہ افعال سرزد ہوئے ہوں اور ضرور ہوئے۔ لیکن جیسا کہ عام طور سے شہرت ہے، ظلم ان کی خصوصیت نہ تھی، اس شہرت کا اصل سبب یہ ہے کہ ان کے بعض عمال خصوصاً حجاج اور اس کے ماتحت حکام ظالم اور مطلق العنان تھے اور خلفاء ان کی مطلق

العنانی کا بہت کم تدارک کرتے تھے' اس لیے ان کے مظالم بھی ان کی طرف منسوب ہو گئے۔

سلیمان نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا' اس لیے تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے عمال کا مواخذہ و احتساب شروع کر دیا۔ اس کے دور سے پہلے جو لوگ ناحق قید کیے گئے تھے' سب کو رہا کر دیا' جلاوطن اشخاص کو واپسی کی اجازت دے دی اس سلسلہ میں اتنے قیدی رہا کیے گئے' کہ قید خانے خالی ہو گئے۔

حجاج خود مر چکا تھا' لیکن اس کے ماتحت عمال موجود تھے' سلیمان نے ان میں سے اکثروں کو معزول کر دیا اور بعض کو سزائیں دیں' اس میں اتنی وسعت اور شدت برتی کہ اچھے برے عمال میں بھی امتیاز نہیں کیا' چنانچہ حجاج کے متعلقین کے سلسلے میں محمد بن قاسم فاتح بھی ناکردہ گناہ کی زد میں آ گیا۔

جیسا کہ میں نے اوپر بھی لکھا ہے' میرا خیال ہے کہ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ بھی جو سلوک ہوا' وہ در حقیقت اسی جذبہ کا نتیجہ تھا' سلیمان اس کی مطلق العنانی گوارا نہ کر سکا گو وہ ناکردہ گناہ اس کے عتاب کا شکار ہوا' لیکن اس کا ایک بڑا سبب موسیٰ کی مطلق العنانی تھی۔

مذہبی اصلاحات سلیمان نے بعض خالص مذہبی اصلاحات بھی کیں' اموی خلفاء نماز عموماً تاخیر سے پڑھا کرتے تھے' سلیمان نے اول وقت کا اہتمام کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۶)

مکہ میں چشمہ کا اجراء ان اصلاحات کے ساتھ اس نے اور بہت سے مفید کام کیے مکہ میں میٹھے پانی کی بڑی قلت تھی' سلیمان نے آب شیریں کا ایک چشمہ جاری کرایا' یہ چشمہ خالد بن عبداللہ والی مکہ کے زیر نگرانی تعمیر ہوا' اس کے لیے کوہ ثبیر کے دامن میں ایک بڑا سنگی تالاب بنایا گیا تھا' اور اس سے سیسہ کے نل کے ذریعہ حرم میں پانی لایا گیا تھا' جو رکن و زمزم کے درمیان سنگ رخام کے فوارے میں گرتا تھا' اس کے افتتاح کی تقریب میں خالد نے تمام اہل مکہ کی دعوت کی' اس چشمہ کی وجہ سے مکہ میں میٹھے پانی کی افراط ہو گئی' گو زمزم کے مقابلہ میں اس کو مقبولیت نہ ہوئی۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۵۲)

رملہ کی آبادی شام میں ایک شہر رملہ آباد کیا' ولید کے زمانے میں جب کہ وہ فلسطین

کا حاکم تھا اسے رملہ کی جائے وقوع اور اس کی آب و ہوا بہت پسند آئی' چنانچہ اسی زمانے میں اس نے اپنے قیام کے لیے یہاں چند عمارتیں بنوائیں' پھر جب خلیفہ ہوا تو اسے بڑی ترقی دی۔ بہت سی عمارتیں' جامع مسجد' تالاب اور حوض بنوائے' آبادی کو بڑھانے کے لیے لوگوں کو یہاں منتقل کیا' اس سلسلہ میں سرکاری عمارتوں کے علاوہ اور بہت سی عمارتیں بن گئیں اور رملہ اچھا خاصا شہر ہو گیا' سلیمان اکثر رملہ ہی میں رہتا تھا' اس لیے اسے پایہ تخت کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ (معجم البلدان ذکر رملہ)

قریش اور اہل مدینہ کے وظائف اس کا طرز عمل اہل مدینہ اور قریش کے ساتھ بڑا فیاضانہ تھا' ۹۷ھ میں جب حج کے سلسلے میں مدینہ گیا تو عام اہل مدینہ میں روپیہ تقسیم کیا اور خاندان قریش میں چار ہزار وظیفے مقرر کیے' لیکن ان کے حلیفوں اور موالی کو نظر انداز کر دیا' قریش نے کہا ہمارے حلیف اور موالی ہم سے زیادہ مقدم ہیں اس لیے ہمارے وظیفے ان کی جانب منتقل کر دیئے جائیں' اس درخواست پر سلیمان نے ان کے وظائف برقرار رکھے' اور انہی کے برابر حلیفوں اور موالی کے علیحدہ وظیفے مقرر کیے۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۵۲)

سب سے بڑا کارنامہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ جو سینکڑوں کارناموں اور اصلاحوں سے بڑھ کر ہے' وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ولی عہدی ہے جنہوں نے اموی سلطنت کو خلافت راشدہ کے قالب میں بدل دیا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ خود سلیمان کے بیٹے اور حقیقی بھائی موجود تھے' اس کا یہ کارنامہ اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے' اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں جو اصلاحات ہوئیں اس کی سعادت میں سلیمان کا بھی حصہ ہے۔

ذاتی حالات ذاتی حیثیت سے وہ بڑا صاحب اوصاف تھا' مورخین اسے "مفتاح الخیر" (بھلائی کی کنجی) لکھتے ہیں۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۴) وہ اپنے پیش رو کے برعکس بڑا فصیح و بلیغ تھا۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز

۹۹ھ تا ۱۰۱ھ مطابق ۷۱۷ء تا ۷۱۹ء

سلیمان کی وفات کے بعد صفر ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تخت نشین ہوئے آپ مشہور اموی فرمانروا مروان بن حکم کے پوتے تھے' باپ کا نام عبدالعزیز تھا' آپ کی ماں ام عاصم حضرت عمرؓ کی پوتی تھیں' اس لیے آپ کی رگوں میں فاروقی خون بھی شامل تھا' عبدالعزیز خاندان شاہی کے ممتاز رکن تھے' اکیس سال تک مصر کے گورنر رہے' اس لیے عمر بن عبدالعزیزؒ کی پرورش تمول و ثروت اور عیش و تنعم کے گہوارہ میں ہوئی' جس کے اثرات خلافت ملنے تک باقی تھے۔

ان کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام کے ساتھ مشہور محدث صالح بن کیسانؒ کی نگرانی میں ہوئی' عمرؓ فطرتاً" صالح و سعید تھے' تعلیم و تربیت نے ان کے جوہروں کو اور زیادہ چمکا دیا تھا اور وہ ہر اعتبار سے اپنے خاندان سے بالکل الگ تھے' علمی لحاظ سے وہ اپنے زمانہ کے امام تھے' علمی حیثیت سے انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے وہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ یاد رہیں گے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ خود شاہی خاندان کے رکن تھے' پھر عبدالملک کے بھتیجے اور داماد تھے' اس لیے وہ مختلف ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہے' لیکن اس دور میں بھی ان کی فطری سعادت نے ساتھ نہ چھوڑا اور وہ جہاں جہاں رہے اپنے حسن عمل کی بہترین یادگاریں چھوڑیں' ولید نے جب ان کو مدینہ کی گورنری پر بھیجنا چاہا تو انہوں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ وہ دوسرے عمال کی طرح ظلم نہ کریں گے' ولید نے اسے منظور کیا۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۳۲)

مدینہ پہنچنے کے بعد وہاں کے اکابر فقہاء کو بلا کر کہا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایسے کام کے لیے زحمت دی ہے کہ اس میں میرا ہاتھ بٹانے سے آپ لوگوں کو ثواب ملے گا' اور آپ حامی حق قرار پائیں گے' میں آپ لوگوں کی رائے اور مشورہ کے بغیر کوئی کام

سرانجام نہ دوں گا' جب آپ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ کو کسی ظلم و زیادتی کی خبر ملے تو آپ کو خدا کی قسم مجھے ضرور اس کی خبر کیجئے۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۵)

اس مبارک اصلاح کے ساتھ انہوں نے حکومت کا آغاز کیا اور اپنے دور حکومت میں انہوں نے بہت سے مفید کام انجام دیئے' جن کی تفصیل ولید کے دور میں گزر چکی ہے' ان میں سب سے بڑا کارنامہ مسجد نبوی ؐ کی تعمیر ہے۔

ان تمام اخلاقی محاسن کے ساتھ بہر حال وہ شاہی خاندان کے رکن اور عیش و تنعم میں پلے ہوئے تھے اس لیے ان کی زندگی بڑی مترفانہ تھی' چنانچہ جب مدینہ کی گورنری پر وہ گئے ہیں' تو تمیں اونٹوں پر ان کا ذاتی سامان بار تھا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۳۹)

خوش لباسی اور نفاست کا یہ حال تھا کہ جس لباس پر ایک مرتبہ کسی کی نظر پڑ جاتی تھی' پھر اسے نہ پہنتے تھے' (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ٦٦) خوشبویات کا بڑا شوق تھا' داڑھی پر عنبر کا سفوف چھڑکتے تھے' اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ خوش لباس اور جامہ زیب آدمی مانے جاتے تھے' رجاء بن حیوۃ کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ خوش لباس' معطر اور تبختر کی چال چلنے والے تھے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵۱)

خلافت سلیمان نے جس طرح ان کی خلافت کی وصیت کی' اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' سلیمان کی وفات کے بعد رجاء بن حیوۃ نے اس خطرہ سے کہ موت کی خبر سننے کے بعد' مبادا اہل خاندان عمر بن عبدالعزیز کی بیعت میں کچھ لیت و لعل کریں' موت کی خبر کو مخفی رکھا اور دوبارہ اہل خاندان کو جمع کر کے ان سے سلیمان کے وصیت نامہ پر بیعت لی' بیعت کو مستحکم کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کیا اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا' عمر بن عبدالعزیز ؒ کا نام سن کر صرف ہشام بن عبدالملک نے ان کی بیعت سے انکار کیا' لیکن رجاء نے کہا خاموشی سے بیعت کر لو ورنہ تمہارا سر قلم کر دوں گا اور عمر بن عبدالعزیز ؒ کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھا دیا اور کسی نے چون و چرا نہیں کی۔

خلافت کا بار سر پر آتے ہی عمر بن عبدالعزیز ؒ کی زندگی بالکل بدل گئی اور تخت خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی' ابوذر غفاری ؓ اور ابو ہریرہ ؓ کا قالب اختیار کر لیا' سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول جب آپ کے سامنے شاہی سواری پیش کی گئی تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا میرے لیے میرا خچر کافی ہے۔ (یہ تمام واقعات ابن سعد ج

۵ ص ۲۴۷ سے ملخصاً" ماخوذ ہیں)

گھر آئے تو اس بار عظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا' لونڈی نے پوچھا خیر ہے' آپ اتنے متفکر کیوں ہیں؟ فرمایا اس سے بڑھ کر فکر و تشویش کی بات کیا ہو گی کہ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی ایسا فرد نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۵۲)

خلافت سے دستبرداری پر آمادگی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فطرۃ" خلافت کی عظیم الشان ذمہ داریوں سے گھبراتے تھے' پھر خلافت کے بارے میں آپ کا جو نقطہ نظر تھا اس کے اعتبار سے آپ کا انتخاب شوریٰ سے نہ ہوا تھا' اس لیے غور و فکر کے بعد آپ اس سے دستبرداری کے لیے آمادہ ہو گئے' اور مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے کہا۔

لوگو! "میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لیے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لیے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردن میں ہے میں خود اسے اتارے دیتا ہوں' تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو"۔

یہ تقریر سن کر مجمع نے شور بلند کیا کہ ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے اور ہم سب آپ کی خلافت پر راضی ہیں آپ خدا کا نام لے کر کام شروع کر دیجئے' جب آپ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو آپ کی خلافت سے اختلاف نہیں ہے تو اس وقت آپ نے اس بار عظیم کو قبول فرمایا اور مسلمانوں کے سامنے تقریر کی' اس میں تقویٰ و آخرت کی تلقین کے بعد خلیفہ اسلام کی اصل حیثیت واضح کی' جسے اموی فرمانرواؤں نے ملوکیت میں گم کر دیا تھا۔

> "امابعد! تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے اور خدا نے اس پر جو کتاب اتاری ہے اس کے بعد دوسری کتاب آنے والی نہیں ہے' خدا نے جو چیز حلال کر دی ہے وہ قیامت تک کے لیے حلال ہے' اور وہ جو حرام کر دی وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے' میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ صرف (احکام الہٰی) کو نافذ کرنے والا ہوں' خود اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض پیرو ہوں' کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے' میں تم میں کا کوئی ممتاز آدمی بھی نہیں ہوں بلکہ معمولی فرد

ہوں' البتہ تمہارے مقابلہ میں خدا نے مجھے زیادہ گراں بار کیا ہے"۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۸)

اپنی حیثیت واضح کرنے کے بعد امور خلافت کی طرف متوجہ ہوئے' اس بارے میں آپ کا مطمح نظر اپنے پیشروؤں سے بالکل مختلف تھا' آپ اموی حکومت کے پورے نظام میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔

جب سے اسلامی خلافت نے شخصی سلطنت کا قالب اختیار کیا تھا اس وقت سے اس میں مستبد حکومتوں کی تمام برائیاں آ گئی تھیں' مذہبی روح کمزور پڑ گئی تھی' رعایا کی آزادی ختم ہو گئی تھی' جمہور کی آواز دب گئی تھی' بیت المال ذاتی خزانہ بن گیا تھا' خاندان شاہی کے ارکان اور امراء کے قبضہ میں کروڑوں روپیہ کی جاگیریں تھیں' عمال و حکام کے افعال و اعمال پر کوئی احتساب اور مواخذہ نہ تھا' اور اس قبیل کی وہ تمام برائیاں جو عموماً شخصی حکومتوں میں ہوتی ہیں اموی حکومت میں موجود تھیں اور اسلامی خلافت کی حقیقی روح بالکل مردہ ہو گئی تھی۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کا اصلی مقصد خلافت راشدہ کا دوبارہ احیاء تھا' لیکن اموی حکومت کو دوبارہ جمہوری بنا دینا آپ کے اختیار میں نہ تھا' اس لیے آپ کم سے کم اس کی برائیاں دور کر کے طرز جہانبانی میں اس کو خلافت راشدہ سے قریب تر کر دینا چاہتے تھے' یہ انقلاب جتنا اہم تھا اتنا ہی خطرناک اور نازک بھی تھا' لیکن آپ نے تمام مشکلات کو نظر انداز کر کے کام شروع کر دیا۔

غصب شدہ مال اور جائیداد کی واپسی اس سلسلہ میں سب سے مقدم فرض رعایا اور زیر دستوں کے اس مال و جائیداد کی واپسی تھی' جسے شاہی خاندان کے ارکان اموی عمال اور دوسرے عمائد نے اپنی جاگیر بنا لیا تھا' یہ ایسا نازک کام تھا جس کو ہاتھ لگانا سارے خاندان کی مخالفت مول لینا تھا' لیکن سب سے پہلے آپ نے اسی کار خیر کو شروع کیا خود آپ کے پاس بہت بڑی موروثی جاگیر تھی' بعض خیر خواہوں نے عرض کیا کہ اگر جاگیر واپس کر دیں گے تو اولاد کے لیے کیا انتظام کریں گے' فرمایا ان کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۱۵)

اس کے بعد اہل خاندان کو جمع کر کے فرمایا۔

"بنی مروان تم کو دولت اور شرف کا بڑا حصہ ملا ہے، میرا خیال ہے کہ امت کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضہ میں ہے"۔

ان لوگوں نے جواب دیا "خدا کی قسم، جب تک ہمارے سر تن سے جدا نہ ہو جائیں گے اس وقت تک یہ جائیدادیں واپس نہیں ہو سکتیں، خدا کی قسم نہ ہم اپنے آباؤ اجداد کو کافر بنا سکتے ہین اور نہ اپنی اولادوں کو مفلس بنائیں گے" حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم اگر اس حق میں تم میری مدد نہ کرو گے تو میں تم کو ذلیل اور رسوا کر کے چھوڑوں گا۔" (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۲۰۸)

اس کے بعد عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے تقریر کی۔

> "ان لوگوں (یعنی اموی خلفاء) نے ہم ارکان خاندان کو ایسی جاگیریں اور عطایا دیے، خدا کی قسم جن کے دینے کا نہ ان کو کوئی حق تھا اور نہ ہمیں ان کے لینے کا، اب میں سب کو ان کے اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں، اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں"۔

اس تقریر کے بعد جاگیروں کی اسناد کا خریطہ منگایا، مزاحم ان اسناد کو نکال کر پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے، اور عمر بن عبدالعزیزؒ انہیں قینچی سے کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاتے تھے۔ صبح سے لے کر ظہر تک کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲) اور اپنی اور اپنے پورے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی، حتیٰ کہ اپنے پاس ایک نگینہ تک نہ رہنے دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۳)

آپ کی بیوی فاطمہ کو ان کے باپ عبدالملک نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا، عمر بن عبدالعزیزؒ نے بیوی سے کہا کہ اسے بیت المال میں داخل کر دو، یا مجھے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ اطاعت شعار بیوی نے اسی وقت وہ پتھر بیت المال میں داخل کر دیا۔

فدک کا فیصلہ فدک کا علاقہ خلفائے راشدین کے زمانے سے ان میں اور اہل بیت میں متنازعہ فیہ چلا آتا تھا، وہ آنحضرت کا خالصہ تھا، اس کی آمدنی آپ اپنی بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت فاطمۃ الزہرؓ نے اسے آپ سے مانگا تھا، لیکن آپ نے نہیں دیا اس لیے خلفائے راشدین نے بھی اس کو اپنے انتظام میں رکھا، اور اس کی آمدنی انہی مصارف میں صرف کرتے رہے، جن میں رسول اللہ ﷺ صرف فرماتے

تھے، مروان نے اپنے زمانہ میں اسے جاگیر بنا لیا تھا اس لیے وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے قبضہ میں آیا، اسی پر ان کی اور ان کے اہل و عیال کی معاش کا دارومدار تھا، لیکن وہ اہل بیت کی وراثت میں نہ تھا اس لیے انہیں بھی واپس نہ کیا جا سکتا تھا، چنانچہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عمل کی تحقیقات کر کے فدک کو اپنے ملک سے نکال کر پھر اس کے قدیم مصارف کے لیے مخصوص کر دیا اور آل مروان سے کہا "فدک رسول اللہ ﷺ کا خالصہ" تھا، جس کی آمدنی آپ اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے، فاطمہؓ نے اسے مانگا تھا، لیکن آپ نے نہیں دیا اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک اسی پر عمل ہوتا رہا، پھر مروان نے اسے اپنی جاگیر بنا لیا اور وہ وراثتاً" میرے قبضہ میں آئی، لیکن جو چیز رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؓ کو بھی نہیں دی اس پر میرا کوئی حق نہیں ہو سکتا اس لیے میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو صورت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھی، میں اس کو اسی حالت پر لوٹاتا ہوں۔ (ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی صفایا رسول اللہ ﷺ و طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز بعض تاریخوں میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اہل بیت کو فدک واپس کر دیا تھا۔)

اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیروں کو واپس کرانے کے بعد عام مغصوبہ اموال کی واپسی کی طرف متوجہ ہوئے اور عمال کے پاس تاکیدی احکام بھیج کر تمام ممالک محروسہ کے غصب شدہ مال و املاک کو واپس کر دیا، عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا کہ وہاں کا خزانہ خالی ہو گیا اور عمرؒ بن عبدالعزیز کو عراق کی حکومت کے اخراجات کے لیے دارالخلافہ سے روپیہ بھیجنا پڑا۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲)

ملکیت کے ثبوت کے لیے بڑی سہولت رکھی تھی زیادہ زحمت نہ اٹھانا پڑتی تھی، معمولی شہادت پر مال واپس مل جاتا تھا، (تہذیب الاسماء جلد اول ص ۲۰) جو لوگ مر چکے تھے ان کے ورثاء کو واپس ملتا تھا (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۱) اس کا سلسلہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات تک برابر قائم رہا۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲)

غرض مال و جائیداد اور نقد و جنس کی قسم سے جو بھی ناجائز طور پر کسی کے قبضہ میں تھا، ایک ایک کر کے ان کے اصلی وارثوں کو واپس کر دیا گیا۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲)

عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال دنیا کی کوئی تاریخ نہیں پیش کر سکتی۔

خاندان بنی امیہ کی برہمی عمر بن عبدالعزیز کے اس عدل نے بنی امیہ کو بالکل تہی دست کر دیا تھا' اس لیے قدرتاً ان میں بڑی برہمی پیدا ہوئی' چنانچہ آل مروان نے ہشام کو اپنا وکیل بنا کر ان سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا' انہوں نے جا کر کہا کہ ان امور میں جن کا تعلق آپ کے زمانہ سے ہے آپ جو چاہے کیجئے' لیکن گزشتہ خلفاء جو کچھ کر گئے ہیں اسے اسی حالت پر رہنے دیجئے' عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر ایک ہی معاملہ کے لیے تمہارے پاس دو دستاویز' ہوں' ایک امیر معاویہؓ کی دوسری عبدالملک کی تو تم ان میں سے کس کو قبول کرو گے' ہشام نے کہا جو پہلے کی ہو' عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا تو پھر میں نے کتاب اللہ کو سب سے زیادہ قدیم دستاویز پایا۔ اس لیے میں ہر اس چیز میں جو میرے اختیار میں ہے خواہ وہ میرے زمانہ کی ہو یا مجھ سے پہلے کی' میں اسی قدیم دستاویز کے مطابق عمل کروں گا' اس پر سعید بن خالد نے کہا' امیر المومنین! جو چیز آپ کی ولایت میں ہے اس میں آپ حق و انصاف کے مطابق جو فیصلہ چاہے کیجئے' لیکن گزشتہ خلفاء اور ان کی بھلائیوں اور برائیوں کو ان کی حالت پر رہنے دیجئے' اتنا آپ کے لیے کافی ہے' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک شخص چھوٹے بڑے لڑکوں کو چھوڑ کر مر جائے اور بڑے لڑکے اپنی قوت کے زور سے سارے مال پر قبضہ کر کے کھا جائیں اور چھوٹے لڑکے تم سے مدد چاہیں تو تم کیا کرو گے' سعید نے جواب دیا' ان کے حقوق واپس دلاؤں گا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا یہی تو میں نے بھی کیا۔ مجھ سے پہلے کے خلفاء نے ان لوگوں کو اپنی قوت سے دبایا' ان کے ماتحتوں نے بھی ان کی تقلید کی اب جب میں خلیفہ ہوا تو یہ کمزور لوگ میرے پاس آئے' ایسی صورت میں میرے لیے اس کے سوا چارہ کار کیا ہے کہ طاقتور سے کمزور کا اور اعلیٰ سے ادنیٰ کا حق دلاؤں۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز بن ابن جوزی ص ۱۱۸ و ۱۱۹)

ان کے خاندان والوں کو بیت المال سے جو وظائف اور گزارے ملتے تھے بند کر دیئے' عیینہ بن سعد نے شکایت کی کہ امیرالمومنین آپ پر ہم لوگوں کا بھی حق ہے' آپ نے فرمایا میرے ذاتی مال میں تمہارا حق ہو سکتا تھا' مگر اس میں اتنی گنجائش نہیں اور بیت المال میں تمہارا اس سے زیادہ حق نہیں ہے جتنا برک غماد کے آخری حدود میں رہنے والے کا' بخدا اگر ساری دنیا تم لوگوں کی رائے کی ہو جائے تو ان پر خدا کا عذاب نازل ہو۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۱۴' ۱۱۵)

غرض آپ کے اعزہ اقربا اور اہل خاندان نے آپ کو ہر طرح سے روکنے کی کوشش کی' لیکن کوئی چیز آپ کو قیام عدل سے نہ روک سکی اور آپ نے سارے اموال مغصوبہ واپس دلا کر چھوڑے۔

بیت المال کی آمدنی اور اس کے مصارف کی اصلاح اموی خلفاء نے بیت المال کو ذاتی خزانہ بنا لیا تھا' اور اس کی آمدنی اور مصارف کسی چیز میں بھی احتیاط نہ برتی جاتی تھی' جائز و ناجائز ہر طرح کی آمدنی سے خزانہ بھرا جاتا تھا' اور اسی بے عنوانی کے ساتھ صرف کیا جاتا تھا' بیت المال کا بڑا حصہ ان کے ذاتی تعیش پر صرف ہوتا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی بھی پوری اصلاح کی اور اس کے تمام ناجائز مصارف بند کر دیے۔

اموال مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ میں بہت بڑا حصہ بیت المال میں واپس ہو گیا تھا' اپنے گھر کا ایک نگینہ تک انہوں نے بیت المال میں داخل کر دیا تھا' خاندان کے تمام وظائف بند کر دیے' شاہی شکوہ و تجمل کے تمام اخراجات موقوف کر دیے' چنانچہ تخت نشینی کے بعد جب شاہی اصطبل کے داروغہ نے سواریوں کے اخراجات مانگے تو حکم دیا کہ تمام سواریوں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے' میرے لیے خچر کافی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۱) خود اپنا تمام ذاتی سامان امارت لونڈی' غلام' فرش و فروش لباس و عطریات وغیرہ بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔ (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۲۱)

بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لیے حجاج نو مسلموں سے بھی جزیہ وصول کرتا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے بالکل بند کر دیا اور ایک عام حکم جاری کر دیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ چھوڑ دیا جائے' اس حکم پر تنہا مصر میں اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی' حیان بن شریح نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو لکھ بھیجا کہ "اس حکم کی وجہ سے اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے ہیں کہ آمدنی گھٹ گئی ہے اور مجھے قرض لے کر مسلمانوں کو وظیفے دینے پڑے"۔ آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ جزیہ بہر حال موقوف کرو' رسول اللہ ﷺ ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے' (مقریزی ج ۲ ص ۱۲۵) محصل بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے اس بارے میں اتنی سختی برتی کہ فرمان عام جاری کر دیا کہ اگر کسی غیر مسلم کا جزیہ ترازو میں رکھا جا چکا ہو' اور اس حالت میں بھی وہ اسلام قبول کر لے یا نے

سال کے آغاز سے ایک دن پہلے (جب کہ پورے سال کا جزیہ عائد ہو جاتا ہے) اسلام لے آئے تو بھی جزیہ نہ لیا جائے۔ (ابن سعد ص ۳۶۲)

خراج کی وصولی کے متعلق عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو فرمان لکھا۔

"زمین کا معائنہ کرو، بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو، اگر بنجر زمینوں میں کچھ صلاحیت ہو تو بقدر گنجائش خراج لو اور ان کی اصلاح کرو۔ کہ وہ آباد ہو جائیں، جن آباد زمینوں پر پیداوار نہیں ہوتی ان کا خراج نہ لو، اور جو زمینیں قحط زدہ ہو جائیں ان کے مالکوں سے نرمی سے خراج وصول کرو، خراج میں صرف وزن سبعہ لو، ٹکسال والوں، چاندی پگھلانے والوں سے نو روز کے ہدیے، عرائض نویسی شادی اور گھروں کا ٹیکس اور نکاح کا نہ لیا جائے، جو ذمی مسلمان ہو جائے اس پر ٹیکس نہیں ہے۔ (کتاب الخراج ص ۴۹)

ان کے علاوہ جس قدر ناجائز ٹیکس تھے، سب موقوف کر دیئے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۸۵)

بیت المال کی حفاظت کا انتظام بیت المال کی حفاظت کا نہایت سخت انتظام کیا، ذرا سی بے احتیاطی پر سخت باز پرس کرتے، ایک مرتبہ یمن کے بیت المال سے ایک اشرفی گم ہو گئی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہاں کے افسر خزانہ کو لکھا، میں تمہاری امانت پر بدگمانی نہیں کرتا، لیکن تم کو لاپرواہی کا مجرم قرار دیتا ہوں اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے مال کا مدعی ہوں، تم پر فرض ہے کہ اپنی صفائی میں شرعی قسم کھاؤ۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۱۳)

یزید بن ابی مہلب بن ابی صفرہ والی خراسان کو خیانت کے جرم میں موقوف کر دیا۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۶)

دفتری اخراجات میں تخفیف کی، ابوبکر بن حزم نے سلیمان کے زمانہ میں کاغذ، قلم، دوات اور روشنی کے مصارف میں اضافہ کی درخواست کی تھی، ابھی اس پر کوئی حکم صادر نہ ہوا تھا کہ سلیمان کا انتقال ہو گیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر کو لکھا کہ وہ دن یاد کرو جب تم اندھیری رات میں بغیر روشنی کے کیچڑ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی میں جاتے تھے اور آج بخدا اس سے کہیں تمہاری حالت بہتر ہے، قلم باریک کرو اور سطریں قریب قریب لکھا کرو، ضروریات میں کفایت شعاری سے کام لو، میں مسلمانوں کے خزانہ سے کوئی

ایسی رقم نہیں دینا چاہتا، جس سے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچے، (ابن سعد ص ۲۹۶) تمام عمال کو ہدایت لکھی کہ کوئی عامل بڑے کاغذ پر جلی قلم سے نہ لکھے، خود آپ کے فرامین ایک بالشت سے زیادہ نہ ہوتے تھے، (ابن سعد ص ۲۵۷، ۲۵۸) اس سلسلہ میں انہوں نے جس قدر احتیاط برتی اس کی تفصیل آئندہ ان کی دیانت کے حال میں آئے گی۔

مصارف میں اصلاح بیت المال کی آمدنی کا بڑا حصہ خلفاء کے ذاتی تعیش اور حکومت کے ظاہری دبدبہ و شکوہ پر صرف ہوتا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جیسا کہ اوپر گذر چکا تمام غیر ضروری مصارف بند کر کے اس کو مسلمانوں کے مفاد کے لیے مخصوص کر دیا گذشتہ خلفاء خمس کے مقررہ مصارف کی پابندی نہیں کرتے تھے، عمر بن عبدالعزیز نے اس کو صحیح مصرف میں لگایا۔ (اصابہ ج ۵ ص ۸۰)

ملک میں جتنے مجبور اور معذور اشخاص تھے، سب کے نام درج رجسٹر کر کے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا، اگر اس میں کسی عامل سے ذرا بھی غفلت ہوتی تھی، تو سخت تنبیہ کرتے تھے۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۱) بعضوں کو نقد کے بجائے جنس ملتی تھی۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۷)

وہ قرضدار جو ناداری کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے تھے، ان کے قرض کی ادائیگی کی ایک مد قائم کی۔ (زرقانی شرح موطا ج ۲ ص ۲۳۷)

شیر خوار بچوں کے وظائف مقرر کیے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۸۵) ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس سے فقراء اور مساکین کو کھانا ملتا تھا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۱) ان کے علاوہ تمام ملک کے حاجت مندوں میں صدقات تقسیم ہوتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو غرباء میں صدقات تقسیم کرنے کے لیے رقہ بھیجنا چاہا، اس نے عذر کیا کہ میں ناواقفیت کی وجہ سے وہاں کے امیر و غریب میں امتیاز نہیں کر سکتا، فرمایا جو تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اسے دے دینا۔

رعایا کی خوشحالی ناجائز آمدنیوں کے سدباب، مظالم کے انسداد اور عام داد و دہش کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے زمانہ میں رعایا بڑی آسودہ حال ہو گئی، ملک کے طول و عرض سے افلاس اور غربت کا نام و نشان مٹ گیا، اور کچھ دنوں میں صدقہ لینے والے نہ ملتے تھے۔

یزید کا بیان ہے کہ ہم لوگ صدقہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے، ایک ہی سال میں یہ

حال ہو گیا کہ ایک سال پہلے جو لوگ صدقہ لیتے تھے، وہ دوسرے سال دوسروں کو صدقہ دینے کے قابل ہو گئے تھے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۹۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صرف ڈھائی برس خلافت کی، اس مختصر مدت میں یہ حالت ہو گئی تھی، کہ لوگ عمال کے پاس صدقہ کا مال تقسیم کرانے کے لیے لے جاتے تھے اور کوئی لینے والا نہ ملتا تھا اور وہ لوگ مجبور ہو کر صدقہ واپس لے جاتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے رعایا کو اس قدر آسودہ حال کر دیا تھا کہ کوئی شخص حاجت مند باقی ہی نہ رہ گیا تھا۔ (زرقانی شرح موطا ص ۲۴۰ ج ۴)

ظالم عہدہ داروں کا تدارک اور مظالم کی اصلاح اموی عمال عموماً ظلم و جور کے خوگر تھے، سلیمان نے اپنے زمانہ میں ایک حد تک اس کا تدارک کیا تھا، لیکن ابھی اس کے آثار باقی تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دوسری اصلاحات کے ساتھ اس کی جانب بھی توجہ کی اور حجاج کے پورے خاندان کو، جو سب سے زیادہ ظالم تھا، یمن جلا وطن کر دیا۔ اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں، جو عرب میں بدترین خاندان ہے اس کو اپنے حدود حکومت میں منتشر کر دو۔ (زرقانی شرح موطا ص ۲۴۰ ج ۴)

حجاج سے تعلق رکھنے والے تمام عمال کو ہر قسم کے ملکی حقوق سے محروم کر دیا۔

بدنام عمال سے حکومت کو ساتھ کرنے کے ساتھ ہی عام عمال کی اصلاح کے لیے ان کے نام ایک عام فرمان جاری کیا کہ عام لوگ ان برے عمال کی وجہ سے جنہوں نے برے دستور قائم کیے اور کبھی انصاف، نرمی اور احسان کا ارادہ نہیں کیا، سخت مصیبت تنگی اور جور و ظلم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۲)

ایک والی عبدالحمید کو لکھا کہ "وسوسہ" شیطانی اور حکومت کے ظلم و جور کے بعد انسان کی بقا نہیں ہو سکتی، اس لیے میرا خط ملتے ہی ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۱) ظلم و جور کے جتنے وسیلے تھے، سب یک قلم بند کر دیئے، اموی دور میں ذرا ذرا سی بدگمانی اور سوئے ظن پر سزا دینا عام تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس طریقہ کو بالکل بند کر دیا۔ موصل میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں بکثرت ہوتی تھیں، یہاں کے والی غسانی نے لکھا کہ جب تک لوگوں کو شبہ میں نہ پکڑا جائے گا اور سزا نہ دی جائے گی

اس وقت تک یہ وارداتیں بند نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے لکھا۔

"صرف شرعی ثبوت پر مواخذہ کرو، اگر حق ان کی اصلاح نہیں کر سکتا تو خدا ان کی اصلاح نہ کرے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۸)

اسی طرح جراح بن عبداللہ حکمی والی خراسان نے لکھا کہ اہل خراسان کی روش نہایت خراب ہے ان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی اور چیز درست نہیں کر سکتی، اگر امیر المومنین مناسب سمجھیں تو اس کی اجازت مرحمت فرمائیں، آپ نے جواب میں لکھا "تمہارا یہ کہنا کہ اہل خراسان کو کوڑے اور تلوار کے علاوہ کوئی اور شے درست نہیں کر سکتی، بالکل غلط ہے، ان کو عدل اور حق درست کر سکتا ہے، اسی کو جہاں تک ہو سکے عام کرو"۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳)

ظلم کا ایک طریقہ یہ تھا کہ عمال چیزوں کا نرخ گھٹا کر کم قیمت پر خرید لیا کرتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قانون بنا دیا کہ "کوئی عامل کسی رعایا کا مال کم قیمت پر نہیں خرید سکتا" فارس کے عہدہ داروں کے متعلق اس قسم کی عام شکایت تھی، یہاں کے والی کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ماتحت عہدہ دار پھلوں کا تخمینہ کر کے کم قیمت پر ان کو خریدتے ہیں اور کردوں کے قبیلے مسافروں سے عشر وصول کرتے ہیں، اگر یہ معلوم ہو گیا کہ تمہارے ایماء سے ہوتا ہے یا تم اسے پسند کرتے ہو تو میں تم کو نہ چھوڑوں گا، بشر بن صفوان، عبداللہ بن صفوان، عبداللہ ابن عجلان اور خالد بن سالم کو اس کی تحقیقات کے لیے بھیجتا ہوں، اگر یہ اطلاع صحیح نکلی تو پھل ان کے مالک کو واپس کر دیئے جائیں گے اور جن جن باتوں کی اطلاع ملی ہے، یہ لوگ ان سب کی تحقیقات کریں گے، تم اس میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرنا۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۰)

ذمیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل کسی حکمران کے عدل و انصاف اور ظلم و جور کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار دوسری ماتحت قوموں اور اہل مذاہب کے ساتھ اس کا سلوک اور طرز عمل ہے، اس معیار سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور سراپا عدل تھا انہوں نے ذمیوں کے حقوق کی جیسے حفاظت کی اور ان کے ساتھ جو نرمی برتی اس کی مثال عہد فاروقی کے علاوہ تاریخ اسلام کے کسی دور میں نہیں مل سکتی، ذمیوں کی اور مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت میں سر مو فرق نہیں کیا، ان کے مذہب میں کسی قسم کی

دست اندازی نہیں کی، جزیہ کی وصولی میں نرمی اور سہولت پیدا کی، ان کے لیے ہر طرح کی آسانیاں مہیا کیں، عمال کو وقتاً" فوقتاً" ان کے متعلق احکام لکھتے رہے۔

عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ "ذمیوں کے ساتھ نرمی برتو، ان میں جو بوڑھا اور نادار ہو جائے اس کی کفالت کا انتظام کرو، اگر اس کا کوئی صاحب حیثیت رشتہ دار ہو تو اسے اس کی کفالت کا حکم دو، ورنہ بیت المال سے کفالت کا انتظام کرو، جس طرح اگر کوئی تمہارا غلام بوڑھا ہو جائے تو اسے یا تو آزاد کرنا پڑے گا یا مرتے دم تک اس کی کفالت کرنی پڑے گی۔

(ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۰)

ذمی کے خون کی قیمت مسلمانوں کے خون کے برابر قرار دی، ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حیرہ کے حاکم کو لکھا کہ قاتل کو فوراً مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دو، وہ چاہیں قتل کریں چاہیں معاف کریں چنانچہ اس حکم پر قاتل کو حوالے کر دیا گیا اور مقتول کے ورثاء نے اسے قتل کر دیا۔ (نصب الرایہ ص ۳۶۰)

کوئی مسلمان ذمیوں کے مال پر دست درازی نہیں کر سکتا تھا، جو ایسا کرتا تھا اسے پوری سزا ملتی تھی، ایک مرتبہ ایک مسلمان ربیعہ شعوذی نے ایک سرکاری ضرورت سے ایک نبطی کا گھوڑا بیگار میں پکڑ لیا اور اس پر سواری کی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو چالیس کوڑے لگوائے۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۶)

مال مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ میں شاہی خاندان سے ذمیوں کی زمینیں بھی واپس دلائیں، ایک ذمی کی زمین عباس بن ولید کے قبضہ میں تھی، اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس دعویٰ کیا، کہ عباس نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عباس سے پوچھا "تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے، انہوں نے کہا والد نے مجھے جاگیر دی تھی اور میرے پاس اس کی سند موجود ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا خدا کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے اور ذمی کی زمین واپس دلا دی۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۳)

ان کے وہ مذہبی حقوق جو گذشتہ خلفاء کے زمانہ میں سلب ہو گئے تھے، از سر نو قائم کیے، دمشق کا ایک گرجا ایک عرصہ سے ایک مسلمان خاندان کی جاگیر میں چلا آتا تھا،

عیسائیوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس دعویٰ کیا' انہوں نے واپس دلا دیا' اسی طریقہ سے ایک مسلمان نے ایک گرجا کی نسبت عذر داری کی کہ وہ اس کی جاگیر میں ہے' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا اگر یہ عیسائیوں کے معاہدہ میں ہے تو تم اس کو نہیں پا سکتے۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۰)

جزیہ کی وصولی کے سلسلہ میں عمال ذمیوں کے اوپر جو سختیاں کرتے تھے' ان کو بالکل بند کر دیا اور جو بے عنوانیاں ہو چکی تھیں' حتی الامکان ان کی تلافی کی کوشش کی' ابن اشعث کی بغاوت کی حمایت کے الزام میں حجاج نے عراق کے ذمیوں کے جزیہ کی مقدار بڑھا دی تھی' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس اضافہ کو گھٹا دیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۰)

جزیہ کی وصولی میں ان کے ساتھ اتنی نرمی برتی جاتی تھی کہ اس سے بازار کا نرخ چڑھ جاتا تھا۔ لیکن اس کا آپ نے کوئی لحاظ نہ کیا' آپ کے زمانہ میں غلہ کا نرخ بہت چڑھ گیا تھا' ایک شخص نے اس کا سبب پوچھا' آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ خلفاء' جزیہ کی وصولی میں ذمیوں کو بڑی سخت تکلیفیں دیتے تھے' اور میں ان پر اتنا ہی بار ڈالتا ہوں جس کو وہ اٹھا سکیں' اس لیے ہر شخص آزادی کے ساتھ جس طرح چاہتا ہے اپنا غلہ فروخت کرتا ہے۔ (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۷۶)

مقدمات میں ذمیوں اور شاہی خاندان میں کوئی فرق نہ کرتے تھے' دونوں کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا' ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے ایک عیسائی پر مقدمہ دائر کیا' عمر بن عبدالعزیزؒ نے دونوں کو برابر کھڑا کیا' ہشام کو یہ ناگوار ہوا' اس نے تمکنت میں آ کر عیسائی کے ساتھ سخت کلامی کی' عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی۔ (کتاب العیون والحدائق ص ۵۲۶)

محاصل میں اضافہ یہ حیرت انگیز امر ہے کہ جزیہ کی وصولی میں ان سہولتوں اور ناجائز آمدنیوں کے سد باب کے باوجود بیت المال کی آمدنی پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ بعض بعض ملکوں کی آمدنی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا' چنانچہ عراق کی آمدنی حجاجی دور سے کہیں زیادہ بڑھ گئی' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ خدا حجاج پر لعنت کرے نہ اس کو دین کا سلیقہ تھا' نہ دنیا کا' وہ باوجود اپنے مظالم کے عراق سے دو کروڑ اسی لاکھ سے زیادہ وصول نہ کر سکا اور زمین کی آبادی کے لیے کاشت کاروں کو بیس لاکھ قرض دینے کے بعد

کل ایک کروڑ سات لاکھ کا اضافہ ہوا۔ اور میرے زمانہ میں بغیر کسی ظلم و زیادتی کے بارہ کروڑ چالیس لاکھ آمدنی ہو گئی' اگر میں زندہ رہا تو ابھی اس آمدنی میں اور اضافہ ہو گا۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۰ و ذکر سواد)

رفاہ عام کے کام حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جس قدر اصلاحیں کیں ان میں سے کوئی بھی رفاہ عام سے خالی نہیں ہے ان کے علاوہ اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے بھی آپ نے بہت سے رفاہ عام کے کام کیے۔

ممالک محروسہ میں بکثرت سرائیں بنوائیں' خراسان کے والی کو لکھا کہ وہاں کے تمام راستوں میں سرائیں تعمیر کرائی جائیں' اور جو مسلمان ادھر سے گزرے ایک شبانہ یوم اس کی میزبانی کی جائے اس کی سواری کی حفاظت کی جائے' بیمار مسافروں کی دو دن میزبانی کی جائے' جس کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو اس کا سامان کیا جائے۔ (طبری ص ۱۳۶۴)

احیائے شریعت اور مذہبی خدمات حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جس طرح حکومت کا سیاسی ڈھانچہ بدلا اور اس کے ہر شعبہ میں اصلاحات کیں' اسی طرح شریعت کا احیاء اور اس کی تجدید کی اور امویوں کے مذہبی تساہل سے جو امور جادہ شریعت سے ہٹ گئے تھے' انہیں دوبارہ اس راستہ پر لگایا' عمال کے نام جو فرامین جاتے تھے' ان سب میں احیائے شریعت اور استیصال بدعت کی تاکید ہوتی تھی۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲)

عدی بن ارطاۃ کو ایک فرمان لکھا کہ ایمان چند فرائض' چند احکام اور چند سنن کا نام ہے' جس نے ان اجزاء کی تکمیل کی اس نے ایمان کو مکمل کر لیا' اور جس نے اس کی تکمیل نہیں کی اس نے ایمان کی تکمیل نہیں کی' اگر میں زندہ رہا تو ان تمام اجزاء کو تمہارے سامنے واضح کر دوں گا' کہ تم اس پر عمل کرو اور اگر مر گیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں ہے۔ (بخاری کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس)

چنانچہ عقائد و عبادات و اخلاق وغیرہ میں جو تغیر پیدا ہو چلا تھا' اسے پوری شدت کے ساتھ روکا' عقائد میں معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے قضاو قدر کا پیچیدہ مسئلہ چھیڑ دیا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس سے توبہ کرائی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴) اور محدثین و فقہاء کو لکھا کہ وہ ان خیالات کو قبول نہ کریں۔ (طبقات ج ۵ ص ۲۸۴)

اموی خلفاء خصوصاً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام عمال کے نام فرمان جاری کیا کہ "نماز کے وقت تمام کاروبار چھوڑ دیا کرو، جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے، وہ دوسرے فرائض کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہو گا۔" (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۳)

حجاج کے زمانہ میں زکوٰۃ کا نظام خراب ہو گیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عمال کو حکم دیا کہ وہ زکوٰۃ کے معاملہ میں حجاج کی روش سے احتراز کریں، اور عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ میں زکوٰۃ کے معاملہ میں تم کو حجاج کی روش سے روکتا ہوں، وہ اس کو غیر محل سے لیتا تھا، اور بے محل صرف کرتا تھا۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۸۸) خطوط میں لوگوں کو صدقات اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ (طبقات ج ۵ ص ۲۶۸)

انسداد شراب نوشی دوسرے عیش و تنعم کے ساتھ شراب نوشی کا رواج بھی ہو چلا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے انسداد کا پورا انتظام کیا اور تمام عمال کے نام فرمان جاری کر دیا کہ کوئی ذمی مسلمانوں کے شہروں میں شراب نہ لانے پائے اور شراب کی دوکانوں کو حکماً" بند کر دیا۔ (طبقات ج ۵ ص ۲۶۹)

بعض حیلہ جو، جو نبیذ کے بہانہ سے شراب پیتے تھے، ان کے بارے میں عدی بن ارطاۃ کو لکھا "لوگ شراب پی کر بدمستی میں نہایت برے کام کرتے ہیں اور اکثر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ شراب پینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جو چیز اس قسم کے کام کراتی ہے اس کے استعمال میں سخت نقصان ہے، خدا نے اس کے بدلہ میں آب شیریں، دودھ اور شہد جیسی پینے کی چیزیں پیدا کی ہیں، جو شخص نبیذ بنائے وہ صرف چمڑے کے مشکیزے میں، جس پر زفت کا روغن نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے ظرف سے منع فرمایا ہے، اس کے بعد بھی اگر کسی نے شراب پی تو اس کو سخت سزا دی جائے گی، اور جو چھپ کر پئے گا اس کو بڑا عذاب دینے والا ہے۔ (کتاب الولاۃ ص ۶۸)

اخلاق کی اصلاح اہل عجم کے اثر سے اسلام کی تعلیم کے خلاف مسلمانوں میں بہت سے عادات و رسوم، لہو و لعب کی تفریحات اور عیش و تنعم کے لوازم پیدا ہو چلے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے سختی کے ساتھ روکا، ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمان لہو و لعب میں مشغول ہو گئے ہیں اور خواتین جنازہ کے ساتھ بال بکھرے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں۔ آپ نے تمام عمال کو فرمان بھیجا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "مجھے

معلوم ہوا ہے کہ سفہاء کی عورتیں زمانہ جاہلیت کی طرح موت کے وقت بال کھولے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں' اس نوحہ و ماتم پر قدغن بلیغ کرو' اہل عجم چند چیزوں سے جنہیں شیطان نے ان کی نگاہ میں محبوب کر دیا دل بہلاتے تھے' مسلمانوں کو اس لہو و لعب اور راگ باجے سے روکو اور جو نہ مانے اسے اعتدال کے ساتھ سزا دو۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۰)

اہل عجم کے اثر سے حماموں کا عام رواج ہو گیا تھا' جن میں عورتیں اور مرد بے باکانہ غسل کرتے تھے اور پردہ بلکہ شرم و حیا کا بھی کوئی لحاظ نہ رکھا جاتا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عورتوں کو حمام میں جانے سے بالکل روک دیا اور مردوں کو حکم دیا کہ وہ بغیر تہبند کے حمام میں غسل نہ کریں اس حکم پر نہایت سختی سے عمل کرایا جاتا تھا اور اس کی خلاف ورزی پر سزا دی جاتی تھی۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۸۰)

حمام کی دیواروں پر خلاف شریعت تصویریں ہوتی تھیں' ایک مرتبہ انہیں خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور فرمایا اگر مصور کا نام معلوم ہوتا' تو میں اس کو سزا دیتا۔

(سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۸۱)

اسلام میں مردوں کے لیے بال سنوارنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ بال سنوارنا مسنون ہے۔ لیکن اس زمانے کے شوقین اس سے بڑھ کر پٹیاں جماتے تھے' آپ نے پولیس کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کے دن مسجد کے دروازہ پر کھڑی ہو جایا کرے اور جو شخص پٹیاں جمائے ہوئے گزرے اس کے بال کاٹ دیا کرے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۸۱)

اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی روح آپ کے دور کی خصوصیت بن گئی تھی' طبری کا بیان ہے کہ ولید عمارتوں کا بانی تھا' اس لیے اس کے زمانہ کا عام مذاق یہی ہو گیا تھا اور لوگ آپس میں صرف تعمیر اور عمارتوں پر گفتگو کرتے تھے' سلیمان کو عورتوں اور نکاح سے دلچسپی تھی' اس لیے اس کے زمانہ میں اسی کا چرچا تھا اور لوگوں کا موضوع بحث شادی اور لونڈیاں تھیں' لیکن جب عمر بن عبدالعزیزؒ نے تخت خلافت پر قدم رکھا تو مذہب' عبادت اور اس کی تفصیلات موضوع بن گئیں۔ (طبری ص ۱۲۷۲' ۱۲۷۳)

غرض حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے احیائے شریعت کے ساتھ مسلمانوں کی اخلاقی نگہداشت بھی فرمائی۔

ایک بری بدعت کا خاتمہ اموی خلفاء نے ایک بری بدعت یہ جاری کی تھی کہ وہ خود اور ان کے تمام عمال خطبہ میں حضرت علیؓ پر لعن طعن دیا کرتے تھے اور اسے خطبہ کا جز بنا دیا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے بالکل بند کر دیا اور تمام عمال کے نام فرمان جاری کر دیا کہ حضرت علیؓ کے متعلق جو نا ملائم الفاظ استعمل کیے جاتے ہیں وہ بند کر دیے جائیں اور اس کی جگہ کلام اللہ کی یہ آیت داخل کی۔ جو آج تک جاری ہے۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربی و ینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون

اللہ تعالیٰ عدل' احسان اور قرابت کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش برائی اور ظلم سے منع کرتا ہے کہ شاید تم سمجھو۔

(تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴ و ابن سعد ۲۹۱)

اشاعت اسلام اسلامی حکومت کے حدود میں توسیع کے بجائے اسلام کی توسیع و اشاعت کو مقصد قرار دیا اور اپنی ساری توجہ اس کی تبلیغ میں صرف کر دی اور اس کے لیے ہر طرح کے مادی و اخلاقی ذرائع اختیار کیے۔

فوجی افسروں کو ہدایت تھی کہ وہ رومیوں کی کسی جماعت سے اس وقت تک جنگ نہ کریں جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہ دے دیں۔ (ابن سعد ترجمہ عمر بن عبدالعزیز) تمام عمال کو حکم تھا کہ وہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں' جو ذمی اسلام قبول کرے اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔

اس سے اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی' تنہا جراح بن عبداللہ حکمی والی خراسان کے ہاتھوں پر چار ہزار ذمی مسلمان ہوئے۔ (ابن سعد ترجمہ عمر بن عبدالعزیز ج ۵ ص ۲۸۵) اسماعیل بن عبداللہ والی مغرب کی تبلیغ سے سارے شمالی افریقہ میں اسلام پھیل گیا۔ (فتوح البلدان ص ۳۵۷)

سندھ کے حکمرانوں اور زمینداروں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے' ان میں سے اکثروں نے اسلام قبول کیا' ان سب کی جائیدادیں اور زمینیں ان ہی کے قبضہ میں رہنے دی گئیں اور انہیں مسلمانوں کے برابر حقوق عطا کیے گئے' راجہ داہر کا لڑکا جے سنگھ بھی انہی لوگوں میں تھا۔ (فتوح البلدان ص ۴۴۱) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تبلیغ سے مختلف ملکوں

میں اس کثرت سے ذمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی، بعض عمال نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے اس کی شکایت کی آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ہادی و رہبر بنا کر بھیجے گئے تھے، تحصیل دار بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے، (مقریزی ج اول ص ۱۲۵) میں یہ پسند کرتا ہوں کہ سارے ذمی مسلمان ہو جائیں اور ہم لوگوں کی حیثیت محض کاشتکار کی رہ جائے کہ اپنے ہاتھ سے کمائیں کھائیں۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۹۹) بعض عمال نے رائے دی کہ ''اکثر ذمی جزیہ کے خوف سے مسلمان ہوتے ہیں، ختنہ کر کے ان کا امتحان لیا جائے، آپ نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہادی و رہنما تھے، خاتن نہ تھے۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۸)

آپ کے محاسن اخلاق اور تبلیغ اسلام سے آپ کا شغف سن کر بعض ملکوں نے جن کا اسلام کی طرف میلان تھا، وفد بھیج کر اپنے یہاں مبلغین کو بھیجنے کی درخواست کی، چنانچہ تبت کے وفد کے ساتھ آپ نے سلیط بن عبداللہ حنفی کو چین روانہ کیا۔

(یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۲)

فتوحات چونکہ حکومت کی خدمت کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر عام فرمانرواؤں سے بالکل مختلف تھا، اس لیے آپ کے دور میں فوجی سرگرمی اور فتوحات جو عموماً حکومتوں کا سب سے مقدم فرض تصور کی جاتی ہیں، سب سے آخری درجہ میں نظر آتی ہیں، چنانچہ سندھ اور اسپین میں بعض معمولی فتوحات کے علاوہ جہاں پہلے سے مہم جاری تھی، آپ کے دور میں کوئی قابل ذکر فتوحات نہیں ہوئیں بلکہ مہمات سے فوجیں واپس بلا لیں۔

خانہ جنگی اور خون ریزی کا خاتمہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک اسلامی تاریخ کے اوقات مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو روکنے کے لیے اتنی احتیاط برتی کہ سرکش اور فتنہ جو اسلامی فرقوں کے مقابلہ میں بھی تلوار نہ اٹھائی۔

خارجی نہ صرف حکومت کے خلاف تھے، بلکہ ان کا وجود امن عامہ کے لیے بھی خطرہ تھا، کسی کی جان و مال ان سے محفوظ نہ تھا، اس لیے گذشتہ خلفاء کے زمانوں میں برابر ان سے مقابلہ جاری رہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے مقابلہ میں بھی تلوار روک لی اور عبدالحمید والی کوفہ کو جو پہلے سے خوارج کے مقابلہ پر مامور تھے، لکھا کہ جب تک یہ لوگ خون ریزی اور فتنہ و فساد نہ برپا کریں، ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور ان کی

شورش کے تدارک کے لیے کسی دور اندیش آدمی کو مقرر کیا جائے۔ عبدالحمید کو یہ ہدایت دینے کے ساتھ آپ نے خوارج کو افہام و تفہیم کے ذریعہ شورش انگیزی سے روکنے کی کوشش کی اور خوارج کے سردار بسطام کو لکھا کہ بہتر یہ ہے کہ تم میرے پاس آ کر بحث و مناظرہ کرو اگر ہم لوگ حق پر ہوں تو تم لوگ عام مسلمانوں کی طرح مطیع ہو جاؤ اور اگر تم حق پر ہو تو ہم اپنے متعلق غور کریں۔ (اس مناظرہ کی تفصیل بہت طویل ہے، ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے دیکھو طبری ص ۱۳۴۸، ۱۳۴۹ و ابن اثیر ج ۴ ص ۱۸، ۱۹)

اس دعوت پر بسطام نے مناظرہ کے لیے دو شخصوں کو بھیجا، فریقین میں مناظرہ ہوا، طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے حق کا اعتراف کر لیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کا وظیفہ مقرر کیا اور دوسرا لوٹ گیا، یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے آخری دور حکومت کا واقعہ ہے اس لیے آپ کی زندگی میں خوارج کے ساتھ کوئی معرکہ پیش نہیں آیا، لیکن ابن سعد کا بیان ہے، کہ خارجیوں پر اس مناظرہ کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بدستور اپنی روش پر قائم رہے اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو مجبور ہو کر ان شرائط کے ساتھ عبدالحمید کو ان سے مقابلہ کی اجازت دینی پڑی کہ۔

(۱) عورت، بچے اور قیدی قتل نہ کیے جائیں، زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔

(۲) فتح کے بعد مال غنیمت ہاتھ آئے وہ خوارج کے اہل و عیال کو واپس کر دیا جائے۔

(۳) قیدی صرف اس وقت تک قید میں رہیں جب تک وہ راہ راست پر نہ آ جائیں۔

ان پابندیوں کے ساتھ عبدالحمید نے مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، ان کے بعد مسلمہ بن عبدالملک بھیجے گئے انہوں نے چند دنوں میں قابو حاصل کیا۔

علالت ابھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا کہ رجب ۱۰۱ھ میں آپ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے، اس بارے میں دو بیانات ہیں ایک یہ کہ علالت طبعی تھی، دوسرا بیان یہ ہے کہ زہر کا نتیجہ تھا، اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بنی امیہ نے جب یہ محسوس کیا کہ اگر کچھ دنوں تک آپ کی خلافت قائم رہی تو آپ بنو امیہ کا زور توڑ کر خلافت کی اصلاحات کو اس قدر مستحکم کر دیں گے کہ پھر ان کا گذشتہ اقتدار واپس نہ آ سکے گا، اس لیے انہوں نے آپ کے ایک خادم کو ایک ہزار اشرفی دے کر زہر دلوا دیا، آپ کو دوران علالت میں اس کا علم ہو گیا، لیکن آپ نے اس کا کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ

اشرفیاں واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیں اور غلام کو آزاد کر دیا۔ (ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز)

یزید بن عبدالملک کو وصیت اس بیماری سے بچنے کی امید نہ تھی اس لیے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک کو جسے سلیمان نامزد کر گیا تھا' یہ وصیت نامہ لکھوایا۔۔۔۔ "میں تم کو اس حال میں یہ وصیت نامہ لکھ رہا ہوں کہ مرض نے بالکل لاغر کر دیا ہے' تم کو معلوم ہے کہ خلافت کی ذمہ داریوں کے بارے میں مجھ سے سوال کیا جائے گا اور خدا مجھ سے اس کا محاسبہ کرے گا اور میں اس سے کوئی کام نہ چھپا سکوں گا"۔

فلنقصن علیهم بعلم و ما کنا غائبین (اعراف) ہم ان لوگوں سے اپنے ذاتی علم سے واقعات بیان کرتے ہیں اور ہم غیر حاضر نہ تھے۔

> ایسی حالت میں اگر خدا مجھ سے راضی ہو گیا تو میں کامیاب ہوا اور ایک طویل عذاب سے نجات پائی اور اگر ناراض ہوا تو میرے انجام پر افسوس ہے' میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ محض اپنی رحمت سے عذاب دوزخ سے نجات دے اور اپنی رضا سے جنت عطا کرے' تم کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے اور رعایا کا خیال رکھنا چاہیے' کیونکہ میری طرح تم بھی تھوڑے ہی دن زندہ رہو گے' تم کو اس سے بچنا چاہیے کہ غفلت میں کوئی ایسی لغزش سرزد نہ ہو جائے' جس کی تلافی نہ کر سکو' سلیمان بن عبدالملک خدا کا ایک بندہ تھا' خدا نے اس کو وفات دی' اس نے مجھے خلیفہ بنایا اور میرے بعد تم کو نامزد کیا' میں جس حال میں تھا' اگر وہ اس لیے ہوتا کہ بہت سی بیویوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں تو خدا نے مجھے ایسے بہتر سامان دیئے تھے' جو وہ اپنے کسی بندہ کو دے سکتا تھا' لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں بجز اس کے کہ خدا میری مدد فرمائے"۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۸۰)

اولاد کے متعلق ارشاد یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے موروثی جاگیر اور گھر کا ایک ایک تنکا بیت المال میں واپس کر دیا تھا' اور آپ کی وفات کے وقت آپ کی اولاد کی معاش کا کوئی سامان نہ رہ گیا تھا' اس لیے وفات سے کچھ پہلے آپ کے سالے مسلمہ بن عبدالملک نے آپ سے عرض کیا "امیر المومنین! آپ نے مال و دولت سے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا اور انہیں بالکل خالی ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں' ان کے متعلق مجھے یا

خاندان کے کسی فرد کو کچھ وصیت کرتے جایئے' خدا کی قسم میں نے ان کا کوئی حق تلف نہیں کیا' البتہ جس مال میں ان کا حق نہ تھا وہ ان کو نہیں دیا' تم کہتے ہو ان کے متعلق کسی کو وصیت کرتا جاؤں' تو اس معاملہ میں میرا وصی اور ولی میرا خدا ہے' جو صلحاء کا ولی ہوتا ہے۔ میرے لڑکے اگر خدا سے ڈریں گے تو خدا ان کے لیے کوئی سبیل نکال دے گا' اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں مال دے کر ان کو گناہ کے لیے اور قوی نہ بناؤں گا' پھر لڑکوں کو بلا کر باچشم پرنم فرمایا۔

میری جان تم پر قربان' جن کو میں نے خالی ہاتھ چھوڑا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم کو اچھی حالت میں چھوڑا' بچو! تم کو کوئی ایسا عرب اور ذمی نہ ملے گا' جس کا تم پر حق ہو' بچو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی' ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ۔ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے' دوسرے یہ کہ تم تہی دست رہو اور وہ جنت میں جائے' بس خدا حافظ' خدا تم کو حفظ و امان میں رکھے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۸۰)

وفات ان مراحل سے فراغت کے بعد رجب ۱۰۱ھ میں انتقال ہوا' اس وقت عمر ۳۹ سے ۴۰ سال کی تھی' دیر سمعان میں دفن کیے گئے' مدت خلافت دو سال پانچ مہینے۔

ازواج و اولاد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی چار بیویاں تھیں ان سب سے اولادیں ہوئیں۔ جن کی مجموعی تعداد پندرہ سولہ تھی۔

حلیہ صورتاً" بہت شکیل تھے' رنگ گورا اور چہرہ وجیہ تھا' خلافت سے پہلے عیش و عشرت کی زندگی کے باعث جسم نہایت شاداب اور تر و تازہ تھا' خلافت کے بعد اس کی ذمہ داریوں کے احساس اور زاہدانہ زندگی کی وجہ سے اتنے لاغر ہو گئے تھے کہ پسلیاں نمایاں ہو گئی تھیں۔

مختصر تبصرہ

اوپر کے حالات خود عمری خلافت کی خصوصیات کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں، ان کے بعد مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن بعض پہلوؤں کو پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خلافت کو اسلامی بنانا چاہتے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حقیقی خواہش یہ تھی کہ موروثی حکومت پھر اسلامی خلافت سے بدل جائے، لیکن یہ بنیادی تبدیلی آپ کے اختیار میں نہ تھی، بنی امیہ میں موروثی حکومت اصولی حیثیت سے مسلّم ہو چکی تھی، خواہ خلیفہ بنی امیہ کی کسی شاخ سے بھی ہو، چنانچہ سلیمان خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد یزید بن عبدالملک کو خلیفہ نامزد کر گیا تھا، اس لیے انتخاب خلیفہ کا معاملہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اختیار میں نہ رہ گیا تھا، آپ نے بعض موقعوں پر خود اس معذوری کا اظہار کیا، اس موقع پر فرمایا کہ اگر خلافت کا مسئلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم بن عبداللہ کو خلیفہ بنا دیتا۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۴)

ایک مرتبہ جب بنی امیہ نے آپ کی عادلانہ روش کے خلاف زیادہ احتجاج کیا تو آپ نے یہاں تک کہہ دیا کہ "اگر آئندہ تم لوگوں نے میرے سامنے اس قسم کی باتیں کیں تو میں خلافت سے دست کش ہو کر مدینہ چلا جاؤں گا اور اس کو شوریٰ پر چھوڑ جاؤں گا، اس کا حقیقی اہل (قاسم بن عبداللہ) میری نگاہ میں موجود ہے۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۴)

ملوکیت کے امتیازات کا استیصال لیکن یہ انقلاب آپ کے بس میں نہ تھا اس لیے جہاں تک ہو سکا ملوکیت کے امتیازات اور شاہنشاہیت کے برے مظاہر کو مٹایا اور تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سب سے اول خلیفہ کی حیثیت واضح کی کہ۔

> "میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں، میں خود اپنی جانب سے کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض پیرو ہوں، کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ خدا کی معصیت میں اس کی پیروی کی جائے، میں تم میں بہتر آدمی بھی نہیں ہوں، البتہ خدا نے مجھ کو تمہارے مقابلہ میں

زیادہ گراں بار کیا ہے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۸)

چنانچہ بادشاہت کے ایک ایک امتیاز کو مٹا دیا' خلفاء کے ساتھ نقیب و علمبردار چلتے تھے۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرح ان پر درود و سلام بھیجا جاتا تھا' سلام میں خاص امتیاز برتا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سب مراسم کو بند کرا دیا' چنانچہ حسب دستور جب کوتوال نے نیزہ اور نشان لے کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا تو آپ نے روک دیا اور فرمایا میں مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۵۳)

عام حکم جاری کر دیا کہ سلام میں خصوصیت نہ برتی جائے بلکہ صرف عام سلام کیا جائے۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۳۸۳)

عمال کے نام فرمان جاری کیا کہ پیشہ ور واعظ خلفاء پر درود و سلام بھیجتے ہیں انہیں روک دو۔ اور حکم دو کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے دعا کریں اور خلیفہ کے ساتھ خصوصیت چھوڑ دیں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۳۶)

ابو بکر بن محمد کو لکھا کہ کسی شخص کو صرف اس لیے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندان خلافت سے تعلق رکھتا ہے' میرے نزدیک یہ سب عام مسلمانوں کے برابر ہیں۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲) اور اسے عملاً "برت کر دکھایا' ایک مرتبہ آپ کے سالے اور چچیرے بھائی مسلمہ بن عبدالملک فریق کی حیثیت سے مقدمہ میں آئے اور سرکاری فرش پر بیٹھ گئے' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے روک دیا کہ اپنے فریق کی موجودگی میں تم فرش پر نہیں بیٹھ سکتے' یا عام لوگوں کے برابر بیٹھو یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنا دو۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز)

شاہی خاندان کے وظائف عام مسلمانوں کے برابر کر دیئے' غرض آپ نے قصر ملوکیت کے تمام کنگروں کو پست کر دیا۔

امور خلافت کے انتظام و انصرام میں عہد فاروقی کو اپنے لیے نمونہ بنایا' حضرت عمرؓ کے پوتے سالم کو لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اگر خدا مجھ کو اس کی استطاعت دے تو میں رعایا کے معاملات میں عمر بن خطاب کی روش اختیار کروں' اسلئے تم میرے پاس ان کی وہ تحریریں اور فیصلے' جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کیے ہیں' بھیجو' اگر خدا کو منظور ہے تو میں ان کے نقش قدم پر چلتا رہوں گا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۳۱ و ۱۳۲ و ابن سعد)

اس عزم پر انہوں نے کہاں تک عمل کیا' اس کا اندازہ کرنے کے لیے اوپر کے اقتباسات کافی ہیں' حقیقت یہ ہے کہ بعض حیثیتوں سے آپ حضرت عمرؓ سے بڑھ گئے تھے' حضرت عمرؓ کا زمانہ عہد رسالت سے بہت قریب تھا' اسلامی روح زندہ تھی' مسلمان دنیا میں مبتلا نہ ہوئے تھے' حضرت عمرؓ کے لیے کوئی مزاحم طاقت موجود نہ تھی' اس لیے انہوں نے جو کچھ کیا وہ کچھ زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے' لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہر طرح کے مخالف حالات میں عہد فاروقی کو زندہ کر دکھایا۔ خود اس زمانہ کے اکابر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے کارنامے کو فاروقی کارناموں سے افضل سمجھتے تھے' چنانچہ سالم بن عبداللہ نے آپ کو لکھا کہ عمر بن الخطابؓ نے جو کچھ کیا وہ دوسرا زمانہ تھا' دوسرے لوگ تھے' اگر تم نے اس زمانہ اور ان لوگوں میں عمر بن خطابؓ کی پیروی کی تو تم ان سے افضل ہو گئے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۳۱ و ۱۳۲) اسی لیے بعض محدثین ان کو پانچواں خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ (ابوداؤد کتاب السنہ باب فی التفضیل)

فضل و کمال ان اوصاف کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ علمی اعتبار سے اپنے دور کے جلیل القدر عالم تھے' اگر سیاسی حالات نے انہیں تخت شاہی پر نہ بٹھا دیا ہوتا تو وہ مسند علم کی زینت ہوتے' حافظ ذہبی لکھتے ہیں **کان فقیہا مجتہدا عارفا بالسنن کبیر الشان ثبتا حجۃ حافظا قانتا للہ اواہا منیبا** (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۵)

امام نوویؒ کا بیان ہے کہ ان کی جلالت شان' فضیلت علمی' وفور علم' صلاح' آثار نبویؐ کے اتباع اور خلفائے راشدین کی پیروی پر سب کا اتفاق ہے۔ (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۷)

اس عہد کے اکابر علماء ان کے سامنے طفل دبستان تھے' میمون بن مہرانؒ کا جو خود ایک بڑے صاحب علم تابعی ہیں بیان کیا ہے کہ علماء عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے تلامذہ معلوم ہوتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۶) مشہور صاحب علم تابعی مجاہدؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ انہیں تعلیم دینے گئے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے (ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۱) تفسیر' حدیث' فقہ و جملہ دینی علوم میں انہیں عبور حاصل تھا۔

علماء کی قدردانی اور ان سے مشورہ اس فضل و کمال کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کے دربار میں شعراء اور ظرفاء کی جگہ علماء اور ارباب کمال کا مجمع ہو گیا تھا اور ان کی بڑی

قدردانی تھی دور دور سے علماء اور فقہاء کو بلا کر ان کی قدر افزائی فرماتے، امور خلافت میں وہی آپ کے مشیر اور ہم جلیس تھے، ان میں میمون بن مہران، رجاء بن حیوۃ، ریاج بن عبیدہ، سالم بن عبداللہ، محمد بن کعب قرظی اور سعید بن مسیب خاص طور سے قابل ذکر ہیں، مذہبی امور میں سعید بن مسیب سے ضرور مشورہ فرماتے تھے۔

تعلیمی خدمات مذہبی تعلیم کی اشاعت کی جانب آپ کی خاص توجہ تھی، قاضی ابوبکر حزم کو لکھا کہ لوگوں کو چاہیے کہ عام طور پر علم کی اشاعت کریں، تعلیم کے لیے حلقہ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان جائیں کیونکہ علم اس وقت تک برباد نہیں ہوتا جب تک خزانہ نہ بن جائے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۹۴)

ایک اور عامل کو لکھا کہ اہل علم کو حکم دو کہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں کیونکہ حدیثیں مردہ ہو رہی ہیں، جو علماء اس مقدس فرض میں مشغول تھے انہیں فکر معاش سے بے نیاز کر دیا، حمص کے گورنر کو لکھا کہ جن لوگوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا ہے، بیت المال سے سو سو دینار ان کا وظیفہ مقرر کر دو کہ وہ اطمینان کے ساتھ اس خدمت کو انجام دے سکیں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۹۵)

تعلیم کی اشاعت کے لیے طلبہ کے وظائف مقرر کیے (جامع بیان العلم ص ۸۸) مختلف ملکوں میں تعلیم کے لیے علماء بھیجے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مشہور صاحب علم غلام نافع کو جو مدینہ کے بڑے فقیہ تھے، حدیث کی تعلیم دینے کے لیے مصر بھیجا (حسن الحاضرہ ج ۱ ص ۱۱۹) قاری جعثل بن عاہان کو قرات کی تعلیم دینے کے لیے مصر و مغرب بھیجا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۷۴)

یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یمجد اشعری کو بدوؤں کی تعلیم و تربیت پر مقرر کیا۔ (حسن الحاضرہ ص ۱۰۸) تعلیم کے ساتھ ارشاد و ہدایت کے لیے تمام ممالک محروسہ میں واعظ اور مفتی مقرر کیے، چنانچہ حجاج ابو کثیر اموی اسکندریہ کے واعظ تھے۔ (بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم)

ایک اہم دینی خدمت آپ کا سب سے بڑا تعلیمی و مذہبی کارنامہ احادیث نبوی کی حفاظت اور اس کی اشاعت ہے اگر انہوں نے ادھر توجہ نہ کی ہوتی تو احادیث نبوی کا معتد بہ حصہ ضائع ہو جاتا، آپ نے جب دیکھا کہ بڑے حفاظ حدیث اٹھتے چلے جاتے ہیں اور ان

کے ساتھ حدیثیں بھی دفن ہوتی جا رہی ہیں' تو قاضی ابو بکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی کی تلاش و جستجو کر کے انہیں لکھ لو' مجھے علماء کے ساتھ علم کے بھی مٹ جانے کا خوف ہے لیکن یہ احتیاط ملحوظ رہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں قبول کی جائیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۴) اس قسم کا فرمان تمام صوبوں کے والیوں کو لکھا۔ (جامع بیان العلم و فضلہ ص ۳۸) اس حکم پر تمام محدثین نے حدیثیں تلاش کر کے ان کے مجموعے مرتب کیے گئے' اور تمام ممالک محروسہ میں بھیجے گئے' سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے دفتر کے دفتر حدیثیں لکھیں اور انہوں نے اس کا ایک ایک مجموعہ تمام ممالک محروسہ میں بھیجا۔ (تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن قتادہ)

مغازی اور مناقب صحابہ کی تعلیم و اشاعت مغازی اور مناقب صحابہؓ کی جانب اس وقت تک عملی حیثیت سے کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی تھی' سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عاصم بن قتادہ کو جو مغازی اور سیرت کے بڑے عالم تھے حکم دیا کہ وہ جامع دمشق میں ان دونوں چیزوں کا درس دیا کریں۔ (اخبار الحکماء تذکرہ ماسرجویہ)

بعض یونانی تصانیف کی اشاعت اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اصل مقصد مذہبی تعلیم یعنی کتاب و سنت کی اشاعت تھا' لیکن انہوں نے غیر قوموں کے علم سے بھی فائدہ اٹھایا' مروان بن حکم کے زمانہ میں ایک یونانی حکیم کی طبی کتاب کا ترجمہ ماسرجویہ نے کیا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی نقلیں کرا کے ملک میں انہیں شائع کیا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۸۸) غرض حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی علم نوازی کی وجہ سے ان کے دور میں علم و تعلیم کی کافی اشاعت ہوئی۔

فضائل اخلاق اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مجددانہ کارناموں کے بعد آپ کے فضائل اخلاق پر روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ در حقیقت یہ سب فضائل اخلاق ہی کے پرتو ہیں لیکن محض اس خیال سے کہ خالص اخلاقی رخ بھی سامنے آ جائے' آپ کے فضائل اخلاق کے کچھ واقعات بھی لکھ دیے جاتے ہیں۔

خشیت الٰہی تمام فضائل اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے' حکومت کا جاہ و جلال' خدا سے غافل اور مواخذہ سے بے خوف بنا دیتا ہے' لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ کے دل کو اسی شے

نے خوف و خشیت سے لبریز کر دیا تھا۔ معمول تھا کہ عشا کے بعد تنہائی میں بیٹھ کر رو رو کر دعائیں کرتے تھے' اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی' بیدار ہوتے تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا اور ساری ساری رات اسی طرح گذر جاتی۔

ذمہ داری کا احساس اور مواخذہ کا خوف اس خشیت الٰہی کا نتیجہ تھا کہ آپ خلافت کی ذمہ داریوں اور امت کے حقوق کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے' ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے آپ کے شبینہ مشغلہ کو دیکھ کر اس کا سبب پوچھا آپ نے ٹالا مگر انہوں نے اصرار کیا کہ میں اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہتی ہوں' اس وقت آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے سیاہ و سپید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں' اس لیے جب میں جن بے کس' غریب' محتاج' فقیر' گم شدہ اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں' جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور خدا کے سامنے کوئی معقول عذر اور دلیل نہ پیش کر سکا' تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور جتنا میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اتنا ہی میرا دل خوفزدہ ہوتا ہے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز' ص ۱۸۸)

جب لوگ آپ کے گریہ وبکا کے متعلق کچھ کہتے تو آپ فرماتے کہ تم لوگ رونے پر مجھے ملامت نہ کرو' کیونکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلہ میں عمر پکڑا جائے گا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز' ص ۲۹۱' ۲۹۲)

اپنے ایک فوجی افسر سلیمان بن ابی کریمہ کو ایک مرتبہ لکھا کہ خدا کی عظمت و خشیت کا سب سے زیادہ مستحق وہ بندہ ہے' جس کو اس نے اس آزمائش میں ڈالا' جس میں میں ہوں' خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا' اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں' میں اپنی حالت سے سخت دل گرفتہ ہوں' مجھے خوف ہے کہ میرے یہ حالات مجھے ہلاک نہ کر دیں' مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جانے والے ہو' میری حالت پر خطر اور میرا خطرہ بہت بڑا ہے۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۱۹۲)

تقویٰ و تورع آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے نمایاں تقویٰ و تورع تھا' یوں تو آپ کا تقویٰ ہر شعبہ زندگی میں نمایاں تھا لیکن مسلمانوں کے مال میں آپ نے اس کا جو

نمونہ پیش کیا اس کی مثال سلاطین و فرمانرواؤں کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی' بیت المال سے معمولی سا فائدہ بھی اٹھانا گوارا نہ تھا' رات کو جب تک خلافت کا کام کرتے تھے اس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے تھے' اس کے بعد گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلواتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷ و ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۵)

بیت المال کی جانب سے فقراء و مساکین کے لیے جو مہمان خانہ تھا اس کے باورچی خانہ سے اپنے لیے پانی تک گرم نہ کراتے تھے' ایک مرتبہ آپ کی لاعلمی میں ملازم ایک مہینہ تک عام مطبخ میں پانی گرم کرتا رہا' آپ کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کرا دی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷ و ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۵)

ایک مرتبہ غلام کو گوشت کا ٹکڑا بھوننے کا حکم دیا' وہ اسی مطبخ سے بھون لایا آپ نے اسے ہاتھ نہ لگایا اور غلام سے فرمایا تم ہی کھالو میری قسمت میں نہ تھا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۶)

ایک مرتبہ بیت المال میں بہت سے سیب آئے' آپ انہیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے' آپ کا چھوٹا بچہ ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا' آپ نے اس کے منہ سے چھین لیا' وہ رونے لگا اور جا کر ماں سے شکایت کی' ماں نے بازار سے سیب منگا دیا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ گھر واپس آئے تو انہیں سیب کی خوشبو معلوم ہوئی' پوچھا فاطمہ! سرکاری سیب تو یہاں نہیں آیا۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا' آپ نے فرمایا' خدا کی قسم میں نے اس کے منہ سے نہیں چھینا تھا' بلکہ اپنے دل سے چھینا تھا اس لیے مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں مسلمانوں کے حصہ کے سیب کے بدلہ میں اپنے کو اللہ کے حضور برباد کروں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۶)

آپ کو لبنان کا شہد بہت مرغوب تھا' ایک مرتبہ اس کی خواہش ظاہر کی تو آپ کی بیوی فاطمہ نے لبنان کے حاکم ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا' انہوں نے بہت سا شہد بھجوا دیا فاطمہ نے اسے عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے پیش کیا' انہوں نے دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابن معدیکرب کے پاس کہلا بھیجا تھا' چنانچہ اس کو چکھا تک نہیں اور بکوا کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کرا دی اور ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا کہ تم نے فاطمہ کے کہلانے پر بھیجا ہے' خدا کی قسم اگر آئندہ تم نے ایسا کیا تو اپنے عہدہ پر نہیں رہ سکتے اور

میں تمہارے چہرہ پر نظر نہ ڈالوں گا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵۸)

احتیاط کا آخری نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ بیت المال کا مشک آپ کے سامنے لایا گیا' آپ نے ناک بند کر لی کہ خوشبو ناک میں نہ جانے پائے' لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین خوشبو سونگھنے میں کیا حرج ہے' فرمایا مشک کا انتفاع یہی ہے (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۳) تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد تحفہ و ہدیے قبول کرنے بند کر دیئے' ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے پاس سیب اور دوسرے میوے بھیجے آپ نے واپس کر دیا' بھیجنے والے نے آپ سے کہا کہ ہدیہ تو رسول اللہ ﷺ قبول فرماتے تھے آپ نے جواب دیا' لیکن ہمارے اور ہمارے بعد والوں کے لیے وہ رشوت ہے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۶)

تواضع و مساوات بنی امیہ نے حاکم و محکوم اور آقا و غلام کی جو تفریق پیدا کر دی تھی' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے بالکل مٹا دیا تھا اور خود مساوات کا عملی نمونہ قائم کیا' ملازمین تک کو تعظیم کے لیے اٹھنے کی ممانعت کر دی اور خود ان کے برابر بیٹھتے تھے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۵۷) بلکہ ان کی خدمت میں بھی تامل نہ کرتے تھے' ایک مرتبہ پنکھا جھلتے جھلتے ایک لونڈی کی آنکھ لگ گئی آپ نے پنکھا لے کر خود اس کو جھلنا شروع کر دیا' اس کی آنکھ کھلی تو دیکھ کر گھبرائی' آپ نے فرمایا آخر تم بھی میری طرح ہو' تم کو بھی گرمی لگتی ہو گی' جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھیں میں نے بھی تم کو جھل دیا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۷۳)

اگر ملازم سو جاتے تو خود اپنے ہاتھ سے کام کر لیتے' ملازم کے آرام میں خلل نہ ڈالتے ایک مرتبہ رجاء بن حیوۃ سے گفتگو میں رات زیادہ گذر گئی اور چراغ جھلملانے لگا' ملازم قریب ہی سویا ہوا تھا' رجاء نے جگانا چاہا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے روک دیا' رجاء نے خود چراغ درست کرنے کا ارادہ کیا آپ نے انہیں بھی روک دیا۔ اور خود اٹھ کر تیل لیا اور چراغ میں ڈال کر واپس آئے اور فرمایا جب میں اٹھا تب بھی عمر بن عبدالعزیزؒ تھا اور اب بھی عمر بن عبدالعزیزؒ ہوں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۷۳' ۱۷۴)

آپ کی سادگی' تواضع اور مساوات اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ جو لوگ آپ کو پہچانتے نہ تھے انہیں عام مجمعوں میں پہچاننے کی دقت ہوتی تھی۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۷۳ اور ۱۷۴)

زہد و ورع خلافت ملنے سے پہلے آپ کی زندگی جس عیش و تنعم کی تھی اس کی تصویر اوپر گذر چکی ہے خلافت کے بعد سارے تکلفات سے دست کش ہو گئے اور ابو ذر غفاریؓ کا قالب اختیار کر لیا۔ لونڈی، غلام فرش و فروش، لباس وغیرہ جملہ عیش و تکلف کے سامانوں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی تھی، گذارے کے لیے صرف چار سو دینار سالانہ لیتے تھے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ لیتے تھے۔

(عمر بن عبدالعزیز ص ۱۷۲ و ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۶)

لباس ایک زمانہ میں چار سو کی قیمت کا کپڑا جسم پر بار معلوم ہوتا تھا اور دن بھر کئی کئی جوڑے بدلے جاتے تھے اب صرف ایک جوڑا رہ گیا تھا اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔

(ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۴)

مرض الموت میں ایک قمیص کے علاوہ دوسری قمیص نہ تھی کہ بدلوائی جاتی، آپ کے سالے مسلمہ بن عبدالملک نے اپنی بہن سے کہا کہ قمیص میلی ہو گئی ہے، لوگ عیادت کو آتے ہیں دوسری بدلوا دو، وہ سن کر چپ ہو رہیں، مسلمہ نے جب دوبارہ کہا تو بولیں خدا کی قسم اس کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہیں (ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۴) پھر ایک جوڑا بھی سالم نہ ہوتا تھا، بلکہ پیوند پر پیوند لگے ہوتے تھے۔

آپ کے بچے بھی اسی تنگی سے بسر کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کی بچی آمنہ کے پاس کپڑا نہ تھا آپ نے حکم دیا کہ فرش پھاڑ کر کرتہ بنا دیا جائے، آپ کی بہن کو معلوم ہوا تو ایک تھان بھجوا دیا اور منع کر دیا کہ عمر سے نہ مانگنا۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵۴)

ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے کپڑے مانگے آپ نے ان سے فرمایا خیار بن رباح کے پاس رکھے ہیں ان سے جا کر لے لو، عبداللہ گئے تو خیار نے گزی کے کپڑے نکال کر دیئے یہ لڑکے تھے بولے یہ تو ہمارے پہننے کے لائق نہیں ہیں خیار نے کہا میرے پاس امیر المومنین کے یہی کپڑے ہیں، عبداللہ نے جا کر واپس حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی یہی کہا کہ انہوں نے فرمایا میرے پاس تو یہی کپڑے ہیں یہ جواب سن کر وہ مایوس لوٹنے لگے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے واپس بلا کر کہا کہ اگر اپنے وظیفہ سے پیشگی لینا چاہو تو لے سکتے ہو، چنانچہ دو سو درہم دلوائے اور وظیفہ تقسیم کرتے وقت کاٹ لے۔

(سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۷۳)

یزید بن عبدالملک

۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ مطابق ۷۱۹ء تا ۷۲۳ء

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد رجب ۱۰۱ھ میں یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا' اس کی ماں عاتکہ' یزید بن معاویہ کی لڑکی تھی۔

تخت نشینی کے بعد یزید نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی' اور ان کی اصلاحات کو قائم رکھا لیکن چالیس دن سے زیادہ نہ چلا سکا' اس کے بعد تمام اصلاحات کو منسوخ کر کے پھر وہی پرانا استبدادی نظام جاری کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۴۷) اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کیے۔

یزید بن مہلب کی بغاوت اور اس کا خاتمہ نامور اموی امیر مہلب بن ابی صفرہ کے کارنامے اوپر گذر چکے ہیں' اس کی خدمت اور کارناموں کی وجہ سے اس کی اولاد کو بڑا عروج ہوا۔ اس کے سب لڑکے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہوئے اور ان کا اقتدار اتنا بڑھا کہ وہ اپنے حدود حکومت میں چھا گئے تھے' جس طرح چاہتے تھے حکومت کرتے تھے خلفاء کو بھی انہیں ٹوکنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔

سلیمان کے زمانہ میں یزید بن مہلب خراسان کا مختار کل تھا' سلیمان کی وفات کے کچھ دن پہلے اس نے اس کو ایک بڑی آمدنی کی اطلاع دی تھی' لیکن بھیجنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ سلیمان کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تخت نشین ہوئے' آپ عمال کی خود سری کو سخت ناپسند کرتے تھے' خصوصاً بیت المال کی آمدنی کے معاملہ میں کسی امیر کے ساتھ رو رعایت کو راہ نہ دیتے تھے' اس لیے اپنے زمانہ میں انہوں نے یزید سے اس رقم کا مطالبہ کیا اس نے ٹالنے کی کوشش کی' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن ارطاۃ والی عراق کو لکھا' انہوں نے ابن مہلب کو پکڑ کر پابجولاں دربار خلافت میں بھجوا دیا' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پھر مطالبہ کیا' یزید نے کہا کہ امیر المومنین سلیمان میرا جتنا لحاظ کرتے تھے' وہ آپ کو معلوم ہے' اگر وہ زندہ ہوتے تو مجھ سے اس رقم کا مطالبہ نہ کرتے' میں نے

صرف ان کے علم کے لیے انہیں اطلاع دے دی تھی' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے' اسے میں کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر تم نے انکار کیا تو مجھے تم کو قید کر دینا پڑے گا' لیکن یزید نے جب اس دھمکی پر دھیان نہ دیا تو آپ نے اسے قید کر دیا' ابھی یہ قید میں تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔

اس مہلب نے اپنے دور امارت میں یزید بن عبدالملک کے بعض سسرال اعزہ کو سزائیں دی تھیں' اس بنا پر یزید اس سے برہم تھا۔ اور چونکہ وہ نامزد شدہ ولی عہد تھا' اس لیے ابن مہلب کو خطرہ پیدا ہوا کہ یزید تخت نشینی کے بعد ضرور اس کا انتقام لے گا اس لیے وہ رشوت دے کر جیل سے فرار ہو گیا۔

اس دوران میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہو گیا اور یزید تخت نشین ہوا' مہلب کا خاندان عراق میں بڑا صاحب اقتدار تھا اس لیے اس کے فرار سے یزید کو خطرہ پیدا ہوا چنانچہ اس نے فوراً عدی بن ارطاۃ والی عراق کو آل مہلب کی گرفتاری کا حکم لکھ بھیجا' یہ لوگ بالکل بے خبر تھے اس لیے یزید نے آسانی کے ساتھ یزید بن مہلب کے تین بھائی مفضل' مروان' اور حبیب کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور یزید بن مہلب کے خطرات کو روکنے کی تدبیریں کیں اس دوران میں یزید بن مہلب بصرہ پہنچ گیا' یہاں آ کر جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے بھائی گرفتار ہو چکے ہیں تو اس نے عدی سے مصالحت کی کوشش کی لیکن اس نے انکار کر دیا بصرہ میں آل مہلب کے حامیوں کی بڑی تعداد تھی ان کی مدد سے اس نے عدی کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور بصرہ پر اس کا قبضہ ہو گیا' دارالحکومت پر قبضہ کے بعد عراق اور اس کے پورے ماتحت علاقہ سے اموی حکومت اٹھ گئی' اور مہلب نے فارس وغیرہ میں اپنے عمال مقرر کر دیے۔

یزید بن عبدالملک کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو اس کے مقابلہ کے لیے عراق روانہ کیا' اس وقت ابن مہلب نے یزید بن عبدالملک کی بیعت فسخ کر کے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے ذریعہ بنی امیہ کے مقابلہ پر آمادہ کیا اور انہیں یقین دلایا کہ ان سے جہاد کرنا ترک و دیلم کے ساتھ جہاد سے بہتر ہے' حضرت حسن بصریؒ نے اس کی مخالفت کی۔ لور فرمایا کہ ابھی کل تک یہی شخص بنی امیہ کی جانب سے حاکم تھا اور ان کی

خوشنودی کے لیے لوگوں کی گردنیں کاٹتا تھا اور آج وہ انہی لوگوں کو ان کے خلاف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی دعوت دے رہا ہے، لیکن آپ کو لوگوں نے خاموش کرا دیا۔

مسلمہ کے عراق پہنچنے کے بعد ابن مہلب نے اپنے مقبوضات کی حفاظت کے انتظامات کیے اپنے بھائی مروان کو بصرہ کی اور لڑکے معاویہ کو واسط کی نگرانی پر مامور کر کے خود مسلمہ کے مقابلہ کے لیے کوفہ کی طرف بڑھا اس کا بھائی مقدمتہ الجیش کے ساتھ آگے تھا، چنانچہ پہلے اس کا اور عباس بن عبدالملک اموی کا مقابلہ ہوا، عبدالملک کو شکست ہوئی اور وہ لوٹ کر ابن مہلب سے مل گیا اس کے بعد انبار کے قریب مسلمہ اور یزید بن مہلب کا سامنا ہوا، ابن مہلب کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی، ابھی جنگ شروع نہ ہوئی تھی کہ مسلمہ کے آدمیوں نے فرات کے پل میں آگ لگادی یہی عراقیوں کے گزرنے کا راستہ تھا، وہ پل سے دھواں اٹھتے دیکھ کر اتنے بد حواس ہوئے کہ ان کی بڑی تعداد نے بغیر لڑے میدان چھوڑ دیا، ابن مہلب نے ہر چند سنبھالنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی، اس ہنگامہ میں اس کا بھائی حبیب قتل ہوا، اس کے قتل کے بعد ابن مہلب اپنی مختصر جماعت کے ساتھ جان پر کھیل گیا اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑ کر جان دی، اس کا دوسرا بھائی مفضل الگ ایک جتھے کے ساتھ بر سرپیکار تھا، ابن مہلب نے پہلے سے اس کا انتظام کر لیا تھا کہ اگر اسے اس معرکہ میں شکست ہوئی تو وہ قندابیل یعنی (سندھ) میں جو اس کے ماتحت تھا، پناہ لے گا، اس لیے مفضل بن مہلب اپنے خاندان کو لے کر قندابیل روانہ ہو گیا، ایک اموی سردار نے اس کا تعاقب کیا اور مفضل کے بقیہ ساتھی بھی مارے گئے، لیکن وہ خود کسی طرح جان بچا کر نکل گیا، قندابیل پہنچنے کے بعد یہاں کے حاکم وداع بن حمید نے دھوکہ دیا اور مفضل کو شہر میں داخل ہونے سے روکا، اس نے بزور داخل ہونا چاہا لیکن اب اس کے پاس کوئی قوت نہ رہ گئی تھی اس لیے مفضل، عبدالملک زیاد اور مروان خاندان مہلب کے تمام ارکان مارے صرف چند صغیر السن بچ گئے، انہیں مع عورتوں کے قید کر کے مسلمہ کے پاس بھیج دیا گیا، اس افسوسناک طریقہ پر اس نامور خاندان کا خاتمہ ہوا، جس کی اموی حکومت میں بڑی خدمات تھیں۔ (ابن اثیر میں اس بغاوت اور اس کے خاتمہ کی تفصیلات بہت طویل ہیں ہم نے ان کا خلاصہ نقل کیا ہے)

قصر باہلی پر ترکوں کا قبضہ آل مہلب کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد

یزید نے اپنے بھائی مسلمہ کو عراق کا گورنر جنرل مقرر کیا' اس نے اپنے والد سعید بن عبدالعزیز کو خراسان کا والی بنا دیا۔ ترکستان کے باشندے بڑے سرکش اور جنگ جو تھے صرف قوت سے دبتے تھے' اور سعید بڑا عیش پرست' کمزور اور نرم دل تھا' اس لیے ترکستان کی تمام قوموں کا حوصلہ بڑھ گیا اور خاقان کے اشارہ سے ترکوں کا ایک جرگہ اسلامی حدود میں گھس آیا۔ اور مقام قصر باہلی کو جس میں بہت سے مسلمان آباد تھے گھیر لیا' ان لوگوں نے عثمان بن عبداللہ والی سمرقند سے مدد مانگی اس نے مسیب بن بشیر ریاحی کو چار ہزار فوج دے کر روانہ کر دیا راستہ میں انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ معرکہ بہت سخت ہے جسے جان عزیز نہ ہو وہ ساتھ چلے ورنہ لوٹ جائے اس اعلان پر تین ہزار آدمی لوٹ گئے' اور مسیب ایک ہزار کی مختصر جماعت کے ساتھ قصر باہلی روانہ ہو گیا' قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ ایک ترک حکمران ترکی دہقانوں کی بڑی تعداد کے ساتھ قصر کا محاصرہ کیے ہوئے ہے' مسیب نے فوراً دو جاسوسوں کو بھیج کر محصور مسلمانوں کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ لوگ صبح تک صبر اور استقلال سے کام لیں اور خود راتوں رات چل کر صبح ہوتے ہوتے پہنچ گیا' اور پہنچتے ہی ترکوں پر ٹوٹ پڑا اور اس بہادری سے لڑا کہ ترک محاصرہ اٹھا کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے' ترکوں کا اپنا ملک تھا ان کے پلٹنے کا خطرہ تھا' اس لیے مسیب نے ان کے تعاقب سے مسلمانوں کو روک دیا اور کسی نہ کسی طرح محصور مسلمانوں کو قصر باہلی سے نکال لے گیا' اس کی واپسی کے بعد ہی دوبارہ ترک پہنچے لیکن اس وقت قصر بالکل خالی ہو چکا تھا۔

سغد پر مسلمانوں کا قبضہ سغد مسلمانوں کے حلیف تھے لیکن قصر باہلی کے محاصرہ میں انہوں نے ترکوں کی مدد کی تھی' اس لیے مسلمانوں نے سعید کو اس کا انتقام لینے کے لیے آمادہ کیا وہ جیحون کو عبور کر کے سغد کے علاقہ کی طرف بڑھا' قریب ہی ان کا جرگہ مل گیا' مسلمانوں نے اسے شکست دے کر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا' مگر سعید نے روک دیا کہ یہ لوگ امیر المومنین کی کھیتی ہیں ان کا ویران کرنا مناسب نہیں ہے" یہاں سے واپسی میں ترکوں کی ایک جماعت جو ان کی تاک میں چھپی ہوئی تھی ان پر ٹوٹ پڑی مسلمان بالکل بے خبر تھے اس لیے شکست کھا گئے لیکن پھر کل فوج کے پہنچنے کے بعد ترکوں کو پسپا کر دیا۔

سعید بن ہبیرہ کا تقرر اور دوسرا معرکہ سعید بن عبدالعزیز فطرۃً کمزور تھا اور

اس کی موجودگی میں ترک اور سغد سرکشی سے باز نہیں آسکتے تھے اس لیے ۱۰۳ھ میں وہ معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ سعید بن ہبیرہ کا تقرر ہوا' یہ بڑے دبدبہ اور شکوہ کا شخص تھا' اس نے آتے ہی مسلمانوں کو گرمایا کہ "تم لوگ کثرت تعداد کے بل پر نہیں بلکہ خدا کی مدد کے بھروسہ پر لڑتے ہو اس کا نام لے کر کھڑے ہو جاؤ"۔ سغد کو اس کی خبر ہوئی تو وہ ڈر گئے اور فرغانہ کے فرمانروا سے خجندہ میں قیام کی اجازت چاہی اس نے یہاں ٹھہرانے سے انکار کیا البتہ ایک پر گنہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور اس کے خالی ہونے تک عارضی طور پر ایک دوسرا مقام تجویز کر دیا' مگر اس دوران میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی' سغد نے عارضی قیام کے لیے شعب عصام کو پسند کیا' سعید خرشی کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً روانہ ہو گیا اور قبل اس کے کہ سغد شعب عصام میں داخل ہوں' پہنچ گیا اور ہر طرف سے انہیں گھیر لیا' سغد نے فرمانروائے فرغانہ سے مدد طلب کی' اس نے جواب دیا کہ میں نے تمہارے قیام کے مستقل انتظام سے پہلے حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی تھی' یہ جواب سن کر سغد نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کے پاس جتنے مسلمان قیدی ہیں سب واپس کر دیں گے اور ان کی بغاوت کی وجہ سے خراج میں جو کمی ہوئی ہے اسے پوری کر دیں گے' آئندہ کوئی فریب نہ کریں گے اور خجندہ چھوڑ دیں گے' اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو مسلمانوں کو جنگ کا اختیار رہے گا۔

ابھی یہ شرائط پورے نہ ہوئے تھے' کہ سغد نے ایک مسلمان عورت کو قتل کر دیا' سعید کو معلوم ہوا تو انہوں نے صرف قاتل کے قتل پر اکتفا کیا' لیکن اس بد عہدی کے بعد ایک سغد سردار کو سعید کی جانب سے اطمینان نہ رہ گیا' اس نے علم بغاوت بلند کر دیا اور اسلامی آبادی پر تاخت کر کے چند مسلمانوں کو قتل کر ڈالا یہ سردار تو کسی نہ کسی طرح قتل کر دیا گیا لیکن اس کے بعد کل سغد باغی ہو گئے' اور ڈیڑھ سو مسلمان قیدیوں کو جو ان کے قبضہ میں تھے تہ تیغ کر ڈالا۔ اس لیے دوبارہ سعید بڑے جوش و خروش سے ان کے مقابلہ کے لیے اٹھے اور ایک پورے جرگہ کو ختم کر کے سغد کے علاقہ میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور ان کی طاقت کو توڑنے کی پوری کوشش کی۔

کش اور نسف کی اطاعت کش اور نسف کے علاقے مسلمانوں کے پرانے باجگذار تھے' انہوں نے سغد کی بغاوت میں مسلمانوں کے خلاف انہیں مدد دی تھی' اس لیے سغد

سے نبٹنے کے بعد سعید کش پہنچے' اہل کش نے بغیر کسی مزاحمت کے صلح کر لی' کش کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد سعید نے مسربل بن خریت کو' نسف کے فرمانروا کو سمجھانے کے لیے بھیجا۔ مسربل نے جا کر سمجھایا کہ "تم باغیوں کا انجام دیکھ چکے ہو تمہاری خیر اسی میں ہے کہ مسلمانوں کی پیش قدمی سے پہلے ان کی اطاعت قبول کر لو' ورنہ تمہارا بھی وہی انجام ہو گا" اس میں اور مسربل میں پرانے تعلقات تھے اس نے اس خیر خواہانہ مشورہ کو قبول کیا اور اپنے کو سعید کے حوالہ کر دیا لیکن سعید نے ان کی خطا معاف نہیں کی اور خراسان لے کر قتل کر دیا۔

خزر پر حملہ ترکستان کے بعد دوسرا مخدوش علاقہ خزر کا تھا' اس لیے ۱۰۴ھ میں اس علاقہ پر فوج کشی ہوئی' خزر' قبچاق اور ارمن نے متحد ہو کر مقابلہ کیا مسلمانوں کو فاش شکست ہوئی اس کامیابی سے ان کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور انہوں نے سرحد پر بہت بڑا اجتماع کیا۔

یزید کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے جراح بن عبداللہ حکمی کو آرمینیہ کا حاکم مقرر کیا اور خزر کے مقابلہ کے لیے شام سے فوج روانہ کی' جراح اسے لے کر خزر کے علاقہ میں داخل ہوا اور باب الابواب میں فوجیں پھیلا دیں' دریائے ران پر دونوں کا مقابلہ ہوا' ایک خون ریز جنگ کے بعد خزر نے فاش شکست کھائی اور ان کا کل سامان مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اس کے بعد بلنجر کی طرف بڑھے اور راستے میں شہر برغو کو مطیع کر کے بلنجر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ بڑا سنگین اور مستحکم قلعہ تھا' اہل قلعہ نے تین سو گاڑیوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر قلعہ کے چاروں طرف ان کا حصار قائم کر دیا تھا' اس لیے مسلمانوں کو بڑھنے میں بڑی دشواری پیش آئی' چند مسلمان ہمت کر کے گاڑیوں کی طرف بڑھے اہل قلعہ نے تیروں کا مینہ برسا دیا لیکن وہ جان پر کھیل کر گاڑیوں تک پہنچ گئے اور وہ رسا جس میں گاڑیاں بندھی ہوئی تھیں کاٹ دیا' اس کے کٹتے ہی سب گاڑیاں لڑھک کر نیچے آ گئیں' اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا' خزر نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن انہیں شکست ہوئی اور مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اس کی بے شمار دولت ان کے ہاتھ آئی' قلعہ پر قبضہ کے بعد قلعہ دار مسلمانوں سے مل کر ان کا جاسوس بن گیا' اس کے صلہ میں جراح بن عبداللہ حکمی نے قلعہ مع نقد و جنس اسے واپس کر دیا' بلنجر کے بعد

قلعہ الوبندر کا رخ کیا، یہاں چالیس ہزار ترک خانوادے آباد تھے، ان لوگوں نے بغیر کسی مزاحمت کے صلح کر لی لیکن ابھی جراح الوبندر میں تھے، کہ دوسرے ترکمانی قبائل نے مسلمانوں کی ناکہ بندی کر دی، بلنجر کے علاقہ دار نے فوراً اس کی اطلاع دی، اس لیے جراح رستاق ملی واپس چلے آئے اور دار الخلافہ سے مزید فوجیں طلب کیں، ابھی جراح رستاق ملی میں مقیم تھے کہ یزید کا وقت آخر ہو گیا اور یہ مہم ہشام کے زمانہ میں تکمیل کو پہنچی۔

یہ طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے۔ (یہ تمام حالات طبری اور ابن اثیر سے "ملخصاً" ماخوذ ہیں۔)

یعقوبی کا بیان ہے کہ بلنجر کی فتح کے بعد جراح نے اس کے فرمانروا کا تعاقب کیا، دریائے دیبل پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہو گیا، جراح اس مقابلہ میں کام آئے (یعقوبی ج ۲ ص ۳۷۷) لیکن یہ بیان بالکل غلط ہے، ہشام کے زمانہ میں جراح بہت دنوں تک اس نواح کی مہمات میں مشغول رہے۔

متفرق فتوحات ان فتوحات کے علاوہ یزید کے زمانہ میں بعض معمولی فتوحات بھی حاصل ہوئیں ۱۰۳ھ میں روم میں عباس بن ولید نے دلسہ اور ۱۰۵ھ میں مروان بن محمد نے قونیہ فتح کیا۔

خوارج بعض مقاموں پر خوارج نے بھی سر اٹھایا لیکن ان کا فتنہ بڑھنے نہ پایا، ۱۰۵ھ میں عقفان خارجی اٹھا لیکن اس کی جماعت بہت مختصر تھی جسے محض دھمکا کر منتشر کر دیا گیا، اسی سنہ میں بحرین میں مسعود بن ابی زینب عبدی اٹھا اور یمامہ پر حملہ آور ہوا، یہاں کے والی سفیان بن عمرو عقیلی نے آسانی سے اس کا خاتمہ کر دیا، اس کے بعد ہلال ابن مدلج نے اس کی جگہ لی، یہ بھی شکست کھا کر قتل ہوا۔

ولی عہدی تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یزید نے اپنے بھائی ہشام اور اس کے بعد اپنے لڑکے ولید کو نامزد کر دیا تھا۔

وفات شعبان ۱۰۵ھ میں سل کی بیماری میں یزید کا انتقال ہوا اس وقت چالیس سال کے قریب عمر تھی مدت خلافت چار سال ایک مہینہ، کچھ دن، اس کی وفات کے سلسلے میں ایک یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ اسے ایک لونڈی حبابہ سے بڑی شیفتگی تھی وہ مر گئی، اس صدمہ کی وہ تاب نہ لا سکا اور چند ہی دنوں کے بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا، ممکن ہے یہ روایت صحیح

ہو اس لیے کہ یہ مسلم ہے کہ وہ سل کا مریض تھا' ایسی حالت میں کسی صدمہ سے موت کا جلد واقع ہو جانا کچھ بعید نہیں۔

اولاد یزید کے دس لڑکے تھے' ولید' یحییٰ' محمد' عمر' عبدالجبار' داؤد' ابو سلیمان' عوام ہاشم۔

عراق کا بندوبست یزید کا زمانہ بہت مختصر تھا اور اس مختصر زمانہ میں بھی کوئی اہم واقعات و حوادث نہیں پیش آئے' وہ طبعاً" بہت آرام طلب اور عیش پرست تھا' اس لیے تعمیری حیثیت سے اس کے دور میں عراق کے بندوبست کے علاوہ کوئی چیز قابل ذکر نہیں ہے' حضرت عمرؓ کے زمانہ سے عراق کا بندوبست نہیں ہوا تھا' یزید نے اپنے آخری دور میں دوبارہ بندوبست کرایا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۷۶)

ہشام بن عبدالملک

۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ مطابق ۷۲۳ء تا ۷۴۴ء

یزید کے انتقال کے وقت اس کا بھائی اور ولی عہد ہشام بن عبدالملک پایہ تخت سے باہر رصافہ میں تھا' یہیں اس کے سامنے خاتم اور عصائے خلافت پیش کیا گیا اور رمضان ۱۰۵ھ میں وہ دمشق آکر تخت نشین ہوا۔

ہشام تدبر اور حوصلہ مندی میں عبدالملک کا مثنیٰ تھا اس لیے اس کی تخت نشینی کے بعد اموی حکومت میں پھر ایک حرکت اور گرمی پیدا ہو گئی' اس کا دور بیرونی مہمات' فتوحات اور اندرونی گوناگوں انقلابات و حوادث کے اعتبار سے بڑا ہنگامہ خیز تھا۔

ترکستان کی مہمات وسط ایشیا خاص طور سے لڑائیوں کا مرکز رہا اور فرمانروائے ترکستان خاقان مارا گیا وسط ایشیا کے چھوٹے چھوٹے باجگذار فرمانروا بڑے سرکش تھے جہاں ذرا گرفت ڈھیلی ہوتی وہ باغی ہو جاتے تھے' اس کے آزاد فرمانروا اسلامی مقبوضات پر تاخت کیا کرتے تھے' اس لیے ہشام نے ان کا زور توڑنے اور انہیں مستقل قابو میں لانے کی کوشش کی' اس سلسلہ میں ترک و تاتار وغیرہ کی تمام قومیں مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور کابل و ترکستان سے لے کر ارمنستان تک آگ لگ گئی' لیکن ہشام کی ہمت اور تدبر نے ان سب پر قابو حاصل کر لیا۔

ہشام کی تخت نشینی کے وقت عمر بن ہبیرہ عراق کا گورنر جنرل تھا' ہشام نے اس کی جگہ خالد بن عبداللہ کا تقرر کیا' اس وقت ترکوں کے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی تھی اور مسلم بن سعید والی خراسان ان کے مقابلہ میں تھا' یہ خالد کے حکم سے فرغانہ کی طرف بڑھا یہاں کے فرمانروا نے مسلمانوں کو ہر طرف سے گھیر لیا اور وہ بڑے خطرہ میں پھنس گئے لیکن مسلم کسی نہ کسی طرح بچا کر نکال لایا۔

اس مہم کے بعد خالد نے مسلم کو خراسان سے ہٹا کر اپنے بھائی اسعد بن سعید کو اس کی جگہ بھیجا اور جنید بن عبدالرحمن کو سندھ کی ولایت پر مامور کیا۔ (جنید نے سندھ پہنچ کر

بہت سی فتوحات حاصل کیں ان کی تفصیل آئندہ آئے گی)

اسد نے ۱۰۷ھ میں غور پر فوج کشی کی' غوری اپنا کل مال و متاع ایک غار میں چھپا کر خود ہٹ گئے' اسد اسے نکلوا کر صحیح و سالم واپس آیا اور چند دنوں کے بعد ۱۰۸ھ میں دوبارہ حملہ کر کے غوریوں کو شکست دی اس میں قبائلی عصبیت زیادہ تھی' جس سے قبائل میں جنگ کا اندیشہ تھا' اس لیے ۱۰۹ھ میں ہشام نے اسے معزول کر کے امیر اشرس بن عبداللہ سلمی کر خراسان کا حاکم بنایا' یہ بڑا فاضل اور دین دار امیر تھا' اس نے تلوار روک کر ترکستان میں اسلام کی اشاعت کی کوشش شروع کی اور ابوالصیداء کو ایک جماعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے سمرقند بھیجا' ان کی کوشش سے اس کثرت سے ذمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی' یہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانہ نہ تھا کہ اسلام کی اشاعت کے مقابلہ میں جزیہ کی آمدنی کی پرواہ نہ کی جاتی اس لیے اشرس کی باز پرس کا خطرہ پیدا ہوا' چنانچہ انہوں نے سمرقند کے عامل حسین بن عمرطہ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ذمیوں نے جزیہ سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے' اس لیے اس وقت تک ان کا جزیہ معاف نہ کیا جائے جب تک وہ ختنہ نہ کرائیں اور اسلامی فرائض ادا کر کے اپنے سچے مسلمان ہونے کا ثبوت نہ دیں' اور حسین بن عمرطہ کی جگہ ہانی بن ہانی کو سمرقند بھیجا اس نے تحقیقات کر کے لکھا کہ "نو مسلم اسلامی فرائض ادا کرتے ہیں اور مسجد بھی بنالی ہے لیکن اس اطلاع کے بعد بھی اشرس نے جزیہ کی وصولی کا حکم قائم رکھا' نو مسلموں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور سات ہزار آدمی جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ بہت سے حق پسند مسلمانوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۵۴)

اشرس کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے مجشر بن مزاحم کو بھیجا' اس نے بعض ان مسلمانوں کو جنہوں نے نو مسلموں کی حمایت کی تھی' حیلہ سے قید کر کے جزیہ کی معافی کا اعلان کر دیا' اس اعلان کے بعد جب نو مسلموں کا جتھا منتشر ہو گیا اس وقت مجشر نے ان کے تمام سرغنوں اور ان کے حمایتی مسلمانوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور ان سے زبردستی جزیہ وصول کیا' اس جبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ سغد اور بخارا میں' پھر بغاوت پھیل گئی۔ ترکوں نے ان کا ساتھ دیا اور سارے ماوراء النہر میں شورش برپا ہو گئی' اشرس اور قطن بن قتیبہ نے جیحون کو عبور کر کے باغیوں کے مرکز بیکند کا محاصرہ کر لیا' ترکوں نے ان کا پانی روک دیا'

اس لیے وہ محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے' اور پانی کی تلاش میں نکلے ترکوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے شکست دے کر پانی حاصل کر لیا۔

ابھی یہ معرکہ ختم ہوا تھا کہ ترکستان کے فرمانروا خاقان نے خراسان کے ایک بڑے شہر کمرجہ کا جس میں زیادہ تر مسلمانوں کی آبادی تھی محاصرہ کر لیا' محصور مسلمانوں نے شہر کے پھاٹک بند کر کے پوری مدافعت کی' ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ اسلامی فوجیں فرغانہ تک پہنچ گئیں ان کی اطلاع پا کر خاقان نے کمرجہ کے محصورین سے کہلا بھیجا کہ "ہم جس شہر کا محاصرہ کرتے ہیں اسے بغیر فتح کیے ہوئے نہیں نکلتے' اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم لوگ شہر خالی کر کے چلے جاؤ' ہم کوئی مزاحمت نہ کریں گے' مسلمانوں نے جواب میں کہلایا کہ "ہمارا مذہب ہمیں اپنے کو دشمن کے حوالہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا' اس لیے جو کچھ تمہارے بس میں ہے کر گزرو۔" ان کا استقلال دیکھ کر خاقان نے ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ کمرجہ چھوڑ دیں تو انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا' مسلمانوں کے پاس مدافعت کی قوت نہ تھی' اس لیے انہوں نے پورا اطمینان حاصل کرنے کے بعد کمرجہ خالی کر دیا' خاقان وعدہ پر قائم رہا اور مسلمانوں کو دبوسیہ تک پہنچانے کے لیے ایک دستہ ساتھ کر دیا اور وہ بحفاظت دبوسیہ پہنچ گئے۔

۱۱۱ھ میں اشرس کی جگہ جنید بن عبدالرحمٰن مری کا تقرر ہوا اس نے بھی ترکستان کی مہم جاری رکھی اور ترکوں کے ساتھ کئی معرکے ہوئے' آخری معرکہ میں ترکوں نے بڑی فاش شکست کھائی اور خاقان کا چچا زاد بھائی گرفتار ہوا۔

۱۱۲ھ میں اشرس کی جگہ جنید نے طخارستان پر فوج کشی کی' یہ ادھر مشغول تھا دوسری طرف ترک ہر طرف سے سمرقند پر امنڈ آئے' یہاں کے حاکم سورہ بن ابجر نے جنید کو خطرہ کی اطلاع دی' اس نے فوج کو سمرقند کی طرف بڑھنے کا حکم دیا' بعض تجربہ کار لوگوں نے کہا کہ ترکوں کا مقابلہ ہے سب فوجیں منتشر ہیں' پچاس ہزار فوج سے کم کام نہ چلے گا انہیں اکٹھا کرنے کے بعد سمرقند کا قصد کرنا چاہیے' لیکن سمرقند کے مسلمانوں کی جان کے خوف سے جنید نے توقف پسند نہ کیا اور جتنی فوج پاس تھی' اسی کو لے کر روانہ ہو گیا اور سمرقند کے قریب پہنچ کر ایک گھاٹی میں خیمہ زن ہوا' ابھی یہ پہنچا ہی تھا کہ خاقان صغد' فرغانہ اور جاج وغیرہ کی ٹڈی دل فوج کے ساتھ آ گیا سب سے پہلے مسلمانوں کے

مقدمۃ الجیش کا سامنا ہوا‘ خاقان اسے شکست دے کر پیچھے ہٹاتا ہوا اسلامی لشکر گاہ تک لے آیا‘ جنید نے پوری قوت سے مقابلہ کیا‘ دو دن تک معرکہ کار زار گرم رہا‘ فریقین بڑی شجاعت و پامردی سے لڑے اس معرکہ میں بہت سے مسلمان بہادر کام آئے اور آخر میں ان کا پہلو کمزور پڑ گیا۔

جنید نے سورہ بن ابجر کو جو قریب ہی سمرقند میں تھا‘ اطلاع دے کر مدد طلب کی‘ وہ بارہ ہزار فوج لے کر مدد کے لیے روانہ ہوا‘ راستہ میں ترک حائل تھے انہوں نے روکا اور راستہ بند کرنے کے لیے جھاڑیوں میں آگ لگا دی‘ سورہ نے ریلا کر کے نکل جانا چاہا‘ ترک مقابلہ میں آ گئے‘ سورہ نے انہیں پیچھے ہٹا دیا‘ اس دارو گیر میں بہت سے ترک اور مسلمان آگ کی لپیٹ میں آ گئے‘ سورہ گھوڑے سے گر پڑا اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی جس کے صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور ترکوں نے اس کی پوری فوج نہ تیغ کر دی‘ بارہ ہزار فوج میں سے کل دو ہزار زندہ بچے ان میں سے سات سو آدمیوں نے مرغاب میں پناہ لی‘ ایک ترک افسر غورک ان سے جان بخشی کا وعدہ کر کے انہیں خاقان کے پاس لے گیا‘ لیکن اس نے غورک کی امان رد کر دی اور مسلمانوں نے لڑ کر مردانہ وار جان دی۔

سورہ کی فوج کی تباہی کی خبر سن کر جنید نے سمرقند سے نکل جانا چاہا لیکن ایک مسلمان نے اس کے گھوڑے کی لگام تھام لی اس درمیان میں ترک بھی پہنچ گئے‘ اس لیے جنید کے لیے جنگ کے سوا چارہ کار نہ رہ گیا‘ اس لیے اعلان کر دیا کہ ”جو غلام اس جنگ میں کار نمایاں دکھائے گا‘ وہ آزاد ہے‘ اس اعلان پر غلام اس بہادری سے لڑے کہ ترکوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

ترکوں سے بچنے کے بعد جنید سمرقند میں داخل ہوا اور ہشام کو مفصل حالات لکھ بھیجے‘ اسے سورہ کی موت کا بڑا صدمہ ہوا اور ترکوں سے انتقام لینے کے لیے بیس ہزار منتخب فوج اور بہت سا سامان حرب بھیجا اور جنید کو فوجوں کی تنخواہوں میں اضافہ کا بھی اختیار دے دیا۔

ابھی جنید سمرقند ہی میں تھا کہ اسے بخارا کی جانب خاقان کی پیش قدمی کی خبر ملی‘ سمرقند سے بخارا کا راستہ بڑا پر خطر اور دشوار گزار تھا‘ ہر قدم پر ترکوں کے حملہ کا خوف تھا‘ لیکن اہل بخارا کی مدد کے لیے پہنچنا ضروری تھا اس لیے جنید حفاظت کے پورے اہتمام کے

ساتھ روانہ ہو گیا' کرمینیہ کے قریب خاقان کے ایک دستہ کا سامنا ہو گیا' لیکن محض معمولی جھڑپ ہوئی اس سے آگے بڑھ کر ترکوں نے اسلامی فوج کے پچھلے حصہ پر چھاپا مارا۔ اس حملہ میں خود ان کا ایک نامور افسر کام آگیا اس لیے وہ لوگ لوٹ گئے' اور جنید بخیر و خوبی بخارا پہنچ گیا' اس کے پہنچنے کے بعد پھر ترکوں نے ادھر بڑھنے کی ہمت نہ کی۔

۱۱۶ھ میں جنید کی جگہ خراسان کی ولایت پر عاصم بن عبداللہ ہلالی کا تقرر ہوا' اس کے خراسان پہنچنے کے ساتھ ہی ایک مسلمان امیر حارث بن شریح نے علم بغاوت بلند کر دیا اور کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی دعوت کے ذریعے ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کی مدد سے بلخ' جوزجان' طالقان اور مروالرود وغیرہ بہت سے شہروں پر قبضہ کر کے خراسان کے پایہ تخت مرو کی طرف بڑھا لیکن عاصم نے اسے شکست دے کر لوٹا دیا' اس کے بے شمار آدمی مارے گئے' بہت سے ڈوب کر مرے اور خود عاصم چند ہزار آدمیوں کے ساتھ بچ کر نکل گیا۔

انتظامی حیثیت سے خراسان کا صوبہ ہمیشہ سے عراق کے ماتحت رہا تھا کچھ دنوں سے اس کو عراق سے الگ کر دیا گیا تھا' حارث کی بغاوت کے بعد عاصم نے ہشام سے درخواست کی کہ جب تک خراسان کو عراق سے ملحق نہ کیا جائے گا اس وقت تک اس کا انتظام سنبھالنا مشکل ہے کہ اس الحاق سے اسے عراق کی حکومت بھی مل جائے گی' لیکن ہشام نے خراسان کا عراق سے الحاق تو کر دیا مگر اسے عاصم کے ماتحت کرنے کی بجائے خالد بن عبداللہ قسری والی عراق کے ماتحت رکھا اور اس کے بھائی اسد کو خراسان کا والی مقرر کیا۔

گو حارث نے شکست کھائی تھی' لیکن جن شہروں پر وہ قبضہ کر چکا تھا وہ اب تک اس کے قبضہ میں تھے' اس لیے اس نے دوبارہ قوت حاصل کر لی' عاصم اس کے مقابلہ کی تیاری کر رہا تھا کہ اسد خراسان پہنچ گیا' عاصم کو اپنی معزولی اتنی ناگوار ہوئی کہ اس نے حارث سے مل جانا چاہا' لیکن شامی فوج نے انکار کیا' اس لیے مجبوراً حارث سے لڑنا پڑا' اس مرتبہ بھی حارث نے شکست کھائی' اسے شکست دینے کے بعد اسد نے عاصم کو گرفتار کر لیا۔

اس دوسری شکست کے بعد بھی حارث کی قوت نہ ٹوٹی' بلکہ اس کی شورش اور بڑھ گئی' اور خراسان کے اور بہت سے شہروں پر اس نے قبضہ کر لیا' اس کے اور اسد کے درمیان مہینوں معرکہ آرائی ہوتی رہی' بڑی دشواریوں کے بعد ۱۱۸ھ میں حارث کا زور ٹوٹا

اور وہ خراسان سے بھاگ کر خاقان سے مل گیا۔

حارث کی شورش ختم کرنے کے بعد اسد نے پھر ترکستان کی طرف توجہ کی اور ۱۱۹ھ میں ختل کے کئی قلعوں کو چھین لیا' خاقان کو معلوم ہوا تو وہ فوراً مقابلہ کے لیے پہنچا' اسد اس وقت واپس ہو رہا تھا' جیحون کے پار دونوں کا سامنا ہوا' خاقان نے شکست کھائی' اور اسد بخارا لوٹ گیا اور سردیوں کا موسم یہیں بسر کیا۔

سردی ختم ہونے کے بعد خاقان پھر بخارا پہنچا' لیکن اس مرتبہ بھی اسے شکست ہوئی اور اس کا بہت سا سامان مسلمانوں کے قبضہ میں آیا' اس معرکہ کے بعد ایک نامور ترکی سردار کورصول کے ساتھ چوگان کھیلنے میں خاقان کا ہاتھ ٹوٹ گیا' خاقان بگڑ گیا اور قسم کھائی کہ وہ کورصول کا ہاتھ توڑ کر رہے گا' اس دھمکی پر کورصول خاقان کے خلاف ہو گیا اور شب خون مار کر اسے قتل کر دیا' اس کے قتل کے بعد ترکوں کا شیرازہ بکھر گیا اور ان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی' اس سے فائدہ اٹھا کر اسد نے ختل پر فوج کشی کر دی' ترک مقابلہ نہ کر سکے اور ختل چھوڑ کر چین چلے گئے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد کورصول کو اپنا قائد بنایا۔

۱۲۰ھ میں اسد کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ نصر بن سیار کنانی کا تقرر ہوا یہ بڑا مدبر منتظم اور بہادر امیر تھا' اس نے ہر شعبہ کو بڑی ترقی دی' مظالم کی تحقیقات کا محکمہ قائم کیا' نو مسلموں کا جزیہ بند کیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۸۷) خراج کی بے عنوانیوں کو دور کر کے از سر نو اس کا نظام کیا' ان تعمیری کاموں کے ساتھ ماوراء النہر پر مختلف سمتوں سے فوج کشی کی' ۱۲۰ھ میں چاچ پر حملہ کیا دریائے چاچ کے قریب کورصول نے جو خاقان کے بعد ترکوں کا قائد بنا تھا' مسلمانوں کے لشکر گاہ پر چھاپہ مارا' اتفاق سے ایک مسلمان افسر عاصم بن عمرو کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور نصر کے سامنے پیش کیا گیا' یہ بڑا بہادر اور مسلمانوں کا بڑا خطرناک دشمن تھا' ۷۲ لڑائیاں لڑ چکا تھا' اس لیے نصر نے اسے قتل کرا دیا۔

حارث بن شریح خاقان کے بعد کورصول کے ساتھ ہو گیا تھا اور اس معرکہ میں اس کے ہمراہ تھا کورصول کے خاتمہ کے بعد نصر نے یحییٰ بن حسین کو حارث کے استیصال پر مامور کیا حارث چاچ میں تھا اس لیے یحییٰ چاچ کی طرف بڑھا ایک بڑا ترکی افسر آخرم مقابلہ میں آیا اور مارا گیا' اس کی موت سے چاچ والوں کی ہمت چھوٹ گئی' اسی دوران میں نصر بھی پہنچ گیا' چاچ کے فرمانروا نے صلح کا پیام دیا' نصر نے اس شرط پر منظور کیا کہ وہ حارث

کو اپنے یہاں سے نکل دے حاکم چاچ نے قبول کر لیا۔ اور حارث چاچ سے نکل کر فاراب چلا گیا اور کئی سال آوارہ گردی کے بعد ۱۱۷ھ میں خراسان واپس آکر مسلمانوں سے مل گیا۔

چاچ سے فراغت کے بعد نصر فرغانہ کے حدود کی طرف بڑھا لیکن ابتدائی معرکوں کے بعد ہی حاکم فرغانہ نے صلح کی درخواست کی، نصر نے منظور کر لی اور حاکم فرغانہ کی ماں نے نصر کے پاس آکر صلح کی تکمیل کی۔۔۔۔ خاقان اور کورصول کے بعد ترکوں کا کوئی راہنما نہ رہ گیا تھا وہ مسلسل لڑتے لڑتے پریشان ہو چکے تھے، ان کا شیرازہ بکھر چکا تھا، اور اب وہ اپنے وطن میں امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے خواہش مند تھے اور یہ چاہتے تھے کہ نو مسلم صغد میں سے جو شخص اپنے مذہب میں لوٹ جائے اسے سزا نہ دی جائے اور ان کے مذہبی امور میں مداخلت نہ کی جائے اور ان کے پاس جو مسلمان قیدی ہیں انہیں عادل قاضی کے فیصلہ کے بغیر واپس نہ لیا جائے، خراسان کے سابق والی ان مطالبات کو منظور نہ کرتے تھے، لیکن نصر مدبر امیر تھا اس نے منظور کر لیا اور ایک عرصہ کے کشت و خون کے بعد صغد اور مسلمان دونوں کو امن و سکون حاصل ہوا۔

آرمینیہ اور آذربائیجان کا محاذ ہشامی دور کا دوسرا جنگی محاذ آرمینیہ اور آذربائیجان کا علاقہ تھا، اس محاذ پر ترک ارمن اور خزر ولان وغیرہ کی تمام قومیں خاقان کے لڑکے کی زیر قیادت مسلمانوں کے مقابلہ میں متحد ہو گئی تھیں اس لیے یہ علاقے بھی کئی سال تک رزمگاہ بنے رہے۔

اس کی ابتداء ۱۰۶ھ ہی سے ہو گئی تھی لیکن مسلسل لڑائیوں کا آغاز ۱۱۱ھ سے ہوا، سب سے اول جراح بن عبداللہ حکمی والی آرمینیہ نے بحر خزر کی سمت سے بحری حملہ کر کے خزر کا ایک شہر فتح کیا اس کے انتقام میں خزر نے ۱۱۲ھ میں ترکوں کی مدد سے جراح کا مقابلہ کیا، مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ جراح اس کے مقابلہ میں کام آئے اور ان کے اہل و عیال خزر کے ہاتھوں قید ہو گئے۔

جراح کے قتل سے خزر کا حوصلہ بہت بڑھ گیا وہ یورش کرتے ہوئے موصل تک پہنچ گئے ان سے پورا کردستان خطرہ میں پڑ گیا، ہشام نے اس کے تدارک کے لیے سعید حرشی کو آذربائیجان بھیجا اور تمام فوجی افسروں کے نام ان کی مدد کا حکم جاری کر دیا، سعید حرشی

مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دیتا اور انہیں ساتھ لیتا ہوا ارزن آیا اور یہاں سے جراح کی باقی ماندہ شکست خوردہ فوج کو ساتھ لے کر خلاط پہنچا اور محاصرہ کر کے فتح کر لیا' خلاط کے بعد چھوٹے چھوٹے قلعوں کو فتح کرتا ہوا برذعہ آیا' یہاں معلوم ہوا کہ خاقان کا لڑکا (ارمنستان اور آذربائیجان کے کچھ حصے خاقان کی حکومت میں تھے' لیکن ان لڑائیوں میں اس نواح کی دوسری قومیں بھی خاقان کے ساتھ ہو گئیں تھیں) ورثان کے مسلمانوں کا محاصرہ کیے ہوئے اسلامی آبادیوں پر تاخت کر رہا ہے اہل ورثان کے پاس کوئی جنگی قوت نہ تھی' سعید نے فوراً ان کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ لوگ ہمت و استقلال سے کام لیں بہت جلد مدد پہنچتی ہے' اتفاق سے قاصد دشمن کے ہاتھ پکڑا گیا' انہوں نے بجبر اس سے وعدہ لیا کہ وہ شہر ان کے حوالہ کر دیں' قاصد نے مصلحتاً اقرار کر لیا لیکن شہر کے قریب پہنچ کر با آواز بلند اعلان کیا کہ "میں فلاں شخص سعید حرشی کا قاصد ہوں وہ عنقریب پہنچنا چاہتے ہیں' تم لوگ دو دن اور استقلال سے کام لو" خزر نے قاصد کو تو قتل کر دیا لیکن یہ پیغام سن کر اہل ورثان کی ہمت بڑھ گئی' اس درمیان میں سعید قریب پہنچ چکا تھا' اس لیے خزر محاصرہ اٹھا کر لوٹ گئے۔[1]

ورثان پہنچنے کے بعد سعید خزر کی تلاش میں باجروان گیا' معلوم ہوا کہ وہ تھوڑے ہی فاصلہ پر موجود ہیں سعید راتوں رات ان کے لشکر گاہ پہنچ گیا' خزر بالکل غافل تھے' سعید نے شب خون مار کر پورے جرگہ کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد ہی اطلاع ملی کہ قریب ہی ایک دوسرا گروہ موجود ہے۔ اور جراح کے قیدی اہل و عیال بھی اس کے ساتھ ہیں' یہ اطلاع ملتے ہی سعید فوراً پہنچا اور دفعتہً حملہ کر کے اس گروہ کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اور جراح کے اہل و عیال اور دوسرے مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر ان کی دلجوئی کی۔

ان دونوں گروہوں کی تباہی کا حال سن کر خاقان کا لڑکا ایک لشکر جرار کے ساتھ خود حرشی کے مقابلہ کے لیے نکلا' تند میں دونوں کا سامنا ہوا خزر کا حملہ اتنا شدید تھا کہ مسلمان اس کی تاب نہ لا سکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یہ صورت دیکھ کر خزر کی فوج کے مسلمان قیدیوں نے فریاد کی اور تکبیر کا نعرہ بلند کیا' دوسری طرف سے سعید نے للکارا اور مسلمانوں نے سنبھل کر دوبارہ ایسا سخت حملہ کیا اور اس جانبازی سے لڑے کہ خزر کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے مسلمانوں نے دریائے ارس تک تعاقب کر کے ان کا کل سامان چھین لیا اور مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر باجروان پہنچایا۔

اس شکست نے خاقان کے لڑکے کو زیادہ مشتعل کر دیا اور از سر نو فوجیں جمع کر کے دوبارہ انتقام کے لیے نکلا' دریائے ۔بیلقان پر اس کا اور سعید کا مقابلہ ہوا' خزر بڑی جانبازی سے لڑے اپنی پوری قوت مقابلہ میں صرف کر دی لیکن مسلمانوں کے صف شکن حملوں کی تاب نہ لا سکے اور خون ریز جنگ کے بعد شکست کھا کر اس بے ترتیبی اور بد حواسی سے پیچھے ہٹے کہ ان کا بڑا حصہ دریائے ۔بیلقان میں غرق ہو گیا' سعید نے ہشام کو ان کامیابیوں کی اطلاع دی اس نے اس کارگزاری پر اظہار خوشنودی کیا۔

۱۱۳ھ میں ہشام نے سعید کو واپس بلا لیا اور ان کی جگہ اپنے بھائی مسلمہ کا تقرر کیا اس نے خزر کے سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں اور ان سے بڑے پر زور معرکے ہوئے' خاقان کا لڑکا مارا گیا اور کوہستان بلجز کے اس پار کا پورا علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔

خاقان کے لڑکے کے قتل سے سارے خزر میں آگ لگ گئی اور جوش انتقام سے لبریز ہو گئے اور اپنے آس پاس کی کل قوموں کو ساتھ لے کر مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے امنڈ آئے مسلمہ اس وقت بلجز میں تھا' اس میں اس انبوہ عظیم کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے کل خیمہ و خرگاہیں چھوڑ کر باب الابواب لوٹ آیا۔

ہشام کے چچیرے بھائی مروان بن محمد نے جو اس معرکہ میں مسلمہ کے ساتھ تھا' واپس جا کر ہشام سے مسلمہ کی کمزوری کی شکایت کی اور خزر کے مقابلہ کے لیے اپنی خدمات پیش کیں' ہشام نے منظور کر لیا اور ۱۱۴ھ میں مروان بن محمد کو آرمینیہ بھیجا اور ایک لاکھ بیس ہزار فوج اس کی مدد کے لیے ساتھ کی۔ آرمینیہ آنے کے بعد مروان بن محمد نے لان پر فوج کشی کا ارادہ ظاہر کر کے خزر کو صلح کا پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کر لیا اور گفتگو کے لیے قاصد بھیجا' مروان نے چند دنوں تک اس کو روکے رکھا اور جنگ کی تیاری مکمل کرنے کے بعد جنگ کا پیغام دے کر قاصد کو واپس کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی خود روانہ ہو گیا اور بعجلت تمام منزلیں طے کرتا ہوا خزر کے علاقہ میں داخل ہو گیا' فرمانروائے خزر نے صلح کی امید میں کوئی تیاری نہ کی تھی' اس لیے مقابلہ نہ کر سکا اور دارالسلطنت چھوڑ کر سرحدی علاقہ کی طرف نکل گیا اور مروان بغیر کسی رکاوٹ کے دور تک بڑھتا ہوا چلا گیا اور بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔

چند دنوں خزر کے علاقہ میں قیام کرنے کے بعد اس نواح کے چھوٹے چھوٹے

حکمرانوں کی طرف بڑھا' سریر اور زرگران کے رئیسوں اور لکز' قرمان اور شیروان کے باشندوں نے صلح کر لی انہیں مطیع بنانے کے بعد صحیح و سالم اپنے مستقر پر واپس آیا اور کئی سال تک سکون رہا' پھر ۱۱۸ھ میں نواح خزر کے ایک رئیس ورنیس پر فوج کشی کی اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے شہر چھوڑ کر خزر کے علاقہ میں نکل گیا۔ مروان نے اس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اسی درمیان میں کسی غیر معلوم شخص نے ورنیس کو بھاگنے کی حالت میں قتل کر دیا۔ اور اس کا سر قلم کر کے مروان کے پاس بھیج دیا' اس کے قتل کے بعد اہل قلعہ نے اطاعت قبول کر لی۔

ایک سال بعد ۱۱۹ھ میں لان ہوتا ہوا خزر کے علاقہ میں داخل ہوا اور بلجز تک بڑھتا چلا گیا' پھر ۱۲۱ھ میں بحر خزر کے ساحلی علاقہ کی سمت بڑھا اور جزران شروان' لکزبیت السریر خیزج ازر' بطران' تومان' حمزین' کیران' طبرسران اور فیلان وغیرہ ان تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو ارمنستان سے طبرستان تک پھیلی ہوئی تھیں' مطیع بنایا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۸۰ و یعقوبی ج ۳ ص ۳۸۱)

ایشیائے کوچک کی فتوحات ایشیائے کوچک کا محاذ مستقل تھا قریب قریب ہر سال اس پر فوج کشی ہوئی تھی' یہاں بھی متعدد فتوحات حاصل ہوئیں ۱۰۵ھ میں مروان نے قونیہ اور کمنج فتح کیے' ۱۰۸ھ میں مسلمہ بن عبدالملک نے قیساریہ پر قبضہ کیا' ۱۰۹ھ میں ہشام کے لڑکے معاویہ نے قلعہ طیبہ' ۱۱۰ھ میں سملہ اور ۱۱۲ھ میں خرشنہ فتح کیے ۱۲۰ھ میں مسلمہ بن ہشام نے مطمورہ پر قبضہ کر لیا۔ (یہ فتوحات ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں)

سندھ کی مہمات ادھر عرصہ سے سندھ کی مہموں کا سلسلہ تقریباً رک گیا تھا' ہشام کے زمانہ میں پھر شروع ہوا اور یہاں بڑے انقلابات پیش آئے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ ۱۰۷ھ میں سندھ کی حکومت پر جنید بن عبدالرحمٰن کا تقرر ہوا تھا اس نے سندھ آنے کے بعد دریائے سندھ کے کنارے پیش قدمی شروع کی۔

یہ راجہ داہر کے لڑکے جے سنگھ کا علاقہ تھا وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں مسلمان ہو گیا تھا اور انہوں نے اس کی حکومت برقرار رکھی' چنانچہ اس نے جنید سے کہلا بھیجا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور مجھ کو تمہارے برگزیدہ خلیفہ نے برقرار رکھا تھا اس لیے میرے حدود میں تم کو جارحانہ پیش قدمی نہ کرنی چاہیے' مجھ کو تمہاری نقل و حرکت سے خطرہ ہے

جنید نے اسے اطمینان دلایا کہ اس کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور فریقین نے اطمینان کے لیے ایک دوسرے کے پاس یرغمال بھجوا دیئے لیکن جے سنگھ مطمئن نہ ہوا اور دونوں میں آپس بدگمانی بڑھی کہ اپنے اپنے آدمی واپس بلا لیے' جے سنگھ مرتد ہو گیا اور بحری بیڑہ کے ساتھ جنید کے مقابلہ میں آ گیا' دریائے سندھ کے مشرقی کنارہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا' لیکن جے سنگھ کی بدقسمتی سے اس کی کشتی دریا کے پایاب حصہ میں پھنس گئی اور وہ گرفتار ہو گیا' جنید نے اسے قتل کرا دیا' جے سنگھ کے قتل کے بعد چچ جنید کی شکایت کرنے کے لیے عراق روانہ ہو گیا' جنید کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے بلطائف الحیل واپس بلا کر قتل کر دیا۔

کیرج کا علاقہ محمد بن قاسم کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا لیکن پھر یہ باغی ہو گیا تھا' جے سنگھ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جنید نے کیرج کا محاصرہ کیا اور اس کی سنگین شہر پناہ کو قلعہ شکن آلات سے توڑ کر کیرج پر قبضہ کر لیا۔

کیرج کو فتح کرنے کے بعد مختلف افسروں کو مارواڑ' مانڈل' دہنج' بھروچ' اجین اور مالوہ وغیرہ مختلف سمتوں میں روانہ کیا ان سب نے اپنی اپنی مہموں کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچایا' خود جنید نے بھیل مان اور گجرات کو زیر نگیں کیا۔

۱۰۷ھ سے ۱۱۱ھ تک جنید سندھ میں رہا' اس مدت میں فتوحات میں توسیع کے علاوہ اس نے انتظامی حیثیت سے سندھ کی حکومت کو بڑی ترقی دی (چچ نامہ میں ان فتوحات کی تفصیل بہت طویل ہے' ہم نے فتوح البلدان کا مختصر بیان لکھا ہے۔ کتاب مذکور ص ۴۴۷'۴۴۸)

۱۱۱ھ میں جنید خراسان کی حکومت پر مقرر ہو کر چلا گیا اور اس کی جگہ تمیم داری آیا یہ بڑا کمزور اور نااہل تھا' جنید کے قائم کردہ نظام کو نہ سنبھال سکا اس کے آتے ہی سارے سندھ میں بغاوت پھیل گئی تمیم اس پر قابو حاصل نہ کر سکا' اور محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک سندھ میں مسلمانوں نے جو کچھ کیا تھا' سب خاک میں مل گیا' یہاں سے اسلامی حکومت قریب قریب اٹھ گئی اور سندھیوں کا زور اتنا بڑھا کہ سندھ کے متوطن مسلمانوں کو سندھ چھوڑ دینا پڑا' خود تمیم داری سندھ چھوڑ کر عراق روانہ ہو گیا' لیکن راستہ میں پیام اجل آ پہنچا۔ (فتوح البلدان ص ۴۴۸' یعقوبی ج ۲ ص ۳۸۰)

اس کے سندھ چھوڑنے کے بعد ایک تجربہ کار افسر حکم بن عوانہ سندھ بھیجا گیا' یہ جس وقت سندھ پہنچا ہے اس وقت یہاں قصبہ کے علاوہ اور کہیں مسلمانوں کے لیے جائے

پناہ نہ رہ گئی تھی اس لیے سب سے پہلے حکم نے دریائے سندھ کے مشرقی سمت ایک شہر محفوظ آباد کر کے مسلمانوں کا مرکز قائم کیا، اس کے بعد محمد بن قاسم کی یادگار عمرو بن محمد بن قاسم کی مدد سے چند دنوں میں باغیوں کو زیر کر کے دوبارہ حکومت قائم کی اور اس کامیابی کی یادگار میں "منصورہ" آباد کیا جو آئندہ چل کر سندھ کی حکومت کا مرکز بنا۔ (فتوح البلدان ص ۴۴۸)

سندھ کا علاقہ انتظامی حیثیت سے خراسان کے والی کے ماتحت تھا اور وہی سندھ کے حاکم مقرر کرتے تھے، چنانچہ حکم کا تقرر خالد بن عبداللہ قسری والی خراسان نے کیا تھا، ۱۲۰ھ میں ہشام نے خالد کو معزول کر کے یوسف بن عمرو ثقفی کا تقرر کیا، یہ خالد کا مخالف تھا اس لیے اس کے ماتحت عمال کے ساتھ سختی شروع کی، حکم کو اس کی جانب سے خطرہ پیدا ہوا، اس نے اس کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سندھ کے بعض غیر مفتوحہ علاقوں کو فتح کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں ایک معرکہ میں کام آگیا۔

حکم کے بعد اس کے ماتحت حکام میں دو شخص عمرو بن محمد بن قاسم اور ابن اعرار اس کی جانشینی کے امیدوار تھے، یوسف نے اس کا فیصلہ ہشام پر چھوڑ دیا، اس نے عمرو بن محمد کے حق میں فیصلہ کیا، یوسف کی بھی یہی خواہش تھی، اس لیے سندھ کی حکومت عمرو بن محمد کو مل گئی، اس نے ابن اعرار کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور منصورہ کو مرکز حکومت بنایا۔

حکم کی موت کے بعد عمرو بن محمد بن قاسم اور ابن اعرار کے اختلاف سے ایک ہندو راجہ نے فائدہ اٹھا کر منصورہ کا محاصرہ کر لیا، عمرو کے پاس کافی قوت نہ تھی، اس نے یوسف کو اطلاع دی اس نے چار ہزار فوج بھیج دی، لیکن فوج آجانے کے بعد راجہ محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا، عمرو نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے فرودگاہ پر شب خون مار کر راجہ کی فوج کا بڑا حصہ برباد کر دیا لیکن وہ خود بچ کر نکل گیا عین اس وقت ایک سردار مروان بن یزید باغی ہو گیا لیکن عمرو نے اس کی جماعت منتشر کر کے اسے قتل کر دیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۸۹) اس کے بعد بھی سندھ میں مہمات کا سلسلہ جاری رہا لیکن وہ چنداں لائق ذکر نہیں۔

فرانس کو فتح کرنے کی کوشش اندلس کے حالات میں عرب مورخین عموماً طارق بن زیاد کی فتوحات کے بعد یہاں کے والیوں کے صرف نام گنا کر دوسرا دور عبدالرحمٰن الداخل سے شروع کر دیتے ہیں اور اس مدت میں اندلس میں جو واقعات و حوادث پیش

آئے یا یہاں کے والیوں نے دوسری جو مہمات انجام دیں ان کا ذکر بہت کم یا بہت سرسری کرتے ہیں اسی لیے عربی تاریخوں میں فرانس پر حملہ کے حالات نہایت مختصر ہیں' لیکن انگریزی تاریخوں میں اس کی پوری تفصیل ملتی ہے۔

فرانس کو فتح کرنے کا خیال اندلس کی فتح کے بعد ہی مسلمانوں کو پیدا ہو گیا تھا' اور مختلف والیوں نے اس کی کوشش کی' لیکن سب سے اہم حملہ ہشام کے زمانہ میں ہوا' جس میں مسلمان وسط فرانس تک پہنچ گئے تھے۔

پہلی کوشش اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اندلس کی فتح کے بعد ولید ہی کے زمانہ میں مسلمان جبل البرانس کو پار کر کے سرزمین فرانس میں اربونہ اور حصین لوڈون تک پہنچ گئے تھے' لیکن فارلہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا' اس کے بعد عرصہ تک کسی والی نے ادھر بڑھنے کا ارادہ نہیں کیا۔

دوسرا حملہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں امیر سمح بن مالک خولانی اندلس کا والی مقرر ہوا۔ بڑا حوصلہ مند اور منتظم امیر تھا' اندلس کے اندرونی انتظام کو درست کرنے کے بعد اس نے فرانس کو فتح کرنے کا عزم کیا اور ۱۰۲ھ میں بڑے اہتمام سے اس پر فوج کشی کی جبل البرانس کے پار جنوبی فرانس میں سب سے پہلے نارمن کی ریاست پڑتی تھی' امیر سمح نے اس کا محاصرہ کیا' یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔

نارمن کے بعد ڈیوک آف ایکی ٹین (اس زمانہ میں فرانس میں دو بڑی حکومتیں تھیں جنوب میں گاتھ فرمانروا ڈیوک آف ایکی ٹین کی' اس کا دارالسلطنت ٹولوس تھا' دوسری مرکزی حکومت شمال میں میروونجی خاندان کی تھی اس کا بادشاہ برائے نام تھا' اصل حکومت چارلس مائل کے ہاتھوں میں تھی) کی سلطنت کی طرف بڑھا اور اس کے پایہ تخت طلوشہ (ٹولوس) کا محاصرہ کیا' ڈیوک اس وقت موجود نہ تھا' اہل شہر میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی' انہوں نے اطاعت قبول کر لینے کا ارادہ کیا لیکن اسی دوران میں ڈیوک ایک بڑی فوج لے کر پہنچ گیا اور بڑی شجاعت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا' امیر سمح جوش میں آ کر دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ان کی شہادت کے بعد مسلمان شکست کھا گئے۔ ان کی بڑی تعداد میدان جنگ میں کام آئی' امیر سمح کے بعد مسلمانوں نے امیر عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی کو افسر بنایا' یہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ باقی ماندہ مسلمانوں کو دشمنوں کے نرغہ سے بچا کر نکل

لائے۔ (اخبار الاندلس ایس پی اسکاٹ ترجمہ اردو ج اول ص ۲۷۰، ۲۷۱)

تیسرا حملہ امیر سمح کے بعد اندلس کی ولایت پر امیر عنبسہ بن سحیم کا تقرر ہوا اس نے بھی فرانس کو فتح کرنے کی ہمت کی اور ۱۰۷ھ میں جبل البرانس کو عبور کر کے قرقشونہ (کرکسون) کا محاصرہ کیا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ اہل قرقشونہ نے جزیہ اور قرقشونہ کا آدھا علاقہ دے کر صلح کر لی اور ان کے پاس جس قدر مسلمان قیدی تھے، سب کو رہا کر دیا اور وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے دوست اور ان کے دشمن کے دشمن رہیں گے۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۵۱) اخبار الاندلس کے بیان کے مطابق قرقشونہ کی فتح کے ساتھ ہی سپٹی منیا کے پورے علاقہ نے اطاعت قبول کر لی۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۸۵)

سپٹی مینیا کے بعد عنبسہ فرانس کے اندرونی حصہ کی طرف بڑھا اور دریائے رہون کی وادی کے پورے علاقہ کو پامال کر کے لیانس فتح کیا پھر یہاں سے برگنڈی کا رخ کیا اور شہر اوٹن کو تباہ کر ڈالا اس سے آگے بڑھے تھے، کہ عیسائیوں کے بے ضابطہ جتھوں نے اسلامی فوج کے عقبی حصہ پر چھاپے مارنا شروع کر دیئے جس سے انہیں کافی پریشانی اٹھانی پڑی، ایک مقام پر دہقانوں کے ایک جتھے سے مقابلہ ہو گیا امیر عنبسہ جوش میں آ کر ان کی صفوں میں گھس گئے، اور اتنے سخت زخمی ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے اور اپنے بعد عروہ بن عبداللہ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۸۵)

امیر عنبسہ کے بعد کے والیوں کے ناموں میں بڑا اختلاف ہے، ابن قوطیہ اور مقری کے بیانات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عنبسہ کے بعد علی الترتیب یحییٰ بن سلامہ کلبی، عثمان ابن نعہ خثعمی، حذیفہ بن احمص، قیس، ہیثم بن عبید کلابی اور محمد بن عبداللہ اشجعی کا تقرر ہوا لیکن ان سب کا دور بہت مختصر تھا، اور ان کے زمانہ میں کوئی اہم اور قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا، البتہ ہیثم بن عبید نے مشرقی اندلس کا علاقہ مقوشہ فتح کیا تھا۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۸۵ نفح الطیب ج ۱ ص ۲۸۵)

چوتھا اہم حملہ اور ناکامی محمد بن عبداللہ اشجعی کے بعد ۱۱۳ھ میں امیر عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی کا تقرر ہوا، یہ بڑا اولوالعزم، حوصلہ مند، مدبر اور منتظم تھا، اس نے حکومت اندلس کی تمام انتظامی خرابیوں کو دور کر کے بہترین نظم و نسق قائم کیا، اس سے فراغت کے بعد فرانس کی مہم کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوا، امیر سمح کے ساتھ اس کو ایک مرتبہ

ناکامی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا اس لیے اس مرتبہ انہوں نے بڑے اعلیٰ پیمانہ پر انتظامات کیے، اندلس کے تمام صوبہ داروں کو اپنی اپنی فوجیں لے کر اندلس اور فرانس کی سرحد پر جمع ہونے کا حکم دیا، عام مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کی ترغیب دلائی انہوں نے بڑے جوش کے ساتھ اس دعوت پر لبیک کہا اور ہر مسلمان جانی اور مالی ہر طرح کی مدد دینے کے لیے آمادہ ہو گیا، ان انتظامات سے فراغت کے بعد ۱۱۴ھ میں بڑے سرو سامان کے ساتھ حدود فرانس کی طرف بڑھا۔

ابھی مسلمان سرحد پر پہنچے تھے کہ امیر عثمان بن ابی نعسہ صوبہ دار سرحد باغی ہو گیا، اس کا سبب یہ ہوا کہ عثمان پہلے پورے ملک اندلس کا والی تھا پھر اسے معزول کر کے فرانس اور اندلس کے درمیانی علاقہ کا والی بنا دیا گیا تھا، یہ بربری ہونے کی وجہ سے یوں بھی عربوں کے خلاف تھا، معزول ہونے کے بعد ان کا دشمن ہو گیا اور ان کے خلاف ڈیوک آف ایکی ٹین سے مل گیا، ڈیوک اور فرانس کی مرکزی حکومت میں عرصہ سے اختلاف چلا آ رہا تھا، اور ان دونوں میں آویزش کا سلسلہ جاری تھا۔ دوسری طرف فرانس کی فوج کشی میں مسلمانوں کے سامنے سب سے پہلے اسی کی حکومت پڑتی تھی اور وہ دو سمتوں سے دو دشمنوں سے گھرا ہوا تھا، اس لیے اس نے عثمان کی مخالفت سے فائدہ اٹھا کر اس کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی، عثمان کو بھی ایک مددگار کی ضرورت تھی اس لیے وہ فوراً اس سے مل گیا، ڈیوک نے اس اتحاد کو مضبوط کرنے کے لیے اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دی۔

اس اتحاد کے بعد عثمان علانیہ باغی ہو گیا اور عبدالرحمٰن کی طلبی پر وہ فوجیں لے کر نہیں آیا اور حیلہ کر کے ٹالنے کی کوشش کی، امیر عبدالرحمٰن کو اس کا علم ہو گیا، اس نے فرانس پر حملہ سے پیشتر اس خطرہ کو دور کرنے کے لیے ایک افسر ابن زیان کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ عثمان کے مقابلہ کے لیے بھیجا، وہ پہاڑی علاقہ میں بھاگ گیا، ابن زیان نے تعاقب کیا اور پکڑ کر قتل کر دیا۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۸ تا ۲۹۲ ملخصاً")

عثمان کا خطرہ دور ہونے کے بعد اسلامی فوجیں جبل البرتات کو عبور کر کے فرانس کے میدانی علاقہ میں داخل ہوئیں اس حملہ کے نتائج تنہا ڈیوک آف ایکی ٹین تک محدود نہ تھے، بلکہ مسلمانوں کی کامیابی کی صورت میں اس کا اثر پورے جنوبی فرانس پر پڑتا تھا، اس لیے یہاں کے کل امراء ان کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے، ڈیوک نے پہاڑ کے دامن میں

بڑی شجاعت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن اس سیلاب کو نہ روک سکے اور مسلمانوں نے اسے شکست دے کر دریائے گاران کی سر سبز وادیوں کو پامال کرتے ہوئے بورڈیو کے بندرگاہ تک پہنچ گئے، یہاں ڈیوک کے ساز و سامان کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، اس لیے اہل شہر نے روکنے کی پوری کوشش کی، لیکن مسلمانوں نے معمولی جنگ کے بعد بورڈیو فتح کر کے کل ذخیرہ پر قبضہ کر لیا۔ بورڈیو کے بعد مسلمان شمال کی طرف بڑھے، دریائے ڈاردون پر ڈیوک کی فوج نے پھر روکنے کی کوشش کی، مسلمانوں نے شکست دے کر پورا دستہ تباہ کر دیا اور دریا کو پار کر کے پائی ٹیرس پہنچے اور یہاں سینٹ ہلاری کے مشہور گرجے کی بیکراں دولت پر قبضہ کر کے شہر پناہ کی دیوار پر اسلامی جھنڈا نصب کر کے پھر یہاں سے ٹورس کا رخ کیا۔

(اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۹۲ و ۲۹۳ ملخصاً)

ڈیوک نے جب دیکھا کہ اس سیلاب کو روکنا اس کے بس سے باہر ہے اور کوئی دم میں اسلامی فوجیں وسط فرانس تک پہنچنا چاہتی ہیں تو اس نے مجبور ہو کر اپنے حریف چارلس مارٹل سے امداد کی درخواست کی، ڈیوک کے علاوہ فرانس کے دوسرے امراء نے بھی چارلس کو غیرت دلائی کہ عرب جیسی بے سرو سامان قوم فرانسیسی جیسی قوم پر غالب ہوتی جا رہی ہے۔ (تمدن عرب ص ۲۸۶)

شمال میں مسلمانوں کی پیش قدمی خود چارلس کے لیے خطرناک تھی، اس لیے وہ ڈیوک سے مل کر انہیں روکنے کے لیے تیار ہو گیا اور مسلمانوں سے جنگ کو قومی مسئلہ بنا کر ملک کے تمام جنگ آزماء امراء کو ان کے مقابلہ کے لیے آمادہ کر لیا، چنانچہ اس کی دعوت پر جرمنی، فرانس اور پرتگال کے امراء اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے، اور چارلس ایک جرار فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلا، اس وقت اسلامی فوجیں ٹورس کے قریب پہنچ چکی تھیں، یہیں ایک میدان میں دونوں کا سامنا ہوا۔

فرانسیسیوں اور مسلمانوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا، ایک طرف یورپ کے دیو پیکر آہن پوش بہادروں کا جرار لشکر تھا، دوسری طرف بے سرو سامان عربوں کی مختصر فوج تھی اور ملک اجنبی، اس کے باوجود ایک ہفتہ تک چارلس کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، ایک ہفتہ انتظار کرنے کے بعد امیر عبدالرحمٰن سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے حملہ کر دیا۔ اور صبح سے شام تک نہایت خون ریز جنگ ہوتی رہی، پھر رات کی تاریکی پھیلنے کے بعد

دوسرے دن کے لیے ملتوی ہو گئی، دوسرے دن پھر معرکہ کارزار گرم ہوا اور سہ پہر تک پوری شدت سے جنگ جاری رہی، دونوں کا پلہ برابر تھا کہ ڈیوک ایکی ٹین نے ایک تازہ دم فوج کے ساتھ ایک شدید حملہ کیا، تھکے ہوئے مسلمان اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے، ان کی کمزوری دیکھ کر فرانسیسیوں نے پوری قوت صرف کر دی، امیر عبدالرحمٰن مسلمانوں کو سنبھالنے اور ان کا دل بڑھانے کے لیے دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور جسم پر سینکڑوں زخم کھا کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے مسلمانوں کے پاؤں پہلے ہی اکھڑ چکے تھے، امیر عبدالرحمٰن کی شہادت سے ان کی ہمت پست ہو گئی چنانچہ شام ہونے کے بعد جب دوسرے دن کے لیے جنگ ملتوی ہوئی تو انہوں نے رات کی تاریکی میں میدان خالی کر دیا۔ مسلمانوں کی اس پسپائی کے باوجود چارلس مارٹل پر ان کی بہادری کا اتنا خوف غالب تھا کہ تعاقب کرنے کی ہمت نہ کی۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۹۹، ۳۰۰)

اہل یورپ اور یورپین مورخین اس معرکہ کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں اور چارلس کی کامیابی کو اس کا بڑا کارنامہ تصور کرتے ہیں، اسی کارنامہ کی بدولت اس کو مارٹل (ہتھوڑا) کا معزز لقب ملا۔ (تاریخ عرب موسیو سدیو ترجمہ اردو ص ۱۷۱) اس میں شبہ نہیں، اگر مسلمانوں کا یہ حملہ کامیاب ہو گیا ہوتا تو صرف فرانس بلکہ پورے مغربی یورپ کی تاریخ اور ہوتی۔

آخری حملہ اس مہم میں ناکامی اور امیر عبدالرحمٰن کی شہادت کی خبر افریقہ پہنچی تو عبیداللہ بن حجاب سلولی والی افریقہ نے امیر عبدالملک بن قطن فہری کو اندلس کا حاکم بنا کر بھیجا، اس نے شمالی اندلس میں بشکنس (بسکے) پر حملہ کیا۔ (نفح الطیب ج ۱ ص ۱۱۰) اور مسلمانوں کی شکست کا انتقام لینے کے لیے پھر فرانس پر فوج کشی کی، لیکن ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے موسم کی ناسازگاری کا لحاظ نہیں کیا، برسات کا موسم تھا ندی نالے طغیانی پر تھے، اس لیے اسلامی فوج کو قدم قدم پر دشواری کا سامنا کرنا پڑا، عیسائیوں نے الگ چھاپے مارنے شروع کر دیے اس سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچا اور عبدالملک بمشکل تمام انہیں بچا کر واپس لا سکا، اس کی ناعاقبت اندیشی اور ظلم و جور کی بنا پر ابن حجاب نے اسے معزول کر کے ۱۱۶ھ میں عقبہ بن حجاج کو اندلس کا والی بنایا۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۳۰۳ و نفح الطیب ج ۱ ص ۱۱۰)

شمالی افریقہ اور اس کے ماتحت علاقے، اندلس وغیرہ کے حالات

امیر عقبہ

بن حجاج بڑا صالح، منتظم اور عاقل امیر تھا' اس نے حکومت اندلس کی تمام خرابیوں کو دور کر کے نئے سرے سے بہترین نظم و نسق قائم کیا اور ہر لحاظ سے اندلس کو بڑی ترقی دی' تمام بد دیانت اور ظالم عمال کو ایک ایک کر کے نکال دیا' شاہراہوں کے انتظام اور ان کی حفاظت و نگرانی کے لیے سوار پولیس کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا رعایا کی سہولت اور داد رسی کے لیے ہر گاؤں میں عدالتیں قائم کیں' ہر فرقہ کے لیے الگ الگ مدارس قائم کیے' جگہ جگہ مسجدیں تعمیر کرائیں اور ان سے متعلق مذہبی مکاتب قائم کیے' اس کے حسن انتظام سے چند دنوں میں اندلس کی کایا پلٹ گئی۔ (اخبار الاندلس ج ۱ ص ۳۰۳ و ۳۰۴ ملخصاً")

ان اندرونی انتظامات کے ساتھ بعض غیر مفتوحہ علاقوں کو بھی زیر نگین کیا' چنانچہ سرحدی صوبہ کے پایہ تخت بلبلونہ اور اس سے ملحق صوبہ البہ (ایویا) اور اندلس کے آخری شمالی مغربی صوبے جلیقیہ (ملیسیہ) فتح کیے اور فرانس میں اربونہ تک بڑھ گیا۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۲۸)

سوس اقصیٰ اور سوڈان پر قبضہ امیر عبداللہ بن حجاب والی افریقہ نے اندلس کے ساتھ اپنے تمام ماتحت علاقوں میں نئے انتظامات کیے' عرصہ سے جو مہمیں رکی ہوئی تھیں' ان کا پھر آغاز کیا' طنجہ کی حکومت پر عمر بن عبداللہ مرادی کا تقرر ہوا۔ (ابن اثیر کا بیان ہے طنجہ کا حاکم اپنے لڑکے اسماعیل کو بنایا تھا' عمر بن عبداللہ مرادی کا مشیر تھا') حبیب بن ابی عبیدہ فہری کو مغرب کی مہم پر مامور کیا' اس نے سوس اقصیٰ اور سوڈان کی تمام طاقتوں کو زیر کر کے ان پر اسلامی حکومت کی دھاک بٹھائی اور بہت سا سونا مال غنیمت حاصل کیا۔ (کتاب المونس ص ۳۸ و ۳۹' ابن اثیر ج ۵ ص ۷۰)

سردانیہ پر حملہ ادھر عرصہ سے بحر روم کی مہمات بھی رکی ہوئی تھیں' اب حجاب نے جہاز سازی کے نئے کارخانے قائم کر کے بحری بیڑے کو ترقی دی اور ۱۰۷ھ میں حبیب بن ابی عبیدہ کو جزیرہ سردانیہ کی مہم پر مامور کیا۔ وہ حملہ کر کے کامیاب واپس آیا۔

صقلیہ پر حملہ اس کے بعد ۱۲۲ھ میں حبیب کو جزیرہ صقلیہ کی مہم پر بھیجا' اسلامی بیڑا صقلیہ کے پایہ تخت سرقوسہ کی سمت جو لب ساحل تھا' لنگر انداز ہوا' خشکی پر اترنے کے ساتھ ہی حبیب کے نامور اور بہادر فرزند عبدالرحمٰن نے رومیوں کو شکست دے کر

سرقوسہ کا محاصرہ کیا اہل شہر چند دنوں تک مدافعت کرتے رہے لیکن پھر مقابلہ کی طاقت نہ پا کر اطاعت قبول کر لی، حبیب کا ارادہ تھا کہ وہ پورے جزیرہ کو فتح کرنے کے بعد واپس ہو گا لیکن اسی دوران میں شمالی افریقہ میں بربریوں نے بڑی سخت بغاوت بپا کر دی، یہاں فوجی قوت نہ تھی اس لیے ابن حجاب نے حبیب کو واپس بلا لیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۷۰)

افریقہ میں بربر کی بغاوت اس بغاوت کا سبب یہ ہوا کہ بربر کی وحشت، بربریت اور سرکشی کی وجہ سے ان میں اور عربوں میں قدیم منافرت چلی آتی تھی، عرب انہیں وحشی سمجھتے تھے اور بربر ان سے تعصب رکھتے تھے، لیکن قوت کے مقابلہ میں بے بس تھے۔ چنانچہ جب کبھی انہیں موقع مل جاتا تھا، باغی ہو جاتے تھے، ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس منافرت کی وجہ سے عمر بن عبداللہ مرادی والی طنجہ کا طرز عمل عام بربر کے ساتھ پسندیدہ تھا، اسے نومسلم بربر پر بھی اعتماد نہ تھا، چنانچہ اس نے غیر مسلم بربر کی طرح ان سے بھی خمس وصول کرنے کا ارادہ کیا، اس لیے وہ بھی اس کے خلاف ہو گئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ افریقہ کی فوجیں سسلی کی مہم میں تھیں اور طنجہ بالکل خالی تھا، میدان خالی پا کر بربر نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ (کتاب المونس ص ۳۸ و ۳۹، ابن اثیر ج ۵ ص ۷۰)

شمالی افریقہ میں خوارج کی بھی بڑی تعداد تھی وہ بھی اموی حکومت کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بربر نے میسرہ نامی ایک خارجی کو اپنا سردار بنا کر طنجہ پر حملہ کر دیا، عمر بن عبداللہ نے مقابلہ کیا لیکن اس کی طاقت کمزور تھی بربر نے اسے قتل کر کے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ (مجموعہ فتح اخبار اندلس و ابن اثیر ج ۵ ص ۷۰) اور نہایت بے دردی سے عربوں کا قتل عام کیا، طنجہ میں بغاوت کی خبر سن کر سارے شمالی افریقہ کے بربر باغی ہو گئے اور اپنے یہاں کے عرب حکام کو نکال کر شہروں پر قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس معرکہ کے بعد میسرہ کا دماغ اتنا خراب ہو گیا کہ اس نے بربر کی تحقیر شروع کر دی اس لیے انہوں نے اسے قتل کر دیا اور ایک اور خارجی خالد بن حمید زناتی کو سردار بنایا لیکن ابن قوطیہ وغیرہ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر تک بربر کی راہنمائی کرتا رہا بعض دوسرے بیانات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے)

اس وقت شمالی افریقہ عربی فوج سے خالی تھا اس لیے ابن حجاب نے حبیب بن ابی عبیدہ کو صقلیہ سے واپس بلا کر اس کے لڑکے خالد کو بربر کے مقابلہ کے لیے بھیجا، طنجہ کے قریب دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی، اس جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور میسرہ طنجہ لوٹ

گیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۷۰ و کتاب المونس ص ۱۳۹)

تھوڑے دنوں کے بعد طنجہ ہی میں پھر دوسرا مقابلہ ہوا، عرب کے بڑے بڑے عمائد و شرفاء حبیب کے ساتھ تھے، فریقین بڑی بہادری و پامردی سے لڑے، ابھی جنگ جاری تھی کہ بربر کی ایک تازہ دم فوج نے کمین گاہ سے نکل کر حملہ کر دیا، عربوں میں اس ناگہانی حملہ کو روکنے کی طاقت نہ تھی، لیکن انہوں نے میدان چھوڑنا عار سمجھا اور بڑے استقلال سے لڑ کر جان دی، اس جنگ میں عرب کے بڑے بڑے شرفاء اور عمائد کام آئے تھے اس لیے یہ جنگ، جنگ اشراف کہلاتی ہے۔ (ابن قوطیہ ص ۱۴۰) بربر کی ان کامیابیوں اور عربوں کی شکست کی خبر اندلس پہنچی تو یہاں کے بربر نے بھی علم بغاوت بلند کر دیا، ہشام کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ۱۲۳ھ میں ابن حجاب کو معزول کر کے کلثوم بن عیاض قشری کو تیس ہزار فوج کے ساتھ افریقہ کا والی بنا کر بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اگر کلثوم قتل ہو جائے تو اس کا بھتیجا بلج بن بشر اس کا جانشین ہو گا، یہ بھی کام آئے تو ثعلبہ بن سلامہ عاملی اس کی جگہ لے گا۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۳۰ و ۳۱) اور شام سے لے کر شمالی افریقہ تک راستہ میں جو جو ملک پڑتے تھے سب میں فرامین جاری کر دیئے کہ ہر جگہ کے جنگ آزما اس مہم میں کلثوم کا ساتھ دیں، چنانچہ کلثوم مصر وغیرہ کی فوجوں کو ساتھ لیتا ہوا قیروان پہنچا، یہاں شمالی افریقہ کی شکست خوردہ فوجیں بھی ساتھ ہو گئیں اور ان سب کی مجموعی تعداد ستر ہزار تک پہنچ گئی۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۷۱ و اندلس ص ۳۵)

بربر کی شاہی فوج کے آنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے طنجہ میں اپنی قوت جمع کر لی، اور کلثوم قیروان سے طنجہ کی طرف بڑھا، مقام بقدورہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، شامیوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن بربر کی لاتعداد فوج کے مقابلہ میں ان کا بس نہ چل سکا اور بڑی فاش شکست کھائی، ان کی ایک تہائی فوج برباد ہو گئی اور کلثوم بن عیاض، حبیب بن عبیدہ وغیرہ ممتاز اور بڑے افسر مارے گئے۔ ایک بڑی تعداد زندہ گرفتار ہوئی، جو فوج بچ رہی ان میں سے افریقہ کے عربوں نے قیروان کا راستہ لیا۔ اور بلج بن بشر شاہی فوج کو لے کر اندلس کے ارادہ سے سبتہ چلا گیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۷۱ و مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۳۶)

اس دوران میں اندلس کے حالات اور زیادہ نازک ہو گئے۔ بربر شروع میں حکومت کے خلاف اٹھے تھے، لیکن پھر عربوں کا قتل عام شروع کر دیا، خاص اندلس کے باشندے

بھی ان کے ساتھ ہو گئے، اسی سلسلہ میں یمنی اور مصری عربوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور اندلس قتل و خونریزی کی آماجگاہ بن گیا، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

ہشام کو شاہی فوج کی بربادی، عربوں کی خونریزی اور اندلس کے انقلاب کی اطلاع ملی تو وہ جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور قسم کھالی کہ وہ اپنی قوت بربر کے استیصال میں صرف کر دے گا۔ اور اگر ضرورت ہوئی تو وہ خود اور اس کی اولاد تک میدان جنگ میں نکلے گی اور حنظلہ بن صفوان کلبی کو تیس ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ افریقہ روانہ کیا اور اس کے چچیرے بھائی ابو الخطاء کو اندلس کی حکومت کا پروانہ عطا کیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۷۱ و مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۳۶)۔

اس وقت افریقہ میں بربر کی شورش بدستور قائم تھی، چنانچہ حنظلہ کے قیروان پہنچتے ہی انہوں نے دو خارجی سرداروں عکاشہ بن ایوب فزاری اور عبدالواحد بن یزید ہواری کی قیادت میں دو مختلف سمتوں سے قیروان پر یورش کی، عکاشہ پہلے پہنچ گیا تھا اس لیے پہلا مقابلہ اسی سے ہوا، حنظلہ نے اسے فاش شکست دی اور بے شمار بربر مارے گئے، عکاشہ کو شکست دینے کے ساتھ ہی عبدالواحد کے مقابلہ کے لیے چالیس ہزار فوجیں روانہ کر دیں، قیروان سے تھوڑے فاصلہ پر ہی، دونوں کا سامنا ہوا، عبدالواحد کے ساتھ تین لاکھ بربری تھے، شاہی فوج اس ٹڈی دل سے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکی اور شکست کھا کر لوٹ گئی اور بربر آگے بڑھ کر قیروان سے تین میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوئے۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۷۱)

بربر کے اس ہجوم سے قیروان کے عرب بڑے خطرہ میں پڑ گئے لیکن جنگ کے علاوہ ان کے لیے مفر کی کوئی صورت نہ رہ گئی تھی، اس لیے جان پر کھیل کر مقابلہ کے لیے نکل آئے، علماء جہاد کا وعظ کہہ کر اور مستورات اپنے ناموس اور شکست کے بعد رسوائیوں کا خوف دلا کر ابھار رہی تھیں، اس لیے عرب اس بے جگری سے لڑے کہ ان کی تلواریں ٹوٹ گئیں، ان کی اس جانبازی نے بربر کے ٹڈی دل کو آخر میں شکست فاش دی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے عربوں نے دور تک تعاقب کر کے انہیں قتل کیا۔ اس جنگ میں دو لاکھ کے قریب بربری کام آئے اور شمالی افریقہ میں ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ (اس مخالفت کا سبب یہ تھا کہ عقبہ سے پہلے عبدالملک پورے صوبہ اندلس کا والی تھا، پھر اس عہدہ سے تنزل کر کے

عقبہ کے ماتحت کر دیا تھا۔)

اندلس کے حالات جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، اس دوران میں اندلس میں بھی انقلاب اور شورش بپا ہو گئی تھی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ افریقہ کے بربر کی بغاوت کی خبر سن کر اندلس کے بربر بھی باغی ہو گئے تھے اور یہاں کے والی عقبہ بن حجاج کو نکال کر سابق معزول والی عبدالملک بن قطن کو والی بنا لیا تھا۔

عبدالملک گو خود بھی عرب تھا، لیکن اس کو عقبہ بن حجاج سے مخالفت تھی، اس کے علاوہ عبدالملک مصری تھا، اس لیے وہ شامیوں سے، جس میں زیادہ تر یمنی عرب تھے، تعصب رکھتا تھا، اس مخالفت میں بھی اس نے بربر کی رہنمائی قبول کر لی تھی، لیکن اس کے علاوہ حکومت کی کوئی اور عملی موافقت یا مخالفت نہیں کی۔ (ابن قوطیہ ص ۱۴)

اندلس کے بربر شروع میں حکومت کے خلاف اٹھے تھے۔ لیکن پھر ان کی مخالفت عربوں تک وسیع ہو گئی اور انہوں نے جلیقیہ اور استرقہ وغیرہ سے جہاں جہاں عرب آباد تھے، ان کو نکال دیا اور ان کا قتل عام کیا، اور عرب ہر طرف سے سمٹ کر وسط اندلس میں جمع ہوئے۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۳۸)

اس وقت عبدالملک کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں اس کا بھی وہی انجام نہ ہو جو طنجہ کے عربوں کا ہو چکا ہے، اس لیے وہ شامیوں سے مدد لینے پر مجبور ہو گیا۔

اوپر گذر چکا ہے کہ کلثوم بن عیاض کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا بلج بن بشر باقی ماندہ شامی فوج کو لے کر اندلس کے ارادہ سے سبتہ چلا گیا تھا، لیکن یہاں آبنائے جبل الطارق کو عبور کرنے کا کوئی سامان نہ تھا، اس لیے اندلس نہ پہنچ سکا اور بربر کے خوف سے افریقہ بھی واپس نہ جا سکتا تھا، ناچار سبتہ میں مقیم ہو گیا اور شامی فوج بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئی، بلج نے مجبور ہو کر عبدالملک سے مدد مانگی کہ وہ اس کے اندلس پہنچنے کا سامان مہیا کر دے، لیکن وہ شامیوں کے خلاف اور یمنیوں سے تعصب رکھتا تھا، ان کے اندلس میں داخلہ سے اس کو خطرہ تھا، اس لیے کوئی مدد نہ کی اور سامان رسد کی قلت کی وجہ سے بلج اور اس کی فوج کو بار برداری کے جانور اور آخر میں گھاس پھوس تک کھانے کی نوبت آ گئی، (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۳۸)

ابن قوطیہ کا بیان ہے کہ بلج نے جب دیکھا کہ سبتہ میں ہلاکت کے سوا نجات کی اور

کوئی صورت نہیں ہے تو چمڑے کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر اور بعض تجارتی کشتیوں پر زبردستی قبضہ کر کے مع فوج کسی نہ کسی طرح اندلس پہنچ گیا، عبدالملک نے اندلس کے ساحل پر روکا لیکن بلج نے شکست دی اور عبدالملک کو گرفتار کر کے سولی پر لٹکا دیا اور اندلس کے دارالحکومت قرطبہ پر قابض ہو گیا، عبدالملک کے ایک ماتحت رئیس امیر عبدالرحمٰن بن علقمہ لخمی حاکم باربونہ نے بلج سے انتقام لینے کی کوشش کی بلج نے اس کی دس ہزار فوج برباد کر دی اور اس کی قوت کمزور پڑ گئی، عین اس حالت میں بلج عبدالرحمٰن کے تیر کا نشانہ بن گیا، اس کے قتل کے بعد شاہی فوج نے ثعلبہ بن سلامہ کو اپنا سردار بنایا اور اس میں اور اندلس کے بربر اور عرب میں مسلسل جنگ شروع ہو گئی، ابھی اس کا سلسلہ قائم تھا کہ ابوالحطاء اندلس پہنچ گیا۔ (ابن قوطیہ ص ۱۶، ۱۷ ملخصاً)

لیکن مقری اور مجموعہ اخبار فتح اندلس کا بیان اس سے مختلف ہے، ان کے بیان کے مطابق اندلس میں عربوں کے خلاف بربر کی شورش اتنی بڑھی کہ خود عبدالملک کو ان سے خطرہ پیدا ہو گیا لیکن بربر ہی نے اس کو اندلس کا والی بنایا تھا، اور انہی پر اس کی قوت امدار تھا اس لیے ان کے مقابلہ کے لیے ناچار شامیوں سے مدد لینے پر مجبور ہو گیا اور اس شرط پر بلج اور اس کی فوج کو سبتہ سے اندلس بلا لیا۔ کہ "بربریوں کی بغاوت فرو ہونے کے بعد لوٹ جائے گی اور عبدالملک انہیں بحفاظت افریقہ پہنچا دے گا۔" اور چند شاہی معززین کو ضمانت میں بطور یرغمال لے لیا، بربر کو عبدالملک کی اس تدبیر کی اطلاع ہوئی تو جلیقیہ، ماردہ، قوریہ اور طلبیریہ، وغیرہ کے تمام بربر مقابلہ کے لیے جمع ہو گئے، عبدالملک نے شاہی فوج کو اپنے لڑکوں قطن اور امیہ کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا، طلیطلہ کے قریب دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی، بربر نے بڑی فاش شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد میدان جنگ میں کام آئی اور بہت کم زندہ بچ سکے بربر کو شکست دینے کے بعد شاہی فوج سارے اندلس میں پھیل گئی، اور ہر جگہ ان کی بغاوت فرو کر کے ان کا پورا استیصال کیا۔

اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد عبدالملک نے معاہدہ کے مطابق شامیوں کو واپس کرنا چاہا انہوں نے کہا کہ ہم تیار ہیں۔ لیکن سب ایک ساتھ جائیں گے، عبدالملک نے عذر کیا کہ ہمارے پاس اتنی کشتیاں نہیں ہیں کہ سب کو ایک ساتھ بھیج سکیں البتہ جتنے تک ایک ساتھ پہنچا سکتے ہیں، شامیوں نے انکار کر دیا کہ ہم کو سمندر میں غرق کر دینا بربر

کے حوالہ کر دینے سے بہتر ہے۔

عبدالملک کے اس طرز عمل سے شامیوں کو شبہ ہوا کہ وہ ان کے ساتھ فریب کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے انہوں نے قصر حکومت پر قبضہ کر لیا اور عبدالملک کو پکڑ کر بلج کے حوالہ کر دیا اور اس کی جگہ بلج کو اندلس کا والی بنا دیا۔ عبدالملک کی گرفتاری سے پھر شورش بپا ہو گئی، اتفاق سے اسی دوران میں یہ ناگوار واقعہ پیش آگیا، کہ عبدالملک کے پاس جو شاہی افسر بطور ضمانت تھے، ان میں سے ایک افسر منتظمین کی بد سلوکی کی وجہ سے مر گیا، اس سے شاہی فوج میں، جس میں زیادہ تر یمنی تھے بڑی برہمی پیدا ہو گئی، اور اس نے بلج سے مطالبہ کیا کہ اس کے انتقام میں عبدالملک کو قتل کر دیا جائے، اس نے ٹالا، اس سے یمنیوں کو بد گمانی پیدا ہو گئی، اور انہوں نے بلج پر مصر کی حمایت کا الزام لگایا، بلج نے جب دیکھا کہ فوج کے بگڑ جانے کا خوف ہے تو مجبور ہو کر عبدالملک کو اس کے حوالہ کر دیا اس نے اسے سولی پر لٹکا دیا۔

عبدالملک کے قتل کے بعد اس کے لڑکے امیہ اور قطن انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اندلس کے بربر اور عرب مل کر عبدالملک کے بطور افسر امیر عبدالرحمٰن والی اربونہ کی قیادت میں قرطبہ کی طرف بڑھے، قرطبہ سے دو منزل کی مسافت پر شامیوں کا مقابلہ ہوا، شامیوں نے ابتدائی حملوں میں عبدالرحمٰن کی فوج کو کمزور کر دیا، یہ صورت دیکھ کر عبدالرحمٰن نے بلج پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا لیکن اس کے ایک ماتحت افسر حسین بن وجین نے فوج پر اس کا کوئی اثر نہ پڑنے دیا، اور عبدالرحمٰن کو شکست ہوئی، لیکن بلج زخموں سے جانبر نہ ہو سکا، اس کی موت کے بعد شامیوں نے ثعلبہ بن سلامہ کو اپنا افسر بنا لیا۔

اس معرکہ کے بعد اندلس کے عرب لور بربر نے ماردہ کے قریب اجتماع کیا، ثعلبہ نے بڑھ کر وہیں ان کا مقابلہ کیا لیکن پھر عربوں اور بربر کی تعداد کے مقابلہ میں اپنی قوت کمزور دیکھ کر ماردہ میں داخل ہو گیا، اسی دوران میں عیدالاضحیٰ آگئی، بربر عید منانے کے لیے منتشر ہو گئے ثعلبہ کو موقع مل گیا، اس نے ماردہ سے نکل کر دفعتہ حملہ کر دیا، عرب لور بربر اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی، صرف قیدیوں کی تعداد دس ہزار تھی۔

اندلس کا امن پسند طبقہ اس مسلسل شورش اور بدامنی سے گھبرا گیا تھا' چنانچہ یہاں کے معززین نے افریقہ جا کر والی افریقہ سے درخواست کی تھی کہ قتل و خون ریزی نے ہم لوگوں کو تباہ کر دیا ہے کوئی ایسا والی بھیجئے جو اس شورش اور اختلاف کو دور کر کے پھر سب کو ایک مرکز پر جمع کر دے۔ (یہ تمام حالات مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۳۸ تا ۴۵ سے ملخصاً" ماخوذ ہیں)

یہ وہ زمانہ تھا' جب ہشام شمالی افریقہ اور اندلس کے انقلاب کی خبر سن کر ابوالخطاء کو اندلس کی حکومت پر مقرر کر چکا تھا' وہ اسی دوران میں اندلس پہنچ گیا۔

لیکن ابن قوطیہ کا بیان اس سے مختلف ہے اس کے بیان کے مطابق جب بلج کی استمداد پر عبدالملک نے کوئی توجہ نہ کی اور بلج نے دیکھا کہ سبتہ میں ہلاکت کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے تو چمڑے کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر اور بعض تجارتی کشتیوں پر قبضہ کر کے اندلس پہنچ گیا' عبدالملک نے اسے ساحل پر روکا' بلج نے شکست دی اور اس کو گرفتار کر کے سولی دے دی اور قرطبہ پر قبضہ کر لیا' اس کے بعد بیان وہی ہے جو اوپر کی روایت میں گزر چکا ہے۔ (ابن قوطیہ ص ۱۶ و ۱۷ ملخصاً")

خوارج ہشامی دور میں بعض نواح میں خارجیوں نے بھی سر اٹھایا لیکن ان کی شورش زیادہ نہ بڑھنے پائی' ۱۱۱ھ میں چند خوارج نے یزید بن غریف ہمدانی والی سیستان کو اس کے گھر پر بر سر عام نہایت بے باکی سے قتل کر دیا' اس کے علاوہ کئی آدمیوں کو مار کر مارے گئے' خالد بن عبداللہ والی عراق نے اصغ بن عبداللہ کلبی کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ ان کے استیصال کے لیے بھیجا' سیستان کی گھاٹیوں میں ان کا مرکز تھا' اس لیے خود خوارج نے گھیر کر کلبی کا پورا دستہ ختم کر دیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۸۳) پھر ۱۱۹ھ میں کوفہ کے قریب بہلول خارجی اٹھا' خالد بن عبداللہ نے فوجیں بھیج کر موصل میں اس کا خاتمہ کرا دیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۸۷' و ابن اثیر نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے)

بہلول کے قتل کے بعد اسی سنہ میں عمرو الیشکری اور بختری یکے بعد دیگرے اٹھے لیکن دونوں مارے گئے' ان کے بعد وزیر سختیانی نے حیرہ میں خروج کیا اور بہت سے مسلمانوں کو قتل اور ان کی بستیوں کو جلا ڈالا اور حیرہ کے بیت المال پر قبضہ کر لیا' خالد نے فوجیں بھیج کر گرفتار کرا لیا' اس نے خالد کو نصیحت کی' وہ اس نصیحت سے اتنا متاثر ہوا کہ

اسے قتل نہیں کیا اور اپنے پاس ہی قید کر دیا اور رات کو بلا کر اس کی باتیں سنتا' کسی نے ہشام سے شکایت کر دی اس نے فوراً حکم بھیج کر قتل کرا دیا' اور اسی سنہ میں صحاری بن شباب ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ اٹھا لیکن یہ بھی مارا گیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۷۸)

زید بن علی کا خروج اور قتل بنی امیہ کے حریف مقابل بنی ہاشم نے بھی خروج کیا' محمد بن حنفیہ کی اولاد اور بنی عباس تو اپنی خفیہ دعوت میں عرصہ سے مشغول تھے' لیکن خاص اہل بیت کرام خاموش تھے' ان میں سے ایک بزرگ امام زین العابدینؓ کے صاحبزادے زید بن علی کے دل میں البتہ حصول خلافت کا جذبہ موجود تھا جو کبھی کبھی زبان پر بھی آ جاتا تھا۔ (الفخری ص ۱۱۸) لیکن ایک عرصہ تک انہوں نے اس کے لیے کوئی عملی کوشش نہیں کی ہشام کے زمانہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ عراقیوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر انہیں اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہشام کو ان کے خیالات کا علم تھا' اتفاق سے ایک قضیہ کے سلسلہ میں انہیں ہشام کے پاس جانا پڑا' اس نے ان سے کہا کہ "تم لونڈی زادہ ہو کر خلافت کی خواہش رکھتے ہو۔" زید نے جواب دیا کہ تم لونڈی ہونے کی وجہ سے میری ماں کا درجہ گھٹاتے ہو' حالانکہ حضرت اسحاق علیہ السلام آزاد عورت کے بطن سے تھے اور حضرت اسماعیل لونڈی کے بطن سے تھے"۔ ان دونوں میں خدا نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نبوت کے لیے منتخب فرمایا اور ان کی نسل سے عرب پھیلے اور انہی کی نسل سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے' ایسی باتوں کو زبان پر لاتے ہوئے خدا کا خوف کیا کرو ہشام نے کہا تمہارے جیسا شخص مجھے خدا کا خوف دلاتا ہے؟ زید نے کہا نہ کوئی آدمی اتنا چھوٹا ہے کہ وہ کسی کو خدا کے خوف سے نہ ڈرا سکے اور نہ کوئی اتنا بڑا ہے کہ وہ اس کو نہ سن سکے۔

(یعقوبی ج ۳ ص ۳۹۰)

اس گفتگو کے بعد ہشام نے انہیں قضیہ کی تحقیقات کے سلسلے میں یوسف بن عمر والی عراق کے پاس کوفہ بھجوا دیا۔ اور اس کو ہدایت کر دی کہ ان کو ایک لمحہ کے لیے تنہا نہ چھوڑنا' ایسے چرب زبان اور شیریں کلام آدمیوں کی جانب عراقی بہت جلد مائل ہو جاتے ہیں' زید جس وقت ہشام کے پاس واپس ہوئے ان کی زبان پر تھا کہ جو شخص زندگی کو محبوب رکھتا ہے اسے ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ (یعقوبی ج ۳ ص ۳۹۰)

ہشام کا خطرہ صحیح نکلا' زید بن علی جب کوفہ سے مدینہ واپس جانے لگے تو کوفیوں نے ان کے پاس جاکر کہا کہ آپ کہاں جاتے ہیں' ایک لاکھ تلواریں آپ کی حمایت کے لیے موجود ہیں' عراق میں بنی امیہ کی تعداد اتنی مختصر ہے کہ ہمارا ایک قبیلہ ان کے لیے کافی ہے' زید نے جواب دیا کہ مجھ کو تم لوگوں پر اعتماد نہیں ہے' تم نے میرے دادا حسینؓ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ معلوم ہے' ان لوگوں نے قسم کھا کر یقین دلایا کہ ہم آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کردیں گے' آپ ضرور کامیاب ہوں گے اور انشاء اللہ بنی امیہ کی بربادی کا یہی وقت ہو گا۔ (الفخری ص ۱۱۸)

ان کے عہد وپیماں پر یقین کر کے زید نے اپنے چچیرے بھائی ابو جعفر سے مشورہ کیا' انہوں نے مخالفت کی اور کہا آپ ہرگز کوفیوں پر اعتماد نہ کیجئے' وہ بڑے دھوکہ باز ہیں' وہاں آپ کے باپ اور دادا شہید کیے گئے آپ کے بابا پر حملہ ہوا' ہمارے اہل بیت پر گالیاں برسائی گئیں' لیکن زید کے دل میں پہلے سے حصول خلافت کا جذبہ موجود تھا' کوفیوں کا سہارا پاکر ان کے فریب میں آگئے۔ اور مدینہ کا سفر ملتوی کر کے کوفہ میں مقیم ہو گئے۔

(مروج الذہب مسعودی ج ۳ ص ۲۲)

چند دنوں میں عراق کے دوسرے شہروں اور خراسان کو چھوڑ کر تنہا کوفہ کے پندرہ ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کرلی۔ اور وہ بنی امیہ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے' یوسف بن عمرو والی کوفہ نے ان کا مقابلہ کیا' ایک ہی معرکہ کے بعد کوفیوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور بہت مختصر جماعت زید کے ساتھ رہ گئی' لیکن وہ برابر جمے رہے' ایک تیر آکر پیشانی پر لگا' اس کے نکالنے میں روح پرواز کر گئی' ان کے ہمراہیوں نے کوفہ ہی میں دفن کر کے یوسف کے خوف سے قبر زمین کے برابر کر دی' لیکن اس نے پتہ چلا لیا اور لاش قبر سے نکلوا کر سولی پر آویزاں کرا دی' (الفخری ص ۱۸و۱۹) ان کے قتل کے بعد ان کے اتباع کا ایک مستقل فرقہ پیدا ہو گیا جو امام زین العابدینؒ کے بعد امام باقر کے بجائے زید کو امام مانتا ہے اور زیدیہ کہلاتا ہے' یہ فرقہ اب بھی یمن اور دوسرے مقامات پر موجود ہے۔

بنی عباس کی دعوت بنی عباس کی دعوت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ سے شروع ہو گئی تھی' ہشام کے زمانہ میں اس نے اور زیادہ وسعت و تنظیم اختیار کرلی۔

خلافت کے اصل دعویدار اہل بیت نبویؐ تھے، یا ان کے بعد حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد تھی، لیکن سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں یہ منصب علویوں سے آل عباس میں منتقل ہو گیا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعان علیؓ نے آپ کے خلف الصدق حضرت امام زین العابدینؒ کے سامنے منصب امامت پیش کیا تھا، لیکن آپ واقعہ شہادت سے اتنے دل شکستہ تھے کہ سیاسی میدان میں قدم رکھنا پسند نہ فرمایا، ان کے انکار پر شیعان علیؓ نے حضرت علیؓ کے غیر فاطمی فرزند محمد بن حنفیہؒ کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے قبول کر لیا، اس طریقہ سے امامت اہل بیت نبوی سے علوی شاخ میں منتقل ہو گیا۔ محمد بن حنفیہؒ کے بعد ان کے صاحب زادے ابو ہاشم عبداللہ ان کے جانشین ہوئے اور سرزمین عجم میں ان کی خفیہ دعوت ہوتی رہی، ۱۰۰ھ میں یہ سلیمان بن عبدالملک سے ملنے کے لیے شام گئے، اس نے ان کی بڑی مدارات کی اور ان کی جملہ ضروریات پوری کر کے انہیں عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا، بعض مورخین کا بیان ہے کہ ان کی امامت کے خطرہ سے واپسی کے وقت انہیں زہر دلوا دیا۔ یہاں ان کے اہل خاندان میں سے کوئی نہ تھا، ایک قریب تر مقام حمیمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی بن عباس موجود تھے، اس لیے ابو ہاشم وہیں چلے گئے اور انتقال سے پہلے انہیں منصب امامت تفویض کر دیا اور اپنے عراقی اور خراسانی اتباع کو ہدایت کر دی کہ ان کے بعد محمد بن علی ان کے جانشین ہوں گے اس لیے وہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں، چنانچہ ابو ہاشم کی وفات کے بعد ان لوگوں نے محمد بن علی کے ہاتھوں پر بیعت کر لی، اس طرح امامت کا منصب علویوں سے بنی عباس میں منتقل ہو گیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۲۰)

منصب امامت ملنے کے بعد محمد بن علی نے بے ضابطہ انفرادی دعوت کے بجائے باضابطہ دعوت کا مکمل نظام قائم کیا اس کے اصول و قواعد بنائے اور تجربہ کار داعیوں کی ایک جماعت منتخب کر کے اسے عراق و خراسان روانہ کیا، یہ لوگ مختلف بھیسوں میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں پھیل گئے۔ اور بڑی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ بنی امیہ کے مظالم اور ان کی برائیوں کی تشہیر کر کے بنی عباس کی دعوت شروع کر دی، کبھی کبھی اس دعوت کا پردہ فاش ہو جاتا تھا اور داعی گرفتار کر کے قتل کر دیئے جاتے تھے، لیکن اس سے تبلیغی سرگرمی میں کوئی فرق نہ آنے پاتا تھا، ایک مارا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا، چنانچہ عمر بن

عبدالعزیزؒ کے زمانہ سے لے کر ہشام کے عہد تک برابر خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا اور ہزاروں عراقی اور خراسانی اس میں شریک ہو گئے، عوام کے علاوہ بہت سے اشراف و عمائد بھی بیعت میں داخل ہو گئے، مشہور عباسی داعی ابو مسلم (اس کی شرکت کی تفصیل آئندہ آئے گی) خراسانی اسی زمانہ میں اس دعوت میں شامل ہوا۔

غرض ہشام کے زمانہ میں عباسی دعاۃ کی کوششوں سے خراسان و عراق کے بڑے حصہ میں عباسی دعوت پھیل گئی، اور جا بجا علانیہ بھی اس کے مظاہر نظر آنے لگے، اس وقت ہشام نے ادھر توجہ کی اور ایک نامور اور تجربہ کار شخص امیر نصر بن سیار کو جو خراسان کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا تھا۔ یہاں کا والی مقرر کر کے عباسی دعوت کے استیصال پر مامور کیا، لیکن اسی دوران میں ہشام کا وقت آخر ہو گیا۔

وفات ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں اس نے مرض خناق میں انتقال کیا اور اپنے نئے دارالحکومت رصافۃ الشام میں دفن ہوا، انتقال کے وقت پچپن سال کی عمر تھی، مدت خلافت ۱۹ سال ۹ مہینے۔

ہشامی عہد پر تبصرہ

ہشام تدبیر و سیاست، بیدار مغزی، اولوالعزمی و حوصلہ مندی وغیرہ اوصاف جہانبانی کے اعتبار سے بنی امیہ کے ممتاز خلفاء میں تھا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ وہ بڑا دقیق النظر، منتظم کفایت شعار، امور مملکت میں بیدار مغز اور رعایا کی سیاست میں بڑا با تدبیر تھا، سلطنت کے جملہ کام خود انجام دیتا تھا، اس کی نگاہ سے کوئی چیز چھپی نہ رہتی تھی، (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۲۲ و ۳۲۳) ابن طقطقی لکھتا ہے کہ وہ بڑا عاقل حلیم الطبع اور پاکباز تھا۔

(آداب السلطانیہ ص ۱۱۷)

اس میں امیر معاویہؓ کا علم و تدبر اور عبدالملک کی سیاست و اولوالعزمی دونوں ایک ساتھ جمع ہو گئی تھیں، مورخین لکھتے ہیں کہ بنی امیہ میں ان تینوں پر سیاست و تدبر کا خاتمہ ہو گیا۔ (مروج الذہب ج ۳ ص ۲۸)

ان کے کارناموں اور اس کے دور کے واقعات سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے اس کے زمانے میں مشرق و مغرب دونوں میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث پیش آئے، لیکن حکومت کے کسی نظام اور سلطنت کے کسی حصہ کو جنبش نہ ہونے پائی، مشرق میں ترک و تاتاری اور مغرب میں بربر کی قوت کا خاتمہ کر دیا، رومیوں کو اسلامی حدود کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی، جہاں جہاں خوارج نے سر اٹھایا فوراً ان کو کچل دیا گیا، اور پھر انہیں شورش بپا کرنے کا حوصلہ نہ ہوا، اسلامی سلطنت کے ہر حصہ میں اہم فتوحات حاصل ہوئیں، جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ عباسی دعوت البتہ پھیلی لیکن ایک عرصہ تک اس کا سلسلہ اتنا مخفی رہا کہ پتہ نہ چل سکا اور جب ان نے قوت پکڑی اور اس کے مظاہر علانیہ نظر آنے لگے، اس وقت ہشام کا وقت آخر ہو گیا۔ ان سیاسی کارناموں کے ساتھ اس کا زمانہ تعمیری اور انتظامی حیثیت سے بھی کامیاب ہے۔

افتادہ زمینوں کی آبادی افتادہ زمینوں کی آبادی کی طرف اس کی خاص توجہ تھی اور اس کے زمانہ میں ان کا کافی حصہ آباد ہوا۔ (مروج الذہب ج ۳ ص ۲۱)

بیت المال کی اصلاح اموی حکومت کے آغاز سے بیت المال میں بے عنوانیاں چلی

آ رہی تھیں، عمر بن عبدالعزیزؒ نے اصلاح کی تھی، لیکن ان کے بعد پھر وہی پرانی صورت پیدا ہو گئی تھی، ہشام نے اس کا پورا انسداد کیا اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جب تک شہادتوں سے اس کا پورا یقین ہو جائے کہ محاصل میں ناجائز آمدنی کا کوئی حصہ شامل نہیں ہے، اس وقت تک اس کو بیت المال میں داخل نہ کیا جائے، چنانچہ چالیس شہادتوں کے بعد آمدنی داخل کی جاتی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۴۸)

دفاتر کی تنظیم دفاتر کی از سر نو تنظیم ہوئی، چنانچہ کاغذات کی صحت و ترتیب کے اعتبار سے اس کا زمانہ سارے خلفاء میں ممتاز تھا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۹۶)

عدالت شعبہ عدالت کی تفصیل تو نہیں معلوم ہوئی، لیکن بعض واقعات سے ہشام کی عدل پروری کا ثبوت ملتا ہے، اس کے ایوان عدالت میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر تھے، وابستگان دولت تک کسی پر دست تعدی دراز نہیں کر سکتے، ایک مرتبہ ایک نصرانی نے ہشام کے لڑکے محمد کے غلام کو کسی بات پر مارا، وہ زخمی ہو گیا، محمد کے خواجہ سرا نے اس کے بدلہ میں نصرانی کو مارا، ہشام کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً خواجہ سرا کو طلب کیا اس نے محمد کے دامن میں پناہ لی، لیکن ہشام کی سزا سے نہ بچ سکا، اس نے اسے سزا دی اور اپنے لڑکے کو تنبیہ کی۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۹۶)

شعبہ فوج انتظامی شعبوں کے ساتھ فوجی شعبہ میں بھی کافی ترقی ہوئی، ضرورت کی جگہوں پر مستحکم قلعے تعمیر کرائے، انطاکیہ میں جو اسلامی اور رومی حکومت کی نازک سرحد تھی، حصن قطرغاش اور حصن بورہ اور حصن بوقا بنوائے۔ (تاریخ ابن اثیر ۵ مختلف سنین) اس کے علاوہ تمام سرحدی علاقوں کو مضبوط و مستحکم کیا اور وہاں ہر طرح کا جنگی سامان بکثرت جمع کیا۔ (مسعودی ج ۳ ص ۲۱)

بحری بیڑے کی ترقی کے لیے شمالی افریقہ میں جہاز سازی کے مزید نئے کارخانے قائم کیے، اور بحر روم میں کامیاب بحری مہمات کا سلسلہ جاری رہا۔ (کتاب المونس ص ۳۸)

شہروں کی آبادی اس زمانے میں متعدد نئے شہر بھی آباد ہوئے، شام میں قنسرین کے علاقہ میں رصافہ آباد کیا گیا، گرمیوں کے موسم میں ہشام یہیں رہتا تھا، اس لیے اسے پایہ تخت کی حیثیت حاصل تھی۔ (معجم البلدان ج ۴ ذکر رصافۃ الشام) سندھ میں دو شہر منصورہ اور

محفوظہ آباد ہوئے، منصورہ سندھ کا اسلامی دارالحکومت تھا۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۸)

حوض اور تالاب کی تعمیر حجاج کی آسائش کے لیے مکہ کے راستہ میں حوض اور تالاب بنوائے۔ (مروج الذہب ج ۲ ص ۲۱)

ریشمی کپڑوں کی صنعت ملکی مصنوعات کی ترقی کی جانب بھی توجہ تھی، اس سلسلہ میں ریشمی کپڑوں کی صنعت میں بھی بڑی ترقی ہوئی۔ (مروج الذہب ج ۲ ص ۲۱)

مذہبی خدمات ان کارناموں کے ساتھ ہشام نے مذہبی خدمات بھی انجام دیں، وہ خود راسخ العقیدہ شخص تھا اور مذہب میں کسی ایسی بدعت کو پسند نہ کرتا تھا، جس سے عقائد میں رخنہ پیدا ہو، اور اس قسم کے خیالات کا نہایت سختی سے تدارک کرتا تھا، مشہور قدری غیلان بن یونس نے سب سے اول عمر بن عبدالعزیز ؒ کے زمانہ میں قدر کا عقیدہ ظاہر کیا تھا لیکن پھر ان کے سمجھانے سے توبہ کر لی تھی ہشام کے زمانہ میں پھر اس کا اعادہ کیا تو اس نے قتل کرا دیا، اسی طریقہ سے ایک اور شخص جعد بن درہم نے خلق قرآن کا مسئلہ چھیڑا ہشام نے اسے بھی قتل کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۹۶، ۹۷)

اپنے لڑکوں پر نماز کی بڑی تاکید رکھتا تھا، ایک مرتبہ ایک لڑکا جمعہ کی نماز میں نہ پہنچ سکا، تو ہشام نے باز پرس کی، اس نے عذر کیا کہ سواری نہ تھی، ہشام نے کہا پاپیادہ نہیں جا سکتے تھے، اور سزا کے طور پر ایک سال کے لیے سواری بند کر دی۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۹۶)

رعایا کی اخلاقی نگہداشت وہ طبعاً نہایت متین و سنجیدہ تھا، اسے لہو و لعب سے کوئی دلچسپی نہ تھی رعایا کو بھی اس قسم کے مشاغل سے روکتا تھا، اور اس پر احتساب کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک بوڑھا شخص اس جرم میں پیش کیا گیا کہ وہ گانے والی عورتوں، شراب و کباب اور مزامیر سے دلچسپی رکھتا تھا، ہشام نے اسے دیکھ کر کہا کہ "طنبورہ اس کے سر پر توڑ دو" اس حکم کی تعمیل ہوئی وہ رونے لگا، ہشام نے کہا صبر سے کام لو، بوڑھے نے جواب دیا چوٹ کی وجہ سے نہیں روتا ہوں، بلکہ اس ناقدر شناسی پر روتا ہوں کہ اب "بربط" کو طنبورہ کہا جاتا ہے۔

گھوڑوں کی پرورش و پرداخت و ترقی ہشام کو گھوڑوں اور گھوڑ دوڑ کا بڑا شوق تھا اس شوق کی وجہ سے گھوڑوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی نسل میں بڑی ترقی ہوئی،

اس کے پاس گھوڑدوڑ کے چار ہزار منتخب گھوڑے تھے۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۹۶)

علمی خدمات ہشام کو علم و فن سے بھی بڑی دلچسپی تھی' چنانچہ اس نے امام زہریؒ سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کرایا تھا' (مروج الذہب ج ۲ ص ۲۹) غیر قوموں کے علوم میں فارسی کی ایک اہم کتاب کا جو ایرانیوں کے بہت سے علوم و فنون' ان کے فرمانرواؤں کے حالات اور سیاسی واقعات پر مشتمل تھی' ترجمہ کرایا تھا' یہ کتاب مصور تھی اور مسعودی کی نظر سے گزری تھی' التنبیہ والاشراف میں اس نے اس کا تفصیلی حال لکھا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۷)

اخلاق و سیرت ہشام کے اوصاف میں دو وصف زیادہ نمایاں تھے حلم اور کفایت شعاری۔ امیر معاویہؓ کے حلم کی طرح اس کا حلم بھی تاریخی مسلمات میں ہے' وہ تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتا تھا' ایک مرتبہ ایک شخص نے اس کو رودررو سخت الفاظ کہے' اس نے صرف اس قدر کہا کہ اپنے امام کو برا کہنا مناسب نہیں ہے۔ (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۱۰۶) ایک مرتبہ خود اس نے ایک معزز شخص کو نا ملائم الفاظ کہے' اس نے کہا خلیفۃ اللہ فی الارض ہو کر اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ہشام سخت شرمندہ ہوا اور بولا مجھ سے اس کا بدلہ لے لو' اس شخص نے کہا' تمہارے جیسا کمینہ میں بھی ہو جاؤں' ہشام نے کہا تو اس کا مالی معاوضہ لے لو' اس نے کہا یہ بھی میں نہیں کر سکتا' ہشام نے کہا تو اس کو خدا کی راہ میں دے دو' اس نے کہا پہلے خدا کی راہ میں' پھر تمہارے لیے اس واقعہ سے ہشام نہایت شرمندہ ہوا اور قسم کھائی کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۹۶) اس کی زبان سے جو سخت سے سخت کلمہ تاریخوں میں ملتا ہے' وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص پر بہت برہم ہوا تو کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں تم کو ایک کوڑا ماروں گا۔ لیکن یہ ارادہ قول سے عمل میں نہ آیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۹۷)

وہ اپنے پیشرووں کے برعکس نہایت کفایت شعار تھا' اس کی کفایت شعاری بلکہ بخل کے بہت سے واقعات ملتے ہیں لیکن ان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں ہے' یہ البتہ صحیح ہے کہ وہ بڑا کفایت شعار تھا' ایک ایک لباس برسوں پہنتا تھا' اپنے لڑکوں کو بھی سادگی کا عادی بنایا تھا' اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے بعد بے اندازہ دولت چھوڑ گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۴۸)

ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک

۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ مطابق ۷۴۳ء تا ۷۴۴ء

یزید بن عبدالملک اپنی زندگی میں ہشام کے بعد اپنے لڑکے ولید کو نامزد کر گیا تھا، اس لیے ہشام کی وفات کے بعد ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

ولید ہر اعتبار سے خلافت کے نااہل تھا، امور مملکت سے غافل، ہر وقت فسق و فجور میں غرق رہتا تھا، ہشام نے اپنی زندگی میں اسے سدھارنے کی بڑی کوشش کی تھی، زبانی فہمائش کی، اس کے بد اخلاق ندیموں کو الگ کر دیا، امیر الحج بنا کر مکہ بھیجا، آخر میں وظیفہ بند کر دیا، لیکن ولید کے مشاغل میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ اس کی ضد اور بڑھتی گئی، اور دونوں کے تعلقات اتنے خراب ہو گئے کہ ولید ہشام کی قربت چھوڑ کر اپنی جاگیر پر اردن چلا گیا، اس کی اصلاح سے مایوس ہونے کے بعد ہشام نے امام زہریؒ اور بعض دوسرے اکابر کے مشورہ سے ولید کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے مسلمہ کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی تھی، لیکن ابھی اس کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ اس کا وقت آخر ہو گیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۵۹۷، امام زہری کی تاریخ کا ذکر تاریخ الخلفاء میں ہے)

ہشام کی وفات کے وقت ولید اردن میں تھا یہیں اس کو وفات کی خبر ملی، اس نے فوراً عباس بن عبدالملک کو فرمان لکھا کہ رصافہ جا کر ہشام کی کل دولت اور متروکات کو اپنے قبضہ میں لے لو۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۹۸، امام زہری کی تاریخ کا ذکر تاریخ الخلفاء میں ہے)

ولید ہشام کے تمام وابستگان دولت خصوصاً ان امراء سے بہت برہم تھا جو ولی عہدی سے اس کے اخراج کی تجویز میں شریک تھے، چنانچہ تخت نشینی کے بعد اس نے سب سے انتقام لیا، انہیں یک قلم ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۹۷) اور ہشام کے تمام آدمیوں پر اتنی سختیاں کیں کہ اس کے خدام اس کی قبر پر جا کر روتے تھے۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۹۸) ہشام کے ماموں، ہشام بن اسماعیل کو مکہ کی حکومت سے معزول کر دیا، ان کے لڑکوں محمد اور ابراہیم کو کوڑوں سے پٹوا کر انہیں یوسف بن عمرو والی عراق کے حوالہ کر

دیا' اس نے ان کو اتنی ایذائیں دیں کہ اس کے صدمہ سے وہ مر گئے' (ابن اثیر ص ۱۰۰و ۱۰۱) ان مظالم کے ساتھ اس کی حکومت کا آغاز ہوا۔

یحییٰ بن زید کا خروج اور قتل ولید کی تخت نشینی کے چند ہی دنوں بعد یحییٰ بن زید خراسان میں اٹھے' وہ اپنے والد زید بن علی کے خروج میں ان کے ساتھ تھے' ان کے قتل کے بعد خراسان چلے گئے تھے اور بلخ کے ایک محب اہل بیت حریش بن عمر بن داؤد کے یہاں مقیم تھے' ولید کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حفظ تقدم کے خیال سے نصر بن سیار والی خراسان کو لکھا کہ حریش سے فوراً یحییٰ کے حوالہ کرنے کا مطالبہ کرو' اس نے اس حکم کی تعمیل کی' حریش نے لاعلمی ظاہر کی' نصر نے سختی سے کام لیا' اس کی سختی دیکھ کر حریش کے لڑے نے بتا دیا اور نصر نے یحییٰ کو گرفتار کر کے ولید کو اطلاع دی' وہ صرف یحییٰ کو شیعوں کے دام سے الگ کرنا چاہتا تھا اور ان کو نقصان پہنچانا مقصود نہ تھا' اس لیے لکھا کہ انہیں وہاں سے ہٹا کر چھوڑ دو' نصر نے انہیں' دو ہزار درہم دے کر شام جانے کی ہدایت کی۔

لیکن بلخ سے نکلنے کے بعد ان کے پیرووں نے انہیں یہ کہہ کر پھر ورغلایا کہ ہم لوگ کب تک ذلت برداشت کرتے رہیں گے' اس لیے یحییٰ شام جانے کے بجائے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ نیشاپور چلے گئے' یہاں کے حاکم عمرو بن زرارہ کو ان کے ارادہ کا علم ہوا تو اس نے سلمہ بن احوز ہلالی کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا اور خود بھی نکلا' جوزجان میں دونوں کا مقابلہ ہوا' اس میں یحییٰ بن زید قتل ہوئے اور ان کی پوری جماعت کام آئی۔

(یعقوبی ج ۲ ص ۳۹۸)

عباسی دعوت ۱۲۶ھ کے آخر میں امام محمد بن علی عباسی کا انتقال ہو گیا اور ان کے لڑکے ابراہیم ان کے جانشین ہوئے اور عباسی دعوت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔

ولید کی ناعاقبت اندیشی اور اس کے نتائج ولید کی فاسقانہ زندگی اور ان کے مظالم کی وجہ سے شروع ہی سے اس کے خلاف عام بددلی پھیل گئی تھی' اپنی ناعاقبت اندیشی سے اس نے اپنے خاندان کے ارکان اور ان امراء اور قبائل کو بھی مخالف بنا لیا' جن پر بنی امیہ

کی سطوت و قوت کا مدار تھا۔

ہشام کے متعلقین سے انتقام کے سلسلہ میں اس نے ایک بڑی غلطی یہ کی کہ اس کے لڑکے سلیمان کو کوڑوں سے پٹوایا اور اس کا سر اور داڑھی منڈوا کر قید کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۳) اس کے اس فعل سے ہشام کی اولاد اس سے برہم ہو گئی۔

مضری یا نزاری اور یمنی قبائل پرانے حریف تھے اور بنی امیہ کی قوت کا دار و مدار زیادہ تر یمنی قبائل پر تھا' اس لیے اموی خلفاء ان کی بڑی مدارات کرتے تھے ولید نے ان کے امراء و عمائد کی بھی تذلیل و تحقیر کی اور ان کے مقابلہ میں بنی نزار کو بڑھانا شروع کیا' اس سے ان کی قدیمی رقابت پھر ابھر آئی۔ (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۲۳)

خالد بن عبداللہ قسری یمنی قبائل کا بڑا ممتاز اور مقتدر سردار تھا اور ہشام کے زمانہ میں عراق کا والی تھا اس زمانہ میں اس نے عراق کی آمدنی کی ایک خطیر رقم فیاضی میں صرف کر دی تھی جس کا کوئی حساب نہ دے سکا تھا۔ اس جرم میں ہشام نے انتظامی حیثیت سے اسے معزول کر دیا تھا' لیکن اس کے رتبہ کا لحاظ کر کے اور کوئی سزا نہیں دی تھی' بلکہ اس کی درشت باتوں کو سن کر انگیز کرتا تھا۔ (اخبار الطوال نے اس واقعہ کی بڑی تفصیل لکھی ہے ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے تفصیل کے لیے دیکھو کتاب مذکور ص ۳۲۴' ۳۲۵)

ولید نے اپنے زمانہ میں اس رقم کا مطالبہ کیا اور جب خالد اسے ادا نہ کر سکا تو اسے یوسف بن نزاری والی عراق کے' جو اس سے تعصب رکھتا تھا' حوالہ کر دیا' اس نے اسے طرح طرح کی اذیتیں دے کر مار ڈالا' ولید نے اسی پر بس نہیں کی' بلکہ یمن کی اس تحقیر کو فخریہ نظم کیا' اس سے قبائل یمن کے جذبات بھڑک اٹھے۔ (کتاب التبنیہ والا شراف ص ۳۲۴) اور وہ اس کی مخالفت میں یزید بن عبدالملک سے جو اپنے بھائی سلیمان کی تحقیر و تذلیل کی وجہ سے ہشام کے خلاف ہو گیا تھا' مل گئے اور اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔

یزید کی بیعت اور ولید کا قتل ولید اس وقت حمص اور دمشق کے درمیان قلعہ نجرا میں تھا' یزید کے ہاتھوں پر بیعت کے بعد یمنی قبائل اسے لے کر نجرا پہنچے اس وقت ولید کو ہوش آیا' اس کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی لیکن مقابلہ کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا' ناچار اسی مختصر جماعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور شکست کھا کر مارا گیا۔ (کتاب التبنیہ والا شراف ص ۳۲۴) یہ واقعہ جمادی الثانی ۱۲۶ھ میں پیش آیا' اس وقت اس کی عمر کل بیالیس سال کی،

تھی، مدت خلافت ایک سال دو مہینے۔

بعض قابل ذکر اوصاف اگرچہ ولید کی پوری زندگی رندی و سرمستی میں غرق تھی لیکن اس میں بعض قابل ذکر اوصاف بھی تھے اس نے حکومت کی جانب سے محتاجوں کی بھی پرورش اور معذور اپاہجوں کی خدمت کا انتظام کیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۶)

شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتا تھا، خود خوشگو شاعر تھا، خصوصاً خمریات میں اسے بڑا کمال حاصل تھا، ابو نواس نے جو عربی زبان کا خیام سمجھا جاتا ہے، اپنے کلام میں ولید کے خمریات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۵) طبعاً" بڑا فیاض اور سیر چشم تھا، شعراء کی قدر دانی میں اس کی فیاضی اسراف کی حد تک پہنچ جاتی تھی، یزید بن ضبہ شاعر نے اس کی تخت نشینی کی تبریک میں پچاس شعر کا ایک قصیدہ پیش کیا تھا، ولید نے ہر شعر کے صلہ میں ایک ایک ہزار انعام دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۵)

موسیقی کا بھی بڑا شائق اور قدردان تھا، اس کے دربار میں ابن سریج، معبد، غریض ابن عائشہ، ابن محرز، طویس اور دحمان وغیرہ اس عہد کے بڑے بڑے باکمال مغنی جمع تھے۔ (مروج الذہب مسعودی ج ۳ ص ۳۱)

بعض غلط واقعات کی تنقید اس کا فسق و فجور اور اس کے مظالم مسلم ہیں، لیکن ان کے ساتھ تاریخوں میں اس کے الحاد و دہریت کے بھی بعض جھوٹے افسانے ملتے ہیں کہ اس نے خانہ کعبہ کی چھت پر شراب پینے کا ارادہ کیا تھا، یا کلام اللہ کی توہین کی، ملحدانہ مضامین کے بعض اشعار بھی اس کی جانب منسوب ہیں، لیکن اس کی حیثیت زیب داستان سے زیادہ نہیں ہے، ان واقعات کی شہرت کا سبب یہ ہے کہ ولید اپنے ظلم و فسق کی وجہ سے بہت بدنام تھا، ہر جماعت اس کے خلاف تھی، اس کے مخالفین نے اس کی جانب سے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے رندی و ہوسناکی کے واقعات کے ساتھ الحاد و زندقہ کے افسانوں کو بھی شامل کر دیا۔ لیکن ان کی صداقت اس سے ظاہر ہے کہ اکابر علماء و محدثین تک جو دین و عقائد اسلامی کے سب سے بڑے محافظ و پاسبان ہیں ان واقعات کو غلط سمجھتے ہیں، چنانچہ مہدی عباسی کے عہد کے ایک ممتاز فقیہ ابو علاثہ کا بیان ہے کہ ان سے ایک عینی شاہد نے جو ولید کی رندانہ صحبتوں میں شریک رہ چکا تھا، بیان کیا کہ وہ شراب میں بدمست رہتا تھا، لیکن جیسے ہی نماز کا وقت آتا رندی کا لباس اتار کر دوسرا سپید لباس

پہنتا اور وضو کر کے نماز پڑھتا، نماز ادا کرنے کے بعد پھر رندانہ مشاغل میں مصروف ہو جاتا، فقیہ مذکور اس واقعہ کو بیان کر کے کہتے تھے کہ کیا یہ اس شخص کی زندگی ہو سکتی ہے جو خدا پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۲)

سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں حافظ ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ولید کی جانب کفر و زندقہ کی نسبت صحیح نہیں ہے، البتہ وہ مے نوشی اور دوسرے منہیات میں ضرور مبتلا تھا، (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۲) اس کی زندگی کا آخری عمل یہ تھا کہ جب وہ شکست کھا کر قصر میں محصور ہو گیا اور لوگ اسے قتل کرنے کے لیے اندر گھسے تو وہ کلام اللہ کھول کر تلاوت میں معروف ہو گیا اور کہا کہ "جس طرح عثمانؓ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے مارے گئے اسی طرح میرا بھی خاتمہ ہو"۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۶)

یزید ثالث بن ولید المعروف بہ یزید الناقص

۱۲۶ھ مطابق ۷۴۴ء

ولید کے قتل کے بعد رجب ۱۲۶ھ میں یزید بن ولید تخت نشین ہوا' اس نے ولید کے دور کے فوج کی تنخواہ کے اضافہ کو گھٹا دیا تھا' اس لیے یزید ناقص کہلاتا تھا' یہ عابد و زاہد خلیفہ تھا' تخت نشینی کے بعد اس نے حسب ذیل تقریر کی۔

> لوگو! میں اس وقت تک کہیں کوئی نئی عمارت نہ بنواؤں گا اور نہ نئی نہر نکلواؤں گا جب تک اس مقام کی سرحد کی حفاظت کا انتظام نہ ہو جائے گا' اور جب تک وہاں کے باشندوں کی احتیاج و ضروریات پوری نہ ہو جائیں گی' اس وقت تک وہاں کی آمدنی کسی دوسرے مقام پر نہ بھیجی جائے گی' ہر جگہ کا صرف وہی مال دوسری جگہ منتقل کیا جائے گا جو مقامی ضروریات سے زائد ہو گا' اپنا دروازہ حاجت مندوں کے لیے بند نہ کروں گا' سال بسال تمہارے وظیفے اور ماہ بماہ تمہارا راشن ملتا رہے گا' حقوق میں دور کے رہنے والے قریب کے رہنے والوں کے برابر ہوں گے' جو کچھ میں نے کہا اگر اسے پورا کروں تو تم پر میری اطاعت اور میری امداد فرض ہے اور اگر پورا نہ کروں تو مجھے معزول کر دو' تم لوگ گواہ رہو' میں توبہ کرتا ہوں' اگر کوئی ایسا شخص صالح تمہاری نگاہ میں ہو جو ان باتوں کا وعدہ کرے' جن کا میں نے وعدہ کیا ہے اور تم اس کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہو تو میں سب سے پہلے اس کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں' خدا کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔" (الفخری ص ۱۲۱)

یزید کی مخالفت اگرچہ ولید کی مخالفت اور اس کے قتل کا سبب اس کی نااہلی اور اس کے اعمال تھے' اور اس کے مقابلہ میں یزید صالح خلیفہ تھا' لیکن کسی حکمران کے قتل کے اسباب خواہ کچھ ہی ہوں' حکومت کے نظام پر ہمیشہ اس کا برا اثر پڑتا ہے اور لوگوں میں حکمران کے خلاف اٹھنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے' پھر ولید کے قتل کے اسباب میں یمنی اور مضری عصبیت بھی شامل تھی۔ اس لیے اس واقعہ سے ایک طرف لوگ خلیفہ وقت کی

مخالفت میں جری ہو گئے، دوسری طرف قبائلی عصبیت بھڑک اٹھی، جب تک ولید کے قتل کا واقعہ نہ پیش آیا تھا، ہر طبقہ اس کے خلاف تھا، لیکن یمنیوں کے ہاتھوں اس کا قتل قبائلی سوال بن گیا، اور یمن و مضر کی پرانی عصبیت ابھر آئی اور وہ مضری بھی جو ولید کی زندگی میں اس کے خلاف تھے، یمنیوں سے اس کے قتل کا انتقام لینے کے لیے آمادہ ہو گئے، اور دونوں قبیلوں میں نہایت سخت مخالفت شروع ہو گئی اور تمام مضری قبائل اور بنی امیہ کے اکثر ارکان یزید کے خلاف ہو گئے۔ اور شام کے مختلف حصوں میں اس کے خلاف بغاوت برپا ہو گئی۔

حمص میں بغاوت سب سے پہلے حمص کے باشندوں نے یزید کی خلافت ماننے سے انکار کیا، مروان ابن عبداللہ بن عبدالملک اموی نے بھی ساتھ دیا (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۹) اور حمص میں بغاوت پھیل گئی، یہاں کے باشندوں نے اپنے اپنے حاکم عبداللہ بن سنجرہ کندی (یعقوبی ج ۲ ص ۴۰۱ و ۴۰۲) اور مروان بن عبدالملک اور اس کے لڑکے کو یزید کی حمایت کے جرم میں قتل کر دیا اور ولید کے قتل میں اعانت کے جرم میں عباس بن ولید اموی کا گھر مسمار کر دیا اور پایہ تخت دمشق پر حملہ کے لیے بڑھے یزید کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبدالعزیز بن حجاج اور ہشام بن مصاد کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔ انہوں نے باغیوں کو شکست دے کر واپس کیا، شکست کھانے کے بعد اہل حمص نے مجبور ہو کر یزید کی خلافت تسلیم کر لی۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۹)

فلسطین لور اردن کی بغاوت حمص کی بغاوت کے ساتھ ہی فلسطین کے باشندوں نے بھی اپنے حاکم سعید بن عبدالملک کو نکال دیا، اور اسی کے بھتیجے یزید بن سلیمان بن عبدالملک کو جو یزید کے خلاف تھا حاکم بنا لیا، اس کی مخالفت سے فلسطین والوں کو بڑی تقویت ہوئی اور انہوں نے بھی یزید کی خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس بغاوت کی خبر اردن پہنچی تو یہاں کے باشندوں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور شام میں ایک عام خلفشار برپا ہو گیا۔

ان کے مقابلہ کے لیے یزید نے سلیمان بن ہشام کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا اور دوسری خفیہ تدبیر یہ کی کہ فلسطین کے باغیوں کے سردار سعید بن روح اور ضبعان بن روح کو حکومت لور مال کی طمع دلا کر توڑ لیا، چنانچہ وہ فلسطین کو لوٹ کر لے گئے اور اہل

اردن تنہا رہ گئے، سلیمان بن ہشام نے تھوڑی سی فوج بھیج کر انہیں آسانی کے ساتھ زیر کرلیا اور فلسطین اور اردن دونوں مقاموں میں یزید کی بیعت ہو گئی، بغاوت فرو ہونے کے بعد یزید نے ضبعان کو فلسطین کا اور اپنے بھائی ابراہیم کو اردن کا حاکم بنایا۔

(ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۹)

مروان بن محمد کا جزیرہ پر قبضہ یزید کے آخری زمانہ میں مروان بن محمد اموی نے جزیرہ پر مخالفانہ قبضہ کرلیا، اس کا واقعہ یہ ہوا کہ ولید کے قتل کی وجہ سے مروان بھی یزید کے خلاف ہو گیا تھا، ولید کے قتل کے ہنگامہ میں جزیرہ کا والی عبدہ بن ریاح غسانی جزیرہ سے شام گیا، مروان کا لڑکا عبدالملک قریب ہی حران میں تھا، میدان خالی پا کر اس نے جزیرہ کو اپنے انتظام میں لے لیا اور اپنے باپ کو آرمینیہ اطلاع دی وہ فوراً وہاں سے جزیرہ پہنچا، اہل جزیرہ نے اس کی کوئی مخالفت نہیں کی بلکہ بیس ہزار آدمی اس کی حمایت کے لیے تیار ہو گئے ان کا سہارا پا کر اس نے یزید کے مقابلہ کا ارادہ کیا، یزید کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے جزیرہ، آرمینیہ، موصل اور آذربائیجان کی حکومت دے کر اس کی مخالفت روک دی اور مروان نے اس کی بیعت کرلی۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۱۴، ۱۱۵)

مصر اور یمن میں بھی مخالفت ہوئی، لیکن بڑھنے نہ پائی، گو یہ بغاوتیں ختم ہو گئیں، لیکن قبائلی عصبیت کی جو آگ لگی تھی، وہ برابر بھڑکتی رہی تا آنکہ اموی حکومت کو جلا کر خاکستر کردیا۔

وفات کل چھ مہینے حکومت کرنے کے بعد ذی الحجہ ۱۲۶ھ میں یزید کا انتقال ہو گیا انتقال کے وقت ۴۲ سال کی عمر تھی اسے بہت کم خلافت کا موقع ملا اور یہ مختصر مدت بھی بغاوتوں اور شورشوں میں گزری اس لیے اس کے عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔

ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

۱۲۶ھ تا ۱۲۷ھ مطابق ۷۴۴ء تا ۷۴۵ء

یزید نے اپنے بھائی ابراہیم کو ولی عہد بنایا تھا، اس کے بعد ذی الحجہ ۱۲۶ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ لیکن وہ برائے نام خلیفہ تھا، عام طور پر اس کی خلافت تسلیم نہیں کی گئی اور چند ہی مہینوں میں مروان نے اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

مروان بن محمد کی مخالفت اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ولید کے قتل کی وجہ سے مروان بن محمد، یزید کے خلاف تھا اور اسی کے زمانہ میں اس نے جزیرہ پر قبضہ کر لیا اور یزید کے مقابلہ میں اٹھنے والا تھا، لیکن یزید نے سیاست سے کام لیا اور اسے آرمینیہ اور آذربائیجان کی حکومت دے کر خاموش کر دیا تھا، ابراہیم یزید کا جانشین تھا اور ولید کے لڑکے حکم اور عثمان اس کی قید میں تھے، انہیں وہ رہا نہ کرتا تھا۔ اس لیے مروان کی مخالفت اس کے ساتھ بھی قائم رہی۔

ابراہیم قوت اور سیاست دونوں سے محروم تھا اس لیے اس کی تخت نشینی کے بعد مروان نے شام پر فوج کشی کر دی، راستہ میں مسرور بن ولید والی قنسرین اور اس کے بھائی بشر نے روکا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ قبیلہ قیس کا سردار یزید بن عمرو بن ہبیرہ جس پر مسرور کی قوت کا دارومدار تھا مروان سے مل گیا اور مسرور اور بشر دونوں کو پکڑ کر مروان کے حوالہ کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۱۹) لیکن یعقوبی کا بیان ہے کہ مروان نے خود شکست دے کر گرفتار کر لیا، بہر حال قنسرین میں مروان کو کامیابی ہوئی۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۴۰۳)

اہل حمص بھی یزید کے مخالفین میں تھے، اور جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، انہوں نے اس کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی، لیکن شکست کی وجہ سے مجبور ہو گئے تھے، ابراہیم کی کمزوری کی وجہ سے انہیں بھی موقع مل گیا، چنانچہ انہوں نے اس کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، ابراہیم نے عبدالعزیز کو ان سے بجبر بیعت لینے پر مامور کیا۔ چنانچہ شام پر مروان

کی فوج کشی کے وقت عبدالعزیز بیعت کے لیے اہل حمص کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔

ابراہیم کی شکست

اس لیے تنسرین پر قبضہ کرنے کے بعد مروان حمص پہنچا' عبدالعزیز میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے وہ محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا اور اہل حمص نے ابراہیم کی مخالفت میں مروان کی بیعت کر لی' مروان نے انہیں ساتھ لے کر پایہ تخت دمشق کا رخ کیا ابراہیم نے سلیمان بن ہشام کو ایک لاکھ فوج دے کر اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا عین الجر میں دونوں کا مقابلہ ہوا' مروان نے کہلا بھیجا کہ اگر ولید کے دونوں لڑکوں کو حکم اور عثمان کو رہا کر دیا جائے تو وہ جنگ نہ کرے گا لیکن سلیمان نے انکار کر دیا اور صفر ۱۲۷ھ میں دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی سلیمان نے بڑی شکست فاش کھائی سلیمان کو شکست دینے کے بعد مروان نے ولید کے لڑکوں حکم اور عثمان کی غائبانہ بیعت لی اور ولید کے قاتلوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

سلیمان کی شکست کے بعد شاہی امراء نے جس میں زیادہ تر ولید کے قاتلین اور اس کے مخالفین تھے' مشورہ کیا کہ جب تک حکم اور عثمان زندہ ہیں مروان ان کے نام پر لڑتا رہے گا اور انہیں خلیفہ بنانے کی کوشش کرے گا' اگر اس میں اس کو کامیابی ہو گئی' تو اس وقت ولید کے قاتلوں کی خیر نہیں' چنانچہ حکم اور عثمان کو قتل کر دیا گیا۔ اسی دوران میں مروان دمشق پہنچ گیا' ابراہیم میں کوئی طاقت نہ تھی' وہ بھاگ نکلا اور کل تین چار مہینوں کے بعد اس کی خلافت ختم ہو گئی۔

مروان ثانی بن محمد بن مروان الملقب بہ حمار

۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ مطابق ۷۴۵ء تا ۷۴۹ء

ولید کے دونوں لڑکے جنہیں مروان خلیفہ بنانا چاہتا تھا، قتل ہو چکے تھے، اس لیے ابراہیم کے فرار کے بعد مروان کے ہاتھوں پر بیعت ہوئی اور صفر ۱۲۷ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور ابراہیم سے درگذر سے کام لیا۔

مروان سن رسیدہ، تجربہ کار، مستقل مزاج اور بہادر خلیفہ تھا، لیکن اس وقت اموی حکومت کا نظام اتنا بگڑ چکا تھا، کہ مروان اس کو نہ سنبھال سکا، خود اموی خاندان میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا، بنی امیہ کے مرکز حکومت شام میں مختلف پارٹیاں قائم تھیں، ان سب سے بڑھ کر نزاری اور یمنی قبائل میں جن پر حکومت کی فوجی قوت کا دار و مدار تھا، مستقل خانہ جنگی بپا ہو گئی تھی۔

گو ان قبائل کی مخالفت بہت قدیم تھی اور وقتاً" فوقتاً" اس کا عملی ظہور ہوتا رہتا تھا لیکن جب تک خلفاء صاحب اقتدار تھے، اس کو اتنا آگے نہ بڑھنے دیتے تھے کہ حکومت کی قوت ختم ہو جائے لیکن آخری دور میں وہ اپنی امداد و اعانت کے لئے خود ان کے محتاج ہو گئے تھے اور ان پر ان کا قابو نہ رہ گیا تھا، بلکہ وہ اپنے اغراض کے حصول کے لیے ان کے اختلاف کو اور زیادہ بڑھاتے تھے اس لیے مروان کے دور میں ان میں مستقل جنگ قائم ہو گئی، اس سے حکومت کی قوت بالکل کمزور پڑ گئی، اور بنی امیہ کی قدیم مخالف جماعتوں کے علاوہ ان کی نئی اور خطرناک حریف عباسی تحریک کو طاقت پکڑنے کا موقع مل گیا، عرب قبائل قومی خانہ جنگی میں مبتلا تھے، اس لیے وہ عباسی تحریک کو نہ دبا سکے اور اس نے بڑھ کر اموی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ تمام واقعات چند سال کے عرصہ میں ایک ساتھ پیش آئے، ترتیب کے خیال سے ان کو علیحدہ علیحدہ لکھا جاتا ہے۔

شام کی بغاوت اور اس کا خاتمہ سب سے پہلے شام میں مروان کی مخالفت ہوئی اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ نزاری قبائل کا حامی تھا اور شام میں ان کے حریف یمنیوں کی

آبادی زیادہ تھی' اس لیے اس کے مختلف حصوں میں مروان کی مخالفت شروع ہوئی اور حمص' فلسطین اور تدمر کے باشندوں نے اس کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ اہل غوطہ نے دمشق پر حملہ کر دیا اور سارے شام میں خلفشار بپا ہو گیا' مروان بڑا بہادر اور مستقل مزاج تھا' وہ اس مخالفت سے نہ گھبرایا اور حمص پر فوج کشی کر کے یہاں کے باشندوں کو مطیع بنایا اور اپنے تمام مخالفین کو قتل اور دس ہزار آدمی گرفتار کیے اور حمص کی شہرپناہ توڑ دی اور ابو الورد بن کوثر کو دس ہزار فوج دے کر اہل غوطہ کے مقابلہ کے لیے دمشق بھیجا' اس نے حملہ آوروں کو شکست دے کر یہاں سے ہٹایا' انہیں ہٹانے کے بعد ابو الورد فلسطین کے باغیوں کے مقابلہ کے لیے طبریہ پہنچا۔ لیکن یہاں کے باشندے خود شکست دے کر ان کو ہٹا چکے تھے' ابو الورد نے تعاقب کر کے دوبارہ شکست دی اور چند دنوں کے بعد ان کا سرغنہ ثابت بن نعیم گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ (یہ واقعات ابن اثیر ج ۵ ص ۱۲۲ و ۱۲۳ سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

مروان نے حمص میں جو قیدی گرفتار کیے تھے ان کو فوج میں بھرتی کر لیا تھا' یہ سب دل سے مروان کے خلاف تھے' لیکن بے بسی کی وجہ سے مجبور تھے' چنانچہ موقع ملتے ہی اس سے الگ ہو گئے' اور خلیفہ ہشام کے لڑکے سلیمان سے مل کر اس کو مروان کے خلاف کھڑا کر دیا۔ اس میدان میں آ جانے کے بعد مروان کے تمام مخالف یمنی بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ اور سلیمان ستر ہزار فوج کے ساتھ مروان کے مقابلہ کے لیے شام کی طرف بڑھا' مقام خساف میں دونوں کا مقابلہ ہوا سلیمان کو شکست ہوئی' اسی زمانہ میں ضحاک خارجی اٹھا تھا' سلیمان کے شکست کھانے کے بعد مروان کی مخالفت میں اس سے مل گیا۔

عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کا خروج اسی زمانہ میں ایک ہاشمی بزرگ حضرت جعفر طیارؓ کے پوتے عبداللہ بن معاویہؓ کو جو کوفہ میں مقیم تھے مروان کی مخالفت دیکھ کر شیعان بنی ہاشم کو میدان میں لے آئے' مروان کی دشمنی میں یمن اور ربیعہ کے قبائل بھی ان کے ساتھ ہو گئے' کوفہ کے والی عبداللہ بن عمر نے ان کا مقابلہ کیا' عین موقعہ پر ایک شامی سردار نے حسن تدبیر سے ربیعہ کو الگ کر لیا' اس لیے عبداللہ کی قوت کمزور ہو گئی۔ اہل عراق میں تنہا مقابلہ کی ہمت و قوت نہ تھی اس لیے ربیعہ کے الگ ہو جانے کے بعد انہوں نے سپر ڈال دی اور عبداللہ بن عمر سے اپنی اور عبداللہ بن معاویہ کی

جان بخشی کرالی اور عبداللہ کوفہ چھوڑ کر عجم چلے گئے' اور یہاں ہمدان' رے اور اصفہان وغیرہ پر قبضہ کر کے کئی سال تک مقیم رہے' ابو مسلم نے اپنے زمانہ میں ان کو قتل کیا۔

خوارج مروانی عہد کی بد نظمی کی وجہ سے خوارج بھی اٹھ کھڑے ہوئے اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ عبداللہ بن عمر والی کوفہ مروان کے خلاف اہل یمن کا طرفدار تھا اس لیے مروان نے اسے معزول کر کے نصر بن سعید حرشی کو کوفہ کا والی بنایا' ابن عمر نے اس کو حکومت کا جائزہ دینے سے انکار کر دیا اور دونوں میں جنگ ہو گئی' ان دونوں کی آویزش کو دیکھ کر ایک خارجی سردار ضحاک بن قیس شیبانی اٹھ کھڑا ہوا' یہ دونوں کا دشمن تھا' اس لیے اس کے مقابلہ میں نصر اور عبداللہ نے صلح کر لی۔ اور عبداللہ نے ضحاک کا مقابلہ کیا' لیکن شکست کھائی اس کا بھائی مارا گیا' اس کے بہت سے آدمی ساتھ چھوڑ کر واسط چلے گئے' ناچار عبداللہ نے بھی واسط کا راستہ لیا اور کوفہ پر ضحاک قابض ہو گیا' کوفہ پر قبضہ کے بعد یہاں مثنیٰ بن عمران کو چھوڑ کر عبداللہ کے تعاقب میں واسط پہنچا' اس مرتبہ نصر اور عبداللہ دونوں نے مل کر اس کا مقابلہ کیا' کئی مہینے تک فریقین میں معرکہ آرائی ہوتی رہی' عبداللہ کے ہوا خواہوں نے مشورہ دیا کہ ضحاک سے لڑنا مصلحت کے خلاف ہے اس کی وجہ سے وہ اصلی حریف مروان کی طرف توجہ نہیں کر سکتا' اس لیے تم اس سے صلح کر لو' اگر اس نے مروان کو مغلوب کر لیا تو تمہارا مقصود بھی حاصل ہو جائے گا' اور صلح کی وجہ سے تم خود اس کے شر سے محفوظ رہو گے اور اگر شکست کھائی تو تمہارے لیے اس سے جنگ کرنے کا موقع بدستور باقی رہے گا' یہ مشورہ معقول تھا' عبداللہ نے قبول کر لیا اور اس میں اور ضحاک میں مصالحت ہو گئی۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۲۶)

اس مصالحت کے بعد ضحاک مروان کے مقابلہ کے لیے بڑھا اور نصیبین میں مروان کے لڑکے عبداللہ کا محاصرہ کر لیا' مروان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے نصیبین کا قصد کیا' مگر اس دوران میں ضحاک عبداللہ کو چھوڑ کر مروان کے مقابلہ کے لیے خود جران پہنچ گیا' لیکن شکست کھا کر مارا گیا۔ اس کے قتل کے بعد خارجیوں نے خیبری کو سردار بنا کر جنگ جاری رکھی یہ بھی شکست کھا کر مقتول ہوا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۲۰۴' ۲۰۵ و ابن اثیر ج ۵ ص ۱۳۰ و ۱۳۱' یعقوبی و ابن اثیر کے بیان میں ضحاک اور خیبری کے قتل کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے) خیبری کے قتل کے بعد شیبان بن عبدالعزیز ابو دلف یشکری نے اس کی جگہ لے لی' یہ جنگ روک

کر خارجیوں کو لے کر موصل چلا گیا، مروان بھی اس کے تعاقب میں پہنچا اور خود شیبان کے مقابلہ میں رہا اور عمرو بن ہبیرہ والی قرقیسیا کو اس کے نائب مثنیٰ بن عمران کے مقابلہ کے لیے کوفہ بھیجا، اس نے مثنیٰ کو شکست دے کر کوفہ سے نکالا، یہاں سے نکلنے کے بعد خارجیوں نے بصرہ میں اجتماع کیا ابن ہبیرہ نے یہاں بھی ان کے قدم نہ جمنے دیئے اور عراق سے ان کو بالکل نکال دیا۔

عراق کو صاف کرنے کے بعد ابن ہبیرہ نے عامر بن ضبارہ کو سات ہزار فوج کے ساتھ مروان کی مدد کے لیے موصل بھیجا، شیبان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے جون بن کلاب کو اس کے روکنے کے لیے روانہ کیا، اس نے آگے بڑھ کر راستہ میں عامر کو شکست دی، وہ شکست کھا کر من میں قلعہ بند ہو گیا۔ مروان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً امداد بھیجی، عامر نے اس کی مدد سے جون کو شکست دے کر قتل کرا دیا اور مروان کی مدد کے لیے موصل روانہ ہو گیا شیبان نے دو فوجوں کے درمیان اپنے کو محصور کرنا مناسب نہ سمجھا اور موصل سے چلا گیا، مروان نے عامر کو اس کے تعاقب میں بھیجا، جیرفت میں دونوں کا مقابلہ ہوا، شیبان کو شکست ہوئی اور وہ سیستان کی طرف نکل گیا۔

اسی زمانہ میں ایک اور خارجی سردار ابو حمزہ بلج بن عتبہ ازدی نے حج کے موقعہ پر منیٰ میں خروج کیا، عبدالواحد بن سلیمان اموی والی مکہ نے اس سے لکھ کر آنے کا سبب پوچھا، اس نے جواب دیا کہ ہم حج کے لیے آئے ہیں اور فریقین میں طے ہوا کہ وہ حج کے اختتام پر مکہ میں بد امنی پیدا کرنے سے گریز کریں، عبدالواحد میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لیے حج ختم ہونے کے بعد وہ مدینہ چلا گیا اور ابو حمزہ فاتحانہ مکہ میں داخل ہو گیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۴۰۴ و ۴۰۵ و ابن اثیر ج ۵ ص ۱۳۰ و ۱۳۱، یعقوبی و ابن اثیر کے بیان میں ضحاک اور خیبری کے قتل کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے)

عبدالواحد کو یقین تھا کہ ابو حمزہ مکہ کے بعد ضرور مدینہ آئے گا، اس لیے مدینہ آنے کے بعد اس نے عبدالعزیز بن عبداللہ کو اہل مدینہ کے ساتھ ابو حمزہ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا، مدینہ سے کچھ دور چل کر اہل مدینہ کو ابو حمزہ کا یہ پیام ملا کہ "ہم تم لوگوں سے لڑنا نہیں چاہتے، ہم کو ہمارے دشمن سے نپٹ لینے دو۔" لیکن اہل مدینہ نے پیش قدمی جاری رکھی، خوارج مکہ سے چل چکے تھے۔ مقام قدید میں ان کا اور اہل مدینہ کا سامنا ہوا،

خوارج کے مقابلہ میں یہ لوگ جنگ سے بالکل ناواقف تھے' اس لیے بڑی فاش شکست کھائی اور ان کے اتنے آدمی مارے گئے کہ سارا مدینہ ماتم کدہ بن گیا' انہیں شکست دینے کے بعد ابو حمزہ مدینہ پہنچا' عبدالواحد میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے اس نے شام کا راستہ لیا اور صفر ۱۳۰ھ میں ابو حمزہ مدینہ میں داخل ہو گیا' اور یہاں چند مہینے ٹھہرنے کے بعد مروان کے مقابلہ کے لیے شام کا رخ کیا' مروان نے عبدالملک بن محمد کو چار ہزار فوج کے ساتھ اس کو روکنے کے لیے بھیجا' وادی القریٰ میں جنگ ہوئی ابو حمزہ کو بڑی فاش شکست ہوئی اور خارجیوں کی بڑی تعداد کام آئی' جو بچ رہے وہ مدینہ لوٹ گئے' عبدالملک نے مدینہ پہنچ کر باقی خوارج کو تہ تیغ کیا اور ابو حمزہ بھی مارا گیا' اس کے قتل کے بعد خارجیوں کی شورش ختم ہو گئی۔ (یہ تمام حالات ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

مذکورہ بالا مخالف جماعتوں میں سے کوئی نئی نہ تھی' امویوں کا ہمیشہ ان سے سابقہ رہا اس لیے صرف ان سے اموی حکومت کو کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا' لیکن بنی امیہ کی بدقسمتی سے مضر' یمن' اور ربیعہ کے اختلاف نے مستقل جنگ کی صورت اختیار کر لی اس سے بنو امیہ کی اصل حریف عباسی تحریک کو پھیلنے اور طاقت پکڑنے کا موقع مل گیا' اور ابو مسلم خراسانی نے سارے خراسان میں اس کو پھیلا دیا۔

عباسی تحریک ہشام کے دور تک عباسی تحریک کی رفتار کے مختصر حالات اوپر گذر چکے ہیں' ۱۲۶ھ میں امام محمد بن علی کا انتقال ہو گیا اور ان کے لڑکے ابراہیم ان کے جانشین ہوئے انہوں نے از سر نو اس تحریک کی تنظیم کی' اس کے اصول و قواعد بنائے اور ایک تجربہ کار داعی بکیر بن ہامان کو ان قواعد کے اجراء کے لیے خراسان بھیجا اس نے تمام عباسی داعیوں کو جمع کر کے امام کے احکام و نصائح سنائے ان سے ان کی بیعت لی اور نذرانہ عقیدت لے کر امام کی خدمت میں حمیمہ واپس آیا۔ ابراہیم کے دور میں عباسی تحریک کو بڑا فروغ ہوا' تاریخوں میں اس کی بڑی لمبی تفصیل ہے۔

ابو مسلم خراسانی لیکن جس مبلغ اعظم نے عباسی تحریک کا غلغلہ سارے خراسان میں بلند کر دیا اور ہاشمی خلافت کے تخیل کو تاریخ میں واقعہ کی شکل دی' وہ ابو مسلم خراسانی ہے اس کے نسب اور عباسی تحریک میں اس کی شرکت کے زمانہ میں مختلف روایات ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عجمی النسل اور پارسی نژاد نو مسلم تھا' بعض اسے آزاد اور

بعض اسے غلام بتاتے ہیں' اصفہان میں پیدا ہوا اور کوفہ میں عباسی داعیوں کے دامن میں اس کی نشو و نما ہوئی' بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی داعی عیسیٰ بن موسیٰ سراج نے اس کی تربیت کی اور اس کے وسیلہ سے وہ عباسی تحریک میں شامل ہوا اور بعض روایتوں میں ہے کہ عیسیٰ بن ادریس اور معقل بن ادریس کا غلام تھا یہ دونوں عباسی تحریک کی تبلیغ کے جرم میں قید کر دیئے گئے تھے' ابو مسلم جیل میں ان کی خدمت کرتا تھا عیسیٰ اور معقل کے بعض خواجہ تاش ان سے خفیہ جیل میں ملنے آئے اور ابو مسلم کے بشرہ پر ذہانت و ہوش مندی کے آثار دیکھ کر واپسی میں امام محمد بن علی سے اس کے اوصاف بیان کیے' انہیں اپنی تحریک کے لیے ایسے ہونہار آدمیوں کی ضرورت تھی اس لیے انہوں نے اس کو اپنے پاس بلا لیا' ابو مسلم بڑا ہونہار اور دانشمند تھا' اس نے بہت جلد محمد بن علی کے مزاج میں رسوخ حاصل کر لیا اور ان کا معتمد علیہ اور راز دار بن گیا' اور دوسرے داعیوں کے پاس ان کے خفیہ پیغام لے جانے لگا' ایک روایت یہ ہے کہ بکیر بن ہامان نے اسے اس کے آقاؤں سے خرید کر امام ابراہیم کی خدمت میں پیش کیا تھا' بعض اور روایتیں بھی ہیں۔

(یہ تمام روایتیں ابن اثیر ج ۵ ص ۹۳ و ۹۴ و اخبار الطوال ص ۳۳۹ و ۳۴۰ میں ہیں)

بہر حال اتنا بیان مشترک ہے کہ وہ پارسی نژاد اور بڑا عالی دماغ تھا اور اس کے جوہر امام ابراہیم کے زمانہ میں چمکے' اس نے اپنی کارگزاریوں اور حسن خدمت سے اتنا رسوخ و اعتماد حاصل کر لیا کہ ابراہیم نے ۱۲۷ھ میں اس کو رئیس الدعاۃ بنا کر خراسان بھیجا (ابن اثیر حوالہ مذکور) اور خود اپنے ہاتھ سے "عباسی نشان" جس کا نام "سحاب" رکھا تھا' بنا کر روانہ کیا' خراسان میں اس نے جس ہوشیاری سے عباسی تحریک کو پھیلایا اور اس سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے ان کی تفصیل بہت طویل ہے اور اس کا نقل کرنا بیکار ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس نے بڑی دانش مندی اور سرگرمی سے کام کیا اور خراسان بھر میں دعاۃ بھیج کر اس کے چپہ چپہ میں عباسی دعوت پھیلا دی اور چند ہی دنوں میں اس تحریک نے اتنی طاقت پکڑ لی اور اتنے خراسانی اس میں شامل ہو گئے' کہ وہ علانیہ بنی امیہ کے مقابلہ میں اٹھنے کے قابل ہو گئے' اس وقت ابو مسلم نے اپنے پیروؤں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور اس کے انتظام کے لیے ہر مقام پر ایک ایک امیر مقرر کیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۶۳) ابو مسلم کی خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں مضر' یمن اور ربیعہ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی' اس نے ابو مسلم

کے لیے راستہ صاف کر دیا اور اس نے حکمت عملی سے اس خانہ جنگی کو زیادہ بھڑکا دیا اور عربوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش کر دی۔

ابو مسلم عجمی نژاد تھا' عجمیوں کے دل سے ان کی حکومت کے زوال کا داغ نہ مٹا تھا اور ان کے دماغ میں ہمیشہ عربوں سے انتقام کے خیالات پرورش پاتے رہے' لیکن ان کے مقابلہ میں علانیہ اٹھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی' اس لیے خفیہ سازشیں کیا کرتے تھے' اور عربی حکومت کو نقصان پہنچانے والی جو تحریک شروع ہوتی تھی اس میں شریک ہو جاتے تھے' اور اس کے مبلغ بن جاتے تھے' چنانچہ اس قسم کی اکثر تحریکیں سرزمین عجم ہی سے اٹھیں یا کم از کم انہیں فروغ یہیں حاصل ہوا' خلافت کے بارے میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کے مسئلہ کو بھی سب سے زیادہ عجمیوں ہی نے بڑھایا اور اسی سرزمین میں وہ پروان چڑھا' چنانچہ اہل بیت کے شیعہ زیادہ تر عجمی تھے۔

عجمی یوں تو پوری قوم عرب کے خلاف تھے' لیکن بنی امیہ سے ان کو دوہرا عناد تھا' کیونکہ اولاً وہ بڑا عناد رکھتے تھے' عربوں کی خانہ جنگی سے' جب ان کے اتحاد کا شیرازہ بکھرا اور اموی حکومت کمزور پڑی' اس وقت ابو مسلم اور اہل عجم کو ان سے انتقام لینے کا موقع مل گیا' یہی وجہ ہے کہ عباسی تحریک سب سے زیادہ عجم ہی میں پھیلی۔

عربوں کی خانہ جنگی مضر' یمن اور ربیعہ کی خانہ جنگی' ابو مسلم کی کارگزاریوں' عباسی تحریک کی اشاعت اور اموی حکومت کے خاتمہ کے واقعات کی ترتیب و تفصیل میں مورخین کے بیانات مختلف ہیں' ان سب کی تفصیل طویل بھی ہے اور بیکار بھی اس لیے غیر ضروری تطویل اور اختلافی روایات کو چھوڑ کر صرف مشترک اور ضروری واقعات لکھے جاتے ہیں۔

مروان سے پہلے مضر' یمن اور ربیعہ کے تعصب و اختلاف کے سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے ان کا جستہ جستہ ذکر اوپر ہو چکا ہے مروان کے زمانہ میں اس اختلاف نے مستقل جنگ کی صورت اختیار کر لی اس کا سبب یہ ہوا کہ مروان خود مضر کا طرفدار اور یمنیوں کے خلاف تھا' اس لیے اس کے عمال کی بھی یہی پالیسی تھی' چنانچہ امیر نصر بن سیار والی خراسان جو خود مضری تھا' یمن کے قبائل سے بڑا تعصب رکھتا تھا' ان سے کوئی کام نہ لیتا تھا' بلکہ اس کے حریف قبیلہ ربیعہ کا بھی مخالف تھا' اس طرز عمل سے اس میں اور قبیلہ ربیعہ کے

سردار امیر جدیع بن علی کرمانی میں مخالفت ہو گئی' جدیع نے ابن سیار کو اس روش سے روکنے کی کوشش کی' لیکن وہ باز نہ آیا' اس لیے جدیع اس کے خلاف ہو گیا اور اس کی مخالفت میں پروپیگنڈا شروع کر دیا' اس وقت امیر نصر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر اب وہ نہ رکا' کرمانی مقتدر اور بااثر امیر تھا اس کی مخالفت سے خراسان میں بد نظمی پھیلنے اور عباسی تحریک کو تقویت پہنچنے کا اندیشہ تھا' اس لیے نصر نے مصلحتاً کرمانی کو قید کر دیا' لیکن اس کے آدمی اس کو جیل سے نکال لے گئے' اور ربیعہ اور یمن کا قبیلہ اس کی حمایت کے لیے جمع ہو گیا' انہیں دیکھ کر مضری نصر کی امداد کے لیے پہنچ گئے۔

(ابن اثیر ج ۵ ص ۱۱۲ ۱۱۳ و اخبار الطوال ص ۳۵۱)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس وقت یہ معاملہ آگے نہ بڑھنے پایا اور دونوں میں مصالحت ہو گئی۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۱۳) لیکن دونوں کے دل صاف نہ تھے' اس لیے صلح پائیدار نہ ثابت ہوئی اور چند دنوں کے بعد پھر جنگ شروع ہو گئی۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۳۵ و ۱۳۶)

دینوری کا بیان ہے کہ کرمانی کے قید سے نکلنے کے بعد امیر نصر نے اس سے معذرت کی اور اسے منانے کی کوشش کی مگر اس نے بڑی سختی سے انکار کیا اور نہایت سخت اور توہین آمیز جواب دیا۔ اور ربیعہ اور یمن کے درمیان زمانہ جاہلیت میں جو معاہدہ ہوا تھا' نصر سے انتقام لینے کے لیے دوبارہ اس کی تجدید کر کے اعلان جنگ کر دیا' نصر کو بھی چارو ناچار مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا۔ اس طرح دونوں میں جنگ کا آغاز ہو گیا۔ (اخبار الطوال)

ابو مسلم خاموشی کے ساتھ اس خانہ جنگی کا تماشا دیکھتا رہا' اس وقت اس کی قوت کافی بڑھ چکی تھی' وہ جس کے ساتھ ہو جاتا اس کا پلہ بھاری ہو جاتا' اس لیے کرمانی اور نصر دونوں کو اس کی ہمدردی یا غیر جانبداری کی ضرورت تھی' ابو مسلم نے اس کا اندازہ کر لیا تھا' چنانچہ وہ اس خانہ جنگی کو قائم رکھنے کے لیے فریقین کو الگ الگ اپنی حمایت و ہمدردی کا یقین دلاتا تھا' اس لیے دونوں اس کے شر سے غافل ہو گئے۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۳۶) اور چپکے چپکے اس آگ کو سلگاتا اور عربوں کی تباہی کی دعائیں کرتا رہا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۴۰۸)

ایک دور اندیش عرب سردار عقیل بن معقل نے اس صورت حال کا اندازہ کر کے ان دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کی' نصر آمادہ ہو گیا اور عقیل نے جا کر کرمانی سے گفتگو کی' اس نے یہ شرط پیش کی کہ اگر نصر اپنے عہدہ سے الگ ہو جائے' اور اس کی جگہ قبیلہ

ربیعہ کا کوئی شخص امیر مقرر کیا جائے' یہ شرط ایسی تھی کہ اسے نصر منظور نہ کر سکتا تھا' اس لیے عقیل کی کوشش ناکام رہی۔ (اخبار الطوال ص ۳۵۵)

ابو مسلم کی مداخلت ابو مسلم ساری عرب قوم کا دشمن تھا' لیکن اموی حکومت میں چونکہ مضر کا عروج تھا' اس لیے اس وقت اس کے اصل حریف وہی تھے' چند دنوں تک تو خاموشی سے وہ عربوں کی خانہ جنگی کا تماشا دیکھتا رہا' جب اس نے دیکھا کہ اب ربیعہ اور یمن سے مل کر مضر کی قوت توڑ دینے کا وقت آگیا ہے تو وہ علانیہ اس کے ساتھ ہو گیا' اس کے مل جانے سے نصر کو بڑا خطرہ پیدا ہو گیا' اس نے پھر کرمانی کے پاس کہلا بھیجا کہ ابو مسلم کی باتوں میں آکر اس کے خطرہ سے غافل نہ ہو جاؤ مجھ کو ڈر ہے کہ وہ تمہیں بھی دھوکا دے گا' بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے اختلاف کو بھلا کر صلح کر لیں' نصر کا یہ پیام کرمانی کی بھی سمجھ میں آگیا اور وہ ابو مسلم کا ساتھ چھوڑ کر ایک مختصر جماعت کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے نصر کے پاس روانہ ہو گیا' نصر نے موقع پا کر راستہ ہی میں اس کا کام تمام کرا دیا' اس نے یہ سمجھ کر قتل کرایا تھا کہ کرمانی کے بعد اس کی مخالفت ختم ہو جائے گی' لیکن یہ مقصد حاصل نہ ہوا اور کرمانی کا لڑکا علی اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے ابو مسلم سے مل گیا۔

(ابن اثیر ج ۵ ۳۶۵)

دینوری کے بیان کے مطابق کرمانی کے قتل کا واقعہ بہت بعد میں پیش آیا تھا' لیکن آئندہ جو واقعات پیش آئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اسی زمانہ میں ہوا' بہر حال ابو مسلم کے ساتھ ربیعہ اور یمن کا اتحاد حکومت کے لیے بہت مہلک تھا' اور نصر تنہا ان تینوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا' اس لیے اس نے مروان کو ابو مسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت کا حال دیکھ کر یہ تاریخی اشعار لکھ دیئے۔

ارى بين الرماد و ميض نار
واخشى ان يكون بها ضرام
مجھے خاکستر میں چنگاریاں نظر آتی ہیں
اور ڈر ہے کہ بھڑک نہ اٹھیں
فان النار بالعودين يزكى
و ان الحرب مبدء ها كلام

آگ دو لکڑیوں سے جلائی جاتی ہے
اور لڑائی کا آغاز باتوں سے ہوتا ہے

فقلت من التجب لیت شعری
ایقاظ بنی امیۃ ام ینام

میں نے تعجب سے کہا کاش مجھے معلوم ہوتا
کہ بنی امیہ جاگتے ہیں یا سو رہے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اب بنی امیہ کا نصیبہ سو چکا تھا اور ایسا سویا کہ پھر جاگنا نصیب نہ ہوا۔ یہ وقت تھا کہ مروان کی ساری قوت خوارج کے مقابلہ میں مشغول تھی' اس لیے وہ کوئی مدد نہ کر سکا' (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۲۶ و مسعودی ص ۶۵) چند دنوں کے بعد نصر نے دوبارہ یاد دہانی کی' مروان نے یزید بن ہبیرہ والی عراق کو بارہ ہزار فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ اس نے لکھا کہ اولاً" بارہ ہزار فوج موجود نہیں ہے' دوسرے عراقیوں کے دل میں خلیفہ کی خیر خواہی نہیں بلکہ کھوٹ ہے اور وہ اعتماد کے لائق نہیں۔ (اخبار الطوال ص ۲۶۱)

مسعودی کا بیان ہے کہ یزید بھی خوارج کے مقابلہ کی وجہ سے مدد نہ کر سکا۔ (مسعودی ج ۳ ص ۶۷) صرف ایک یعقوبی نے لکھا ہے کہ پہلے ابن ہبیرہ نے ٹالنے کی کوشش کی' مگر پھر مروان کی مسلسل تاکید پر امدادی فوجیں بھیجیں' لیکن صحیح یہی ہے کہ نصر کو کوئی مدد نہ مل سکی۔

امام ابراہیم کی گرفتاری اور قتل اتفاق سے اسی زمانہ میں ابو مسلم کا ایک قاصد جو ابراہیم کے پاس جا رہا تھا پکڑا گیا اور مروان کے سامنے پیش ہوا' مروان نے اس کو دس ہزار روپے دیئے' کہ وہ ابراہیم کے پاس جائے اور وہ ابو مسلم کے خط کا جو جواب دیں' اسے لے آئے چنانچہ جواب لا کر مروان کے حوالہ کر دیا' اس میں دشمنوں کے استیصال کی بڑی تاکید کی تھی۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۴۰۳) اور ابو مسلم کی برہمی کا اظہار تھا کہ اس نے کیوں اب تک نصر اور کرمانی کو چھوڑ رکھا ہے اور خراسان میں کوئی عربی بولنے والا زندہ نہ چھوڑا جائے۔ (مسعودی ج ۳ ص ۶۹)

اس خط کو حاصل کرنے کے بعد مروان نے ابراہیم کو جو حمیمہ میں مقیم تھے گرفتار کرا

لیا' اور ان سے عباسی تحریک کے متعلق استفسار کیا' انہوں نے لاعلمی ظاہر کی مروان نے ان کا خط پیش کر دیا اور قاصد سے شہادت دلوائی' اس وقت ابراہیم کوئی جواب نہ دے سکے اور مروان نے ان کو قید کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۳۶)

بعض روایتوں میں ہے کہ قید کے بعد فوراً ان کا کام تمام کر دیا گیا' اور بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد مارے گئے۔ (مروج الذہب ج ۳ ص ۷۰)

امام ابوالعباس بن عبداللہ کی جانشینی اور عباسیوں کا خروج

ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ان کے دونوں بھائی ابو جعفر عبداللہ بن علی اور ابو عباس عبداللہ بن علی حمیمہ سے کوفہ چلے آئے اور ایک عباسی داعی ابو مسلمہ خلال کے یہاں ٹھہرے' ابو مسلم کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ خراسان سے کوفہ چلا آیا اور ابوالعباس کے ہاتھوں پر بیعت کر کے انہیں ابراہیم کا جانشین بنایا' یہ اپنے بھائی کے قتل سے بہت متاثر تھے' انہوں نے حکم دیا کہ خراسان میں جو عرب ان کی دعوت قبول نہ کریں انہیں بے دریغ قتل کر دیا جائے' یہ حکم لے کر ابو مسلم خراسان واپس گیا اور پورے خراسان کا دورہ کر کے ایک تاریخ مقرر کر دی کہ اس تاریخ کو بیک وقت پورے خراسان کے تمام عباسی اٹھ کھڑے ہوں' اور امام ابراہیم کے غم میں سیاہ لباس عباسیوں کا نشان قرار دیا' چنانچہ مقررہ تاریخ کو ہراۃ' ' پنج' مروالروز' طالقان مرو' نساء ابیورد' طوس' نیشاپور' بلخ' صغانیاں' طخارستان' ختلان' کش اور نسف وغیرہ کے سیاہ پوش عباسی اٹھ کھڑے ہوئے' ان کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے ڈنڈے تھے' جن کا نام "کافر کوبات" رکھا تھا اور ایک لاکھ سے زیادہ انسان ابو مسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے' یہ طوفان دیکھ کر نصر کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی' اس نے دیکھا کہ اگر اس وقت ربیعہ اور یمن اس کے ساتھ ہو گئے' تو پھر اس کی ہلاکت یقینی ہے' اس لیے ایک مرتبہ پھر اس نے ان کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا اور ان کو لکھ بھیجا۔

ابلغ ربیعة فی مرو واخوتها   ان یغضبوا قبل ان لا ینفع الغضب

ربیعہ اور ان کے ساتھ یمن کو مرو میں یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ وقت آنے سے پہلے جب کہ غصہ کوئی فائدہ نہ دے گا ان کو غصہ آئے۔

مابالکم بلحقون الحرب بینکم   کان اهل الحجی عن فعلکم غیب

تم کو کیا ہو گیا ہے کہ آپس میں جنگ کرتے ہو گویا کوئی عاقل اور ذی ہوش تم میں موجود نہیں۔

وتترکون عدوا قد اظلکم   ممن تاشب لا دین ولا حسب

اور اس دشمن کو تم نے چھوڑ دیا ہے جو تم پر چھا گیا ہے اور جس کا کوئی دین اور نسب نہیں ہے۔

لیسوا الی عرب منا نعرفہم   ولا صمیم الموالی ان ہم نسبوا

نہ تو وہ لوگ عرب ہیں جن کو ہم جانتے ہوں اور نہ وہ اپنی نسبت میں خالص موالی ہی ہیں۔

قوما یدینون دینا ما سمعت بہ   عن الرسول ولا جاءت بہ الکتب

ان کا دین ایسا ہے کہ نہ وہ رسول سے سنا گیا ہے اور نہ اس کو کوئی کتاب الٰہی لائی ہے۔

فمن یکن سائلی عن اصل دینہم   فان دینہم ان تہلک العرب   اگر کوئی ان کے دین کی اصل حقیقت کے متعلق سوال کرے تو ان کا دین صرف یہ ہے کہ عرب برباد ہو جائیں۔

عربوں میں مصالحت اور ابو مسلم کی چالاکی سے دوبارہ اختلاف   عربوں کے قتل کے بارے میں امام ابراہیم کے حکم کے بعد عباسی تحریک کی روح اور اس کی عرب دشمنی آشکارا ہو چکی تھی اس نظم نے اس کی پوری تشریح کر دی' اس وقت بعض عاقبت اندیش عربوں کو اس کا احساس ہوا چنانچہ ایک عرب سردار یحیٰی بن نعیم بن ہبیرہ شیبانی کی کوشش سے ابو مسلم کے مقابلہ کے لیے مضر بن ربیعہ اور یمن میں ایک سال کے لیے عارضی صلح ہو گئی۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۳۷)

ابو مسلم نے جب دیکھا کہ اس کا بنا بنایا کھیل بگڑا جاتا ہے تو اس نے عربوں کو زیادہ موقع نہ دیا۔ اور فورا ان کے مقابلہ میں آ گیا' عرب بھی ان کے مقابلہ کے لیے نکلے' عین میدان جنگ میں ایک عباسی داعی سلیمان بن کثیر نے جو کرمانی کے لڑکے علی کے مقابلہ میں تھا' اس کو ابو مسلم کی جانب سے یہ پیام دیا کہ تمہاری غیرت نے یہ کیسے گوارا کیا کہ جس نے کل تمہارے باپ کو قتل کر کے سولی پر لٹکایا' آج تم نے اس سے صلح کر لی' سلیمان کا یہ

افسوں کارگر ہو گیا، علی بن کرمانی کی رگ جہالت پھڑک اٹھی اور اس نے نصر کا ساتھ چھوڑ دیا، اس کا ساتھ چھوڑتے ہی عربوں کا اتحاد ختم ہو گیا، اس طرح علی کی جہالت سے عرب کا خواب پریشان ہو گیا۔

اس اتحاد کے ٹوٹنے کے بعد پھر دونوں ابو مسلم کے سہارے کے محتاج ہو گئے، چنانچہ دونوں نے اس سے ملنے کی درخواست کی، ابو مسلم کے اصل حریف مضر تھے، اس لیے اس نے ربیعہ اور یمن کی درخواست قبول کر لی اور مضر کا وفد ناکام واپس گیا، اس کامیابی کے بعد ابو مسلم کو عربوں کی جانب سے پورا اطمینان ہو گیا، اور اس نے اعلان کر دیا کہ اب آئندہ عرب ہمارے خلاف متحد نہیں ہو سکتے۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۱۳۱)

خراسان پر ابو مسلم کا قبضہ

ربیعہ اور یمن کے ابو مسلم سے ملنے کے بعد نصر ان کے مقابلہ میں کمزور پڑ گیا اور ابو مسلم کے لیے خراسان پر قبضہ کرنا بہت آسان ہو گیا۔ چنانچہ اس نے علی بن کرمانی اور شبل بن طہمان کو مرو پر فوج کشی کا حکم دے دیا۔ انہوں نے حملہ کر دیا نصر کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی، تاہم اس کے آدمیوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن تین متحدہ طاقتوں کا مقابلہ ان کے بس سے باہر تھا، اس لیے شکست کھائی، ابو مسلم نے مرو پر قبضہ کر کے عباسی حکومت کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

مرو پر قبضہ کے بعد ابو مسلم نے نصر کو عباسی دعوت میں شامل ہونے کا پیام دیا، وہ اب بالکل بے بس ہو چکا تھا اس لیے انکار نہ کر سکا اور زبانی وعدہ کر لیا، ابو مسلم نے دوبارہ اس کے پاس لاہز بن قریظ کو بھیجا، گو یہ ابو مسلم کا آدمی تھا، لیکن عرب تھا، اس لیے نصر کی بے بسی دیکھ کر اسے رحم آ گیا، اس نے اس کو مرو سے نکل جانے کا اشارہ کر دیا۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں اس نے مرو چھوڑ دیا، ابو مسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً نصر کے تمام معتمد علیہ اور ممتاز ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور نصر کے تعاقب میں آدمی دوڑائے لیکن وہ نہ ملا، اس سے مایوس ہونے کے بعد اس نے اس کے تمام قیدی ساتھیوں کو قتل کرا دیا اور لاہز بن قریظ کو بھی نصر کے بھگانے کے جرم میں زندہ نہ چھوڑا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۱۴۲)

علی بن کرمانی اور اس کے بھائی عثمان کا قتل

ابو مسلم خراسانی مضر، یمن، ربیعہ تینوں کا یکساں دشمن تھا لیکن چونکہ قبیلہ مضر اور ربیعہ و یمن میں اختلاف تھا، اس لیے اس اختلاف سے فائدہ اٹھانے کے لیے وہ عارضی طور سے ربیعہ اور یمن سے مل گیا تھا، نصر کی

شکست اور مرو پر قبضہ کے بعد جب وہ ربیعہ اور یمن سے بے نیاز ہو گیا، اس وقت اس نے ان کانٹوں کو باقی رکھنا مصلحت نہ سمجھا، چنانچہ کرمانی کے دونوں بیٹوں علی اور عثمن کو قتل کرا دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۴۳)

نصر کے فرار کے بعد چند مقامات کے علاوہ سارے خراسان پر ابو مسلم کا قبضہ ہو گیا اور نصر کے اکثر ساتھی اس سے مل گئے، صرف ایک مختصر جماعت طوس چلی گئی، ابو مسلم نے مفتوحہ علاقوں کا از سر نو انتظام کیا اور زنباع بن نعمان ازدی کو سمرقند کا، خالد بن ابراہیم کو طخارستان کا، اور محمد بن اشعث کو طبسین کا حاکم بنایا اور قحطبہ بن شبیب کو طوس اور سوذقان بھیجا، قحطبہ نے طوس پہنچ کر یہاں سے نصر کے آدمیوں کو نکالا، اس کے بعد نصر کے لڑکے تمیم کے مقابلہ کے لیے سوذقان پہنچا اور اسے شکست دے کر قتل کیا، نصر اس وقت نیشاپور میں تھا اسے تمیم کے قتل کی خبر ہوئی تو وہ نیشاپور چھوڑ کر جرجان چلا گیا، اور نیشاپور بھی ابو مسلم کے قبضہ میں آ گیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۴۳ و اخبار الطوال ص ۳۶۲) یہاں سے قحطبہ جرجان پہنچا اور بناتہ بن حنظلہ والی جرجان کو قتل کر کے جرجان پر قبضہ کر لیا۔
(ابن اثیر ج ۵ ص ۱۵۰)

عراق عجم پر قبضہ خراسان پر قبضہ کے بعد قحطبہ نے عراق عجم کا رخ کیا، بنی امیہ کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اس لیے ہر جگہ اس کو کامیابی ہوئی اور رے، اصفہان، نہاوند وغیرہ پر بھی معمولی لڑائیوں کے بعد قبضہ ہو گیا اور قحطبہ عراق کے ارادہ سے حلوان پہنچا۔ (اخبار الطوال ص ۳۶۳، اور ابن اثیر نے ان فتوحات کی تفصیل بہت طویل لکھی ہے) اور ابو عون عبدالملک کو عثمن بن سفیان کے مقابلہ کے لیے شہرزور بھیجا، اس نے عثمن کو شکست دے کر شہرزور پر قبضہ کیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۵۰)

مروان اس انقلاب سے غافل و بے خبر تھا، اس کے سامنے سب سے بڑا یہی مسئلہ تھا، اس فکر و تردد میں اس نے اپنا سارا عیش و آرام چھوڑ دیا تھا، (مروج الذہب مسعودی ج ۳ ص ۶۹) لیکن اس کے پایہ تخت جزیرہ میں خوارج کی شورش ایسی بپا تھی کہ اس کو ابو مسلم کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ مل سکی قحطبہ کے حلوان پہنچنے کے بعد جب یہ سیلاب مروان کے سر پر پہنچ گیا اور اس کو اس درمیان میں خوارج سے فرصت بھی مل گئی، اس وقت وہ شام اور جزیرہ کی ایک لاکھ سے زیادہ فوج لے کر قحطبہ کے مقابلہ کے لیے بڑھا اور

دریائے زاب کے ساحل پر آ کر خیمہ زن ہوا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۵۰)

دینوری کا بیان ہے کہ قحطبہ نے ابو مسلم کو اس کی اطلاع دی' اس نے لکھا کہ ابو عون کو تیس ہزار فوج دے کر مروان کے مقابلہ کے لیے بھیج دو اور تم خود ابن ہبیرہ والی عراق کے مقابلہ میں رہو تاکہ وہ مروان کی مدد نہ کر سکے' اس ہدایت کے مطابق قحطبہ نے ابو عون کو مروان کے مقابلہ کے لیے بھیج دیا' شہر زور میں دونوں کا مقابلہ ہوا' مروان کو شکست ہوئی۔ (اخبار الطوال ص ۳۶۳)

لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے' پہلے قحطبہ اور ابن ہبیرہ میں جنگ ہوئی اور اس نے عراق پر قبضہ کیا' مروان کا مقابلہ بالکل آخری معرکہ تھا۔

عراق پر قبضہ عراق کی جانب قحطبہ کا رخ دیکھ کر ابن ہبیرہ والی عراق پہلے سے اس کے مقابلہ کے لیے تیار ہو چکا تھا' اور اس کے حلوان کے قیام کے زمانہ میں وہ ابن جوثرہ باہلی کے ساتھ' جسے مروان نے اس کی مدد کے لیے بھیجا تھا' قحطبہ کے مقابلے کے لیے نکل چکا تھا' قحطبہ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ بھی کوفہ کی طرف چلا گیا' ابن ہبیرہ نے امیر حوثرہ اور محمد بن بناتہ کو اسے روکنے کے لیے آگے روانہ کر دیا' جباریہ کے قریب دونوں کا مقابلہ ہوا' حوثرہ اور ابن بناتہ کو شکست ہوئی اور وہ دونوں ابن ہبیرہ کے پاس لوٹ گئے' ان کی شکست سے ابن ہبیرہ کی ہمت ایسی چھوٹی کہ وہ راستہ ہی سے لوٹ گیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۵۰ و ۱۵۱) یعقوبی کا بیان ہے کہ خود قحطبہ لاپتہ ہو گیا' اس کی گم شدگی کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں' صحیح یہ ہے کہ وہ جنگ کے ہنگامہ میں لامعلوم طریقہ سے دریا میں ڈوب گیا۔ اور بعد میں اس کی لاش ملی۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۴۱۱)

مروان کو قحطبہ کے ڈوبنے اور ابن ہبیرہ کی پسپائی کی اطلاع ہوئی تو اس کی زبان سے نکلا کہ "یہ ادبار کی آخری حد ہے کہ زندہ مردہ کے مقابلہ میں پسپا ہو گیا۔

(یعقوبی ج ۲ ص ۴۱۱)

امیر خالد بن عبداللہ قسری یمنی کا لڑکا جو اپنے والد کے قتل کی وجہ سے مضر اور بنی امیہ کا دشمن تھا کوفہ میں مقیم تھا' ابن ہبیرہ کی شکست اور عراق میں بنی امیہ کی قوت کمزور دیکھ کر عباسی داعی بن گیا اور کوفہ سے اموی حاکم زیاد بن صالح کو نکال کر حسن بن قحطبہ سے اس کی حکومت کا پروانہ حاصل کر لیا۔ (کوفہ پر محمد بن خالد کے قبضہ کی تفصیلات میں مختلف

روایتیں ہیں ہم نے ان سب کا خلاصہ نقل کیا ہے دینوری نے اس کو مروان کی شکست کے بعد لکھا ہے لیکن اور مورخین بالاتفاق کوفہ کے قبضہ کو مروان کے مقابلہ سے پہلے لکھتے ہیں۔)

ابوالعباس عبداللہ بن علی کی بیعت امام ابراہیم کے قتل کے بعد ان کے دونوں بھائی ابوالعباس عبداللہ بن علی اور ابو جعفر عبداللہ بن علی کوفہ چلے آئے تھے، اس وقت سے وہ عباسی داعی ابو سلمہ خلال کے یہاں مقیم تھے، کوفہ پر محمد بن خالد کے قبضہ کے بعد عباسی دعاۃ نے ربیع الاول ۱۳۲ھ میں ابوالعباس عبداللہ بن علی کے ہاتھوں پر بیعت کر کے ان کو خلیفہ بنا دیا اور انہوں نے بحیثیت خلیفہ کے جامع کوفہ میں پہلا خطبہ دیا۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۱۲۳ و یعقوبی ج ۲ ص ۳۱ ابن اثیر نے پورا خطبہ نقل کیا ہے)

مروان کی شکست اور اس کا قتل جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، مروان اس وقت دریائے زاب کے کنارے ایک لاکھ بیس ہزار فوج لیے ہوئے پڑا تھا، بیعت کے بعد ابوالعباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا، جمادی الثانی ۱۳۲ھ میں دریائے زاب کے ساحل پر معرکہ آرائی ہوئی، مروان کے پاس فوج، ہمت اور بہادری کسی چیز کی کمی نہ تھی، اور اس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن ایک طرف عباسیوں کے بڑھتے ہوئے اور فاتحانہ ولولے تھے، دوسری طرف ایک زوال پذیر حکومت کا مخالف طاقتوں میں گھرا ہوا اور تھکا ہوا فرمانروا تھا، اس لیے اس کو بڑی فاش شکست ہوئی اور دریائے زاب کے کنارے بنی امیہ کی قسمت کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو گیا، اموی فوج اس بد حواسی اور بے ترتیبی سے پیچھے ہٹی کہ اس کا بڑا حصہ دریا میں ڈوب گیا، تنہا اموی خاندان کے تین سو آدمی غرق ہوئے۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۱۵ و ۳۱۶، مروج الذہب ج ۳ ص ۷۱)

اس شکست نے مروان کی قوت بالکل توڑ دی اور وہ موصل لوٹ گیا، عبداللہ بن علی بھی تعاقب میں پہنچا، اس لیے مروان موصل میں نہ ٹھہر سکا اور حران ہوتا ہوا شام چلا گیا، عبداللہ نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور موصل اور حران پر قبضہ کرتا ہوا شام پہنچا، ایسے نازک وقت میں اہل شام نے بھی مروان سے بے وفائی کی اور اسے شکستہ حال دیکھ کر اہل حمص نے لوٹنے کی کوشش کی، اس لیے اسے شام کو بھی خیرباد کہنا پڑا اور وہ حمص، دمشق اور فلسطین ہوتا ہوا مصر کی طرف نکل گیا۔

شام پہنچنے کے بعد عبداللہ بن علی نے حمص اور فلسطین پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا

دمشق میں معاویہ بن ولید نے مزاحمت کی لیکن عبداللہ نے محاصرہ کر کے اسے بھی فتح کر لیا اور یہاں سے مروان کے تعاقب میں مصر کا رخ کیا، پھر کچھ دور جا کر اپنے بھائی صالح اور ابو عون کو مروان کے تعاقب میں بھیج کر خود لوٹ آیا۔

مصر کے حدود میں داخل ہونے کے بعد مروان مقام بو صیرہ ٹھہرا تھا کہ ابو عون اور صالح پہنچ گئے۔ مروان نے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ ان کا آخری مقابلہ کیا اور شکست کھا کر گر گیا۔ (یہ واقعات مسعودی، یعقوبی اور ابن اثیر کے بیان کا خلاصہ ہیں)

دینوری کا بیان ہے کہ اس جنگ میں نہیں مارا گیا، بلکہ نیل کو عبور کر کے مغرب کی جانب نکل جانا چاہا، ایک مقام پر دم لینے کے لیے رکا تھا کہ ابو عون کا ایک آدمی پہنچ گیا، مروان پر سفر کی تکان سے غنودگی طاری ہو گئی تھی اس لیے اس آدمی نے حملہ کر کے قتل کر دیا، اس کے قتل کے بعد ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں اموی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔ (اخبار الطوال ص ۳۶۴ و ۳۶۵، ابن اثیر ج ۵ ص ۱۶۱)

قتل کے وقت مروان کی عمر ۶۲ سال تھی، مدت خلافت پانچ سال دس مہینے، مروان کا پورا زمانہ شورش و انقلاب اور جنگ و جدال میں گزرا، اس لیے اس دور میں بنی امیہ کے زوال اور خاتمہ کی روداد کے علاوہ اور کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔

بنی عباس کا انتقام اور بنی امیہ کا قتل عام مروان کے قتل اور اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی بنی عباس کے جذبہ انتقام کو تسکین نہ ہوئی اور انہوں نے عوام کے دلوں پر اپنا رعب اور دبدبہ بٹھانے کے لیے نہایت بے دردی سے اموی خاندان کا نام و نشان مٹایا، جو اموی جنگ میں مارے گئے، ان کے علاوہ نوے زندہ گرفتار ہوئے تھے، ایک دن یہ سب عبداللہ بن علی کے ساتھ کھانے کے لیے دستر خوان پر آئے تھے کہ ایک شخص شبل بن عبداللہ نے بنی امیہ پر اشتعال دلانے والے چند اشعار پڑھ دیے، عبداللہ نے اسی وقت کل امویوں کو ڈنڈوں سے پٹوا کر مروا ڈالا اور ان کی نیم بسمل لاشوں پر دستر خوان بچھا کر کھانا کھایا اس کے نیچے سے جانکنی کی سسکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں، زندوں کے بعد مردوں کی باری آئی اور اموی خلفاء کی قبریں کھدوا کر ان کی خاک برباد کی، ہشام بن عبدالملک کی لاش سالم نکلی اس کو سولی پر لٹکا کر جلا دیا۔

(اخبار الطوال ص ۳۶۴ و ۳۶۵، ابن اثیر ج ۵ ص ۱۶۱)

غرض اموی خاندان میں صغیر السن بچوں، عورتوں یا ان لوگوں کے علاوہ جو اندلس بھاگ گئے یا روپوش تھے، کوئی زندہ نہ بچا، اسی میں ایک عبدالرحمٰن الداخل تھا، جس نے اندلس پہنچ کر وہاں اموی حکومت قائم کی۔

اموی حکومت کے زوال کے اسباب

اموی حکومت کا زوال اس کے قیام کے تقریباً ایک صدی بعد ہوا، لیکن اس کے عناصر اس کی تعمیر ہی کے وقت سے اس میں مضمر تھے اور بعد کے خلفاء کی سیاست اور ان کے عمل کی بے عنوانیوں نے اس میں اور اضافہ کیا۔

(ا) اس کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ اسلامی خلافت کے بجائے موروثی اور شخصی--- بادشاہت تھی، اس لیے اس میں رفتہ رفتہ شخصی حکومت کی تمام برائیاں پیدا ہوتی گئیں گو اس حکومت کے بانی حضرت امیر معاویہؓ تھے لیکن وہ صحابی تھے اور رسالت کا مقدس دور دیکھے ہوئے تھے، اس لیے شخصی حکومت کے قیام کی بدعت کے باوجود انہوں نے اور دوسری حیثیتوں سے اس کو جادہ شریعت پر قائم رکھنے کی کوشش کی، لیکن ان کے جانشین اس روش کو قائم نہ رکھ سکے اور امیر معاویہؓ کے بعد ہی اموی حکومت اسلامی روح سے خالی ہو گئی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور میں اس کی اصلاح و تجدید کی، لیکن ان کے بعد پھر وہی پرانا غیر شرعی اور استبدادی نظام جاری ہو گیا مسلمان اس نظام کے عادی نہ تھے، ان کے سامنے صرف خلافت راشدہ کا نمونہ تھا، اس سے اموی حکومت، خواص امت کے دلوں میں جگہ نہ پیدا کر سکی۔

امیر معاویہؓ نے ہمیشہ اسلام کے اساطین و عمائد، خصوصاً بنی ہاشم اور اہل بیت نبویؐ کو جو ان کے حریف مقابل تھے، راضی رکھنے کی کوشش کی اور اپنے حسن سلوک، تحمل اور رواداری سے ان کو خوش یا کم از کم خاموش رکھا اور کوئی ایسی غلطی نہ ہونے پائی، جس سے عام مسلمانوں میں برہمی پیدا ہوتی اس لیے ان سے اختلاف کے باوجود عام مسلمانوں میں ان کے خلاف کوئی انقلابی تحریک نہیں پیدا ہوئی، لیکن ان کے جانشین ان کی سیاست کو نہ نباہ سکے اور ان کے لڑکے یزید ہی کے زمانہ میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت اور حرمین کی بے حرمتی جیسے اہم واقعات پیش آ گئے، جس کا اثر عام مسلمانوں پر نہایت برا پڑا اور یہ سلسلہ یزید پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ اس کے بعد بھی ناپسندیدہ واقعات پیش آتے رہے۔

شیعہ اور خارجی پہلے سے بنی امیہ کے خلاف تھے، گو ان کا مسلک جداگانہ تھا، لیکن بنی

امیہ کی مخالفت دونوں میں مشترک تھی' یہ دونوں جماعتیں ہر زمانہ میں ان کے خلاف اٹھتی رہیں اور عراق میں انہوں نے کبھی مستقل امن قائم نہ ہونے دیا' پھر بعد کے زمانہ میں جس قدر بے عنوانیاں بڑھتی گئیں بنی امیہ کی مخالفت کا جذبہ ترقی کرتا گیا اور شیعہ اور خوارج کے علاوہ اور مخالف جماعتیں بھی پیدا ہو گئیں۔

اموی عمال کے جبرو استبداد کی بنا پر بہت سے خواص امت بھی حکومت کے خلاف ہو گئے' اور انہوں نے انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ان کی مخالفت کی اور بنی امیہ کی مخالف تحریکوں میں حصہ لیا' چنانچہ ابن اشعث کی بغاوت میں کئی سو علماء و حفاظ نے بنی امیہ کے خلاف ابن اشعث کا ساتھ دیا۔

ان مخالف جماعتوں میں شیعان علی سے خاص طور سے ان کو نقصان پہنچا' یہ بنی امیہ کے پرانے دشمن تھے' ان کی بے عنوانیوں خصوصاً حضرت امام حسینؓ کے واقعہ شہادت نے شیعوں کے لیے مخالفت کا سامان فراہم کر دیا۔ اور انہوں نے بنی امیہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا' واقعہ شہادت سے چونکہ مسلمان بھی متاثر تھے اس لیے شیعوں کو بڑی کامیابی ہوئی' اور عام مسلمانوں میں بھی بنی امیہ کے خلاف جذبات پیدا ہو گئے' عجمیوں کی عرب دشمنی کی بنا پر سرزمین عجم میں خاص طور سے شیعی تحریک کو زیادہ فروغ حاصل ہوا' جس نے بعد میں عباسی دعوت کی شکل اختیار کر لی' اموی عمال نے ان مخالف تحریکوں کو سیاست اور حسن تدبیر کے بجائے جبرو قوت سے دبانا چاہا' لیکن جب خود ان کی قوت کمزور پڑ گئی اس وقت یہ آگ دفعتہ" بھڑک اٹھی۔

(۲) دوسرا سبب ولی عہدی کا نظام تھا' خصوصاً ایک وقت میں یکے بعد دیگرے ایک سے زیادہ ولی عہدوں کی نامزدگی نے بڑی خرابی پیدا کی' کیونکہ عموماً پہلا ولی عہد تخت نشینی کے بعد اپنے بعد کے ولی عہد کو جو بیشتر اس کا بھائی یا اور کوئی قریبی عزیز ہوتا تھا' محروم کر کے اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا' اس سے ایک طرف خود خاندان میں پھوٹ پڑتی تھی اور دوسری طرف عمالان سلطنت میں جماعت بندی ہو جاتی تھی' کیونکہ انہیں بہر حال اس تجویز کی مخالفت یا حمایت کرنا پڑتی تھی۔ اس لیے بعد میں ہونے والا خلیفہ اپنے مخالف امراء سے انتقام لیتا تھا' اس سے ان میں بد دلی پیدا ہو جاتی تھی اور اموی حکومت ان کی ہمدردی اور حمایت سے محروم ہو جاتی تھی۔

اس بری رسم کا آغاز سب سے پہلے مروان نے کیا، معاویہ بن یزید کی دستبرداری کے بعد اس کا وارث اور جانشین اس کا بھائی ولید تھا، لیکن اس کی کم سنی کی وجہ سے انتخاب خلیفہ کے بارے میں ارکان سلطنت میں اختلاف تھا، اس لیے اس شرط پر مروان کو خلیفہ بنایا گیا تھا کہ اس کے بعد علی الترتیب خالد اور عمرو بن سعید خلیفہ ہوں گے، لیکن تخت نشینی کے بعد مروان اس معاہدہ پر قائم نہ رہا اور دونوں کو ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے لڑکوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو ولی عہد بنا دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مروان کے بعد عمرو بن سعید نے عبدالملک کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور عبدالملک نے اسے قتل کرا دیا۔

باپ کا نمونہ دیکھ کر عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی، اتفاق سے عبدالعزیز کا انتقال عبدالملک کی زندگی ہی میں ہو گیا۔ اس لیے ولید اور سلیمان کے لیے خود راستہ صاف ہو گیا، پھر ولید نے سلیمان کے ساتھ یہی معاملہ کیا اور اس کی بجائے اپنے لڑکے عبدالعزیز کو ولی عہد بنانا چاہا، اراکین سلطنت میں حجاج اور قتیبہ بن مسلم وغیرہ نے اس کی تائید کی، لیکن ولید کو اس میں کامیابی نہ ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولید کے بعد جب سلیمان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے مخالف امراء سے انتقام لینا شروع کیا حجاج ولید کی زندگی میں مر گیا تھا اس لیے سلیمان نے اس کے خاندان سے انتقام لیا۔ چنانچہ محمد بن قاسم فاتح سندھ اسی انتقام کا شکار ہوا، قتیبہ بن مسلم فاتح چین کے قتل میں گو خود اس کی غلطی کو بھی دخل تھا، لیکن اس کی یہ غلطی بھی سلیمان ہی کے انتقام کا نتیجہ تھی، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(۳) تیسرا سبب ان امراء اور اراکین سلطنت کی ناقدر دانی اور ان کے ساتھ خلفاء کی بد سلوکی تھی، جن کی قوت کے بل پر اموی حکومت قائم تھی، موسیٰ بن نصیر جیسا الوالعزم فاتح سلیمان کے عتاب کا شکار ہوا، یزید بن عبدالملک نے آل مہلب کا، جن کی اموی حکومت میں بڑی خدمات تھیں خاتمہ کیا، اس کے کچھ اسباب بھی رہے ہوں لیکن اس سے امراء میں بد دلی پھیلتی تھی، اور ان میں حکومت کے ساتھ وفاداری اور جاں نثاری کا جذبہ باقی نہ رہتا تھا۔

(۴) چوتھا اور سب سے آخری سبب جس نے اموی حکومت کا خاتمہ کیا، عدنانی اور

قحطانی یا مضری اور یمنی قبائل کا باہمی تعصب اور ان کی خانہ جنگی تھی' دونوں زمانہ جاہلیت کے پرانے حریف تھے' اسلام نے ان کو متحد کر دیا تھا پھر جس قدر اسلامی روح کمزور پڑتی گئی' یہ تعصب ابھرتا گیا' تاہم امیر معاویہؓ نے اس کو حسن تدبیر سے دبائے رکھا' ان کے بعد بھی جب تک خلفاء صاحب اقتدار رہے اسے حد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ لیکن آخری زمانہ میں ایسے حالات پیش آئے کہ خود خلفاء نے اس کو اپنے اغراض کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ اس لیے یہ تعصب برابر بڑھتا گیا۔

بنی امیہ کی حکومت کا دار و مدار زیادہ تر یمنی قبائل پر تھا' اس لیے ابتدائی دور میں ان کو بڑا عروج حاصل ہوا' ان میں ایک مہلب بن ابی صفرہ والی خراسان کا گھرانا تھا' یہ بڑا نامور قحطانی سردار اور بڑے دبدبے اور شکوہ کا امیر تھا' خوارج اور ترکوں کے مقابلہ میں اس کے بڑے کارنامے تھے۔ اس کے لڑکے بھی بڑے نامور تھے' اس لیے اس خاندان کو بڑا عروج حاصل ہوا' یہ گھرانا تدبر و شجاعت کے ساتھ علم دوست اور شرفاء نواز بھی تھا اور اس کا آستانہ ادباء اور شعراء کا مرجع بن گیا تھا۔

سوئے اتفاق سے یزید بن مہلب اور یزید بن عبدالملک کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ ابن مہلب نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے عراق اور خراسان پر قبضہ کر لیا' لیکن آخر میں اس کو شکست ہوئی اور یزید نے پورے گھرانے کو نہایت بے دردی کے ساتھ مٹا دیا' گو یہ واقعہ قبائلی تعصب کا نتیجہ نہ تھا لیکن چونکہ اموی خلفاء مضری تھے اور آل مہلب یمنی' اس لیے وہ قدرۃ" قبائلی سوال بن گیا اور دونوں کی عصبیت ابھر آئی' اس وقت یزید نے بہ تقاضائے سیاست یمن کے اقتدار کو گھٹانے کے لیے اپنے بھائی مسلمہ کو اور اس کے بعد عمرو بن ہبیرہ کو خراسان کا والی بنایا' لیکن یزید کے بعد ہشام نے یہ پالیسی بدل دی اور پھر یمن کو بڑھانا شروع کیا' چنانچہ اس نے یمنی سردار امیر خالد بن عبداللہ قسری کو عراق اور اس کے بھائی اسد کو خراسان کا حاکم بنایا اور یمن کا زائل شدہ اقتدار پھر عود کر آیا۔ اس وقت انہوں نے مضر سے بدلہ لینا شروع کیا۔

لیکن پھر ہشام ہی کے زمانہ میں ایسے حالات پیش آ گئے "کہ یہ صورت قائم نہ رہ سکی ۱۲۰ھ میں اسد بن عبداللہ قسری والی خراسان کا انتقال ہو گیا' یہ وہ زمانہ تھا کہ خراسان میں عباسی تحریک پھیل رہی تھی' امیر نصر بن سیار مضری بڑا مدبر اور تجربہ کار امیر تھا' اس لیے

ہشام نے عباسی تحریک کے استیصال کے لیے اسے خراسان کا والی بنایا' سوء اتفاق سے' اسی سال اسد کا بھائی امیر خالد بن عبداللہ بھی شاہی محاصل کے بے جا صرف کے جرم میں عراق کی ولایت سے محروم کر دیا گیا' اور اس کی جگہ بھی ایک مضری سردار امیر یوسف بن عمر ثقفی کا تقرر ہوا' اس لیے پھر خراسان سے یمنی اثر و اقتدار کا خاتمہ ہو گیا' لیکن ہشام نے یمن کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔

ہشام کے بعد ولید نے جو یمن سے تعصب رکھتا تھا' اس کی علانیہ تحقیر و تذلیل اور مضر کی حمایت شروع کر دی اسی زمانہ میں امیر نصر بن یسار اور امیر جدیع کرمانی کے درمیان اختلافات پیش آ گئے اور یمن و مضر کا تعصب نہایت شدت سے ابھر آیا' اور دونوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اس خانہ جنگی کے جو نتائج نکلے اور جس طرح ابو مسلم نے اس سے فائدہ اٹھا کر اموی حکومت کا خاتمہ کیا اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

اموی دور کی علمی حالت

بنی امیہ کے سیاسی کارناموں کی تفصیل' تمدن کے اجمالی اور علم و فن کے جستہ جستہ حالات اوپر گذر چکے ہیں' اموی دور کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ علم و فن سے خالی تھی' اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ کتاب کے آخر میں اس دور کی علمی حالت پر اجمالی تبصرہ کر دیا جائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی اصل علمی تاریخ عباسی عہد سے شروع ہوتی ہے' اسی زمانہ میں علوم کی کتابی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم کی جانب توجہ کی' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اموی عہد علم و فن سے محض بیگانہ تھا' در حقیقت دینی علوم کی بنیاد اس سے بھی پہلے عہد رسالت ہی میں پڑ گئی تھی' اور اس کی حامل جماعت صحابہ اسی زمانہ میں اور اس کے بعد خلافت راشدہ میں رہی' اس کے بعد اموی دور میں یہ امانت ان سے تابعین اور تبع تابعین میں منتقل ہوئی' جنھوں نے اس کو ساری دنیا میں پھیلا دیا اور اس کی تدوین کی' چنانچہ بڑے بڑے ائمہ تابعین اسی دور میں تھے' البتہ غیر قوموں کے علوم کی جانب عباسی دور میں توجہ ہوئی' اس کے مختلف اسباب تھے۔

سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ جب تک مسلمانوں میں اسلام کی اصلی روح باقی تھی ان کے سارے افکار و تصورات کا مرکز دین رہا اور انہوں نے غیر دینی امور کی جانب توجہ نہیں کی، دوسرے حامل علم قوموں سے اختلاط، ان کے علوم و فنون سے واقفیت اور ان کے خیالات و افکار سے اثر پذیری کا موقع انہیں ایک عرصہ تک نہ مل سکا، اگرچہ ایرانیوں اور رومیوں سے خلافت راشدہ میں ان کا سابقہ شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اولاً" اس زمانہ میں اس کی توجہ تمام تر دین اور سیاست ہی کی جانب تھی، دوسرے حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کی اور بنی امیہ کو عربوں کی خصوصیات کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا، اس لیے انہوں نے ان کو غیر قوموں سے خلط ملط نہ ہونے دیا، اس لیے ان کو ان کے علوم سے واقفیت کا بھی موقع نہ مل سکا۔

تیسرے بنی امیہ نے مفتوح اقوام کو حکومت سے بھی علیحدہ کر رکھا تھا، اس لیے مسلمان ان کے اثرات سے محفوظ رہے، بلکہ عبدالملک نے عربی کو سرکاری زبان بنا کر خود غیر قوموں کو اس کے سیکھنے پر مجبور کر دیا تھا، اس لیے اس زمانہ میں وہ عربوں سے زیادہ متاثر ہوئیں، ان کے مقابلہ میں عباسی دور میں یہ ساری قیدیں ٹوٹ گئیں، اور عباسی خلافت چونکہ عجمیوں کے بل پر قائم ہوئی تھی اس لیے وہ ابتداء سے اس میں دخیل ہو گئے، اور جتنا زمانہ گذرتا گیا ان کا غلبہ و اقتدار بڑھتا گیا، ان کے اقتدار کے ساتھ ان کا تمدن بھی مسلمانوں میں پھیل گیا، اور ان کے علوم و فنون کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع ملا، لیکن جہاں تک دینی علوم کا تعلق ہے اس کا آغاز خلافت راشدہ ہی سے ہو گیا تھا، اور اموی دور میں اس میں برگ و بار پیدا ہونے لگے، چنانچہ اکثر بڑے بڑے ائمہ تابعین اسی دور میں تھے، اور ساری دنیائے اسلام میں ان کے حلقہ ہائے درس قائم ہو گئے تھے اور دینی علوم کی ابتدائی تدوین بھی اسی زمانہ میں شروع ہو گئی تھی۔

عہد جاہلیت کے علوم اس کی تفصیل سے پہلے زمانہ جاہلیت سے لے کر خلفائے راشدین کے زمانہ تک کی علمی حالت کا اجمالی نقشہ سمجھ لینا چاہئے تاکہ اموی دور کی علمی ترقی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

شاعری گو عرب مجموعی حیثیت سے علم و فن سے بیگانہ تھے، لیکن بعض فطری اور بعض کسبی علوم سے وہ واقفیت رکھتے تھے، شاعری اور خطابت کا ان میں فطری ملکہ تھا،

انساب و اخبار عرب کے عالم اور طب نجوم اور بعض دوسرے فنون میں درک رکھتے تھے، لیکن ان کا اصل فن شاعری تھا، اس میں دنیا کی کوئی قوم ان کی ہمسری نہیں کر سکتی تھی اور وہ اپنی زبان آوری کے مقابلہ میں ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اور اپنے کو عرب یعنی فصیح اللسان اور دوسری قوموں کو عجم یعنی ژولیدہ بیان کہتے تھے شاعر اپنے قبیلہ کے لیے سرمایہ فخر و ناز ہوتا تھا، جس قبیلہ میں کوئی بڑا شاعر پیدا ہو جاتا تھا اس کا نام ہمیشہ کے لیے بلند ہو جاتا تھا۔ شاعری کے بڑے بڑے دنگل ہوتے تھے، جس میں زبان آور اپنی تیغ زبان کے جوہر دکھاتے تھے، ان کا کوئی اجتماع شعر و سخن کے ذکر سے خالی نہ ہوتا تھا، شاعری ان کی گھٹی میں پڑی تھی، عرب کی اصل شاعری جاہلیت ہی کے دور کی تھی اور وہی زمانہ میں شعر و سخن کا معیار مانی گئی، اس دور کی شاعری تصنع، تکلف اور آورد سے پاک فطری اور سادگی کے باوجود نہایت پر جوش تھی، جاہلیت کا کلام فطرت کی صحیح تصویر ہوتا تھا، زبان خالص اور بے آمیز تھی، لیکن ان محاسن کے ساتھ کسی ضابطہ اخلاق کی پابند نہ تھی، بڑے بڑے شعراء اپنی بے حیائی کی داستانیں فخریہ بیان کرتے تھے اور عفیفہ عورتوں سے تعشق کو مزے لے کر علانیہ سناتے تھے، جاہلی شعراء کی تعداد بے شمار ہے، ان میں سے بعض مخول شعراء کے نام یہ ہیں۔

امراء القیس، زہیر بن ابی سلمیٰ، نابغہ ذبیانی، اعشیٰ، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلزہ، طرفہ بن العبد، عنترہ عبسی، مہلہل بن ربیعہ، امیہ ابن ابی الصلت، قس بن ساعدہ، عورتوں میں خنسا خرنق، لیلیٰ اور جلیلہ۔

خطابت شاعری کی طرح فصاحت و بلاغت اور زبان آوری بھی عربوں میں فطری تھی اور وہ اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے۔ (کتاب البیان والتبیین ج اول ص ۵۸، ۵۹ بلوغ الارب ج ۳ ص ۱۹۶) قبائل میں شعراء کی طرح نامور خطباء بھی ہوتے تھے، لیکن خطابت کا درجہ شاعری کے بعد تھا، ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں بہت سے مشہور خطیبوں کے نام اور ان کے نمونے نقل کیے ہیں، بعض نام یہ ہیں، قس بن ساعدہ سحبان بن وائل، درید بن زید، زہیر بن حباب، مرثد الخلیل، حارث بن کعب، مذحجی، قیس، زہیر، عبسی، ذی الاصبع عدوانی، اکثم بن صیفی اور عمرو بن کلثوم وغیرہ۔

انساب عربوں کو نسب کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا، حتی کہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کے

نسب نامے محفوظ رکھتے تھے، اس لیے نسابی یعنی نسب دانی مستقل فن کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہر قبیلہ میں نساب ہوتے تھے، جو مختلف قبائل اور ان کی شاخوں کے نسب کے عالم ہوتے تھے، اور نسب کی تحقیق میں ان کی جانب رجوع کیا جاتا تھا، بعض مشہور نسابوں کے نام یہ ہیں۔ دغفل السدوسی ابو ضمضم عمیرہ، ابن لسان، زید بن الکیس، نمار بن الاوس، صعصعہ بن صوحان، عبداللہ بن الجر وغیرہ۔

نسابی کا فن اسلام کے بعد بھی قائم رہا اور اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں، حضرت ابوبکرؓ اپنے زمانہ کے بڑے نساب شمار کیے جاتے تھے۔

تاریخ یا اخبار عرب گو عربوں میں موجودہ اصطلاحی فن تاریخ نہ تھا، لیکن وہ عرب کی قدیم تاریخی داستانوں کو حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے اور ان کو مجمعوں میں سناتے تھے، مثلاً ایام عرب ذی نواس کی حکومت، حبشہ پر یمن کے تسلط، مکہ پر اصحاب فیل کی چڑھائی ذی یزن حمیری کی جنگ، یمن میں ایرانیوں کے حالات، عمرو بن لحیؒ کا واقعہ، جرہم کا قصہ، زمزم کے پٹنے اور قصی تک کعبہ تولیت کی تاریخ، حلف فضول، زمزم کی صفائی، حرب فجار، کعبہ کی دوسری تعمیر اور عرب کی قدیم اقوام اور حکومتوں کے حالات وغیرہ، ان کے حافظ اخباری کہلاتے تھے، چنانچہ موجودہ تاریخوں کے بہت سے قبل از اسلام کے حالات ان کے بیانات سے ماخوذ ہیں۔

طب طب ایسا ضروری فن ہے کہ جس سے کوئی قوم بے نیاز نہیں رہ سکتی اس لیے یہ فن عربوں میں قدیم زمانہ سے تھا اور اس کو انہوں نے مختلف قوموں سے سیکھا تھا، اور اپنے تجربات بھی اس میں اضافہ کیے تھے، اور اس زمانہ کے دستور کے مطابق ان میں دو طرح کے اطباء اور طریقہ علاج رائج تھے، ایک عطائی طبیب جو ٹونے ٹوٹکے اور جھاڑ پھونک سے، دوسرے فن طب کے واقف کار، جو جڑی بوٹیوں وغیرہ سے علاج کرتے تھے، زخموں اور درد کا علاج داغ کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ "آخر علاج الکی" مشہور عربی مقولہ ہے۔

عربی لغات میں دواؤں اور مختلف انسانی اعضاء کے نام اور ان کے خواص کا ذکر طب سے عربوں کی قدیم واقفیت کا ثبوت ہیں۔

عرب میں ہر زمانہ میں اطباء موجود تھے، قدیم طبیبوں میں ابن حزیم اور اسلام سے کچھ پہلے نضر بن حارث بن کلدہ عرب کے مشہور طبیب تھے، حارث نے جندیسابور کی مشہور

طبی درس گاہ میں جو اسلام کے بعد موجود تھی' تعلیم حاصل کی تھی' جراحی میں ابن ابی رویہ نے شہرت حاصل کی تھی'

عربوں کی بڑی دولت مویشی تھے اس لیے وہ علاج الحیوان سے بھی واقف تھے اور اس کا مستقل فن تھا جو بیطاری کہلاتا تھا' بیطار اونٹ اور گھوڑے وغیرہ کی بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ جاہلیت کے بیطاروں میں عاص بن وائل مشہور بیطار تھا۔

نجوم فن نجوم میں بھی ان کو درک تھا' ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق تو عرب کواکب اور ان کے طلوع و غروب سے سب قوموں سے زیادہ واقف تھے۔ (البیرونی ص ۲۳۸) لیکن یہ بیان مبالغہ آمیز ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس فن میں ان کو پورا درک تھا' قزوینی کا بیان ہے کہ وہ سیاروں' برجوں اور بہت سے ثوابت کا علم اور نجوم سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ (قزوینی برحاشیہ دمیری ج ا ص ۱۵۰)

اس کا ثبوت یہ ہے کہ قدیم عربی میں تمام کواکب کے نام موجود ہیں اور برجوں کے نام بھی عربی ہیں۔ اس کو انہوں نے کلدانیوں سے سیکھا تھا' لیکن بعض مسائل نجوم میں وہ دوسری قوموں سے مختلف اپنی مستقل رائے رکھتے تھے' مثلاً ہندوستانیوں کے نزدیک ماہتاب کے دورے کی ۲۷ منزلیں ہیں۔ اور عربوں کے نزدیک اٹھائیس تھیں' ان کا سال قمری ہوتا تھا' لیکن کبیسہ کے ذریعہ شمسی بنانے کا طریقہ بھی رائج تھا' جس کی اسلام نے ممانعت کر دی' ان کے علاوہ ہواؤں کی خصوصیات موسموں کے تغیر اور پچھتروں سے بھی واقفیت رکھتے تھے اور ان کو کواکب کی تاثیر کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ (آثار الباقیہ بیرونی ص ۳۳۹)

قیافہ شناسی عربوں کو اس میں خاص ملکہ تھا' وہ نشان قدم سے عورت' مرد اور جوان اور بوڑھے کی تمیز کرتے تھے' اور بشرہ اور اعضاء کی مشابہت سے ابوت بنوت کا تعلق بتا دیتے تھے' اسی طریقہ سے کھر کے نشان سے حیوانات کا پتہ چلاتے تھے' قیافہ شناسی ان میں بہت رائج تھی' اور قائف کی بات کا بڑا اعتبار کیا جاتا تھا۔

مختلف فنون چونکہ وہ عموماً بے آب و گیاہ بیابانوں اور ریگستانوں میں زندگی بسر کرتے تھے' اور پانی کی ان کو ہمیشہ تلاش و جستجو رہتی تھی' اس لیے آبی زمین کے پتہ چلانے کا ان

میں ملکہ پیدا ہو گیا تھا اور زمین کی مٹی اور نباتات کی خوشبو سے پنہالی زمین کا پتہ چلاتے تھے' ان کا پیشہ تجارت تھا اور تجارت کے سلسلہ میں دور دراز ممالک کا سفر کرتے تھے' اس لیے ان کو بحری سفر کے لوازم اور ملاحی سے بھی واقفیت ہو گئی تھی' ان کے علاوہ اور جو علوم مثلاً کہانت وغیرہ رائج تھے ان کی حیثیت خرافیات سے زیادہ نہ تھی' لیکن رسمی علوم سے وہ تقریباً بیگانہ اور معمولی نوشت و خواند سے بھی نا آشنا تھے۔ چنانچہ قریش میں جو سب سے زیادہ معزز اور محترم قبیلہ تھا' ظہور اسلام کے وقت کل سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔

(فتوح البلدان بلاذری)

عہد رسالت مگر ظہور اسلام کے بعد یہ حالت بدل گئی' اسلام علم و عمل کا مجموعہ ہے اور دین کے علم کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی' اس لیے قرآن مجید میں بہ تکرار اس کی تحصیل کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اور حدیثوں میں تو اس کو فرض قرار دیا گیا ہے اس لیے ظہور اسلام کے بعد ہی تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع ہو گیا' آنحضرت ﷺ کی حیات میں گو علم کا مرجع آپؐ ہی کی ذات تھی لیکن آپؐ کی زندگی بلکہ اسلام کے ابتدائی دور میں آپؐ کے فیض یافتہ صحابہ کرام تعلیم کی خدمت انجام دینے لگے تھے' چنانچہ ہجرت سے قبل آپؐ نے حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو اہل مدینہ کی تعلیم کے لیے بھیجا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۷۱) اور مدینہ آنے کے بعد تو تعلیم کا پورا انتظام قائم ہو گیا تھا' اصحاب صفہ کی مستقل درس گاہ تھی جس میں دین کی تعلیم ہوتی تھی اور کبھی آنحضرت ﷺ بھی اس میں شرکت فرماتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی العلم) باہر کے نو مسلم اشخاص اور قبائل مدینہ آکر تعلیم حاصل کرتے تھے اور ضروری تعلیم کے بعد اپنے وطن لوٹ جاتے تھے۔ (بخاری باب رحمۃ البہائم و تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۱۵۰) حدیث و سیر کی کتابوں میں وفود کے ذکر میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

بیرونی اشخاص و قبائل کی درخواست پر ان کی تعلیم کے لیے مدینہ سے بھی معلمین بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بیرونی وفد کی درخواست پر آپ نے ستر قراء یعنی معلمین قرآن روانہ فرمائے تھے' جنہیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا تھا۔ (مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید) ہر جگہ کے صاحب علم عمال کے متعلق یہاں کے باشندوں کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ کتابت اور تحریر کو بھی ترقی ہوئی' کتابت' وحی' صلح اور جنگ

کے معاہدوں، دعوت اسلام کے خطوط اور دوسرے معاملات و احکام کی کتابت کے لیے تحریر ناگزیر تھی، اس لیے آنحضرت ﷺ نے دینی تعلیم کے ساتھ اس کی جانب بھی توجہ فرمائی، چنانچہ جنگ بدر کے ان قیدیوں کا فدیہ جو اس کو نقد نہ ادا کر سکتے تھے اور لکھنا جانتے تھے، یہ مقرر فرمایا کہ وہ دس دس مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۱۴ و مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۴۷)

یہودیوں سے اکثر معاملات رہتے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان سے خط و کتابت کے لیے حضرت زید بن ثابت کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا، انہوں نے چند دنوں میں اتنی مہارت پیدا کر لی کہ بے تکلف عبرانی میں خط و کتابت کرنے لگے۔ وہ فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبان بھی جانتے تھے۔

غرض مذہبی و ملکی ضرورت، آنحضرت ﷺ کے حکم اور ذاتی ذوق و شوق کی وجہ سے صحابہؓ کرام نے چند دنوں میں معمولی نوشت و خواند کے بقدر تعلیم حاصل کر لی، چنانچہ بہت سے صحابہ آنحضرت ﷺ سے جو حدیثیں سنتے تھے ان کو قلم بند کرتے تھے، ان میں جو تحریر میں زیادہ مہارت رکھتے تھے وہ وحی، مراسلات و مکاتبات نبویؐ اور معاہدے وغیرہ لکھنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ غرض عہد نبویؐ میں اشاعت تعلیم کے بکثرت واقعات ہیں، جن کی تفصیل مقصود نہیں ہے۔

اسی کے ساتھ عہد جاہلیت کے ان فنون کو جو اسلام کے منافی تھے ان کی ممانعت کر دی اور جن کی اصلاح ممکن تھی ان کی اصلاح کی، چنانچہ نجوم اور کہانت وغیرہ ممنوع قرار پائے، شاعری کے مخرب اخلاق حصے فخاری، ہجو نگاری، اور فحاشی کی ممانعت کر دی گئی، لیکن اخلاقی اور حکیمانہ شاعری کو برقرار رکھا گیا، بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی گئی، چنانچہ زمانہ جاہلیت کے مشہور حکیم شاعر امیہ بن ابی الصلت کے کلام کی آنحضرت ﷺ نے تحسین فرمائی ہے، خود صحابہ کرامؓ میں متعدد بزرگ شاعر تھے، اور حضرت حسان بن ثابتؓ کو تو دربار نبوی کے شاعر ہونے کا فخر حاصل تھا، جو آپؐ کی جانب سے کفار کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی "اللھم ایدہ بروح القدس" کعب بن زہیرؓ کو ان کے مشہور مدحیہ قصیدہ کے صلہ میں ردائے مبارک عطا فرمائی۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان فنون اور تعلیم کا دائرہ اور وسیع ہوا، خلفائے راشدین

خصوصاً حضرت عمرؓ و علیؓ شعر و سخن کے بڑے نقاد تھے' اور ان میں بڑا بلند پایہ رکھتے تھے' دونوں کی جانب کچھ اشعار بھی منسوب ہیں' حضرت علیؓ کی جانب تو پورا دیوان منسوب ہے جو چھپ بھی گیا ہے' گو یہ انتساب صحیح نہیں ہے' لیکن آپ کا ذوق شعری مسلم ہے حضرت عمرؓ مسلمانوں کو تلقین کرتے کہ وہ اپنے بچوں کو اچھے اشعار یاد کرائیں۔

(کتاب البیان والتبیین جاحظ ج ۱ ص ۲۱۴)

اس دور میں کلام مجید کے بعض الفاظ کی تحقیق کے لیے بھی کلام عرب کی جانب توجہ کی گئی' کلام مجید عربی میں ہے اور سب سے مستند عرب جاہلی کا کلام ہے اس لیے مفسر قرآن صحابہ کو جن الفاظ کے معنی میں شبہ ہوتا تھا اس کی تحقیق عرب جاہلی کے کلام سے کرتے تھے' ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ جب کلام اللہ میں کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے تو اس کو اشعار عرب میں تلاش کرو۔ (کتاب العمدۃ ج ۱ ص ۱۱) اس لیے شاعری کا مذاق اس عہد میں بھی قائم رہا' البتہ اس کے مفاسد کی اصلاح ہو گئی۔

عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تبلیغ اسلام' اجتماعی معاملات اور جنگ و صلح کے سلسلہ میں خطابت کو بہت ترقی ہوئی اور اس کا درجہ شاعری سے بڑھ گیا' حدیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ' خلفائے راشدین اور دوسرے بہت سے صحابہ کرامؓ کے خطبات موجود ہیں' حضرت علیؓ کی جانب تو ایک پورا مجموعہ "خطب نہج البلاغہ" منسوب ہے جس کے اکثر خطبے الحاقی ہیں لیکن بعض صحیح بھی ہیں' ان سے اس دور کی خطابت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مذہبی علوم میں تفسیر' حدیث اور فقہ کو بڑی ترقی ہوئی اور سیر و مغازی کی بنیاد پڑی' ان علوم کی اصلاحی حامل جماعت صحابہ اسی دور میں تھی' کلام مجید جیسا کہ خود اس کا بیان ہے' ایک نہایت صاف اور واضح کتاب ہے' جس کے مطالب میں کوئی پیچیدگی و ابہام نہیں ہے' پھر بھی اس میں بعض آیات متشابہات ہیں' بعض الفاظ کے پرانے مفہوموں کو اسلام نے بدل دیا تھا' بعض اشارات تصریح طلب ہیں' جن کو آنحضرت ﷺ نے خود سے صحابہ کرامؓ کے استفسار پر بیان فرمایا' بعض صحابہ کرامؓ جو صحبت نبویؐ سے پوری طرح مستفیض اور اسلامی روح کے عارف تھے اپنی دینی بصیرت سے بعض آیات کی تشریح کرتے تھے' یہ تمام تفسیریں حدیثوں کی طرح نقل ہوئیں' جنہوں نے آگے چل کر فن تفسیر کی حیثیت

اختیار کرلی‘ متعدد صحابہ تفسیر میں خاص درک رکھتے تھے‘ ان میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ زیادہ ممتاز تھے‘ بیشتر تفسیری روایات انہی سے مروی ہیں۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے تعلیم و تبلیغ و امرو نہی اور مختلف معاملات و مسائل کے سلسلہ میں ہزاروں باتیں ارشاد فرمائیں‘ یا سوالات کے جوابات دیئے‘ آپؐ کے ارشادات قانون کی حیثیت رکھتے تھے‘ اس لیے صحابہ کرامؓ انہیں بڑی احتیاط سے محفوظ رکھتے تھے اور بعض انہیں قلم بند بھی کرتے تھے‘ جس سے فن حدیث پیدا ہوا‘ پھر حدیث کی صحت کی جانچ کے سلسلہ میں متعدد فنون پیدا ہوئے۔

فقہ‘ یعنی کلام مجید اور احادیث نبویؐ سے نئے اور غیر منصوص مسائل کے استنباط کا فن بھی خلفائے راشدین کے دور میں پیدا ہوا‘ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں نئی پیش آمدہ صورتوں اور مسائل کے بارے میں یا وحی نازل ہوتی تھی یا خود آنحضرت ﷺ اپنی دینی بصیرت سے ان کا فیصلہ فرماتے تھے اس لیے اس زمانہ میں فقہ کی ضرورت ہی نہ تھی‘ آپؐ کی وفات کے بعد اس کے دو سرچشمے تھے‘ ”کلام مجید اور احادیث نبویؐ“ صحابہ کرامؓ انہی سے نئے مسائل کا استنباط کرتے تھے‘ اور آخری درجہ میں عقل سے کام لیتے تھے‘ جس کی فقہی اصطلاح قیاس ہے‘ فقہ میں صحابہ کرام میں حضرت علیؓ‘ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ‘ حضرت عبداللہ بن عباسؓ‘ حضرت معاذ بن جبلؓ خاص امتیاز رکھتے تھے‘ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حکومت اسلام اور ملکی نظام کی وسعت کے ساتھ بکثرت نئے مسائل پیش آئے‘ جن میں آپ نے کلام مجید احادیث نبوی کی روشنی میں اپنے اجتہاد اور فقہائے صحابہؓ کے مشورہ سے فیصلہ فرمایا‘ حضرت عمرؓ کے فتاویٰ کی تعداد کئی ہزار ہے‘ جن میں ایک ہزار مسائل نہایت اہم ہیں اور ان کی تقلید بڑے بڑے مجتہدین اور ائمہ نے کی ہے۔

(ازالۃ الخفا حصہ دوم ص ۸۳)

فقہ و اجتہاد میں حضرت عمرؓ کو خاص ملکہ تھا‘ اور آپ نے اپنے تفقہ و اجتہاد سے آئندہ آنے والوں کے لیے فقہ کی راہ کھول دی‘ فقہ کے تمام بڑے بڑے سلسلوں کا مرجع آپ ہی کی ذات تھی‘ فقہائے صحابہ میں حضرت زید بن ثابتؓ‘ ابو موسیٰ اشعریؓ‘ ابو درداء انصاریؓ‘ معاذ بن جبلؓ‘ عبداللہ بن عباسؓ‘ عبداللہ بن مسعودؓ‘ عبداللہ بن عمرؓ جو فقہ کے اساطین ہیں حضرت عمرؓ ہی کے فیض یافتہ‘ خصوصاً آخرالذکر تینوں بزرگ تو تمام تر آپ کے

ساختہ پرداختہ تھے۔

سب سے اول حضرت عمرؓ ہی نے مسائل کی تفریع و استنباط یعنی اصول فقہ کی بنیاد ڈالی' جس سے آئندہ چل کر مستقل فن پیدا ہوا' مثلاً آنحضرت ﷺ کے کون سے اقوال و افعال منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے' اور کون سے تعلق نہیں رکھتے تھے' اول الذکر میں تو کسی چون وچرا کی گنجائش نہیں لیکن آخر الذکر میں حالات کو مصالح کے اقتضاء کے مطابق رائے وقیاس و اجتہاد کا حق ہے۔

حضرت عمرؓ نے دینی علوم کی اشاعت و تعلیم کا بھی بڑا وسیع نظام قائم کیا تھا' تمام ممالک محروسہ میں قرآن مجید کا درس جاری کیا اور ان کے لیے تنخواہ دار معلم مقرر کیے' (سیرۃ العمر ابن جوزی) اکابر صحابہ کو قرآن کی تعلیم کے لیے مختلف ملکوں میں بھیجا' حضرت معاذ بن جبلؓ' ابودرداء انصاریؓ' اور عبادہ بن صامتؓ کو شام کے مختلف شہروں میں روانہ کیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اسد الغابہ' تذکرہ عبادہ بن صامت)

حضرت ابودرداءؓ کے حلقہ درس کے طالب علموں کی تعداد سولہ سولہ تو تک پہنچ جاتی تھی اس لیے انہوں نے اس کو دس دس طالب علموں کی جماعت میں تقسیم کر دیا تھا اور خود ان کی نگرانی کرتے تھے۔ (طبقات القراء ذہبی)

سورہ بقرہ' نساء' مائدہ' حج اور نور کا' جن میں احکام ہیں' ہر مسلمان کے لیے سیکھنا ضروری قرار دیا۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۲۴) بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم جبری قرار دی اور ایک شخص ابو سفیان کو چند آدمیوں کے ساتھ مقرر کیا کہ وہ قبائل میں دورہ کر کے ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ بھی یاد نہ ہو اس کو سزا دیں۔ (اصابہ' تذکرہ اوس بن خالد) قرآن مجید کے طلبہ کے وظائف مقرر کیے۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۱۷)

قرآن مجید کی صحیح قرات اور اعراب کی غلطیوں سے بچنے کے لیے ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی اور عام حکم جاری کر دیا کہ جو شخص لغت کا عالم نہ ہو وہ قرآن نہ پڑھائے۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۲۸)

مختلف اسباب کی بنا پر حدیثوں کی بھی تلاش و تحقیق اور اس کی اشاعت ہوئی' آپ کے زمانہ میں بکثرت نئے مسائل پیش آئے' جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تھا' جس کے بارے

میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ معلوم ہوتا تو حضرت عمرؓ صحابہ سے پوچھتے تھے کہ ان کو اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کا علم ہے؟ اس طریقہ سے سینکڑوں حدیثوں کا پتہ چلتا آپ خود احکام و مسائل سے متعلق احادیث نبوی اضلاع کے حکام کے پاس لکھ کر بھیجتے تھے، اس سے حدیثوں کی اشاعت ہوتی تھی۔

اس کے علاوہ بہت سے علماء، صحابہؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، معقل بن یسارؓ، عبداللہ ابن مغفلؓ، عمران بن حصینؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابودرداء، اور امیر معاویہؓ وغیرہ کو مختلف شہروں اور ملکوں میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ (ازالۃ الخفا حصہ دوم ص ۸۶) لیکن اسی کے ساتھ احادیث کی صحت کی تحقیق اور روایات کی اشاعت کے انسداد کی تدبیریں بھی کیں، جس کے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں نئے حالات و مسائل کی وجہ سے فقہ میں بڑی ترقی ہوئی، انہوں نے اس کی تعلیم کا انتظام کیا، چنانچہ مختلف ملکوں میں فقہائے صحابہ کو فقہ کی تعلیم کے لیے بھیجا، کوفہ میں دس صحابہ کی جماعت بھیجی جس میں سے ایک عبداللہ بن مغفلؓ تھے۔ (اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مغفل) بصرہ میں بھی ایک جماعت بھیجی جس میں ایک عمران بن حصینؓ تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵) عبدالرحمٰن بن غنمؓ کو شام بھیجا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۴) ان کے علاوہ عبادہ بن صامتؓ، معاذ بن جبلؓ، اور ابودرداء انصاریؓ، جن کو تعلیم قرآن کے لیے شام بھیجا تھا، فقہ کی تعلیم بھی ان کے متعلق تھی، حبان بن ابی جبلہ کو مصر میں اس خدمت پر مامور کیا۔ (حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۸۱) فقہ کی اشاعت کی اور مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

فرائض یعنی میت کے ترکہ کی تقسیم مستقل فن ہے، حضرت زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اس کے بڑے عالم تھے، اور غیر منصوص مسائل میراث میں زیادہ تر انہی دونوں بزرگوں کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، میراث کی تقسیم کے لیے ریاضی کی واقفیت ضروری ہے، حضرت عمرؓ نے ایک ریاضی دان رومی کے ذریعہ اس فن کے اصولوں کو مرتب کرایا۔ (معجم البلدان)

حضرت علیؓ کے زمانہ میں نحو کا فن ایجاد ہوا، عربی عربوں کی مادری زبان تھی، وہ اس کو بغیر قواعد کے صحیح پڑھ لیتے تھے، لیکن جب عجمی قومیں مسلمان ہوئیں تو وہ غلطی کرتی تھیں،

اس لیے حضرت علیؓ کی ہدایت سے ان کے ایک شاگرد، ابوالاسود دوئلی نے نحو کے چند ابتدائی قاعدے بنائے، جس نے آگے چل کر فن نحو کی صورت اختیار کر لی۔

(الفہرست ص ۳۶)

علم الانساب جو عربوں کا پرانا علم تھا، حضرت ابوبکرؓ اس کے بہت بڑے عالم اور اپنے زمانہ کے مشہور نساب تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں وظائف کے تقرر کے سلسلہ میں قبائل عرب کا نقشہ مرتب کرایا، جس سے گویا اس کی تحریری تدوین کا آغاز ہوا۔

اموی دور کی علمی ترقی اموی دور میں ان علوم میں زیادہ وسعت و ترقی ہوئی، علمائے تابعین جنہوں نے دینی علوم کو پھیلایا، اسی عہد میں تھے، ان کے مستقل حلقہ درس قائم تھے، جن سے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے، اسی دور میں دینی علوم کی تدوین کا آغاز ہوا۔ بعض نئے علوم پیدا ہوئے اور غیر قوموں کے بعض علوم سے بھی مسلمان روشناس ہوئے۔

شاعری خلفائے راشدین کے زمانہ میں گو شاعری کا مذاق قائم رہا تھا، لیکن اخلاقی پابندی کی وجہ سے اس کا پرانا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور کلام مجید کے اعجاز کے سامنے بھی اس کا زور گھٹ گیا تھا، بنی امیہ کے زمانہ میں خلفائے راشدین کے عہد کی قید و بند ختم ہو گئی اور خود اموی خلفاء سخن سنج اور شاعری کے قدر دان تھے، ان کی قدر دانی کی وجہ سے شاعری کا بازار پھر گرم ہو گیا اور اس میں کمیت اور کیفیت دونوں حیثیتوں سے ترقی ہوئی اور بڑے بڑے شعراء پیدا ہوئے، چنانچہ اخطل، جریر، فرزدق، اعشیٰ، نابغہ، کمیت وغیرہ فحول شعراء جنہوں نے اسلامی دور کی شاعری کو چمکایا، سب اسی زمانہ میں تھے۔

شاعری کی ترقی میں اس زمانہ کے سیاسی حالات سے بھی مدد ملی، اموی عہد میں قبائلی سیاسی اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے علوی، شیعی، عثمانی، خارجی، مختلف مذہبی و سیاسی جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں، جو باہم حریف تھیں، عرب میں پروپیگنڈہ کا بڑا ذریعہ شاعری تھا، شعراء کی تیغ زبان کی کاٹ شمشیر آبدار سے کم نہ تھی، اس لیے اس زمانہ میں جماعتی شعراء کی بڑی تعداد پیدا ہو گئی تھی، نعمان بن بشیر انصاریؓ، یزید بن ربیعہ المعروف بہ ابن مفرغ، ایمن بن خریم وغیرہ علویوں کے حامی تھے، مسکین دارمی، عبداللہ بن خارجہ المعروف بہ اعشی اموی تھے، اور طرماح بن عدی حکیم عبدی، عمران بن حطان، عبداللہ بن حجاج ذبیانی خارجیوں اور آل زبیر کے حمایتی تھے۔

ان کے علاوہ ان شعراء کی بھی بڑی تعداد ہے جو کسی پارٹی سے تعلق نہ رکھتے تھے، مثلاً جمیل بن معمر، عمران بن ابی ربیعہ، عبد بن قیس الرقیات، کثیر غرہ، ابن عبادہ، احوص، ذی الرمہ، سعید دارمی، عبید بن حصین، عبداللہ بن خارجہ اور لیلیٰ الاخیلیہ وغیرہ۔

کیفیت کے اعتبار سے بھی شاعری کا رنگ بہت نکھرا، بنی امیہ کو عربوں کی خصوصیات کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا، اس لیے انہوں نے عربوں کو دوسری قوموں میں ضم نہیں ہونے دیا اور عربی زبان آمیزش سے محفوظ رہی، لیکن اس کے تمدنی اثرات سے وہ نہ بچ سکے اس لیے عربی شاعری بھی اس سے متاثر ہوئی اور عراق و شام کے تمدن اور ان کے باغات و سبزہ زاروں نے عربی شاعری کا رنگ بدل دیا اور اس میں عربوں کے سادہ بدویانہ جذبات اور بے آب و گیاہ صحرا کے خشک اور محدود مضامین کے بجائے بڑا تنوع اور رنگینی پیدا ہو گئی، اور اس دور کی شاعری خیالات کی لطافت و رنگینی کے لحاظ سے عرب جاہلی کی شاعری سے بہت بڑھ گئی، قصائد، تغزل اور تشبیب میں اس کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔

خطابت اس دور کی جماعت بندی سے خطابت کو بھی ترقی ہوئی، اس سے زیادہ تر سیاسی معرکوں اور لڑائیوں میں کام لیا جاتا تھا، چنانچہ اس دور میں متعدد نامور خطیب پیدا ہوئے، حجاج بن یوسف ثقفی اور طارق بن زیاد فاتح اندلس اس دور کے بڑے ممتاز خطیب تھے، حجاج کا وہ خطبہ جو حکومت پر تقرر کے وقت دیا تھا، اور طارق کا اندلس کی فوج کشی کا خطبہ عربی زبان کے بہترین خطبوں میں ہیں۔

کتابت و انشاء اموی حکومت کا دفتری کاروبار بہت وسیع ہو گیا تھا، اور عبدالملک نے عربی کو سرکاری زبان قرار دیا، اس لیے غیر قوموں کے لیے بھی اس کا سیکھنا ضروری ہو گیا تھا، اس لیے ان کے اسلوب انشاء کی آمیزش بھی عربی میں ہوئی، ان اسباب کی بنا پر عربی انشاء میں بڑی ترقی ہوئی اس زمانہ میں حکومت سے لے کر امراء تک کاتب (میر منشی) رکھتے تھے۔ ان کے لیے انشاء میں مہارت ضروری تھی بلکہ انشاء ہی ان کا سب سے بڑا وصف و کمال تھا، اس لیے اس زمانہ میں انشاء نے مستقل فن کی حیثیت حاصل کر لی اور متعدد نامور کاتب پیدا ہوئے، ان میں عبدالملک کے کاتب سالم اور عبدالحمید کے نام زیادہ مشہور ہیں، عبدالحمید کے کمال فن پر یہ مقولہ شاہد ہے کہ "کتابت عبدالحمید سے شروع ہوئی، اور ابن العمید (عباسی دور کا ایک نامور کاتب) پر اس کا خاتمہ ہوا۔

تفسیر تفسیر قرآن کی ابتداء نزول قرآن کے ساتھ ہو گئی تھی' پھر اس میں برابر وسعت ہوتی گئی' اور اموی دور میں اس کے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے' جن کے ذریعہ بڑا تفسیری ذخیرہ جمع ہو گیا' اس دور کے مفسرین میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد رشید عکرمہ' قتادہ بن دعامہ سدوسی' مجاہد بن جبیر' سعید بن جبیر اور حسن بصری زیادہ نامور تھے' تفسیری روایات کا دارومدار زیادہ تر انہی بزرگوں کی روایات پر ہے' ان میں سے مجاہد' حسن بصری' سعید بن جبیر امام باقرؒ اور حضرت علیؓ کے ایک رفیق ابو حمزہ نے تفسیر بھی لکھی تھیں (فہرست ابن ندیم ص ۸۰) آج یہ تفسیریں ناپید ہیں اس لیے ان کی تفسیری حیثیت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا' لیکن قیاس یہ ہے کہ یہ آج کل کی تفسیروں کی طرح پورے قرآن کی مرتب تفسیریں نہ رہی ہوں گی' بلکہ ان میں متفرق آیات کی تفسیری روایتیں یکجا کر دی گئی ہوں گی۔

قرات کلام مجید کی قرات بھی ایک علم ہے' ہر زبان کی طرح کلام مجید کے بعض لفظوں کا تلفظ مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے' جس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا' بعض الفاظ ایک ہی قبیلہ میں دو طرح بولے جاتے یا مختلف قبیلوں میں ان کا تلفظ جدا تھا۔ جیسے مالک یا ملک' یا استحیت یا مستہزؤن ان قراتوں کے واقف کار قراء کہلاتے تھے' قرآن مجید کے مشہور قرائے سبعہ یعنی سات قاری بنی امیہ ہی کے دور میں تھے۔

حدیث سب سے زیادہ ترقی حدیث میں ہوئی' اس زمانہ میں اس کا عام ذوق پیدا ہو گیا تھا' دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں درس حدیث کے حلقے قائم تھے' شائقین ایک ایک حدیث کے سماع کے لیے دور دراز کا سفر کرتے اور ہر خرمن سے خوشہ چینی کرتے تھے' اس کا سب سے بڑا مرکز مدینہ تھا' امام ابن شہاب زہریؒ احادیث کی تلاش میں مدینہ کی گلی گلی کا چکر لگاتے تھے' اور یہاں کے مردوں' عورتوں' بوڑھوں اور جوانوں ہر فرد سے استفادہ کرتے تھے۔ (تہذیب الاسماء نووی ج ۱ ص ۹۱) ابو قلابہ جرمی ایک ایک حدیث کے سننے کے لیے کئی کئی دن تک مدینہ میں مقیم رہتے' (مسند دارمی ص ۷۶) مکحول نے حدیث کی تلاش میں ساری دنیائے اسلام کی خاک چھانی تھی' تابعین میں بکثرت ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے محدثین سے استفادہ کیا تھا' جس کی تفصیل

طبقات و رجال کی کتابوں میں موجود ہے۔

احتیاط یہ تھی کہ پوری تحقیق اور چھان بین کے بغیر حدیث قبول نہ کرتے تھے، عامر بن شرحبیلؒ کا یہ قول تھا کہ حدیث اسی سے حاصل کرنا چاہیے، جو عقل و دانش اور دین و تقویٰ دونوں کا جامع ہو۔ دونوں میں سے ایک وصف رکھنے والا علمؒ کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۳) محمد بن سیرین فرماتے تھے کہ علم حدیث دین ہے، اس لیے اس کو حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب پرکھ لینا چاہیے، جس سے حاصل کرنا ہے۔ (ابن سعد ج ۷، ق ۱ ص ۱۱۴) ابوالعالیہ ریاحیؒ جب تک اصل راوی سے تصدیق نہ کرتے تھے، اس وقت تک اعتکاف نہ کرتے تھے، چنانچہ جو حدیثیں وہ بصرہ میں سنتے تھے، مدینہ جا کر خود راوی اول کی زبان سے اس کی تصدیق کرتے تھے، (ابن سعد ج ۷ ق ۱ ص ۸۳) اس حزم و احتیاط اور تلاش و جستجو سے ان بزرگوں نے احادیث نبویؐ کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا اور اس کو پچھلوں تک پہنچایا، اگر ان کی کوششیں نہ ہوتیں تو حدیث نبوی کا بڑا ذخیرہ برباد ہو جاتا، یوں تو ہر تابعی اپنے علم و استعداد کے بقدر علم حدیث میں دخل رکھتا تھا، لیکن اس میں سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، سالم بن عبداللہ بن عمرؓ، طاؤس بن کیسان، امام شعبی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عطا بن ابی رباح عکرمہ، نافع مولی ابن عمرؓ، علقمہ ابن قیس، قتادہ بن دعامہ سدوسی، مجاہد بن جبیر، محمد بن سیرین، محمد بن مسلم زہری، محمد بن منکدرؒ، مکحول شامی، بڑے محدث تھے، ان کی روایات پر کتب احادیث کا مدار ہے۔

ان بزرگوں نے جس احتیاط سے حدیثوں کو حاصل کیا، اسی احتیاط سے دوسروں تک پہنچایا۔ امام شعبیؒ ایک زمانہ میں اشاعت حدیث کے خیال سے بے تکلف روایت کرتے تھے، لیکن پھر زمانہ کا رنگ دیکھ کر کہنا پڑا کہ گذشتہ صلحاء کثرت روایت کو برا سمجھتے تھے، جو حقیقت مجھ پر بعد میں کھلی، اگر پہلے منکشف ہوئی ہوتی تو میں صرف متفقہ حدیثیں بیان کرتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۲) عبداللہ بن عدیؒ روایت کرنے سے اس قدر گھبراتے تھے کہ اس کے خوف سے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ (ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۵) ابراہیم نخعیؒ روایت میں آنحضرت ﷺ کی جانب نسبت نہ کرتے تھے، ایک شخص نے پوچھا، کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے، جواب دیا کیوں نہیں، لیکن عمرؓ، عبداللہؓ، علقمہؒ اور اسودؒ سے روایت کرنا میرے لیے زیادہ آسان ہے۔ مسعر بن کدام جو بڑے پایہ

کے محدث تھے۔ روایت حدیث کی ذمہ داری سے گھبرا کر کہا کرتے تھے۔ ”کاش حدیثیں میرے سر پر شیشہ کا بار ہوتیں کہ گر کر چور ہو جائیں“ یعنی حافظہ سے محو ہو جاتیں (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۰) علقمہؒ آخری زمانہ میں روایت کرنے میں اتنے محتاط ہو گئے تھے کہ ایک شخص نے آپ سے سنت کی تعلیم کی خواہش کی تو آپ نے جواب دیا کہ تم چاہتے ہو کہ میری پیٹھ روندی جائے۔ (ابن سعد ج ۶ ص ۷۰)

لیکن اگر اس احتیاط کی بنا پر روایت اور تعلیم حدیث کا دروازہ بالکل بند کر دیا جاتا، تو احادیث نبویؐ جن پر دین کا مدار ہے اور جن کی تبلیغ کا حکم ہے، ضائع ہو جاتیں، اس لیے تابعین نے پوری حزم و احتیاط کے ساتھ۔ ان کی حفاظت و اشاعت کا بھی انتظام کیا، درس و تعلیم کے ذریعہ اس کو پھیلایا، بعض نے درس و روایت کے ساتھ انہیں قلم بند بھی کیا اور اس کے مجموعے مرتب کیے، جن کا ذکر جا بجا حدیث و رجال کی کتابوں میں ملتا ہے، بعض جامعین حدیث کے نام یہ ہیں، خالد بن معدان، ان کے پاس حدیثوں کا ایک صحیفہ تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۱) عطاء بن ابی رباح نے تمام مسموعہ حدیثیں قلم بند کی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پڑپوتے عبدالرحمٰن کے پاس ان کی احادیث کا صحیفہ تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۹) سلیمان بن قیس یشکری نے حضرت جابرؓ صحابی کا صحیفہ نقل کیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۱۳) سمرہ بن جندبؓ کے پاس حدیثوں کا ایک مجموعہ تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۱۵) وہب بن منبہ کے پاس حدیث کی بیاضیں تھیں، (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۱۵) خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے امام زہریؒ سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کرایا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۷) ان کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے حدیثوں کے مجموعے مرتب کیے تھے، جن کا ذکر رجال کی کتابوں میں ہے۔

حدیث کی تدوین اور اشاعت میں سب سے بڑا کارنامہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہے۔ آپ نے علماء سے حدیثوں کے مجموعے مرتب کرائے اور ان کی نقلیں تمام ممالک محروسہ میں شائع کیں۔ (جامع بیان العلم و فضلہ ص ۳۸) اس طرح اس زمانہ میں حدیثوں کی تدوین کا آغاز ہوا۔ گو یہ تمام مجموعے دنیا سے ناپید ہو گئے لیکن اس حیثیت سے ان کا افادہ باقی رہا کہ ان کی احادیث بعد کے مجموعوں میں شامل ہو گئیں، حدیث کے حلقہ ہائے درس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

فقہ اس زمانہ میں بیشتر ایک ہی ذات مختلف علوم کی جامع ہوتی تھی، مثلاً اکثر فضلائے صحابہ و تابعین بہ یک وقت مفسر بھی تھے، محدث بھی اور فقیہ بھی، یہی انداز تابعین کے زمانہ میں تھا، اس لیے عموماً جو بزرگ محدث تھے اور جنہوں نے حدیث کی خدمت انجام دی، وہی فقیہ بھی تھے اور انہی کے ذریعہ فقہ کی خدمت انجام پائی، تاہم ان میں سے جو لوگ حدیث کے مقابلہ میں فقہ کا زیادہ ذوق رکھتے تھے، یا ان میں ان کا زیادہ ملکہ ہوتا، وہ فقیہ کہلاتے تھے، مثلاً عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعودؓ، عروہ بن زبیر بن عوام، قاسم بن محمد ابی بکر، سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور خارجہ بن زید، گو ان بزرگوں کو حدیث میں درک تھا، لیکن فقہ کی استعداد اور اس کا ملکہ زیادہ رکھتے تھے اور فقہ میں ان کی ذات مرجع تھی، اسی سے وہ فقہائے سبعہ کے لقب سے مشہور تھے، اور زیادہ تر انہی بزرگوں کے ذریعہ فقہ کی اشاعت ہوئی۔ (ابو الفداء ج اول ص ۲۰۲)

ان کے علاوہ ربیعہ بن فروخ رائی، ابراہیم نخعی، امام شعبی، امام جعفر صادق، عبدالرحمٰن بن ابی سلمیٰ، اور قاضی شریح وغیرہ بھی اسی دور کے نامور فقیہ تھے، جن سے فقہ کا سلسلہ پھیلا۔ ان میں سے بعض نے فقہ پر کتابیں بھی لکھیں، چنانچہ عروہ بن زبیر نے کئی کتابیں لکھی تھیں، پھر احتیاط کی بنا پر جلا ڈالیں۔ جن کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۳ و تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۳) مکحول نے دو کتابیں، کتاب السنن اور کتاب المسائل لکھی تھیں۔ (فہرست ابن ندیم ص ۳۱۸) نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اول الذکر غالباً حدیث میں تھی، اور دوسری فقہ میں، امام زہریؒ کے فتاویٰ تین ضخیم جلدوں میں جمع کیے گئے تھے۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۶)

مغازی و سیرت اسی دور میں تاریخ کا آغاز ہوا اور اس کی ابتداء مغازی اور سیرت سے ہوئی اسلام کی ابتدائی تاریخ انہی دونوں سے عبارت ہے، صحابہ اور تابعین دونوں میں ان کے علماء تھے، تابعین میں عروہ بن زبیر، شرحبیل بن سعد، وہب بن منبہ، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، عاصم بن عمرو بن قتادہ انصاری، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ بن راشد اس فن کے ائمہ تھے، کتب مغازی کا ماخذ انہی کی روایات ہیں، بعض نے ان فنون پر کتابیں بھی لکھیں، کشف الظنون کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغازی اور سیرت پر سب سے پہلی کتاب عروہ بن زبیر نے لکھی تھی۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۴۷۰) لیکن امام سہیلی کے بیان

کے مطابق اس فن پر پہلی تصنیف امام زہری کی ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جس نے اس فن کو سب سے زیادہ ترقی دی، وہ محمد بن اسحاق ہیں، انہوں نے اگرچہ بنی عباس کے ابتدائی دور ۱۵۱ھ میں وفات پائی، لیکن ان کا نشوونما اموی دور میں ہوا، خطیب کا بیان ہے کہ انہوں نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ پھر اس پر کوئی اضافہ نہ کر سکا، انہوں نے سلاطین اور امراء کی توجہ لایعنی قصوں اور حکایتوں سے ہٹا کر تاریخ کی جانب پھیر دی، اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحاق کی کوئی اور فضیلت نہ ہوتی، کہ انہوں نے سلاطین کا مذاق بدل دیا اور ان کی توجہ بے نتیجہ کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ ﷺ کے مغازی اور آپؐ کی سیرت اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب پھیر دی، تو تنہا یہی کارنامہ اور اولیت کا یہ فخر ان کی فضیلت کے لیے کافی تھا، ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں، لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا۔ (تاریخ خطیب ج ۱ ص ۲۱۹)

انہوں نے تاریخ و سیرت اور مغازی پر کتاب السیرۃ و المبتداء و المغازی اور کتاب الخلفاء لکھیں۔ (فہرست ابن ندیم ص ۱۳۶) لیکن یہ سب کتابیں ناپید ہو گئیں، البتہ سیرت میں ابن ہشام کی سیرت کی شکل میں جو زیادہ تر، ابن اسحاق ہی کی روایات پر مشتمل ہے، اب تک موجود ہے اور چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اور سیرت کا نہایت معتبر اور قدیم ماخذ ہے، اسی دور کے ایک اور عالم معمر بن راشد المتوفی ۱۵۳ھ نے کتاب المغازی لکھی۔

(فہرست ابن ندیم ص ۱۳۸)

وہب بن منبہ المتوفی ۱۱۰ھ نے جو مغازی اور سیرت کے ساتھ، عرب کی تاریخ کے بھی عالم تھے، سلاطین حمیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی۔

(شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۵۶)

امیر معاویہؓ کو تاریخ سے خاص ذوق تھا وہ روزانہ عرب کی لڑائیوں، ان کی قدیم تاریخ۔ سلاطین عجم کے حالات اور ان کے طرز حکمرانی، ان کی لڑائیوں، رعایا کے ساتھ ان کی سیاست اور مختلف قدیم اقوام کے عروج و زوال کے حالات سنا کرتے تھے۔ (مروج الذہب ج ۲ ص ۲۲۵) اور اس زمانہ کے ایک مشہور یمنی عالم عبید بن شریہ نے جو ان کو سلاطین عرب و عجم کے حالات، زبانوں کی پیدائش اور مختلف ملکوں میں آبادی کی تاریخ سنایا کرتے تھے، ان کے حکم سے کتاب الامثال اور کتاب الملوک و اخبار الماضین تالیف کیں۔

(برحاشیہ نخ الطیب) اسی دور کے ایک اور مورخ عوانہ بن حکم کلبی المتوفی ۱۴۷ھ نے کتاب التاریخ اور سیرت معاویہؓ لکھی۔ (برحاشیہ نخ الطیب ص ۱۴۷)

ہشام کو علوم و فنون سے دلچسپی تھی' اس نے فارسی کی ایک اہم کتاب جو ایرانیوں کے مختلف علوم' ان کے فرمانرواؤں کے حالات و سیاسی واقعات پر مشتمل تھی' ترجمہ کرایا تھا' یہ کتاب مصور تھی اور مسعودی کی نظر سے گزری تھی' تنبیہہ الاشراف میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (کتاب للتنبیہ والاشراف ص ۱۰۶)

اسی دور میں ایک مشہور شیعی عالم ابو مخنف المتوفی ۱۵۷ھ تاریخ کے بڑے حافظ تھے' اور انہوں نے تاریخ کی بہت سی کتابیں لکھیں' ان کی روایتیں طبری نے بھی تاریخ میں نقل کی ہیں۔ لیکن ان کی بیشتر تصانیف ابتدائی عباسی دور کی ہیں۔

انساب جیساکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے' انساب عربوں کا پرانا علم تھا جو ہر زمانہ میں قائم رہا اور چونکہ بنی امیہ کو عربیت کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا اور ان کی حکومت کے استحکام میں قبائلی عصبیت کو بڑا دخل تھا' اس لیے انہوں نے انساب کی جانب خاص توجہ دی' ان کے دور میں تین بڑے نساب تھے' ابن سیرین' سعید بن مسیب اور محمد بن صائب کلبی' خصوصاً کلبی کا علم نہایت وسیع تھا' اور آئندہ علم الانساب نے جو ترقی کی اس کا بڑا ماخذ انہی کی روایات تھیں۔

لغت اگرچہ فن لغت کی بنیاد خلفائے راشدین ہی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی لیکن اس کی علمی تدوین اموی دور میں شروع ہوئی' اور اس کا آغاز کلام مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں ہوا۔ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کلام مجید کے الفاظ کی تحقیق میں کلام عرب کی طرف رجوع کیا جاتا تھا' اور حضرت عمرؓ نے معلمین قرآن کے لیے عالم لغت ہونا ضروری قرار دیا تھا' اس لیے تابعین نے بھی اس کو بڑی اہمیت دی' مجاہد کا قول ہے کہ لغات عرب کے علم کے بغیر مسلمان کے لیے کتاب اللہ کے بارے میں گفتگو کرنا جائز نہیں ہے۔ (اتقان سیوطی) امام مالکؒ فرماتے تھے کہ جو غیر عالم لغت' کتاب اللہ کی تفسیر کرتا ہے اس کو خدا اس کے لیے وبال جان بنا دیتا ہے۔ (اتقان سیوطی) اس لیے مفسرین قرآن کی توجہ ابتداء سے لغات کی جانب رہی۔ اس کے علاوہ خود اموی خلفاء کو عربی زبان کی تحقیق سے خاص ذوق تھا' اور ان کے دربار میں لغوی مباحثے ہوا کرتے تھے' عبدالملک کو عربی زبان کی ترقی و اشاعت سے

خاص دلچسپی تھی' اس نے عرب کو دفتری زبان بنایا تھا۔ اس لیے وہ ادیبوں سے ادبی مباحثہ کرتا تھا اور ان میں خود شریک ہوتا تھا' اس کے واقعات ادب و محاضرات کی کتابوں میں ہیں اس لیے اس زمانہ میں عربی زبان کی تحصیل و تحقیق کا عام مذاق پیدا ہو گیا تھا' اور زبان و لغت کے جو شائقین عربی میں کمال حاصل کرنا چاہتے تھے وہ اس کی تحصیل و تحقیق کے لیے عرب کی بادیہ پیمائی کرتے تھے' اس دور کے دو بڑے امام لغت تھے' قتادہ بن دعامہ سدوسی المتوفی ۱۱۷ھ اور ابو عمرو بن العلاء المتوفی ۱۵۴ھ' ابو عمرو نے زبان و لغت کی تحصیل کے لیے برسوں صحرائے عرب کی خاک چھانی تھی اور اس کے متعلق بڑا تحریری ذخیرہ فراہم کیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن خلکان تذکرہ ابو عمرو بن العلاء و معجم الادباء ج ۴ ص ۲۱۷) گو یہ ذخیرہ کتابی شکل میں موجود نہیں' لیکن وہ عباسی عہد کی تدوین لغت میں کام آیا۔

اشعار و انساب و لغت عرب' تینوں میں قتادہ کا علم نہایت وسیع تھا' اموی خلفاء ان فنون کی تحقیق میں انہی کی جانب رجوع کرتے تھے۔ (معجم الادباء ج ۶ ص ۲۰۲)

نحو اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت علیؓ کی ہدایت سے ان کے ایک شاگرد ابوالاسود نے نحو کے چند اصولی قواعد مرتب کیے تھے' لیکن پھر ان کے بعد ان کے تلامذہ یحیٰی بن معمر' عنبسہ بن معدان اور میمون بن اقران نے جو اموی عہد میں تھے' اس فن کو ترقی دی اور عیسیٰ بن عمرو ثقفی المتوفی ۱۴۷ھ نے اس فن پر کتاب الجامع اور کتاب المکمل لکھی' (الفہرست ص ۶۲) اسی سلسلہ میں قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائے گئے' عربی خط ابتداء میں معریٰ تھا' اس میں نقطے اور اعراب نہ تھے' مگر اہل زبان عرب آسانی کے ساتھ ان کو پڑھ لیتے تھے' لیکن جب عجمی قومیں مسلمان ہوئیں تو پڑھنے میں غلطی کرتی تھیں' اس لیے حجاج بن یوسف ثقفی نے کلام مجید پر اعراب اور نقطے لگوائے۔

(تفصیل کے لیے دیکھو فہرست ابن ندیم ص ۳ و مابعد)

عربی اور دینی علوم کے علاوہ غیر قوموں کے علوم کے ترجمے اور ان میں تالیف کا بھی اس عہد میں آغاز ہوا اور اس کی ابتداء شاہی خاندان کے ایک رکن یزید بن معاویہؓ کے لڑکے خالد نے کی' وہ بڑا ذی علم تھا' اسے عقلی علوم سے زیادہ دلچسپی تھی' اور فلسفہ اور کیمیا کا خاص ذوق رکھتا تھا اس نے کیمیا پر کئی کتابیں لکھی تھیں' ان میں سے کتاب الحرارۃ' کتاب الصحیفۃ الکبیرۃ' کتاب الصحیفۃ الصغیرہ خود ابن ندیم کی نگاہ سے گذری تھیں۔

(فہرست ص ۳۴۷)

ہشام بن عبدالملک کے کاتب سالم نے ارسطو کے بعض خطوط کا جو اس نے اسکندر کے نام لکھے تھے ترجمہ کیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں ایک اسرائیلی طبیب ماسرجویہ نے اہرن القس کی قرابادین کا عربی میں ترجمہ کیا، لیکن ابن جلل اندلسی کا بیان ہے کہ اس کا ترجمہ مروان کے زمانہ میں ہوا تھا، اور وہ شاہی کتب خانہ میں محفوظ تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عام فائدہ کے لیے اس کو شائع کیا۔ (اخبار الحکماء قفطی ص ۲۱۳)

نظام تعلیم اسلام کی تاریخ میں اگرچہ موجودہ اصطلاحی معنوں میں ایک عرصہ تک مدارس نہیں تھے، اور اس کی ابتداء سلجوقیوں کے دور میں ہوئی، لیکن ابتدائی مکاتب اور حلقہ ہائے درس شروع ہی میں قائم ہو گئے تھے، مکاتب میں معلمین، بچوں کو ابتدائی تعلیم دیتے تھے، جن کا تذکرہ جابجا تراجم کی کتابوں میں ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کے ایک خادم ملتمر ایک مکتب میں عربی زبان کی تعلیم دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں قرآن کے مکاتب قائم کیے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، ابن خلکان نے ابو مسلم خراسانی کے حالات میں لکھا ہے کہ جب وہ سن شعور کو پہنچا تو مکتب میں داخل کر دیا گیا۔

(ابن خلکان ترجمہ ابو مسلم خراسانی)

اس زمانہ میں مدارس کے بجائے علماء کے بڑے بڑے حلقہ ہائے درس تھے، دنیائے اسلام کے جن جن حصوں میں اصحاب علم صحابہ و تابعین موجود تھے، وہاں ان کے حلقہ ہائے درس قائم تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا، جس میں ہر فن کی تعلیم ہوتی تھی، ابو صالح تابعی کا بیان ہے کہ اگر سارا قریش ابن عباسؓ کے حلقہ درس پر فخر کرے تو بجا ہے، اس میں اتنا اژدحام ہوتا تھا کہ آمد و رفت مشکل ہو جاتی تھی، اور اس میں قرآن و حدیث، حلال و حرام، فقہ و فرائض، عربی زبان، شاعری اور ادب و انشاء جملہ علوم کی تعلیم ہوتی تھی اور ان سے متعلق جملہ سوالات کے جوابات دیئے جاتے تھے، مستدرک حاکم میں اس کی بڑی تفصیل ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھو مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۸۳)

اور یہ درس و افاضہ کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ ہر صحابی، تابعی کے علم استعداد کے بقدر اس کے حلقہ درس بھی تھے، اور تمام بڑے بڑے مرکزی شہروں میں

ان کا فیض جاری تھا، جس میں اس دور کے تمام علوم کی تعلیم ہوتی تھی، مدینتہ العلم مدینہ طیبہ میں کئی حلقہ درس تھے، ان میں ربیعہ رائی کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا، اس میں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا، اور مدینہ کے علماء اور عمائد و اشراف سب اس میں شریک ہوتے تھے۔ (تاریخ خطیب ج ۸ ترجمہ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۵۶) امام مالک اور امام اوزاعی، یحییٰ بن سعید انصاری اور شعبہ وغیرہ جیسے علماء اسی حلقہ درس کے فیض یافتہ تھے، حضرت عمرؓ کے غلام اسلم کا حلقہ نہایت وسیع تھا، ایک وقت میں چالیس چالیس فقہاء اس میں شریک ہوتے تھے۔ (تاریخ خطیب ج ۸ ترجمہ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۵۶) ان میں امام زین العابدینؓ جیسے بزرگ بھی تھے، ایک مرتبہ نافع بن جبیر نے ان پر اعتراض کیا، آپ اپنی خاندانی مجلس چھوڑ کر ابن خطاب کے غلام کے حلقہ درس میں شریک ہوتے ہیں، آپ نے جواب دیا۔۔۔ انسان وہیں جاتا ہے جہاں اس کو فائدہ پہنچتا ہے، (تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۲۳۳) اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم کا کوئی مستقل حلقہ بھی تھا۔

عبداللہ بن ذکوان کا حلقہ درس اپنی شان و شوکت میں بادشاہوں کے درباروں کو شرماتا تھا اس میں مختلف قسم کے علوم و فنون کے سینکڑوں طلبہ شریک ہوتے تھے، عبد ربہ کا بیان ہے کہ میں نے ابوالزناد کو اس شان سے مسجد نبوی میں دیکھا ہے کہ ان کے ساتھ اتنا ہجوم تھا کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں، اس میں فرائض، حساب و شعر، حدیث اور مختلف علوم و مشکل مسائل کے طلبہ اور سائلین ہوتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴) لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابوالزناد کے پیچھے بیک وقت مختلف علوم کے تین تین سو طالب علم ہوتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۹)

محمد بن عجلان کا حلقہ درس مسجد نبوی میں تھا، جس میں بڑے بڑے تابعین شریک ہوتے تھے۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۱) قاسم بن محمد ابی بکر کا الگ ایک حلقہ تھا، اس میں وہ طلوع آفتاب کے بعد بیٹھتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۶۰)

حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق، خصوصاً کوفہ تھا، یہاں بڑے بڑے علماء اور ان کے متعدد حلقہ درس تھے، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا حلقہ درس نہایت ممتاز تھا، اس میں صحابہ تک شریک ہوتے تھے اور سماع حدیث کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۱) امام شعبی کا حلقہ درس بھی صحابہ کی موجودگی میں قائم ہو گیا تھا۔ (ابن سعد ج ۶ ص ۲۵۳) مسعر بن کدام

کا بھی حلقہ تھا' جس میں وہ صبح کے معمولات عبادت کے بعد بیٹھتے تھے اور شائقین حلقہ باندھ کر ان سے استفادہ کرتے تھے' (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۸۱) سرزمین شام میں حمص میں خالد بن معدان کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا' لیکن جب وہ بڑھ گیا تو انہوں نے بند کر دیا۔

(ابن سعد ق ا ص ۷ ۱۲)

یہ چند حلقہ ہائے درس مثالاً" لکھے گئے' ورنہ اس قسم کے حلقے دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں تھے جس سرزمین میں کسی صاحب علم کا قدم پہنچ گیا تھا' وہاں اس کا چشمہ فیض جاری ہو گیا تھا' جس سے دنیائے اسلام کا کوئی گوشہ خالی نہ تھا' طبقات و رجال کی کتابوں اور علماء محدثین کے تراجم میں جا بجا ان کا ذکر موجود ہے اس لیے گو اس زمانہ میں کوئی مرتب نظام تعلیم اور اصلاحی درس گاہیں نہ تھیں لیکن ہر صاحب علم بجائے خود ایک مستقل درس گاہ تھا' جس سے شائقین علم فیض یاب ہوتے تھے' اسی طرح تعلیم کا سلسلہ نہایت وسیع ہو گیا تھا' اور ساری دنیائے اسلام میں علمی لہر رواں دواں تھی۔

کتب خانے اسی طریقہ سے اگرچہ بنی امیہ کے زمانہ میں باضابطہ کتب خانے نہ تھے' لیکن کتابوں کے کافی ذخیرے مہیا ہو گئے تھے' چنانچہ حضرت حسن بصریؒ کے پاس کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا جس کو انہوں نے اپنی وفات کے وقت آگ میں جلوا دیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۸۱) ابو قلابہ جرمی کے پاس ایک بار شتر کتابیں تھیں جن کو انہوں نے اپنے مرض الموت میں ایک صاحب علم تابعی ابو ایوب سختیانی کو دے دینے کی وصیت کی تھی۔ (ابن سعد ج ق اول ص ۷ ۱۲) امام ابن شہاب کے پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا ان کا علمی شغف و انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جب وہ گھر میں بیٹھتے تھے تو ان کے گرد کتابیں ڈھیر رہتی تھیں اور وہ ان کے مطالعہ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ ان کی بیوی کہا کرتی تھیں کہ ان کتابوں کا جلاپا تین سوتوں سے بڑھ کر ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ اول ص ۸۱) بنی امیہ کے شاہی خزانۃ الکتب کا ذکر بھی جا بجا ملتا ہے' ہشام بن عبدالملک نے امام زہری سے حدیثوں کا مجموعہ مرتب کرایا تھا اس کو اپنے خزانۃ الکتب میں داخل کر دیا تھا' اسی طریقہ سے وہ قرابادین جو عمر بن عبدالعزیزؒ نے شائع کی تھی' ایک روایت کے مطابق مروان کے زمانہ سے خزانۃ الکتب میں محفوظ چلی آتی تھی۔

اس تفصیل سے اموی دور کی علمی و تعلیمی حالت کا اجمالی اندازہ ہو گیا ہو گا اس دور

کی خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اس زمانہ میں تعلیم و علماء دونوں حکومت کے اثر سے آزاد رہے یہی وجہ ہے کہ امویوں کے استبداد کے باوجود علماء کی حق گوئی اور حق پرستی کی جتنی مثالیں ان کے پاس سے ملتی ہیں اتنی بعد کے کسی زمانہ میں نہیں ملتی اور گو ہر زمانہ میں کم و بیش علمائے حق موجود تھے جن کی حق پرستی خلفاء و سلاطین کے مقابلہ میں قائم رہی' لیکن بعد کے زمانہ میں جب علم خلفاء کی سرپرستی میں آگیا تو ان کی تعداد کم ہو گئی چنانچہ عباسی عہد گو علمائے حق سے خالی نہ تھا' لیکن بہت سے علماء ان کے مصاحب اور ان کی چشم و آبرو کے اشارے کے پابند تھے اس کے برعکس اموی عہد میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور یہ نتیجہ تھا حکومت کی سرپرستی سے علم کی آزادی کا۔ (ابن خلکان ج اول ص ۳۵۱)

مکتبہ رحمانیہ
MAKTABA-E-REHMANIA